حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی سینکڑوں تصانیف سے بہترین انتخاب

تحفۃ العلماء کامل

جلد اوّل

مرتب
حضرۃ مولانا مفتی محمد زید صاحب (انڈیا)

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نام کتاب .... تحفۃ العلماء

مؤلف .... حضرۃ مولانا مفتی محمد زید صاحب (انڈیا)
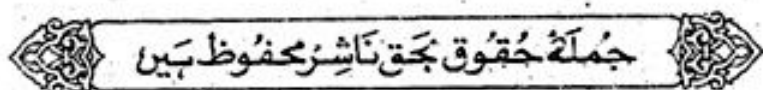
اشاعت اول .... جنوری 2010

تعداد 1100

طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر .... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

021-34594144 Cell: 0334-3432345

ملنے کے پتے

دار الاشاعت . اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ . علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قدیمی کتب خانہ . آرام باغ کراچی

ادارۃ الانور . علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ رشیدیہ . سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ . راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ العارفی . جامعہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد

مکتبہ رحمانیہ . اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید . اردو بازار لاہور

مکتبہ علمیہ . جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

وحیدی کتب خانہ . محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

تعارف وتاثر

حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. اما بعد!

ماضی قریب میں اللہ نے حکیم حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے کاموں میں جو برکت فرمائی ہے اس کی مثال قرون اولیٰ میں بھی خال خال ہی نظر آتی ہے۔ فقہ وفتاویٰ ہوں یا علوم تفسیر، اسرار وحکم ہوں یا آداب ومعاشرت، شرح حدیث ہو یا سلوک وتصوف علم کوکون سا گوشہ ایسا ہے جس میں آنحضرت نے کتابوں کے انبار نہیں لگادیے۔

خاص طور پر مواعظ وملفوظات کا تو اتنا بڑا ذخیرہ امت کے لئے باقیات صالحات کے طور پر چھوڑ گئے ہیں کہ عمر نوح چاہئے اس کی سرسری سیر ہی کے لئے۔

تصانیف تو چونکہ موضوع وار ہوتی ہیں اس لئے ان میں سے مضامین تلاش کرنا آسان ہوتا ہے مگر واعظ وملفوظات کی صورت حال دوسری ہوتی ہے ان میں مضامین موتیوں کی طرح بکھرے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو کسی لڑی میں پرونے کی شدید حاجت تھی تاکہ ان کو عقد الجید بنایا جاسکے۔

مجھے خوشی ہے کہ جناب مولانا محمد زید صاحب مجدھم نے محنت شاقہ برداشت کر کے ان مضامین کو موضوع وار اور عناوین کے تحت جمع کردیا ہے۔ میں نے حضرت قدس سرہٗ کے افادات کا یہ مجموعہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور خوب خوب استفادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو خاص کر علماء، طلباء اور ائمہ دارس کو اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین

کتبہ: سید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری
خادم دارالعلوم دیوبند
۵/۵/۱۴۱۰ھ

تقریظ عالی

حضرت مولانا مفتی محمد عبید اللہ صاحب الاسعدی مدظلہٗ العالی

حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت حق تعالیٰ نے اس اخیر زمانہ میں نابغۂ روزگار بنائی تھی ان سے جتنا کام لیا گیا کم لوگوں سے لیا گیا ایک صدی گذر گئی ہے۔ اور ان کے علوم ومعارف پر کام ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا جو ہوا ہے بعض وجوہ سے کم ہے کہ افادہ عام نہیں ہے حضرت کے ملفوظات پر مختلف انداز میں لوگوں نے کام کیا ہے اور ان کو شائع کیا ہے۔

ہمارے عزیز دوست مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی نے ایک نئے انداز سے ان کو مرتب کر کے ان کی افادیت اور قیمت بہت بڑھا دی ہے۔ سارے مجموعے کو کھنگال کر انہوں نے پورے مجموعے کو باب وار مرتب کر دیا ہے اور ایک باب سے متعلق ملفوظات کو یکجا کر کے گویا ہر علم وفن پر حضرت کی ایک ایک مستقل تالیف تیار کر دی ہے۔

فجزاہ اللہ خیرا عنا وعن جمیع المستفیدین

العبد محمد عبید اللہ الاسعدی

جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

۲۷/۱۰/۱۴۱۰ھ

رائے عالی

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ناظم وبانی جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ (یوپی)

اللہ پاک کا اس امت پر خصوصی کرم اور احسان ہے کہ دور رسالت کے بعد بھی ہر زمانے میں ایسے مصلحین پیدا ہوتے رہتے ہیں جو لوگوں کی جاہلانہ رسومات وعادات اور بدعات وخرافات کے خلاف جہاد کرتے رہتے ہیں انہیں منتخب بندوں میں سے ایک ہستی حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (جامع معقولات ومنقولات متبع سنت عالم باعمل) کی ہے جن کے تجدیدی اور اصلاحی کارنامے انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں مشعل راہ ہیں ان کی پوری زندگی تعلیم وتبلیغ وترویج سنت میں گزری۔ لیکن یہ بھی سنت الٰہی ہے کہ جن بندگان خدا کو منشاء خداوندی اور طریق انبیاء علیہم السلام سے خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے ان کو تکلیفیں بھی بہت پیش آتی ہیں۔ وہ اہل ہوئی وہوس کی طرف سے تکذیب ایذاء، افتراء پردازیوں اور ظالمانہ زبان درازیوں کا نشانہ بھی بنتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ خدا کا یہ تکوینی اور غیبی نظام ہے کہ اللہ پاک اپنے ایسے مخصوص بندوں کی مدد کرتا ہے جس سے مخالفین کی ساری تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں "وکان حقا علینا نصر المؤمنین"۔ حضرت حکیم الامت کی تحریر وتقریر کا بیش بہا خزانہ آج بھی موجود ہے جس سے مخلوق فیضیاب ہو رہی ہے۔

اسی خزانہ کے کچھ انمول موتیوں کو مفتی محمد زید سلمہ مدرس جامعہ ہتھورا نے بہترین ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے جس سے ہر طبقہ بآسانی استفادہ کر سکتا ہے۔ اللہ پاک مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مجموعہ کو ہر ایک کے لئے نافع بنائے۔ آمین

احقر صدیق غفرلہ

خادم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

کلمات بابرکات

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی دامت فیوضہم

خلیفہ اجل حکیم الامت حضرت تھانوی

ماشاء اللہ! بہت خوب کام کیا ہے بے حد خوشی کی بات ہے اس زمانہ میں ضرورت ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات وافادات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔

حضرت کی تعلیمات شریعت کا مغز وجوہر ہیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کی کتابت وطباعت واشاعت کے اسباب مہیا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو استفادہ وافادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔

یک شنبہ ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

دیباچہ

ملفوظات، مواعظ، نصائح، خطبات، مکالمات کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ ان کی ضبط و نقل کرنے کا سلسلہ بھی بہت قدیم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ملائکہ اور باری تعالیٰ کے درمیان جو مکالمہ ہوا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کلام پاک میں نازل فرمایا۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو نصیحتیں فرمائیں رب کریم نے ان نصائح کو بڑے اہتمام سے نازل فرما کر محفوظ فرمادیا۔

انبیاء علیہم السلام کے مواعظ وخطبات جابجا قرآن پاک میں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا سفرنامہ اور مکالمہ بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ حضور ﷺ بھی اس سفرنامہ اور ان دونوں کے سبق آموز ملفوظات سے محظوظ ہوئے حتی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کاش موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے سلسلہ دراز ہوتا اور زائد سے زائد محظوظ ہونے کا موقع نصیب ہوتا۔

سلسلہ اور آگے بڑھا حضور ﷺ کے ہر ہر قول وعمل اور تقریر کو ضبط کر کے امت کے سامنے لایا گیا۔ اس کے بعد نہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ تابعین وتبع تابعین کے اقوال وافعال وآثار کو بھی ضبط کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین کے اقوال وآثار نقل فرما کر ان سے استشہاد فرماتے ہیں، حضرت عطاء، حضرت ابراہیم، ابن سیرین وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے ملفوظات اور ان کی طرف منسوب کردہ اقوال متعدد مواقع میں نقل فرما کر استشہاد فرمایا ہے۔

اسلاف وائمہ اور علماء متقدمین ومتاخرین کی مصنفات پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ تمام ہی علماء نے اپنے بڑوں کے ملفوظات واقوال کو ضبط اور نقل کر کے حسب موقع ان سے استفادہ کیا ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی مؤلفات میں اس طرح کی عبارتیں نظروں سے گزری ہیں جن میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ شیخ نے یہ جواب عنایت فرمایا۔ اور مثلاً فلاح حدیث کی تشریح کی بابت شیخ نے یوں فرمایا۔ دراصل یہ بھی علمی وتحقیقی ملفوظات ہی کی ایک کڑی ہے۔ اور آج بھی علمی دنیا کی یونیورسٹیوں، کالجوں میں علمی وتحقیقی محاضرات ہوتے ہیں جن کو آجکل بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن ملفوظات ومکتوبات کو مستقل فن اور علیحدہ موضوع بنا کر کتابی شکل میں مزین کرنے اور ان کو شائع کرنے کا اہتمام بہت بعد میں ہوا

ہمارے ہندوستان میں یہ سلسلہ بہت پرانا ہے اور اس کی افادیت بعض اعتبار سے اتنی زیادہ عام اور اہم

ہے کہ تصنیفات وتالیفات سے بھی آگے بڑھ کر ہے۔ حضرت مولانا شیخ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”بزرگوں کے ملفوظات اوران کی مجالس کے قلم بند کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے۔ یہ ایک بڑا مبارک اور نہایت دانشمندانہ تصنیفی اقدام تھا۔ ان ملفوظات ومجالس میں جو زندگی و بے ساختگی پائی جاتی ہے وہ قدرتی طور پر علمی تصنیفات اور عام تحریرات میں نہیں ملتی ان سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اس کی توقع بھی لگے بندھے طریقے پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کی جاسکتی۔

یہ حقیقت ہے کہ علمی گفتگو میں دوران تقریر کسی مسئلہ کی ایسی تحقیق ہو جاتی ہے کہ اگر تحریر کے واسطے اس کا حق ادا کیا جاتا تو مشکل ہوتا۔ بظاہر یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے۔

مثال کے طور پر ”نفاذ قضاء قاضي ظاهراً وباطناً“ کے مسئلہ میں ایک عالم صاحب کے جواب میں تحریر فرمایا...... مفصلاً سمجھنا تو اس مسئلہ کی زبانی آسانی ہے۔ اور اخیر میں تحریر فرمایا یہ لکھنے سے سمجھ میں نہ آوے گا۔ کبھی ملاقات کے وقت پوچھ لیجئے ان شاء اللہ اطمینان کرادونگا۔

اس کے بعد عالم صاحب نے ملاقات کی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ کی جو تقریر فرمائی اس کو ضبط کرلیا گیا۔ اور جس کی بابت حضرت نے فرمایا تھا کہ تحریر سے سمجھ میں نہ آسکے گا تقریر اور ملفوظ کے واسطے سے تحریر میں بھی آگئی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے ملفوظات ومواعظ کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ”میرے مواعظ کثرت سے دیکھا کریں اس سے ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا اور جلد ہوگا۔ مواعظ میں خدا کے فضل سے سب کچھ ہے اور ملفوظات مواعظ سے بھی زیادہ نافع ہیں اس لئے کہ ان میں خاص حالت پر گفتگو ہوتی ہے جو طالب کے لئے بے حد مفید ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ محض خانقاہ نہیں بلکہ مختلف شعبوں پر مشتمل گویا ایک ادارہ تھا۔ وہاں ایک طرف مدرسہ بھی تھا جہاں دینی تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری تھا، دارالافتاء تھا جہاں بکثرت فتویٰ نویسی کا کام ہوتا تھا۔

دارالتصنیف والتالیف کا مرکز تھا جہاں سے سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئی۔ عابدین، زاہدین، طالبین، صلحاء، اتقیاء، اہل علم، فقہاء، متکلمین ومناظرین، ادباء وشعراء، صوفیاء وامراء کا ہجوم اور بکثرت آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مجلس خاص وعام کا وقت مقرر تھا جس میں اہل علم فقہاء و متکلمین کے مجمع میں علمی وتحقیقی رشد وہدایت کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے تھے۔

مجلس میں جس موضوع پر علمی وتحقیقی گفتگو کا سلسلہ چل پڑتا وہ ایک انتہائی مفید اور قیمتی سرمایہ ہوتا تھا جس کو ضبط ونقل کرنے کا اہتمام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی میں ہو چکا تھا۔ نقل وضبط کرنے والے اشخاص بھی خواص وعلماء میں سے تھے جن پر بعد میں خود حضرت نے بھی نظر ثانی فرمائی۔

یہ خصوصیت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کو حاصل ہے کہ ان کے مواعظ وملفوظات اس طرح اہتمام کے ساتھ قلمبند ہو کر شائع ہوئے۔ منشی عبدالرحمان خان صاحب فرماتے ہیں۔

''امت محمدیہ میں یہ شرف کسی خطیب کو حاصل نہیں کہ اس کے تمام تر مواعظ ملفوظات قلمبند اور محفوظ ہوں یہ (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی) کی کرامات میں سے ہے۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو مستثنیٰ کر کے اکثر معاصر بزرگوں کے ملفوظات اور ان کی نادر تحقیقات تلف ہوگئیں۔''

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی اہمیت وافادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ معین الدین صاحب ندوی مدیر ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ لکھتے ہیں۔

''حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور مواعظ رشد وہدایت کا گنجینہ، حکمت ومعرفت کا خزانہ اور طالبین دین کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے جن سے خلق اللہ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ ان کے مطالعہ سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اس لئے ہر مسلمان کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور آپ کے اصلاحی کارنامے، مصنفات ومؤلفات، ملفوظات ومواعظ محتاج تعارف نہیں۔

اللہ نے آپ کو ایسا ملکہ نصیب فرمایا تھا کہ جس کسی مسئلہ کی تحقیق فرماتے تو اس کا حق ادا کر دیتے۔ اس انداز سے بیان فرماتے کہ ہر طبقہ اسے تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ استشہاد واستخراج سرعت انتقال کی اللہ نے وہ صلاحیت نصیب فرمائی تھی کہ وقت کے ابن تیمیہ نظر آتے تھے، کسی مسئلہ کی تنقیح اور اس کے اصول ومقدمات بیان فرماتے تو ابن قیم معلوم ہوتے۔ تصوف ومسلک کے مباحث بیان کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جنید وقت وشبلی زبان موتی بکھیر رہا ہے۔ علم عقائد اور مختلف مذاہب کی تردید اور اسلام کی حقانیت بیان کرنے پر آتے تو ایسا لگتا جیسے رازی وغزالی کی زبان بول رہی ہے کسی فقہی مسئلہ کو چھیڑتے تو ایسا لگتا جیسے امام ابوحنیفہؒ کے تمام مجتہدات ومستدلات دلائل عقلیہ ونقلیہ ان کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے کچھ بھی تھے ملفوظات ومواعظ میں صاف آئینہ کی طرح نظر آتے تھے۔ کتنی آیات کی تفسیر اور تفسیری نکات وفوائد ایسے ہیں جو خود حضرت کی تفسیر بیان القرآن میں مذکور نہیں لیکن ملفوظات ومواعظ کے ضمن میں آگئے ہیں کتنی علمی مباحث فقہی تحقیقات ایسی ہیں جن سے خود حضرت

کی مصنفات وفتاویٰ کا دامن خالی ہے۔ لیکن ملفوظات ومواعظ نے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے بچپن ہی سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات خصوصاً ملفوظات ومواعظ کے دیکھنے اور ان سے مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائی۔

میری نظر جب ان گراں قدر بکھرے ہوئے موتیوں پر پڑی اسی وقت ایک خیال مسلط ہوگیا کہ کیوں نہ ان جواہرات کی روشنی سے امت کو روشناس کرایا جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے حضرت کے ملفوظات اور موجیں مارتے ہوئے علمی دریا میں غوطہ لگانے اور مدفون خزانہ میں ہاتھ مارنے کی توفیق نصیب فرمائی۔

میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کرکے ہر موتی کو اپنی صنف میں لاحق کرکے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ تدریجی طور پر کام جاری رہا اور میری بساط کے مطابق مجھے جتنے بھی ملفوظات ومواعظ مل سکے ان سب کا مطالعہ کرکے ہر ہر ملفوظ کو بغیر کسی تغیر وتصرف کے علیحدہ علیحدہ فن وار مرتب کرکے ایک لڑی میں پرودیا حسب موقع تکمیل فائدہ کے لئے حضرت کی تصانیف اور فتاویٰ کا بھی سہارا لیا۔ صرف عناوین کا اضافہ احقر کی طرف سے ہے باقی اصل مضمون حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ہے۔ ہر ہر ملفوظ کے ختم پر ماخذ کا پورا حوالہ بھی درج ہے۔ زیرِ نظر کتاب "تحفۃ العلماء" جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے خدا کی ذات سے امید ہے کہ ہر دینی ادارہ چلانے والے اور عالم دین کو اس سے بڑی رہنمائی ملے گی اور ہر موقع پر ان شاء اللہ یہ مشعل راہ ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ آداب افتاء، استفتاء، الاجتہاد والتقلید، اصول الفقہ، علم الکلام والمناظرہ، ابواب الفقہ، اصلاح معاشرہ، آداب معاشرہ، اصلاح معیشت، تصوف، نصائح، لطائف اور حکایات وغیرہ ہر ہر موضوع پر کام ہوا ہے، جس کو جلدی ان شاء اللہ منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔

اخیر میں اپنے محسنین کا بڑا شکر گزار اور احسان مند ہوں جنہوں نے اس کتاب اور سلسلۃ الذہب کے متعلق ہماری ہمت افزائی اور رہنمائی کی جن میں سے سب سے پہلے قابلِ ذکر سیدی ومرشدی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب دامت برکاتہم ہیں جن کے زیر سایہ پرورش پاکر احقر اس لائق بنا اور جنہوں نے اس سلسلۃ الذہب کے متعلق بھرپور دستگیری فرمائی۔ اسی طرح والد محترم ووالدہ ماجدہ جنہوں نے آنکھ کھولتے اور ہوش سنبھالتے ہی مجھے دینی ماحول میں ڈال دیا جس کے نتیجہ میں اللہ نے مجھے یہاں تک پہنچایا اور جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کا پورا خرچہ برداشت کیا۔ بس اللہ تعالیٰ ہی ہمارے ان محسنین کو دنیا وآخرت میں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ برادر عزیز اقبال احمد سلمہ (حفظہ اللہ) کو اللہ جزاء خیر دے کہ انہوں

نے اس کتاب کی کتابت وطباعت میں بڑی دلچسپی اور انتھک کوشش فرمائی اور انہیں کے مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ وکان سعیہ مشکورا

تمام قارئین سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے پوری امت کو زائد سے زائد فائدہ پہنچائے۔ مدارس کی اصلاح اور فتنوں کے ختم ہونے کا ذریعہ بنائے۔

آمین یا رب العالمین وماتوفیقی الا باللّٰہ"

محمد زید غفرلہٗ
جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

فہرست مضامین

تحفۃ العلماء (حصہ اول)

العلم والعلماء

عنوانات .... صفحات

باب نمبرا

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

فصل نمبر ۳

فصل نمبر ٤

باب نمبر ۲

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

فصل نمبر ۳

فصل نمبر ۴

فصل نمبر ٥

باب نمبر ۳

اختلافات، فسادات، ہنگامہ اسٹرائک

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

باب نمبر ۴

مدارس کے شعبے

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

باب نمبر ۵

اصلاح مدارس

فصل نمبر ۱

باب نمبر ۶

اصلاح العلماء والطلباء

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

فصل نمبر ۳

فصل نمبر ۴

فصل نمبر ۵

فصل نمبر ۶

فصل نمبر ۷

باب نمبر ۷

اہل علم وطلباء کی بدعملیاں اور کوتاہیاں

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

باب نمبر۸

استغناء غیرت خودداری

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

فصل نمبر ۲

باب نمبر ۹

صیانۃ العلماء

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

فصل نمبر ۳

باب نمبر۱۰

باب نمبر۱۱

چندہ کا بیان

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

فصل نمبر ۴

ضمیمہ

فہرست مضامین

استاد شاگرد کے حقوق تعلیم وتربیت کے طریقے

فصل نمبر ۲

فصل نمبر ۳

فصل نمبر ۴

باب نمبر ۲

خدمت کرنے کے طریقے

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

باب نمبر ۳

ساتھیوں کے حقوق

باب نمبر ۴

آداب درس

باب نمبر ۵

مطالعہ کی اہمیت اور اس کا وجوب اور مثال

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

باب نمبر ۶

شاگردوں کے حقوق

باب نمبر ۷

آداب تدریس

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۳

فصل نمبر ۴

باب نمبر ۸
امتحان

باب نمبر ۹
اصلاح وتربیت

فصل نمبر ۲

باب نمبر ۱۰

باب نمبر ۱۱

طلباء اور صحت کا اہتمام

باب نمبر ۱۲

اہل علم وطلباء کے لئے ضروری اور مفید باتیں

علوم وفنون اور نصاب تعلیم

باب نمبر۱
علم کی تعریف وتقسیم

باب نمبر ۲

مختلف نصابوں کی ضرورت اوراس کی تفصیل

فصل

باب نمبر ۳

اردو، دینیات کا نصاب حاصل کرنے کی صورتیں

باب نمبر۴
عربی نصاب کی تلخیص

باب نمبر۵
علوم وفنون

فصل نمبر ۱

فصل نمبر ۲

فصل نمبر ۳

فصل نمبر ٤

فصل نمبر ۵

فصل نمبر ٦

فصل نمبر ۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر ۱

علم کا بیان

فصل ۱

تعلیم و تعلّم کی اہمیت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ ○

(سورۃ التوبہ: آیت ۱۲۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم احکام اور اس کی ضرورت سے تعلیم احکام ایسا اہم فریضہ ہے کہ عین جہاد حقیقی میں مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کی خدمت انجام دے۔ تو اور کسی وقت اس کا اہتمام کیوں نہ واجب ہوگا۔

وجہ ظاہر ہے کہ کوئی طاعت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو وہ معتبر اور مقبول اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ شرعی قوانین کے موافق ہو اور ان قوانین کے موافق ہونا اس پر موقوف ہے کہ جیسے ان کا علم ہو جس کی دو صورتیں ہیں یا خاص طور پر ان کا درس وتدریس یا عام طور پر تعلیم و تبلیغ۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ۔ ص:۱۶۱)

یاد رکھو! محکمہ تعلیم تمام کاموں کی جڑ ہے اگر محکمہ تعلیم نہ رہا تو آئندہ کام کرنے والے کیوں کر پیدا ہوں گے؟ (التبلیغ، ص:۸۳/۱۶)

غرض آپ کو معلوم ہوا کہ علم دین کیا چیز ہے کہ نظام عالم اس پر موقوف ہے۔

(دعوات عبدیت، ص:۶۹/۷)

مشغلہ علم دین کی فضیلت

آج کل مشغلہ علم دین سب سے اچھا ہے دین کی تعلیم سے بہتر آج کل کوئی خدمت نہیں جس کو خدا تعالیٰ علم دے تو اس کے لیے اس سے بہتر کوئی اور مشغلہ نہیں۔ اس کی آج کل سخت ضرورت ہے۔ اور

فضیلت بھی اس کی اس قدر ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے عمل کی ہو۔ جب تک تعلیم کا سلسلہ چلا جائے گا قیامت تک نامہ اعمال میں ثواب بڑھتا جائے گا۔ (حسن العزیز۔ص:۲۰۰/۴)

درس اور وعظ کی ضرورت

دو باتیں خیال میں آتی ہیں یا تو درس و تدریس شروع کریں یا وعظ۔ کہیں دونوں کی ضرورت ہے مناسب یہ ہے کہ مستقل درس کا شغل رہے اور کبھی کبھی وعظ بھی ہوا کرے۔ وعظ زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا نفع عام ہوتا ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۲۷۰/۴)

علماء کی فضیلت

فخر اگر کریں تو علماء کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ خود راہ راست پر ہیں اور دوسروں کے لیے دلیل راہ بنتے ہیں اور مال کو تو اگر غور کیا جائے تو اس کا نہ ہونا موجب فخر ہو سکتا ہے کیونکہ مال کی حالت سانپ کی سی ہے کہ اس کا ظاہر نہایت دلکش، دلفریب، چکنا، چمکدار لیکن اس کے باطن میں مہلک زہر بھرا ہے، اسی طرح مال اگرچہ ظاہر میں آسائش و آرائش راحت و آرام کا سبب ہے لیکن اس کا باطن تمام خرابیوں اور مصیبتوں کی جڑ ہے مال پر فخر کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی اس پر فخر کرنے لگے کہ میرے تمام جسموں پر سانپ لپٹے ہوئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم و للاعداء مال

فان المال یفنی عن قریب وان العلم باق لا یزال

یعنی مال تو فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا۔ علم جس کے ساتھ ہو وہ دنیا بھر سے مستغنی ہے اس کو نہ رفیق کی ضرورت، نہ مونس کی ضرورت، ہر کسی بادشاہ کو بھی وہ خوشی اور اطمینان حاصل نہیں بادشاہ کو اپنے مصاحبوں ہی سے خطرہ ہوتا ہے کہ یہ مجھے زہر نہ دے دیں مار نہ ڈالیں اور عالم کے اطمینان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ تن تنہا جنگل میں ہے مگر محفوظ، بادشاہ سے زیادہ اطمینان میں ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ علم کے ثمرات اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ (دعوات عبدیت۔ص:۳۷/۱۲)

علم کی تعریف

علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا اگر محض الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ معاصی کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے بلکہ کفر کے ساتھ بھی۔ ورنہ بیروت اور جرمن میں عیسائی عربی کے ادیب ہوتے ہیں ان کا حافظہ بھی قوی ہے ذہن بھی تیز ہے، پس معلوم ہوا کہ علم اس کا نام نہیں حقیقت میں علم کی حقیقت نور ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے "قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ" اسی کو روح بھی فرمایا ہے "وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ" بس حقیقت میں یہ چیز علم ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتابیں زیادہ نہیں پڑھی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے قلب میں ایک نور بخشا تھا کہ جس چیز کو بیان کرتے

تھے، بالکل صحیح فرماتے تھے۔ اور اب کسی کو کتنا ہی تجربہ ہو جائے مگر وہ علم نصیب نہیں ہوتا جو امام صاحب ؒ کو حاصل تھا۔ (رسالہ آئینہ مظاہر۔ ص: ۱۷)

قابل فخر علم، علم ایک نور ہے

مگر علم سے مراد یہ نہیں کہ ''قال دراصل قول بود'' جانتا ہو بلکہ علم ایک نور ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ'' (ہم نے علم کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعہ آپ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں) اور اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر چاروں طرف سے اسے تلواروں میں گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ کسی سفر میں تھے دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لیے اترے۔ آپ نے اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی اور درخت کے نیچے سو گئے ایک دشمن نے موقع غنیمت سمجھا اس نے دبے پاؤں آ کر تلوار پر قبضہ کیا اس کے بعد اس کو نہایت آہستگی سے نیام سے نکالا اور آپ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا آپ کو بیدار کیا اور پوچھا کہ ''مَنْ يَّعْصِمُكَ مِنِّيْ؟'' اس وقت آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے اس کی ہیئت دیکھ کر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں فرمائی اور اس سوال کے جواب میں نہایت اطمینان سے فرمایا کہ اللہ یعنی مجھے اللہ بچائے گا۔ بھلا ایسا کوئی کر کے تو دکھا دے۔ بدوں خدا کے تعلق کے کوئی ایسا نہیں کر سکتا تو علم اس کا نام ہے ورنہ نرے الفاظ تو شیطان بھی خوب جانتا ہے۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ علم کامل سے معرفت کامل ہوتی ہے وہ جانتا ہے کہ ''عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ'' (ہو سکتا ہے کہ کسی شئی کو تم برا سمجھتے ہو، لیکن تمہارے حق میں وہ بہتر ہو) اس لیے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے لیے علاج اور کفارہ سیئات ہو رہا ہے، نیز اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم خدا کے ہیں اپنے نہیں، ان کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لیے مناسب سمجھیں، اس میں رکھیں۔

حقیقی علم کا مفہوم اور اس کی فضیلت

یہی ہے حقیقت علم کی جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی ہے وہ فقہ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ'' (جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے) یہ علم حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضور ﷺ تو صحابہ کے ان پڑھ ہونے پر فخر فرماتے تھے۔ ''نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيُّوْنَ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ''۔ (یعنی ہم امی قوم ہیں حساب کتاب نہیں جانتے)۔

بتلایئے صحابہ نے لکھا پڑھا تھا؟ کچھ بھی نہیں بلکہ بعضے تو ان میں دستخط بھی نہ کر سکتے تھے اور بعض صحابہ کو تابعین کے حوالے کر دیتے تھے مگر بایں ہمہ علوم میں وہ سب افضل تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود ؓ صحابہ

کی شان میں فرماتے ہیں ''اعمقهم علما'' کہ امت میں سب سے بڑھ کر صحابہ کا علم عمیق ہے۔ آخر وہ کون سا علم تھا کیا درسی اور کتابی علم تھا ہر گز نہیں بلکہ یہ علم وہی فہم قرآن تھا جو حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا جس میں ان کے تقویٰ سے ترقی ہوتی رہتی تھی۔ اور یہی وہ علم ہے جس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

''میں نے وکیع سے سوء حفظ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھ کو معاصی چھوڑنے کی وصیت کی۔''

آخر وہ کونسا علم ہے جس میں معاصی حائل ہیں کیا وہ کتابی علم ہے ہر گز نہیں۔ کتابی علم تو جس کا حافظہ قوی ہوگا اس کو زیادہ یاد رہے گا۔ ایک فاسق فاجر کو بڑے سے بڑے متقی سے زیادہ قرآن حفظ ہو سکتا ہے بلکہ کافر کو بھی ممکن ہے کہ ہم سے زیادہ مسائل واحادیث یاد ہو جائیں چنانچہ بیروت میں عیسائی ہماری حدیث اور فقہ کے بڑے جاننے والے ہیں اور جرمن کے ایک مدرسہ کا حال ایک شخص نے کسی سیاح سے نقل کیا ہے کہ وہاں علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے کسی کمرہ کا نام ''دار الفقہ'' ہے کسی کا نام ''دار الحدیث'' ہے اور وہاں بخاری ہدایہ وغیرہ سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اور پڑھنے والے اور پڑھانے والے سب عیسائی کافر ہیں۔

تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کتابی علم میں سوء حفظ کی شکایت نہیں امام وکیع کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علوم میں قلت حفظ کی شکایت کر رہے تھے جن میں معاصی کو دخل تھا۔ یہی ہے حقیقت علم اور یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے مجتہدین مجتہد ہوئے ہیں ورنہ وسعت نظر اور کثرت معلومات میں تو ممکن ہے کہ بعض مقلدین مجتہدین سے بڑھے ہوئے ہوں۔

علم و معلومات کا فرق

علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں۔ دیکھو! ایک تو ابصار ہیں اور ایک مبصرات ہیں ان دونوں میں فرق ہے یعنی ایک تو وہ شخص ہے جس نے سیاحت بہت کی ہے مگر اس کی نگاہ کمزور ہے اور ایک شخص نے سیاحت تو کم کی ہے مگر نگاہ بہت تیز ہے تو جس کی نگاہ کمزور ہے اور اس نے سیاحت بہت کی ہے اس کی مبصرات تو زیادہ ہیں مگر کسی مبصر (دیکھی ہوئی شئے) کی پوری حقیقت سے آگاہ نہیں کیونکہ اس نے کسی چیز کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں ہر چیز کو سرسری طور پر یونہی دیکھا ہے۔ اور جس کی نگاہ تیز ہے اور سیاحت زیادہ نہیں کی اس کے مبصرات گو کم ہیں مگر جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس کی حقیقت پر مطلع ہو جاتا ہے۔

بس یہ فرق ہے ہمارے اور حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں کہ ہماری معلومات تو زیادہ ہیں مگر بصیرت قلب زیادہ نہیں اور حاجی صاحب کی معلومات گو قلیل ہیں مگر بصیرت قلب بہت زیادہ ہے اس لیے ان کے جتنے علوم

یں سب صحیح ہیں وہ ہر معلوم کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ہم حقیقت تک نہیں پہنچتے۔

غرض جیسے کثرت مبصرات کا نام ابصار نہیں اسی طرح کثرت معلومات کا نام علم نہیں بلکہ علم یہ ہے کہ ادراک سلیم اور قوی ہو جس سے نتائج صحیحہ تک جلد وصول ہو جاتا ہو یہی ہے۔ حقیقت علم جو فقط پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور اسباب ہیں منجملہ ان کے ایک سبب تو دعا ہے، دوسرا سبب تقویٰ ہے، تقویٰ کے لیے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے۔ تقویٰ اختیار کر کے دیکھ لو۔ الفاظ سے کمالاتِ حقیقیہ کی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ (التبلیغ۔ص:۱۲/۱۳۰)

علم دین مقصود بالذات نہیں اس کے لیے عمل وخشیت لازم ہے

ہماری حالت یہ ہے کہ علم حاصل کرتے ہیں پھر پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اسی کو مقصود سمجھتے ہیں۔ تحصیل خشیت کا اہتمام نہیں کرتے۔ ایسا علم جو خشیت سے خالی ہو، علم ہی نہیں، صاحبو! علم کو میراث انبیاء کہا جاتا ہے تو اب دیکھ لو کہ انبیاء کی میراث کون سا علم ہے۔ کیا انبیاء کا علم بھی نعوذ باللہ ایسا ہی تھا جس میں محض مسائل واصطلاحات کا تلفظ ہو اور خشیت کا نام نہ ہو، ہرگز نہیں، وہاں تو یہ حالت تھی کہ جتنا علم بڑھتا تھا اتنی ہی خشیت بڑھتی تھی۔ حدیث میں ہے کہ ”انا اعلمکم باللہ واخشاکم للہ“ (ترجمہ) میں تم سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں۔ تعلیم وتعلم کو مقصود بالذات سمجھ لینا حد سے تجاوز ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ۔ص:۱۶۰)

حقیقی مولوی اور عالم کی تعریف

مولوی احکام داں کو کہتے ہیں، عربی داں کو نہیں کہتے۔ عربی داں ابوجہل بھی تھا مگر لقب تھا ابوجہل نہ کہ عالم۔ (کلام الحسن۔ص:۵۵)

مولوی سے مراد عالم باعمل ہے جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجئے۔ جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل ہی نہیں ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے۔ مصر، بیروت میں عیسائی، یہودی عربی داں ہیں تو کیا ہم ان کو مقتداء دین کہنے لگیں۔ (تجدید تعلیم۔ص:۳۴)

مولوی اسی کو کہتے ہیں جو مولا والا ہو یعنی علم دین بھی رکھتا ہو اور متقی بھی ہو، خوف خدا وغیرہ، اخلاق حمیدہ بھی رکھتا ہو۔ صرف عربی جاننے سے آدمی مولوی نہیں ہوتا چاہے وہ کیسا ہی ادیب ہو عربی میں تقریر بھی کر لیتا ہو تحریر بھی لکھ لیتا ہو کیونکہ عربی داں تو ابوجہل بھی تھا بلکہ وہ آج کل کے ادیبوں سے زیادہ عربی داں تھا تو وہ بڑا محقق عالم ہونا چاہیے حالانکہ اس کا نام ہی ابوجہل تھا معلوم ہوا کہ صرف عربی داں کا نام مولویت نہیں۔ (التبلیغ۔ص:۱/۱۳۳)

عالم کسے کہتے ہیں

عالم کہتے ہیں متقی، متبع سنت کو کیونکہ مولوی میں نسبت ہے مولیٰ کی طرف یعنی مولیٰ والا، سو جب تک وہ اللہ والا ہے اسی وقت مولوی بھی ہے، لائق اتباع بھی ہے اور جب اس نے رنگ بدلا اسی وقت سے وہ مولوی نہیں رہا نہ قابل اتباع ہے بلکہ اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (التبلیغ۔ص:۱۳۴؍۱)

علم موقوف علیہ اور خشیت کی شرط ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خشیت بدوں علم کے نہیں ہوتی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں علم ہوگا خشیت بھی ضرور ہوگی محض علم سے خشیت کا ہونا ضروری نہیں اس کے لیے تدبیر مستقل کی حاجت ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۷۰؍۷)

بعض مولوی بھی جاہل ہوتے ہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ بعض جاہل مولوی ہوتے ہیں کیونکہ مولوی اصل میں وہ ہے، جو اللہ والا ہو اور اللہ والا آدمی شریعت سے ہوتا ہے۔ مگر آج کل جہاں عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لیں اسے مولوی کہنے لگتے ہیں۔ چاہے اس نے محض معقول و ادب ہی پڑھا ہو۔ اگر معقول پڑھنے سے آدمی مولوی ہو جایا کرتے تو ارسطو اور جالینوس سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ یہ لوگ معقول کے امام ہیں حالانکہ ان کے موحد ہونے میں بھی کلام ہے۔ اور اگر ادب پڑھنے اور عربی گفتگو کر لینے اور تحریر لکھنے سے مولوی ہو جایا کرتے تو ابولہب اور ابوجہل سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئیں کیونکہ یہ لوگ بہت بڑے عربی داں اور فصیح و بلیغ تھے تو محض معقول و ادب سے انسان مولوی نہیں ہو سکتا۔ (التبلیغ۔ص:۲؍۲۱)

عالم اور مولوی کا فرق

اور عالم دین مولوی ہی کو نہیں کہتے بلکہ ان دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر مولوی عالم دین ہے مگر ہر عالم دین مولوی نہیں ہوتا۔ علم دین کبھی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، کبھی پڑھنے سے۔ (دعوات عبدیت حق الاطاعۃ۔ص:۴۳؍۲۰)

﴿فصل ۲﴾

دینی تعلیم کی عمومی ضرورت اور اس کے طریقے

ہر مسلمان طالب علم ہے

ہر مسلمان ہر وقت مسلمان ہونے کی حیثیت سے طالب علم ہے کیونکہ درجہ ایک طلب علم کا ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ ضروریات کا علم ہے یعنی بقدر ضرورت عقائد کا اور احکام صلوٰۃ و صوم اور احکام معاملات و

معاشرت کا علم ہر مسلمان پر لازم ہے۔ نیز اس کی بھی ضرورت ہے کہ دین اور علم دین سے مناسبت پیدا کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرے اور فہم کو بڑھائے اسی کا نام طالب علمی ہے۔ "الحکمة ضالة المؤ من فحیث وجدھا فھوا حق بھا" یعنی علم وحکمت مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے جب اور جہاں کہیں اس کو پائے وہ اس کے زیادہ لائق ہے۔ (التبلیغ۔ص:۲/۷۸)

سب سے پہلے بچوں کو قرآن پاک پڑھانا چاہیے

سب سے اول مسلمان کے بچہ کو قرآن پڑھانا چاہیے کیونکہ تجربہ ہے کہ تھوڑی عمر میں علوم حاصل کرنے کی استعداد تو ہوتی نہیں تو قرآن مفت برابر پڑھ لیا جاتا ہے۔ ورنہ وہ وقت بیکار ہی جاتا ہے۔ اور بعضے لوگ بڑی عمر کے بھروسہ پر کہ یہ خود پڑھ لے گا نہیں پڑھاتے تو مشاہدہ ہے کہ زیادہ عمر ہو جانے کے بعد نہ خیال میں وہ اجتماع (یکسوئی) رہتا ہے نہ اس قدر وقت ملتا ہے نہ وہ سامان بہم پہنچتے ہیں، فکرِ معاش الگ ستاتی ہے اہل وعیال کا جھگڑا الگ چلتا ہے خیالات میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اتنے موانع کے بعد کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ (دعوات عبدیت۔ص:۶/۹۷)

ہندی انگریزی تعلیم سے پہلے دینی تعلیم ضروری ہے

ضروریات کی تعلیم ہونی چاہیے خواہ اردو میں ہو یا عربی میں مگر انگریزی سے قبل ہو کیونکہ پائیدار اثر نقشِ اول کا ہوتا ہے، یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آنکھ کھولتے ہی انگریزی میں ان کو لگا دیا جائے تو اول تو قرآن شریف پڑھاؤ اگر پورا نہ ہو تو دس پارے ہی سہی اور اس کے ساتھ ہی روزانہ تلاوت کا بھی اہتمام رکھو اور اس کے بعد کچھ رسالے مسائل دین کے اگرچہ اردو ہی میں ہوں انکو کسی عالم سے پڑھواؤ لیکن اس کے ساتھ ہی اگر دین کے خلاف کوئی بات پیدا ہو تو فوراً تنبیہ کرو اگر باز نہ آئے تو انگریزی چھڑا دو۔ (عبدیت۔ص:۶/۱۳۹)

عربی دینی تعلیم سے انگریزی تعلیم میں بھی مدد ملتی ہے

اگر ڈاکٹر کسی بچہ کے بارے میں کہہ دے کہ تین برس تک انگریزی نہ پڑھاؤ ورنہ دماغ خراب ہو جائے گا تو آپ مان لیں گے خواہ یہی زمانہ اس کے امتحان اور پاس ہونے کا ہو اور آپ جانتے ہوں کہ اگر یہ تین برس خالی رہے گا تو پہلا پڑھا ہوا سب بھول جائے گا اور آئندہ پڑھنے کی عمر نہ رہے گی مگر اس خیال سے ڈاکٹر کا کہا مان لیں گے کہ تندرستی مقدم ہے۔ اگر پاس بھی ہو گیا اور تندرستی نہ رہی تو نوکری کیسے کرے گا؟ بس اسی طرح سمجھ لو کہ ڈھائی برس کے لیے ہم نے بچہ کو ہسپتال میں یعنی دینی مدرسہ میں بھیجا ہے پہلے اپنی روحانی صحت کو درست کرے پھر جسمانی صحت بھی درست کر لے گا۔

اول تو ڈھائی برس میں دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اتنا وقت تو بسا اوقات لہو ولعب میں غارت

ہو جاتا ہے اور اگر کچھ نقصان بھی ہو تب بھی مسلمان کے لیے تو دین ہی مقدم ہے احکام خداوندی کے سامنے کسی چیز کی بھی وقعت نہیں، پہلے ان کو حاصل کرنا چاہیے پھر اور دوسرے کام۔

(دعوات عبدیت۔ص:۳/۶۹)

اب میں اخیر درجہ میں کہتا ہوں کہ اگر خدا کے لیے عربی نہ پڑھو تو کم سے کم انگریزی ہی کے لیے عربی ضرور پڑھو، توضیح اس کی یہ ہے کہ علوم عربیہ کے پڑھنے سے استعداد میں ترقی ہوتی ہے اور اس استعداد سے انگریزی تعلیم میں بہت مدد ملتی ہے۔ میرے چھوٹے بھائی مرادآباد گئے وہاں ان کی ذہانت کی یہ حالت تھی کہ تمام لوگ متحیر تھے حتیٰ کہ ان کے ماسٹر بھی ان کی ذہانت سے عاجز تھے ایک دفعہ رمضان کا زمانہ قریب آیا ٹریننگ کے لڑکوں نے چاہا کہ کسی حافظ کو بلا کر ایک قرآن سنیں۔ پرنسپل سے پوچھا تو جواب ملا کہ یہ امر جدید ہے، اجازت نہیں ہو سکتی۔ بھائی نے کہا اگر قدیم ہوتا تو اجازت مل جاتی؟ کہا گیا ہاں۔ بھائی نے کہا کہ آپ کے قاعدے سے تو لازم آتا ہے کہ کبھی کوئی امر قدیم پایا ہی نہ جائے (یعنی اس کی اجازت ہی نہ ہو) کیونکہ ہر قدیم کسی وقت جدید تھا اور جدید ہونا مانع اجازت ہے جب اس کی اجازت نہ ہوگی وہ قدیم کب بن سکے گا پرنسپل حیران رہ گیا۔ آخر انہوں نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت کا دارومدار قدیم ہونے پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو تو اس میں کیا مفسدہ ہے پرنسپل نے اجازت دیدی۔ یہ محض عربی کی استعداد کی بدولت تھا۔ کیونکہ اس میں احتمال آفرینی کی استعداد ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر خدا کے لیے عربی نہیں پڑھتے تو اپنی انگریزی ہی کے لیے پڑھ لو۔

(عبدیت۔ص:۲/۹۲)

علم دین حاصل کرنے میں خلوص نہ ہو تب بھی فائدہ سے خالی نہیں

جرات کی بات ہے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ علم دین شروع کرتے وقت اگر نیت عمل کی نہ بھی ہو تو پرواہ مت کرو، علم دین وہ چیز ہے کہ نیت کو بھی ٹھیک کر لے گا۔ علم دین وہ چیز ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ اپنا اثر ضرور کرتا ہے اور اس شخص کو اپنا بنا لیتا ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے فرماتے ہیں۔ "تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی العلم الا ان یکون للہ" یعنی ہم نے علم پڑھا تھا غیر اللہ کے لیے مگر علم نے خود ہی نہ مانا اور اللہ میاں ہی کا ہو کر رہا"۔ مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں خلوص نہ تھا مگر انتہا میں خلوص پیدا ہو ہی گیا۔ اس واسطے میں کہتا ہوں اگر عمل کی توفیق نہ بھی ہو تب بھی علم پڑھتے جاؤ ان شاء اللہ ضرور عمل نصیب ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ علم عربی وہ علم ہے کہ ہر چیز کو اس سے انجلاء ہوتا ہے اخلاق بھی اس سے درست ہوتے ہیں، جب آدمی ہمیشہ فقراء اور اہل اللہ کے قصے اور حالات پڑھے گا تو کب تک اثر نہ ہوگا؟ ہاں یہ خیال رکھو کہ معصیت کا بھی عزم مت کرو، معصیت سے نور علم مٹ جاتا ہے۔ اگر خلوص نہ ہو تو پرواہ نہ کرو لیکن بالقصد معصیت کے پیچھے بھی مت پڑو اور بے باک

مت ہو جاؤ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ سے اپنے حافظہ کی شکایت کی انہوں نے جو جواب دیا اس کو اس طرح نقل فرماتے ہیں۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم فضل من الہ ۔۔۔ و فضل اللہ لا یعطی العاصی

یعنی میں نے اپنے استاذ وکیع سے سوء حفظ کی شکایت کی انہوں نے مجھ کو نصیحت کی کہ گناہوں کو چھوڑ دو۔ کیونکہ علم اللہ کا فضل ہے۔ اور اللہ کا فضل گناہ گار کو نصیب نہیں ہوتا۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۶۹/۳۔ ص:۶/۹۳)

﴿فصل ۳﴾

تعلیم قرآن کی فضیلت

حضور ﷺ نے تعلیم و تعلم قرآن کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے "خیرکم من تعلم القرآن و علمہ" یعنی تم میں بہتر اور افضل وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی مشغولی بہت بڑی طاعت ہے اور جو لوگ اس کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں وہ سب سے بہتر ہیں۔ (التبلیغ۔ ص:۲۱/۲۱۸)

حامل قرآن کی اہمیت

لوگ جن کو اہل اللہ سمجھتے ہیں انہی کی قدر کرتے ہیں چنانچہ درویشوں کی بہت قدر ہے کیونکہ ان کو اللہ والا سمجھا جاتا ہے۔ ان قرآن والوں کو اللہ والا ہی نہیں سمجھتے یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ قرآن کا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا ہے کہ اتنا تعلق کسی چیز کو خدا تعالیٰ سے نہیں۔ ہر چیز کا تعلق خدا سے بواسطہ ہے، اور قرآن کا تعلق بلاواسطہ ہے کیونکہ قرآن کلام اللہ ہے اور کلام کو متکلم سے بلاواسطہ تعلق ہوتا ہے۔

حضور ﷺ اس کلام کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کسی چیز کا اتنا ادب نہ کرتے تھے۔ مگر اس پر بھی ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کر کے آئے اس کی تو تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور حاجی بننے کو بڑی بات سمجھتے ہیں اور جو لوگ قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم وغیرہ میں مشغول ہیں ان کی عظمت حاجی کے برابر بھی نہیں کرتے، اسی طرح جو لڑکا حفظ قرآن سے فارغ ہو اس کو حج کرنے والے کے برابر نہیں سمجھتے۔ حالانکہ قرآن کا درجہ بیت اللہ سے یقیناً بڑھا ہوا ہے۔ بیت اللہ جس کے اشتیاق میں ہم ہمیشہ رہتے ہیں اس سے بھی افضل چیز ہمارے گھر میں ہر وقت رہتی ہے مگر افسوس ہے کہ ہم کو اس نعمت کی قدر نہیں. لوگوں کے ذہنوں میں قرآن کا درجہ ابھی نہیں آیا۔ (التبلیغ۔ ص:۲۱/۲۲۳)

اہل قرآن کا ادب

جب قرآن کے ساتھ ہمارا یہ برتاؤ ہے اور اس کی عظمت ہمارے دلوں میں ویسی نہیں ہے جیسی ہونی چاہیے تو پھر اہل قرآن کی کہاں ہے ہوان کو ہم اپنے سے افضل تو کیا سمجھتے بلکہ حقیر سمجھتے ہیں۔

بھلا اگر کوئی درویش بزرگ تمہارے پلنگ پر پائنتی کی طرف آکر بیٹھ جائے تو کیا تم سے یہ ہوسکتا ہے کہ تم سرہانے چڑھے بیٹھے رہو۔ ہرگز نہیں اول تو تم ان کو دور ہی سے دیکھ کر کھڑے ہو جاؤ گے اور ان کے سرہانے تو ہرگز نہ بیٹھو گے کیونکہ تم ان کو اپنے سے افضل سمجھتے ہو۔

بس اگر اس حدیث "خیر کم من تعلم القرآن و علمه" کے مطابق تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ حافظ قرآن بھی ہم سے افضل ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کا ادب ایسا نہیں کیا جاتا۔ اور اگر ادب نہ کیا تھا تو ان کو حقیر بھی نہ سمجھا ہوتا۔ (التبلیغ۔ص: ۲۱/۲۲۵)

حفظ قرآن پاک کی ضرورت

عقلی قواعد کی رو سے پوچھتا ہوں کہ آیا علوم دینیہ کا باقی رہنا ضروری ہے یا نہیں، یقیناً اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ضروری ہے اور جب ضروری ہے تو چونکہ قرآن ان کا منبع ہے اس کا محفوظ رہنا بھی ضروری ہوگا ورنہ وہ کون سی صورت ہے کہ علم بدون الفاظ کے باقی رہے۔ اگر کہو کہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو سمجھو کہ اگر پڑھنا چھوٹ جائے تو قرآن کا لکھنا اور چھپنا اور فروخت ہونا سب چھوٹ جائے قرآن کہیں بھی دستیاب نہ ہو...... یہ بات اس وقت ہلکی معلوم ہوتی ہے مگر ایک صدی کے بعد آپ دیکھئے کہ کیا حالت ہو اور اگر دستیاب بھی ہو تو صحیح لکھا جانا اور صحیح معلوم ہونا یہ سب اسی تلاوت اور حفظ کی بدولت ہے اگر تلاوت بھی بالکل ترک کر دی جائے اور لوگوں کے ذہن سے قرآن شریف اتر جائے اور پھر کسی لفظ یا آیت میں اختلاف ہو تو کون شخص فیصلہ کرے گا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ علوم دینیہ اگر باقی بھی رہیں تب بھی پڑھنا چھوڑ دینے میں قرآن مجید کی صحت نہیں ہوسکتی۔

بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر حفظ کرنے کا سلسلہ بند ہو جائے اور پڑھنا پڑھانا چھوٹ جائے اور قرآن کے صحیح نسخے موجود ہوں تب بھی صحیح نہیں پڑھے جاسکتے مثلاً (الـر، الم) جب تک کسی پڑھے ہوئے سے نہ پڑھا جائے ممکن ہی نہیں کہ الـر یا اس کی مثل دوسرے الفاظ کو صحیح پڑھ دیا جائے آخر یہ کس طرح معلوم ہوگا کہ تلفظ میں الف، لام، را علیحدہ پڑھے جائیں گے۔ قرآن میں جو جا بجا تلاوت کی فضیلت آئی ہے اور حکم فرمایا گیا ہے اور تلاوت کرنے والوں کی مدح کی گئی ہے کیا یہ سب ترغیب اور حکم محض بیکار چیز پر ہے۔ اگر سب کے سب دو تین ہی سپارے پڑھا کریں تو پھر قرآن کی حفاظت کیونکر رہے گی اور سب ناظرہ ہی پڑھنے لگیں حفظ نہ کریں تو پھر قرآن مسلمانوں کے پاس کیونکر رہے گا کیونکہ اس کی صورت

میں اگر کوئی دشمن قرآن کے سب نسخے مسلمانوں سے چھین کر ضائع کر دے تو مسلمان قرآن سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔
(التبلیغ۔ ص:۲۱۴، ج/۱۰۔ دعوات عبدیت۔ ص:۷۰، ج/۶)

ضرورت حفظ قرآن کی عجیب دلیل

ایک اور دلیل حفظ قرآن کے ضروری ہونے کی بیان کرتا ہوں اور یہ دلیل اس وقت کے مذاق کے اعتبار سے بہت عجیب دلیل ہے اس کے لیے اول دو مقدمے سنئے پہلا مقدمہ یہ ہے جتنی ارضی وسماوی کتابیں ہیں ان میں کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ یاد ہو کر یاد رہ سکے۔ اور اگر کسی نے یاد بھی کر لیا تو بہت بڑے حافظے کی ضرورت ہے اور قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جاتا ہے اور بہت تھوڑی عمر میں لڑکے اس کو حفظ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ میرے ایک دوست نے تین ماہ سے بھی کم میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں عقلاء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نیچر ہر زمانہ میں اس چیز کو پیدا کرتا ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ان کو شرعی اصطلاح میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہر زمانہ میں اس چیز کو پیدا کرتا ہے۔ جس کی ضرورت ہوتی ہے ان دونوں مقدموں کے بعد کہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ مادہ طبیعت میں ودیعت کیا ہے کہ قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جائے معلوم ہوا کہ فطرۃً اس کے حفظ کی ضرورت ہے تو صاحبو اپنے نیچر (فطرت) کی مخالفت نہ کرو۔
(دعوات عبدیت۔ ص:۶/۷۵)

حفاظ وقراء کی فضیلت

حافظ وقاری حق تعالیٰ کے یہاں کس قدر محبوب ومعزز ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے کلام کے پڑھنے والے اور اس کے محافظ ہیں پھر جس شخص کے ساتھ حق تعالیٰ کو محبت ہو اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا۔ ایک دنیا کا حاکم اگر کسی سے بات کر لیتا ہے تو اس کا دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے اور دیکھنے والوں کی نظر میں اس کی عظمت ہو جاتی ہے کہتے ہیں یہ شخص حاکم کا منہ لگا ہوا ہے۔ حالانکہ دنیا کیا اور اس کی حکومت ہی کیا۔ خدا تعالیٰ کی شان تو بہت ارفع ہے سو جس شخص کی خدا تعالیٰ عظمت کریں اس کی عزت کا کیا ٹھکانہ؟ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ حفظ قرآن کتنی بڑی دولت ہے اسی طرح قرأت گو حفظ سے نہ ہو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے۔
(التبلیغ۔ ص:۱/۱۱۵)

حفظ قرآن کی بڑی فضیلت ہے قیامت میں حافظ کی شفاعت سے ایک بڑی جماعت کی بخشش ہو گی اور اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سے آفتاب بھی ماند ہو جائے گا اس سے اندازہ کر لو کہ خود حافظ کی کیا قدر ومنزلت ہو گی اس دولت کو ضرور حاصل کرنا چاہیے جن کے دو چار لڑکے ہوں وہ ان میں سے ایک کو حافظ بھی ضرور بنائے۔ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے کو حکم ہو گا کہ قرآن پڑھتے

جاؤ اور چڑھتے چلے جاؤ۔ جہاں تمہارا قرآن رک جائے وہیں تم رک جاؤ وہی تمہارا درجہ ہے مگر تعلیم یافتہ لوگوں کو اسکول کے درجوں کی ضرورت ہے جنت کے درجوں کی کیا ضرورت؟ اس لیے قرآن پڑھنے کو بیکار سمجھتے ہیں۔ (التبلیغ۔ص:۱۰/۳۱۴)

حفظ کرنے سے کیا دماغ کمزور ہوتا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حفظ کرنے سے دماغ کمزور ہو جاتا ہے اس لیے ہم اپنے بچوں کو حفظ نہیں کراتے کیونکہ کمزوریٔ دماغ کے بعد وہ کسی دوسرے کام کے نہیں رہتے اس کے جواب میں ڈاکٹر کا قول نقل کردینا کافی ہے ایک ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ دماغ صرف قوت فکریہ سے کمزور ہوتا ہے کیونکہ حفظ دماغ کی اصلی ریاضت نہیں وہ صرف زبان کی ریاضت ہے اور دماغ کی ریاضت غور وفکر ہے تو حفظ سے دماغ نہ تھکے گا۔ اگر تھک سکتی ہے تو وہ زبان ہے اور زبان تھکتی نہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ بھی کہی کہ قرآن اس وقت یاد ہو جاتا ہے کہ بچہ اس وقت تک کچھ بھی نہیں کرسکتا یعنی اس کے دماغ میں کسی کام کے کرنے اور غور وفکر کی قابلیت ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر زبردستی اس وقت کسی دوسرے کام میں لگا دیئے جائیں تو مضرتیں اٹھاتے ہیں اور اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ دماغ کمزور ہو جائیگا تو میں کہتا ہوں کہ دماغ کو ساری عمر اپنے لئے صرف کیا جائے اور خدا تعالیٰ کے لئے دو چار سال بھی نہ دیئے جائیں۔

(دعوات عبدیت۔ص:۶/۹۹)

﴿فصل ۴﴾

طلبہ کی قدر، محبت، فضیلت

فرمایا مجھے طالب علموں سے زیادہ محبت ہے مریدوں سے اتنی نہیں۔ مجھ میں طالب علمانہ شان غالب ہے میں اپنے عیوب طالب علموں سے نہیں چھپاتا لیکن یہ نہیں چاہتا کہ مریدوں پر میرے عیوب ظاہر ہوں کیونکہ مریدی کا علاقۂ محبت ذرا سی محبت سے قطع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مبنیٰ اس کا عوام میں اکثر خیال ہے اور وہ بدل گیا۔ اور طالب علمی کا علاقۂ محبت قطع نہیں ہوتا کیونکہ وہ علم کی وجہ سے قائم ہے اور اطلاع عیوب کے بعد بھی علم تو اس شاگرد کا باقی ہے اور علم کے ہونے تک باقی ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۹/۱۳۷)

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے یہاں بڑے عہدہ دار کوئی شخص مہمان آئے جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر دوسرے غریب طلبہ مہمان سے ذرا پیچھے کو ہٹے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ صاحبو! آپ لوگ ہٹ کیوں گئے؟ کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدہ دار میرے ساتھ بیٹھا ہے خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اس کے سامنے اس کی کچھ وقعت نہیں، چنانچہ سب غریب طلبہ کو بھی بٹھلا کر کھلایا۔ (دعوات عبدیت۔ص:۵/۳۳)

علم دین طلب کرنے کی فضیلت

کھانا جسمانی غذا ہے علم روحانی غذا ہے روحانی زندگی علم ہی پر موقوف ہے، علم دین حاصل کرنے میں ایک بڑا نفع یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اس سے حاصل ہوتی ہے۔ جو شخص طلب علم میں مرتا ہے اس کو شہید کا ثواب ملتا ہے حق تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہونے کے واسطے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔

(التبلیغ۔ص:۱۶۹/۲۱)

عربی فارسی کی فضیلت

اگر کہو عربی ہی کی کیا ضرورت ہے؟ تو میں کہوں گا کہ ترجمہ کبھی کامل نہیں ہوسکتا کیونکہ بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ دو وجوہ ہوتے ہیں اور انکی مختلف تفسیریں ہوتی ہیں اب اگر الفاظ کو نہ لیا جائے تو اس کی وہ حالت ہوگی جو کہ آج کل توریت وانجیل کی حالت ہورہی ہے کہ طالب حق کو اصل احکام معلوم ہی نہیں ہوتے، معلوم ہوا کہ اصل الفاظ کا باقی رہنا نہایت ضروری ہے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۶/۷۰)

یہ انتظام ضروری ہے کہ ایک معتد بہ جماعت ایسی بھی ہو جو ہر طرح علوم دینیہ میں کامل ومحقق ہو اور عمر کا بڑا حصہ ان علوم کی تحصیل میں اور ساری عمر ان کی خدمت واشاعت میں صرف کریں۔ جس کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہو قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" تم میں ایک ایسی جماعت کا ہونا لازم ہے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکتی رہے۔ اور حدیثوں میں اصحاب صفہ کی یہی مثال ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ۔ص:۲۱)

یہ فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ہر مقام پر ایک ایسی جماعت موجود ہے کہ ان کی ضرورتوں کو پورا کرسکے تو سب مسلمان گناہ سے بچے رہیں گے۔ ورنہ سب مسلمان گناہ میں شریک ہونگے۔

(تجدید۔ص:۱۹)

علم وعلماء کی فضیلت

"العلماء ورثة الانبياء" علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا: جب میں درگاہ رب العزت میں حاضر ہوا مجھ سے فرمایا گیا کہ کیا مانگتے ہو میں نے عرض کیا" یا رب اغفرلی" اے میرے رب مجھے معاف کردے" ارشاد ہوا کہ اے محمد اگر ہمیں تم کو عذاب دینا ہوتا تو تم کو یہ علم عطا نہ کرتے۔ تم کو ہم نے اپنا علم اسی لیے عطا کیا تھا کہ ہم تم کو بخشنا چاہتے تھے۔

اسی سے بعض نے استنباط کیا ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ خدا کو کیا منظور ہے بجز علماء کے کیونکہ ارشاد ہے۔ "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" اب سمجھ میں آ گیا کتنی بڑی ضرورت اور کیسی فضیلت ہے علم دین کی کہ خدا تعالیٰ بدوں اس کے خوش نہیں ہو سکتے رضاء حق علم دین حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ (حق الاطاعۃ عبدیت۔ص:۱۹/۳۲)

علماء کی ضرورت

میں پوچھتا ہوں کہ آیا علماء کا قوم کے لیے ہونا ضروری ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ پھر اسلام کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بدوں علماء کے اسلام قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ کوئی پیشہ بدوں اس کے ماہرین کے چل نہیں سکتا یہ اور بات ہے کہ تھوڑی بہت دینی معلومات سب کو ہو جائیں اور اس سے وہ محدود وقت تک کچھ ضرورت رفع کریں مگر اس سے اس مقدار ضرورت کا بقاء نہیں ہو سکتا، بقاء کسی شئے کا ہمیشہ اس کے ماہرین سے ہوتا ہے تو ماہرین علماء کی ضرورت ٹھہری۔

پھر یہ ماہرین کیسے پیدا ہوں؟ سو تجربہ سے اس کی صرف یہی صورت ہے کہ ساری قوم پر واجب ہے کہ چندہ سے کچھ سرمایہ جمع کر کے علماء کی خدمت کر کے آئندہ نسل کو علوم دینیہ پڑھائیں اور برابر یہی سلسلہ جاری رکھیں سو عقلاً تو یہ بات واجب تھی کہ ساری قوم اس کی کفیل ہوتی ...... مگر ایک طالب علم بیچارہ آپ ہی ہر مصیبت جھیل کے تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اس کی قدر کرتے بجائے اس کے رہزنی کرتے ہیں کہ عربی پڑھو گے تو کھاؤ گے کیا؟ کیا مسجد کے مینڈھے بنو گے؟ ہاں صاحب دنیا کا کتا بننے سے اچھا ہے۔

عالم کی مثال

عالم کی مثال آفتاب کی سی ہے اس کے طلوع ہوتے ہی نصف کرۂ زمین (پوری زمین کا آدھا حصہ) منور ہو جاتا ہے اور ظلمت بالکل جاتی رہتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیندار عالم ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے تابع بن جائے اس کی صفت یہ ہو کہ "لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ" "اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے"۔ (دعوات عبدیت طریق النجاۃ۔ص:۱۲/۵۳)

دنیاوی امن وسلامتی کے لیے بھی علماء کی جماعت کا ہونا ضروری ہے

" اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا " [الآیۃ]

دعاء دونوں معنی میں استعمال ہوتی ہے اس آیت میں اگر عبادت کے معنی لیے جائیں تب خلاصہ یہ ہوگا کہ اول بھی عبادت کا حکم ہے اور بعد میں بھی اور درمیان میں فساد کی ممانعت ہے جس سے صاف معلوم

ہوتا ہے کہ عبادت نہ کرنا فساد ہے۔ قرآن شریف اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ عبادت کا ترک کرنا موجب فساد فی الارض ہے اور انتظام عبادت کو اصلاح فی الارض فرمایا ہے۔ تو آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عبادت یعنی دین نہ ہونا موجب فساد ہے۔ اب میں اس کو مشاہدہ سے ثابت کرتا ہوں، دین حقیقت میں چند چیزوں کے مجموعے کا نام ہے اور وہ پانچ چیزیں ہیں۔

(۱) عقائد، (۲) عبادات، (۳) معاملات، (۴) آداب معاشرت، (۵) اخلاق باطنی۔

اصلاح فی الارض میں جدا جدا ہر ایک کا دخل ہے مثلاً معاملات کا اثر امن عام میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ معاملہ کے احکام کا حاصل حقیقت یہ ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ کیا جائے پس معاملات کو اتفاق میں بڑا اثر ہے۔

اور مثلاً اخلاق میں جھوٹ نہ بولنا، ہمدردی کرنا، خود غرضی نہ کرنا سب داخل ہے۔ اور یہ اصول تمدن میں بہت بڑی چیز ہے جن پر تمام دنیا کا دارومدار ہے اور واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ اگر یہ اخلاق دو شخصوں میں پائے جائیں جن میں ایک تو توحید و رسالت کا قائل ہو اور دوسرا اس کا قائل نہ ہو تو یقیناً دونوں میں بہت بڑا فرق ہوگا یعنی منکر توحید میں یہ اخلاق محدود العمر ہونگے اس طرح سے کہ جب تک ان اخلاق پر عمل کرنے سے اس کے دنیاوی منافع فوت نہ ہوں ان کے خلاف کرنے سے رسوائی کا اندیشہ ہو اس وقت تو ان اخلاق پر عمل کیا جائے گا اور اگر ایسا موقع آپڑے کہ ان اخلاق پر عمل کرنے سے دنیوی ضرر ہوتا ہو اور ان کے خلاف کرنے میں بدنامی کا اندیشہ نہ ہو تو اس منکر توحید و رسالت کو کبھی ان اخلاق کی پرواہ نہ ہوگی۔ البتہ جو اخلاقی تعلیم کے ساتھ خدا اور قیامت کا بھی قائل ہے وہ اس سے بچ سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں یہاں بچ بھی گیا تو مجھے قیامت میں ضرور ہی خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

اب عمل کا دخل لیجئے سب کو معلوم ہے کہ اخلاق میں بڑی چیز تواضع ہے اس کے نہ ہونے سے تمام عالم میں فساد پھیلتا ہے کیونکہ فساد کی جڑ ہے نااتفاقی اور نااتفاقی تکبر سے پیدا ہوتی ہے اگر تکبر نہ ہو تو نااتفاقی کی کوئی وجہ نہیں تو اتفاق کے لیے تواضع پیدا کرنے اور تکبر کو مٹانے کی ضرورت ہے۔

اور تواضع کی عادت نماز سے خوب ہوتی ہے نفس کا خاصہ ہے کہ اگر اس کو کہیں ذلت نہ سکھلائی جائے تو اس میں فرعونیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نماز میں اول ہی سے اللہ اکبر کی تعلیم ہے، تو جس کے دل میں خدا کی عظمت ہوگی وہ اپنے کو چیونٹی سے بھی مغلوب اور ناتواں سمجھے گا کیونکہ بڑوں کے سامنے ہوتے ہوئے چھوٹوں پر بھی حکومت نہیں رہتی تو اللہ اکبر کی وہ تعلیم ہے کہ اس سے تکبر کی بالکل جڑ کٹ جاتی ہے۔

علیٰ ہٰذا قوت بہیمیہ سے سینکڑوں فساد لڑائی جھگڑے دنیا میں ہوتے ہیں اور روزے سے قوت بہیمیہ ٹوٹتی ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ کے لینے والے کے علاوہ دوسروں کو بھی زکوٰۃ دینے والے کے ساتھ محبت ہوتی ہے دیکھو حاتم طائی سخاوت کی وجہ سے سب کو اس سے محبت ہے اور اتفاق کی جڑ محبت ہے تو زکوٰۃ کو اتفاق میں

کتنا بڑا دخل ہے۔

علی ہذا حج پر غور کیجئے کہ اس میں ساری دنیا کے آدمی ایک شغل میں ایک زمانہ میں ایک مکان میں جمع ہوتے اور تمام سامان تکبر سے خالی ہوکر ایک عظیم الشان دربار میں حاضر ہوتے ہیں جس کو اتحاد و اتفاق میں بہت بڑا دخل ہے چنانچہ وہاں بہت کم حادثے پیش آتے ہیں۔

اب رہی معاشرت سو تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جتنے طریقے ناجائز ہیں وہ سب کے سب وہی ہیں جن سے تکبر ٹپکتا ہے مثلاً ناجائز وضع سے شریعت نے منع کیا ہے۔

ہر چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے اسی طرح اعمال میں بھی ایک خاصیت ہے اور عقائد میں بھی اور معاشرت میں بھی اور وہ یہ ہے کہ ان سب سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے اس کی وہ حالت ہوتی ہے۔

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے لوگ محفوظ ہوں) اب یہ بھی سمجھو کہ اطاعت ایک عمل ہے اور عقلی مسئلہ ہے کہ عمل بدوں علم کے ہو نہیں سکتا تو امن عالم کے لیے علم دین کی ضرورت ہوئی اور اس کے حامل علماء ہیں تو اب بتلاؤ کہ یہ جماعت دنیا میں سب سے زیادہ ضروری ہوئی یا نہیں؟ میں نے کوئی شاعری نہیں کی نہ کسی کی طرف داری کی امید ہے کہ اس بیان سے حقیقت حال منکشف ہوگئی ہوگی۔ (دعوات عبدیت ضرورۃ العلماء۔ص:۸۴،ج/۱۱)

علماء کے وجود سے دنیا قائم ہے

اس سے اس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا "لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض الله الله" یعنی (جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے قیامت نہ آئی گی)۔

اور مختصر وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام طاعت ہے اور کفر بغاوت ہے تو دنیوی سلطنتوں کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی شہر میں باغی زیادہ ہوں تو شہر پر توپ خانہ لگا دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اگر یہی کرتے تو اکثر اوقات توپ لگے ہوتے۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے یہ قانون مقرر کیا کہ اگر کل باغی ہوں مگر صرف ایک غیر باغی ہو تو اس کی بدولت تمام عالم محفوظ رہے گا۔ ہاں جب بغاوت عام ہو جائے اس وقت پھر ہلاکت بھی عام ہوگی۔ (یعنی قیامت آ جائے گی۔ اور یہیں سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ بہت سے لوگ جن کو آپ حقیر سمجھتے ہیں وہ آپ کی بقاء کے سبب ہیں)۔ (دعوات عبدیت ضرورۃ العلماء۔ص:۸۳،ج/۱۱)

قومی ترقی کے لیے علم دین ضروری ہے

افسوس ہے کہ آپ کے ہم وطن ہندوؤں نے تو تعلیم کے اہم ہونے کو محسوس کیا کہ ان میں بکثرت لوگ امتحان سے فارغ ہوکر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک بڑی جماعت سر رشتہ تعلیم (سرکاری تعلیم کا محکمہ) میں داخل ہو اس لیے کہ سب شاخیں اسی کی فرع ہیں تو تعلیم میں دخیل ہونا ذریعہ ہے ترقی قومی کا، مگر ہم

کو اب تک اس کی خبر نہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو عاقل سمجھے ہوئے ہیں۔ تعلیم کی حالت دوسرے کاموں کے مقابلوں میں ایسی ہے جیسے انجن کا پہیہ کہ اس کے چکر پر تمام گاڑیوں کو حرکت ہوتی ہے اگر اس کی حرکت بند ہو جائے تو تمام گاڑیوں کی حرکت بند ہو جائے۔ مگر اس کی ضرورت کا احساس لوگوں کو نہیں ہوتا۔ درس و تدریس سب محکموں کی روح ہے خواہ تقریر ہو خواہ تحریر خواہ تصنیف سب اسی تعلیم کی فرع ہیں مگر اس وقت سب سے زیادہ اسی کو بیکار سمجھ رکھا ہے۔ عام طور سے لوگوں کی نظر میں علماء کی وقعت کم ہے۔

(ضرورۃ العلماء عبدیت۔ ص:۴۹، ج/۱۱)

علماء کرام دنیوی فلاح کا بھی ذریعہ ہیں

میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ دقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء دنیا بھی سکھلاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ تاریخ اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی دنیا دین کے ساتھ درست ہوتی ہے یعنی جب ان کے دین میں ترقی ہوتی ہے تو دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے اور جب دین میں کوتاہی ہوتی ہے تو دنیا بھی خراب ہو جاتی ہے تو جب ہم دین سکھلاتے ہیں معاملات معاشرت اخلاق کو درست کرتے ہیں تو گویا ہم دنیا کی ترقی کی تدابیر بھی بتلاتے ہیں۔ (طریق النجاۃ عبدیت۔ ص:۲۶، ج/۱۲)
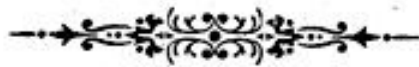
باب نمبر۲

مدارس کا بیان

فصل ۱

مدارس دینیہ بقاء اسلام کی صورت ہیں

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت علوم دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق (زائد کا تصور نہیں) متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں کیونکہ اسلام نام ہے خاص عقائد و اعمال کا جس میں دیانات، معاملات و معاشرات اور اخلاق سب داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم پر اور علوم دینیہ کا بقاء ہر چند کہ فی نفسہ مدارس پر موقوف نہیں مگر حالات وقت کے اعتبار سے ضرور مدارس پر موقوف ہے۔

(حقوق العلم: ص/۸۴، تجدید تعلیم و تبلیغ: ص/۲۶)

مدارس دینیہ کی اہمیت

فرمایا: جیسے جیسے آزادی اور الحاد و بے دینی پھیلتی جارہی ہے اسی طرح میرے خیال میں مدارس دینیہ

کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ (حکیم الامت۔ص:۱۰۱)

تبلیغ واشاعت کے لیے مدارس بہت ضروری ہیں

یہ شبہ نہ ہو کہ جب انبیاء علیہم السلام نے مدرسہ نہیں بنایا تو بیکار ہیں۔ یہ بیکار نہیں ہیں یہ نماز کے لیے بمنزلہ وضو کے ہیں کہ جس طریقہ سے نماز کے لیے وضو ضروری ہے اسی طرح تبلیغ واشاعت کے لیے مدارس کا وجود ضروری ہے۔ (التبلیغ۔ص:۲۰/۲۳)

مدارس کی ضرورت کیوں پیش آئی

وہاں تو مدارس کی اس لیے ضرورت نہ تھی کہ علوم کا محفوظ رہنا عادۃً ان پر موقوف نہ تھا۔ علوم سماع (سننے) سے محفوظ تھے اور رات دن انکی تبلیغ واشاعت ہی سے کام تھا۔ مگر اب نہ تو سلف کا سا تقویٰ رہا، نہ حافظہ رہا اگر ایسے ہی رہنے دیا جاتا تو یہ اطمینان نہ تھا کہ سنے ہوئے مسائل یاد رہیں گے۔ دوسرے تقویٰ کی کمی سے دیانت بھی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ اس حالت میں یہ بھی اعتماد نہ تھا کہ جو نقل کرتا ہے یہ ٹھیک بھی ہے یا اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی کر رہا ہے جب یہاں آثار ظاہر ہونے لگے تو سلف صالحین کی توجہ ہوئی کہ دین ضبط کرنا چاہیے، چنانچہ حدیثوں سے احکام مستنبط کر کے مدون کر دیئے کہ احکام سمجھنے میں گڑبڑ نہ ہو تو تبلیغ واشاعت کے لیے علم صحیح کی ضرورت تھی اور اس کے محفوظ رہنے کے لیے کتابوں کے لکھے جانے کی ضرورت ہوئی پھر یہ ضرورت ہوئی کہ ایک باقاعدہ جماعت ہو جن کا کام صرف اس طریق سے دین کی حفاظت ہو اس کے لیے پڑھانے والوں کی ضرورت ہوئی۔ اور اس کی ایک تو یہ صورت تھی کہ جہاں موقع مل گیا کسی سے پوچھ لیا راستہ میں کسی سے ایک سطر کسی سے دو سطر حل کر لیں تو اس طرح باقاعدہ تحصیل نہیں ہو سکتی اس لیے مستقل جماعت کی ضرورت ہوئی کہ وہ ہر وقت اسکے لیے تیار رہیں جو ان سے پوچھنے آئے اسے قاعدہ سے بتائیں پھر اس جماعت کے لیے سامان فراغ کی ضرورت ہوئی کہ کھانے پینے رہنے سہنے کا ان کے لیے کافی انتظام ہو اس طرح مدارس کی ضرورت پیدا ہوگئی۔

(الدعوۃ الی اللہ للتبلیغ۔ص:۲۳،۲۴/۲۰)

مدارس کا مقصود اور غرض وغایت

مہتممین اور منتظمین کی ظاہری حالت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بس مدرسہ سے عزت اور جاہ مقصود ہے کیونکہ مدرسہ نہ رہا تو اہتمام اور حکومت نہ رہے گی۔ بھلا جب خدا اور رسول کی رضامندی ہی حاصل نہ ہوئی تو مدرسہ کا وجود و عدم سب برابر ہے بلکہ بعض اعتبار سے عدم ہی بہتر ہے۔ میرے عزیزو! تم کیوں پریشان ہوتے ہو مدرسہ مقصود نہیں رضامندی حق جل وعلا مقصود ہے۔ اس کے بہت سے طرق ہیں منجملہ ان کے ایک مدرسہ بھی ہے۔ اگر مدرسہ رہے کام کیے جاؤ اور اگر نہ رہے کسی اور جگہ بیٹھ کر کام کرنا۔

جب مدرسہ کا اجراء اشاعت دین و رضائے خدا کے واسطے ہے تو حدود سے آگے قدم نہ بڑھانا چاہیے حق کی شان ہے "الحق یعلو ولا یعلی" دل میں یہ پختہ نیت کرلو جب تک یہ کام حدود شرعیہ کے تحت میں رہے تو کریں گے اور جس دن نہ رہا اسی دن چھوڑ دیں گے۔ (ملفوظات۔ص:۴۷)

اس (حضرت تھانوی کا مدرسہ مراد ہے) مدرسہ کے متعلق میرے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ طالبین خدا کے ہو جائیں عالم اصطلاحی بنانا منظور نہیں ہے امتحان کے اچھے برے ہونے پر مجھے خیال نہیں ہوتا اگر کوئی کوتاہی کرے گا خدا کے یہاں مواخذہ دار ہوگا۔ (حسن العزیز۔ص:۱۸۰ج ۲)

علمی کمال اور استعداد کے نہ ہونے کے باوجود مدرسہ میں پڑا رہنا فائدہ سے خالی نہیں

مدارس اسلامیہ میں بیکار پڑے رہنا بھی انگریزی میں مشغول ہونے سے لاکھوں کروڑوں درجے بہتر ہے اس لیے گو لیاقت اور کمال حاصل نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو خراب نہ ہوں گے۔ اور مسجد کی جاروب کشی اس وکالت اور بیرسٹری سے بہتر ہے جس سے ایمان متزلزل اور خدا اور رسول، صحابہ اور بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو جو انگریزی کا اس زمانہ میں اکثر بلکہ لازمی نتیجہ ہے۔ ہاں جس کو دین کے جانے کا غم نہیں وہ جو چاہے کرے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ۔ص:۷۸)

اختلافات وفسادات کے باوجود مدارس کا وجود غنیمت اور ضروری ہے

جتنے مفاسد اور لکھے گئے (تنافس، تحاسد، تصادم، تباغض وغیرہ) ان سے ان مدارس کو بیکار نہ سمجھا جائے اس حالت میں بھی ان سے جو کچھ دین کا نفع ہے اس کے اعتبار سے ان کا وجود نہایت غنیمت اور ضروری ہے۔ اس حال میں (بھی) سب مسلمانوں پر ان کی خدمت واجب ہے البتہ اصلاح میں حتی الوسع سعی کریں۔ (حقوق العلم۔ص:۹۱)

اس حالت میں یہ بھی رائے نہیں دونگا کہ مدرسہ موقوف کردیا جائے مدرسوں کا وجود خیر عظیم ہے یہ موقوف نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے مگر اعتدال سے تو نہ گزرے۔ (حسن العزیز۔ص:۵۰۹/۱)

نام کے مدارس بھی کام کے اور ضروری ہیں

عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسے تو اب نام ہی کے رہ گئے ہیں ان سے کچھ نفع نہیں حضرت نے فرمایا کہ نہیں صاحب میں بالکل اس کے خلاف ہوں مدارس کا وجود خیر کثیر اور بڑی برکت کی چیز ہے۔ اس پر مجھے شیخ سعدیؒ کی حکایت بہت ہی پسند ہے۔ لکھا ہے کہ ایک شہزادہ کے تاج کا لعل (ہیرا) کسی شکار گاہ میں کھو گیا اور رات کا وقت ہو گیا تھا تلاش سے نہیں ملا اس نے خدام کو حکم دیا کہ یہاں کے سب کنکر وپتھر جمع کر کے لے چلو اطمینان سے تلاش کر لینا چنانچہ انہیں میں سے لعل نکل آیا اسی طرح ان مدارس میں ایسے ایسے لوگ نکل آتے ہیں جو سارے دین کا کام سنبھال لیتے ہیں۔

(مزید المجید۔ص:۴۹)

خدا نہ کرے کہ وہ دن بھی آئے کہ یہ مدرسے بھی نہ رہیں

فرمایا آج کل اکثر مدارس میں عمارتیں بڑی بڑی مگر اصل علم و عمل مفقود ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ بھی غنیمت ہے جو کچھ ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے خدا نہ کرے وہ دن آئے جب یہ لوگ بھی نہ ہوں ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا ایسا وقت بھی آئے گا۔ فرمایا کہ ضرور آئے گا مگر اس میں بھی ایک جماعت اعلاءِ کلمۃ الحق کرتی رہے گی۔ (الافاضات۔ ص:۲/۲۱۶)

فصل ۲

مدارس کی اعانت کرنا

عوام مدارس کے محتاج ہیں

میں نے میرٹھ میں جلسہ میں کہا تھا کہ تم علماء کو اپنا محتاج سمجھتے ہو تو ان کو دینا بند کر دو جلسہ کر کے سب لوگ اتفاق کر کے اپنی امداد روک لو، الحمد للہ ہم کو کچھ پرواہ نہیں ہم میں سے کچھ چاول کی دکان کرلیں گے، کچھ آٹا دال کی، کچھ اور چیزوں کی مگر اس حالت میں تم اپنی اولاد کی فکر کرو پچاس سال بعد تمہاری اولاد کا کیا حشر ہوگا؟ کچھ یہودی ہوگی، کچھ نصرانی، کچھ آریہ...... معاذ اللہ کیونکہ ان آفات سے مانع تعلیم ہے اور اس صورت میں علماء تعلیم کے لیے فارغ نہیں ہونگے۔ (کلمۃ الحق۔ ص:۴۷)

مدرسہ کی عمارت (دار الطلبہ) کی فضیلت

انفاق مالی مصارف کا فیصلہ یہ ہے کہ مفید انجمنیں، مدرسے، مسجدیں وغیرہ ہیں سب ضروری مگر جس وقت جو مصرف زیادہ ضروری ہو وہ زیادہ قابل توجہ ہے اس وقت دار الطلبہ کی بڑی ضرورت ہے۔ اس دار الطلبہ کے باب میں حدیث میں ہے۔" اوبیتا لا بن السبیل بناہ " یعنی اگر چہ وہ ابن السبیل فاسق ہو۔ (یعنی مسافر خانہ بنایا ہو اگر چہ مسافر فاسق ہو) پھر بھی اس کے لیے گھر بنانے میں ثواب ہوگا۔ چہ جائیکہ وہ طالب علم ہوں جو کہ اضیاف (مہمان) ہیں رسول اللہ ﷺ کے اور پھر یہ بھی نہیں کہ یوں ہی سکوت رکھیں بلکہ " قال اللہ و قال الرسول "کا شغل رکھیں کہ اس کے برابر کوئی شغل ہی نہیں، حدیث میں ہے "الدنیا ملعون وما فیھا ملعون الا ذکر اللہ وما والاہ او عالم او متعلم" دنیا ملعون ہے اور اس میں جو کچھ بھی ہے وہ سب ملعون ہے سوائے ذکر اللہ کے اور سوائے معلم اور طالب علم کے یا اس کے متعلقات کے تو علم دین ذکر اللہ بھی ہے اور اس میں عالم اور متعلم بھی جمع ہیں۔ (تجارت آخرت۔ ص:۶۹)

مدرسہ واہل مدرسہ کی اعانت کرنا صدقہ جاریہ ہے

کوئی صاحب قلیل کثیر کا خیال نہ کریں یہ صدقہ جاریہ ہے جتنا ہو سکے اس کی شرکت کو غنیمت سمجھیں اور صدقہ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس

وقت کوئی ایسی سبیل ہو کہ کوئی ایک شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ہی کہہ کر بخش دے بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی احتیاج ظاہر کرتے ہیں۔ یہ صدقہ جاریہ اس وقت کام دے گا۔

نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کیے جائیں گے اور دیکھے گا کہ میرے پاس کافی نیکیاں نہیں اس وقت جب ورق الٹا جائے گا تو دیکھے گا کہ کسی جگہ بخاری شریف کا ثواب لکھا ہوا ہے۔ کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا۔ اگر آج سے ہزار سال بعد قیامت آئے اس وقت تک جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی مرتبہ مسلم شریف پڑھادی جائے گی، برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہے گا اور قیامت کے روز انتہائی پریشانی کے وقت ان شاء اللہ تعالیٰ کہا جائے گا کہ تم نے جو دارالطلبہ کی مدد کی تھی، آج اس کی بدولت تم کو ثواب کی پوٹری کی پوٹری مل رہی ہے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ یا دو روپے دینے میں کیا عظیم نفع حاصل ہوا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آتی ہے۔

(تجارتِ آخرت۔ ص:۱۷)

اہل مدارس کی اعانت کرنا عوام پر لازم ہے

آپ ان کا خیال رکھیں آپ کے ذمہ ان کی خدمت ضروری ہے کیونکہ وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، دین کی حفاظت سب مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے تو یہ سب مسلمانوں کا کام ہے۔

جو لوگ علم دین کی تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے ہیں وہ سب مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ کو ادا کر رہے ہیں اگر یہ لوگ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں تو پھر یہ کام ہر شخص پر فرض ہو جائے اور اگر کسی نے بھی اس کام کو انجام نہ دیا تو سب گنہگار ہونگے، لوگوں کو ایسے مدارس کے مہتممین کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ کہ انہوں نے اس فرض کفایہ سے سب کو سبکدوش کر رکھا ہے۔

پس یہ تو ثابت ہو گیا کہ جو لوگ علم دین میں مشغول ہیں وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اور تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ علم دین کے ساتھ کسب معاش کا کام نہیں چل سکتا اور اگر کوئی ایسا کرنا بھی چاہے تو اس کو علم دین کامل طور پر حاصل نہ ہوگا، ایک آدمی ایک زمانہ میں ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن کے لیے پورے انہماک کی ضرورت ہو۔ اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ ملائیے کہ شریعت کا قانون ہے کہ جو شخص کسی کام میں محبوس ہو اس کا نفقہ اسی کے ذمہ واجب ہے جس کے کام میں وہ محبوس ہے چنانچہ قاضی کی تنخواہ سب مسلمانوں کے ذمہ اسی لیے ہے کہ وہ ان کے کام میں محبوس ہے بیت المال سے ملنا گویا سب مسلمانوں کے پاس سے ملنا ہے۔ اسی قاعدہ سے اہل علم کا نفقہ سب مسلمانوں کے ذمہ ہے ان کو خود ان کی خدمت کرنا چاہیے اگر ہم خدمت نہ کریں۔ گے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ہمارے نزدیک تعلیم و تعلم کی کچھ وقعت نہیں۔

(التبلیغ۔ ص:۲۳۸/ ج:۲۱)

جس وقت تک بیت المال منتظم تھا۔ بیت المال سے وصول ہو جانا عام مسلمانوں سے وصول ہو جانے کی صورت تھی۔ چنانچہ فقہاء نے قضاۃ وعلماء ومفتیین وامثالہم کی کفالت کا بیت المال میں سے ہونا تصریحاً لکھا ہے اور جب سے بیت المال منتظم نہیں رہا، اب اس کی صورت صرف یہی ہے کہ سب مسلمان متفق ومجتمع ہو کر تھوڑا تھوڑا سب ان حضرات کی خدمت بطور کفالت کریں خواہ مدرسہ کی شکل میں جس میں تنخواہیں اور وظیفے مقرر ہوتے ہیں۔ خواہ توکل کی صورت میں جس میں کوئی مقدار معین نہیں جب اس کا انتظام قوم پر واجب ہے تو اگر انکی خدمت میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی۔

(اصلاح انقلاب طبع جدید۔ص:۲/۱۹۳)

مدارس میں اعانت کی ترغیب اور اس کی صورتیں

جو شخص جتنا کام کر رہا ہے غنیمت سمجھو کیونکہ وہ فرض کفایہ ہے وہ تم سب کی طرف سے کر رہا ہے سو جن باتوں میں تمہاری ضرورت ہے ان میں تم بھی شریک ہو جاؤ...... مثلاً:

۱۔ جو صاحب وسعت ہیں وہ اس طرح شرکت کریں کہ کچھ طالب علم یہاں باہر کے بھی ہیں وہ صرف طلب علم کے لیے آئے ہیں انکی امداد میں بڑی فضیلت ہے ان سے مدرسہ کی رونق ہوتی ہے۔ مدرسہ میں اگر گنجائش بھی ہو تو ثواب کے لیے ایک ایک آدمی کا کھانا اپنے ذمہ کرلیں یا دو دو آدمی ایک کا کھانا کرلیں یا بعض غرباء کی طرح سات آدمی ہفتہ بھر میں نوبت بنوبت کھانا دیں غرض اہل بستی کوئی مشورہ کر کے کوئی طریق مقرر کرلیں۔ (طلب العلم دعوات عبدیت۔ص:۹/۱۵۸)

۲۔ آسان تدبیر یہ ہے کہ روزانہ جب کھانا پکانے بیٹھو تو آٹے کی ایک چٹکی نکال کر علیحدہ کسی برتن میں ڈال دیا کرو۔

۳۔ اسی طرح جب روپے کے پیسے لو تو اس میں سے ایک پیسہ نکال کر مدرسہ کے لیے رکھ دیا کرو اس میں بستی کے ہر ایک شخص کو شریک کرو۔ (دعوات عبدیت ازالۃ الغفلۃ۔ص:۱۰/۱۲۵)

۴۔ جو پردیسی طلبہ تعلیم وتعلم میں مشغول ہیں ان کے کھانے کپڑے کا انتظام جو لوگ صاحب وسعت ہیں وہ ایک طالب علم کا کھانا بھیج دیا کریں طلبہ سے یہ مت کہو کہ وہ تمہارے گھر پر آکر کھانا کھالیا کریں۔ اس میں ان کی تحقیر ہے بلکہ تم اپنے ملازم یا اپنے لڑکے کے ہاتھ ان کے لیے کھانا بھجواؤ۔

۵۔ جب گرمی جاڑے میں اولاد کے واسطے کپڑے بناؤ ایک دو جوڑا طلبہ کے واسطے بھی بنا دو پہلے زمانہ میں سلاطین (بادشاہ) ان کی خدمتیں کرتے تھے جس سے ان میں حرص وطمع کا مادہ پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ بے مانگے سب کچھ مل جاتا تھا اور عزت کے ساتھ ملتا تھا۔ (التبلیغ۔ص:۲۱/۲۲۷)

طلبہ کی امداد کرنے کی فضیلت

طالب علم کو کھانا کھلانا یا امداد کرنا کثیر الثواب ہے اگرچہ صورۃً عبادت نہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو

معلوم ہوگا کہ کس قدر ثواب ہے مثلاً آپ نے ایک طالب علم کو کھانا کھلایا جس نے بدل ما تخلل کا کام دیا اوراس نے مطالعہ وحفظ سبق کی قوت پیدا کی اوراس قوت سے اس نے کام لے کر ایک سبق یاد کیا اوراسی طرح مسلسل سات آٹھ برس تک یہ کرتا رہا اوراس مدت میں فراغت حاصل کر کے اس قابل ہوگیا کہ دین کی خدمت کرے اوراس نے دین کی خدمت شروع کردی پس یہ خدمت اسی مدد اور طعام کی بدولت ہے جو آٹھ برس تک اس کو پہنچتی رہی اوراس خدمت دین کا ثواب ان سب لوگوں کو ملے گا جو اس کی امداد میں شریک رہے۔ لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے اوران کے پاس جب کچھ روپیہ جمع ہوجاتا ہے اوران کو خدا کی راہ میں دینے کا کچھ خیال پیدا ہوتا ہے تو مسجد بنواتے ہیں۔ (دعوات عبدیت۔ص:۹/۵۳)

مدارس میں یا طلبہ کو کتابیں دینا

لوگ قرآن کے وقف کرنے کو بہت ثواب سمجھتے ہیں (فقہ کی کتاب) ہدایہ وقف کرنے کو کوئی ثواب نہیں سمجھتا اگرچہ لینے والا قرآن پڑھے بھی نہ۔ کیونکہ قرآن اس قدر طبع ہوگئے ہیں کہ کوئی ان کو پڑھتا بھی نہیں۔ ہر عمل اپنے آثار اور غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے۔ ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہیے لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۹/۵۶)

مدارس کی ہر طرح اعانت کرو اور علماء کے زمرہ میں شامل ہوجاؤ

خود پڑھو، دوسروں کو پڑھاؤ اس میں مدد کرو علماء کے زمرہ میں شامل ہوجاؤ" الدال علی الخیر کفاعله" نیک کام کا بتانے والا بھی کرنے والے کے حکم میں ہوتا ہے، بتادینا ذرا سی امداد ہے جب اس کا یہ حکم ہے تو پوری امداد کرنے والے کا حکم ظاہر ہے روپے سے مدد کرو، بہت سے کام ایسے ہیں کہ روپے سے ہوتے ہیں اس میں روپے سے شریک ہو اگر کسی کے پاس روپے نہ ہوں اور ہاتھ پاؤں سے بھی مدد نہ دے سکے تو دعا سے مدد کرو کہ اللہ میاں اس میں سعی کرنے والوں کی مدد فرمائیں۔ یہ تو کہیں نہیں گیا اس سے تو کوئی بھی معذور نہیں غرض ہر طرح کی مدد کرو اوراس کا خیال رکھو کہ آپس میں اختلاف نہ کرو، سب مل کر خلوص سے کام کرو۔ یہ قرآن شریف کی خدمت ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۳/۷۰)

عوام کو اگر مدرسہ والوں پر کسی قسم کا اعتراض ہو تو اس کی اصلاح کا طریقہ

آج کل تو یہ مرض ہے کہ چندہ دے کر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہم مدرسہ کے مالک ہیں اور جو لوگ اس خیال سے بچنا چاہتے ہیں بسا اوقات ان کو بھی رائے دیتے وقت اشتباہ ہوجاتا ہے کہ عیب جوئی کو نصیحت سمجھتے ہیں پھر نصیحت کی صورت میں عیب جوئی میں پڑجاتے ہیں اس سے بچنے کا طریقہ بتائے دیتا ہوں کہ آپ کے نزدیک جو بات قابل اعتراض ہو اس کو علی الاعلان پھیلاتے نہ پھریئے۔ خلوت میں مہتمم یا کسی مدرس پر ظاہر کیجئے پھر یہ انتظار نہ کیجئے کہ ہمارے کہنے کے موافق ہی ہوجائے اس طرح آپ ناصحین میں

شمار ہونگے اور عیب جوئی سے بچ جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ رائے دو اور انتظام میں دخل نہ دو۔ مدرسہ کو اللہ میاں کا کام سمجھ کر کرو اپنا مت سمجھو یہ وہ گر ہے کہ اس کا سب لوگ خیال کریں تو کوئی بھی خرابی پیدا نہ ہو۔

(دعوات عبدیت حقوق القرآن۔ص:۳/۶۰)

اعانت کر کے مدرسہ میں دخل اندازی مت کرو

آج کل یہ بھی خبط ہو گیا ہے کہ ہر چندہ دینے والے کا یہ حوصلہ ہے کہ میری رائے کیوں نہیں لی جاتی۔ میں انضباط قواعد کا راز بتائے دیتا ہوں کہ ہر شخص کی رائے لینا کیوں مناسب نہیں۔ سنئے دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں ایک آلات وذرائع دوسرے مقاصد، مقاصد مقصود بالذات ہوتے ہیں اور آلات ذریعہ ہونے کی وجہ سے مقصود ہوتے ہیں۔ خود مقصود نہیں ہوتے یہ صرف اس واسطے ہیں کہ درس کا انتظام رہے گا تو گویا یہ درس کے آلات ہیں اور مقصود اصلی درس ہے۔ اب میں ایک مثال میں پوچھتا ہوں کہ بڑھئی کا کام جاننے والا بڑھئی کے اوزاروں کی تعداد اچھی طرح جان سکتا ہے یا کوئی بہت پڑھا لکھا قابل آدمی؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بڑھئی ہی جان سکتا ہے۔ بس افسوس ہے کہ بڑھئی کے آلات کے انتخاب کے لیے تو بڑھئی کی ضرورت ہے اور دیگر بڑے بڑے علوم کی قابلیت کچھ کام نہیں آئی اور علم دین کے انتخاب کے لیے علماء کی ضرورت نہیں اور ہر چھوٹے سے چھوٹے علم کی قابلیت رکھنے والا اس میں رائے دینے کے لیے کافی ہے علماء کو ان کے کام میں انکی رائے پر چھوڑ دو، وہی درست کرتے ہیں وہی اس کی ضروریات کو سمجھ سکتے ہیں۔ قواعد کے انضباط میں ہر کس وناکس کی رائے محض اس وجہ سے کہ چندے میں شریک ہے لینے کی ضرورت نہیں۔

(دعوات عبدیت حقوق القرآن۔ص:۴/۵۴)

فصل ۳

مدرسہ میں بنیاد ڈالنے کا طریقہ

تم اپنا کام شروع کردو، لڑکے لے کر بیٹھ جاؤ اور پڑھانا شروع کردو کہا کہ حضرت! کیا ویرانہ میں پڑھانا شروع کردوں؟ فرمایا ہاں، ویرانہ ہی میں لڑکوں کو۔ ا، ب، ت پڑھانا شروع کردو جب کوئی پوچھے کہہ دو کہ اتنا ہی ہمارے اختیار میں تھا وہ ہم نے کرلیا آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے بس آپ اپنا کام کیجئے اللہ تعالیٰ عمارت بھی بنوا دے گا اور مدرسہ بھی جاری کرا دے گا۔ (القول الجلیل)

مدرسہ شروع کرنے کا آسان طریقہ

ایک سہل ترکیب آپ کو بتلاتا ہوں کہ جو کام شروع کرنا ہو اتنا شروع کیجئے جو آپ اپنی ذات سے کر

سکیں۔تم لوگ یہ کرتے ہو کہ اول ہی سے کام کو بڑے پیمانہ پر اٹھاتے ہو اس کے لیے لابدی (یقیناً) زیادہ اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے مجبوراً ناگوار کوششیں تم کو کرنا پڑتی ہیں۔

کام کو چھوٹے پیمانہ پر شروع کرو جب کام شروع ہو جائے گا اور دوسرے دیکھیں گے خود بخود تمہاری مدد کریں گے۔ دیکھئے اسلام کا کام بھی یوں ہی ترقی پذیر ہوا۔ اگر اسلام کا کام متعارف ضابطے سے ہوتا تو کم از کم ایک جماعت تو ہوتی حالانکہ وہاں صرف ایک تن تنہا حضور اکرم ﷺ کا مبارک دم تھا خدا تعالیٰ اسلام کی ترقی کو بیان فرماتے ہیں "کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ" تو اسلام کی ترقی ہمیشہ یوں ہی ہوئی ہے۔

(دعوات عبدیت فضائل علم۔ص:۶۳/۷)

اگر خدا کا کام کرنے کھڑے ہوئے ہو تو

اگر خدا کا کام کرنے کھڑے ہو تو اس طرح کرو جس طرح خدا نے بتایا ہے نہ کسی پر بار ڈالو نہ پالیسی سے کام لو بس سیدھے سادھے الفاظ میں ضرورت کو بیان کر دو پھر اگر واقعی خدا کا کام ہے تو نہ مسجد رکے گی نہ مدرسہ رکے گا اور اگر خدا کا کام نہیں یا خدا کے واسطے نہیں بلکہ محض تمہاری نفس کی خواہش اور غرض ہے تو اس کا پورا نہ ہونا ہی اچھا ہے۔ (التبلیغ کساء النساء۔ص:۸۶/۷)

جوش سے کام نہ کرو

یاد رکھو جوش سے کام نہیں چلتا بلکہ ہوش سے کام چلتا ہے پس جوش اور ہنگامہ کی ضرورت نہیں ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا وہی طریقہ ہے کہ جس سے جتنا ہو سکے بس اللہ کا نام لے کر شروع کر دے نہ انجمن کی ضرورت نہ سیکرٹری کی بس دو چار دس پانچ آدمی جتنے متفق ہو سکیں کام شروع کر دیں اور کوئی متفق نہ ہو تو اکیلے ہی کام شروع کر دو ہاں کسی عالم سے مشورہ کرتے رہا کرو۔

(التبلیغ التواصی للحق۔ص:۹۳/۱۶)

ناکامی کے اسباب

آج کل انجمن کے قوانین اور عہدیداروں کی فہرست میں تو رجسٹر سیاہ کیے جاتے ہیں مگر کام نہیں ہوتا ہم کو کام کرنا چاہیے جتنا جس سے ہو سکے بڑے پیمانہ کی فکر نہ کرو چھوٹے ہی پیمانہ پر کام شروع کر دو۔ ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو کام کرتے ہیں، ٹیپ ٹاپ سے ورنہ کچھ نہیں کرتے۔ آج کل مشکل یہ ہے کہ کام تو شروع نہیں ہوتا اور پہلے ہی سوجھتی ہے کہ اس تجویز کو اخبار میں شائع کرائیں۔ اشتہار چھپوائیں کیا یہ ریا نہیں ہے؟ کیا ریاء وغیرہ ممانعت نہیں وہ ممانعت کس کے لئے ہے؟ کیا یہ احکام کفار کے واسطے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ مسلمانوں ہی کو ریاء وغیرہ سے منع کیا گیا۔ ہے۔ ذرا دل کو ٹٹول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ بجز شہرت اور نام کے کچھ مقصود نہیں۔

آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام میں ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے جس کام میں جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جس کام میں جتنا زیادہ ہنگامہ ہوتا ہے جو لوازم اجتماع سے ہے وہ جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے۔ بقاء اسی کام کو ہوتا ہے جو تدریج کے ساتھ بڑھے اور اعتدال کے ساتھ چلتا رہے۔

جو لوگ ابتداء ہی سے بڑی لمبی چوڑی تجویزیں کرتے اور انجمن اور عہدہ دار مقرر کرتے اور جلسے کرتے ہیں ان سے کچھ کام نہیں ہوتا چار دن کے بعد سب باتیں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ لیکن آج کل کچھ مزاج ایسا بدلا ہے کہ اظہار واشتہار اور ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے۔

(التبلیغ تواصی بالحق۔ص:۱۶/۹۲)

مدارس کی ترقی کا راز

۱۔ چھوٹے ہی پیمانہ پر کام شروع کرو بڑے پیمانہ کی فکر بھی نہ کرو۔ یاد رکھو ابتداء ہر کام کی کمزور اور معمولی ہوتی ہے ترقی تدریجاً ہی ہوتی ہے حق تعالیٰ نے اس عالم میں اپنے افعال کو بھی تدریجاً ہی ظاہر کیا ہے کہ اول نطفہ قرار پاتا ہے پھر نو ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ نشو ونما ہو کر پندرہ برس میں لڑکا بالغ ہوتا ہے حالانکہ حق تعالیٰ قادر ہیں کہ ایک ہی منٹ میں سب کچھ کر دیں خدا تعالیٰ کا یہ نمونہ ظاہر کرنا اور تدریجاً افعال کرنا ہماری تعلیم ہی کے لیے تو ہے کہ تم ابتدائے عمل کے ساتھ ترقی عروج کے طالب نہ بنو بلکہ چھوٹے پیمانے پر کام شروع کرو۔ رفتہ رفتہ عروج وکمال بھی حاصل ہو جائے گا۔ انجمن کا نام کرنے اور عہدہ داروں کے مقرر کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، نہ اشتہاروں اور اخباروں میں چھاپنے سے کچھ ہوتا ہے۔ فائدہ کام کرنے سے ہوتا ہے چاہے تھوڑا ہی ہو۔ (التبلیغ۔ص:۱۶/۸۷)

۲۔ یاد رکھو! ہر کام میں ترقی انتظام سے ہوتی ہے اور جو کام جماعت کے متعلق ہو اس میں انتظام اتحاد واتفاق سے ہوتا ہے جب سب کام کرنے والے متفق ہوں اس وقت ترقی ہو سکتی ہے مگر ہمارے بھائیوں کا سارا انتظام تقریروں اور تحریروں تک ہوتا ہے تجویزیں بہت لمبی لمبی اور خوشنما ہوتی ہیں مگر جب کام شروع کریں گے تو اس بے انتظامی سے جو چار دن بھی نہ چل سکے۔

(التبلیغ تقلیل الطعام ص:۲۲/۶۱)

فصل ۴

مدرسہ کا مہتمم عالم دین ہونا چاہیے

فرمایا مہتمم مدرسہ عالم ہونا چاہیے جاہل سے اہتمام کا کام نہیں ہو سکتا۔ میں جب کانپور مدرسہ فیض میں تھا اس وقت وہاں کے ایک مہتمم بے علم تھے ایک طالب علم شرح ماۃ عامل پڑھتا ہوا مدرسہ میں آیا میں

نے مہتمم سے کہا اس کی روٹی مقرر کردیجئے اس نے کہا یہ کیا پڑھتا ہے میں نے کہا شرح ماۃ عامل، کہا کیا یہ حدیث کی کتاب ہے؟ اس سے ان کے جہل کا اندازہ کرلیجئے بھلا ایسا شخص جماعت اہل علم کا کیا انتظام کریگا۔ (کلمۃ الحق۔ص:۴۶)

مہتمم کے اوصاف

مدرسہ علمی کا مہتمم عالم باعمل ہونا چاہیے جو علم کے سبب سے بھلے برے کو سمجھتا ہو کیونکہ ناواقف ہونے کی صورت میں طلبہ کی جرأت بڑھتی ہے اور جو عالم ہوگا وہ سب باتوں کو سمجھے گا اور طلبہ پر اس کا دباؤ ہوگا یا اگر مہتمم عالم نہ ہو تو کم از کم علماء باعمل کی صحبت میں رہا ہو۔ ہر بات کو سمجھتا ہو یہ نہ ہو کہ نہ عالم ہو نہ صحبت یافتہ ہو۔ (التبلیغ خیر المال للرجال۔ص:۶۰/۲۷)

بشرط اہلیت بانی مدرسہ کا خاندانی عالم نظامات کا زیادہ مستحق ہے

فرمایا جب مجھ کو معلوم ہوا کہ مولوی طیب صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو نائب مہتمم مقرر کیا جارہا ہے تو میں نے اس تجویز میں یہ قید بڑھادی کہ بشرط اہلیت میرے قلب میں یہ بات آئی کہ مولوی طیب ہی کو مہتمم ہونا چاہیے دووجہ سے...... وجہ اس کی وہی جو حدیث "الائمۃ من قریش" کی وجہ ہے اور وہ وجہ وہ ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اسلام سے اوروں کا محض مذہبی ہی تعلق ہے اور قریش کا خاندانی بھی تعلق ہے کہ نبی اس خاندان کے ہیں تو ان کو اسلام کی حمایت دووجہ سے ہوگی۔ اسی طرح حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ کے خاندان کو مدرسہ سے دو تعلق ہونگے۔ (القول الجلیل۔ص:۴۷)

نااہل کو کوئی منصب عطا کرنا

حدیث میں آیا ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة " کہ جب دینی خدمت نالائقوں اور نااہلوں کے سپرد ہوجائے تو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ آج کل یہی حالت ہے کہ نااہل کے ذمہ کام سپرد کرتے ہیں اور اہل کے ذمہ اس واسطے سپرد نہیں کرتے کہ ان کے کرتے پاجامے پھٹے ہوئے ہیں، وضع قطع غیر مناسب ہے ایسے لوگوں سے ہماری مجلس کی بے قدری ہوگی۔

آج کل تو بس لباس دیکھا جاتا ہے جس کے کپڑے اچھے ہوئے اسی کو لیڈر اور سیکرٹری بنالیا جنہیں کام کا طریقہ بھی معلوم نہیں۔ محض نکمے لوگ انجمنوں کے منتظم ہوتے ہیں آج کل ایسے منتظمین بہت ہیں اور جو جی میں آتا ہے کرنے لگتے ہیں آج کل کے کام کرنے والوں کی یہ حالت ہے اسی کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ "اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة" (حالانکہ) حضور ﷺ نے تو ضعفاء (کمزوروں) کو پہلے متوجہ کیا تھا اور ہم ذی اثر لوگوں کو پہلے لیتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ کے انتخابات سے ضعفاء

کا مرتبہ پہلے ہے۔ (کیونکہ) ضعفاء میں باطنی قوت، ہمت، برکت، خلوص بنسبت اقویاء کے زیادہ ہوتا ہے۔
(مظاہر الاموال۔ص:۶۵۵۔اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۶)

کیسوں کو منصب اور عہدہ نہیں دینا چاہیے

۱۔ اسلام کی تعلیم ہے اور ہم بڑے فخر کے ساتھ اس کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں "طالب التولیۃ لا یولی" منصب کے طالب کوئی منصب نہ دو۔ کوئی قوم اس حکم کی نظیر پیش کرے انشاءاللہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ تعلیم نہ ملے گی۔ آج کل ساری دنیا کے بادشاہوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ طلب کرنیوالوں ہی کو عہدے دیتے ہیں ہر عہدہ کے لیے ان کے پاس سینکڑوں درخواستیں پہنچتی رہتی ہیں انہی میں سے کسی ایک کو عہدہ مل جاتا ہے۔

(لیکن) شریعت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص عہدہ کا طالب ہو اس کو ہرگز مت دو کیونکہ خود غرض ہوگا۔ (مظاہر الاموال۔ص:۵۷۲۔ص:۷۷ ملحقہ حقیقت مال وجاہ)

۲۔ حضرت عمر ؓ کی رائے یہ تھی کہ اپنے عزیزوں کو نوکر (ملازم) نہ رکھنا چاہیے چنانچہ ایام خلافت میں آپ نے کسی عزیز (رشتہ دار) کو عہدہ نہیں دیا۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۱۳۸)

منصب دینے میں چند باتیں دیکھنا چاہئیں

منصب عطاء کرنے میں چند امور کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ جس کو وہ منصب دیا گیا ہے اس میں اس منصب کی اہلیت (صلاحیت) ہو تا کہ وہ اس کے فرائض کو بخوبی انجام دے سکے، دوسرے یہ کہ وہ منصب عطاء کنندہ (یعنی منصب دینے والے کا) پورا مطیع و تابع دار ہو۔

مثلاً اگر بادشاہ کسی کو وائسرائے بنا کر بھیجے تو وہ دو باتوں پر نظر کرے گا ایک یہ کہ اس کو انتظام ملکی کو سلیقہ اعلیٰ درجہ کا ہو دوسرے یہ کہ اس میں گورنمنٹ کی اطاعت پوری پوری ہو مخالفت اور بغاوت کا شائبہ بھی نہ ہو کوئی بادشاہ ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیا کرتا جس میں ذرا بھی مخالفت و بغاوت کا احتمال و شائبہ ہو۔

اگر کوئی شخص وائسرائے میں قابلیت انتظام کی کمی کا عیب نکالے یا اس کی وفاداری پر اعتراض کرے تو حقیقت میں یہ اعتراض بادشاہ پر ہوگا کیونکہ اسی نے اس کو یہ منصب دیا ہے پس اعتراض کا حاصل یہ ہوگا کہ بادشاہ نے ایک ناقابل یا مخالف گورنمنٹ کو وائسرائے بنایا ہے۔

اور وائسرائے پر اعتراض کرنے میں ممکن ہے کہ کسی وقت معترض حق بجانب بھی ہو کیونکہ شاہان دنیا کا علم محیط نہیں۔ اس لیے ان سے انتخاب میں غلطی ہو جانا بعید نہیں۔ (دین و دنیا۔ص:۵۷۱)

مصلحتاً کسی مدرس یا ملازم کو معزول کرنا

جب کسی عامل اور اس کے محکومین (ماتحت و تابع خواہ مدرس و ملازم ہوں یا طلبہ) کے درمیان اگر

توافق نہ ہو تو عامل کو علیحدہ کر دینا مصلحت کا تقاضہ ہے گو کچھ بھی خطاء نہ ہو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قصہ جو بخاری شریف میں آیا ہے اس پر شاہد ہے۔ جس کا مختصر حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محکومین نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور تحقیق کے بعد وہ شکایت ثابت نہ ہو سکی، لیکن باقتضاء مصلحت اور طبائع میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معزول فرمادیا۔

(ملفوظات خبرت۔ ص:۲۷۔ ۳)

منتظمین ومہتممین کو ہدایت

مہتممین اپنی خدمات منصبیہ کو حق اللہ سمجھیں اور ان کو نہایت خلوص کے ساتھ بجالائیں خلوص کے دو جز ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی، باطنی تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو عبد (بندہ) اور حق تعالیٰ کو مولیٰ سمجھ کر احکام کی تعمیل کریں۔ اور ظاہری یہ ہے کہ اپنے آپ کو حاکم نہ کہیں بلکہ خادم کہیں وہ نام تک اختیار نہ کریں جن سے حکومت اور ترفع پایا جائے، آج کل یہ بھی ایک خبط ذہنوں میں سما گیا ہے کہ کام چاہے جتنا ذرا سا شروع کریں گے مگر عہدے اور خطابات بڑے بڑے اختراع کر لیتے ہیں کوئی سیکرٹری بنتا ہے کوئی ایجنٹ ہوتا ہے۔

(دعوات عبدیت حقوق القرآن۔ ص:۶۲۔ ۳)

مدرس باہری رکھنا چاہیے

ایک مولوی صاحب اپنے لوگوں سے اس لیے اختلاف کرتے ہیں کہ ہم جا بجا نوکری تلاش کرتے پھرتے ہیں اور یہ مدرسہ والے باہر کے آدمیوں کو تو رکھتے ہیں اور ہم کو نہیں رکھتے۔ میری تو اب یہی رائے ہے کہ مدرس بستی کے نہ رکھے جائیں بلکہ باہری رکھے جائیں میں نے ایک مرتبہ طلبہ کے متعلق یہ سمجھا کہ جیسے باہر کے طلبہ کا وظیفہ ہوتا ہے ایسی ہی بستی کے طلبہ کا بھی وظیفہ ہونا چاہیے یہ بھی تو مستحق ہیں چنانچہ اس پر عمل کیا مگر قواعد کی رو سے بعض طلبہ کے وظائف بند کرنے کی ضرورت پیش آئی تو دس آدمی انکے حامی کھڑے ہو گئے تب میں یہ سمجھا کہ بزرگوں کی باتوں میں دخل دینا ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے بزرگوں نے جو باتیں مقرر کی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔

(ملفوظات جدید ملفوظات۔ ص:۵۵)

فرمایا کہ بستی کے آدمی سے وفا کی امید بہت کم ہوتی ہے اس لیے ملازم رکھے تو باہر کا آدمی رکھے۔

(مجالس حکیم الامت۔ ص:۲۸۷)

مدرسہ میں کیسے لوگوں کو نہ رکھے

میں ایک ایسے شخص کو مدرسہ میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو ضرر پہنچے۔ بعض لوگ خطاواروں کی سفارش کرتے ہیں تو وہ صرف فعل کو دیکھتے ہیں اور میری نظر منشاء فعل پر ہوتی ہے کہ فعل سرزد کس سبب

سے ہو وہ سبب کس درجہ کا ہے اور دوسرے لوگ اس فعل کو لازم سمجھتے ہیں اور میں متعدی خیال کرتا ہوں دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے۔ ایسے شخص کو مدرسہ میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو ضرر پہنچے۔

(دعوات عبدیت ملفوظات۔ص:۱۳۵/۱۹)

مدرسین کو انتظامی امور سے علیحدہ رہنا بہتر ہے

فرمایا میں اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر حق تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس و تدریس کا موقع نصیب فرمائے تو انتظام واہتمام کو اپنے لیے قبول نہ کریں کیونکہ دونوں میں تضاد ہے۔ مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کے لیے یہی زیب ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔

(مجالس حکیم الامت۔ص:۵۸)

ابتدائی درجہ کی کتابیں پڑھانے والا ذی استعداد مدرس ہونا چاہیے

فرمایا میزان الصرف پڑھانے والا بھی عالم تبحر ہی ہونا چاہیے یہ غلط ہے کہ ابتدائی کتابوں کے واسطے معمولی آدمی کو کافی سمجھا جاتا ہے لوگ سمجھتے ہیں میزان میں کیا رکھا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ابتدائی تعلیم کے لیے بڑی قابلیت کی ضرورت ہے۔

(کلمۃ الحق۔ص:۱۸۰)

مدرسین کی فضیلت

میں گوشہ نشینوں سے مدرسین کو افضل سمجھتا ہوں جو کام کر رہا ہوں یعنی تربیت سالکین، اگر یہ دوسری جگہ ہوتا تو میں کتابیں پڑھاتا صوفیاء کی مثال ایاز کی سی ہے اور علماء کی شان حسن کی سی ہے۔ ایاز محبوب تو ہے مگر انتظام حسن ہی کے سپرد ہے۔

(القول الجلیل۔ص:۷۹)

مدرس کی شرعی و فقہی حیثیت

مدرسی عقد اجارہ ہے یہ (مدرس) اجیر خاص ہے تسلیم نفس سے استحقاق اجر ہو جائے گا پس اگر یہ اس وقت میں حاضر رہا تو مستحق ہے ورنہ نہیں۔

(امداد الفتاویٰ۔ص:۳۴۴/۳)

مہتمم و مدرس کی تنخواہ کی فقہی حیثیت

ہر تنخواہ اجرت نہیں بلکہ بعض تنخواہ حق احتباس بھی ہوتی ہے جیسے بیوی کا نفقہ اور رزق القاضی وغیرہ ہاں اجرت اور نفقہ میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ نفقہ میں تعین نہیں ہوتا بلکہ اس میں قدر ضرورت کا استحقاق ہوتا ہے۔ زیادہ کا استحقاق نہیں ہوتا مگر نفقہ زوجہ میں بھی فرض (تعین) جائز ہے تاکہ نزاع نہ ہو اور جانبین کے مصالح محفوظ رہیں۔ اس تعین سے وہ نفقہ ہونے سے نہیں نکل جاتا۔ چنانچہ نفقہ زوجہ فرض قاضی کے بعد

نفقہ ہی رہتا ہے۔اس طرح اگر مدرسین کی تنخواہ معین ہو تو محض تعیین سے وہ تنخواہ تو اجرت تعلیم نہ ہوگی بلکہ حق احتباس اور نفقہ میں داخل رہے گی مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی تنخواہ اجرت ہے اور کس کی تنخواہ نفقہ ہے۔اگر تنخواہ اجرت ہے گناہ اس میں بھی نہیں کیونکہ متاخرین کا فتوی جواز پر ہو چکا ہے مگر اس کو تعلیم و تدریس میں ثواب بھی کچھ نہیں کیونکہ اس کا مقصود محض تنخواہ ہے اس حالت میں یہ تعلیم طاعت نہیں غایت مافی الباب ایک عمل مباح ہے جس پر اجرت لینا متاخرین کے فتوی میں جائز ہے،فی نفسہ تعلیم دین طاعت تھی مگر چونکہ اس کی نیت تعلیم دین کی نہیں بلکہ مقصود اجرت ہے اس لیے لکل امری مانوی کے قاعدہ سے یہ ثواب کا مستحق نہیں۔ (التبلیغ کوثر العلوم۔ص:۱۰۰،۷/۱۲)

کتنے طلبہ کا داخلہ کر سکتے ہیں

دوسرے نصوص سے صاحب افادہ کو تنگ کرنے کی ممانعت ثابت ہے" کما قال تعالیٰ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ " یعنی" لکھنے والے اور گواہ کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیے" اس سے یہ بھی مفہوم ہو گیا کہ طلبہ کو بھی اپنی حوائج علیہ و ما یتعلق بہا کی درخواست معلمین اور مہتممین سے اسی درجہ تک کرنی چاہیے کہ ان کو (کلفت) نہ ہو یہ ان کے ذمہ واجب نہیں کہ جتنے طلبہ آئیں سب کے لیے طبق (کھانے) اور سبق کا انتظام ضرور ہی کر دیا کریں۔البتہ بشرط سہولت اس کا انتظام اور پھر کام شروع کر دینے کے بعد ان کے مصالح علمیہ کی رعایت حسب حدیث ضروری ہے۔ (اصلاح انقلاب جدید۔ص:۱/۲۹۰)

حضرتؒ کے مدرسہ کا قانون

فرمایا: ہر مدرسہ میں خاص خاص قوانین علیحدہ علیحدہ ہیں میرے یہاں دو خاص قانون ہیں ایک تو یہ کہ بلا قید کسی خاص لیاقت کے اگر امداد طلبہ کے لیے کچھ ہو گا دونگا،نہ ہو گا نہ دونگا،توکل کا کارخانہ ہے دوسرے یہ کہ اگر طالب علم امرد ہے تو مدرسہ کے باہر رہے بدوضعی کی ذمہ داری کون کرے یہ اس کے سرپرست کا کام ہے کہ وہ کسی کو ذمہ دار بنادے۔یہاں غیر اوقات درس میں امرد کے رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ (کلمۃ الحق۔ص:۱۸۰)

علم دین کے واسطے طلبہ کا انتخاب

علم ہر ایک کے لیے نافع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ اس پر نظر کرتے ہیں کہ کس شخص کے واسطے علم مضر ہو گا جس کو مضر ہوتا ہے اس کو درسیات سے محروم رکھتے ہیں۔زبانی تعلیم بقدر فرض عین اس کے لیے تجویز کرتے ہیں۔ (التبلیغ احکام المال۔ص:۲۵/۱۵)

سلف صالحین انتخاب کر کے پڑھاتے تھے ہر کس و ناکس کو علم دین، مقتدائیت (پیشوائی کے درجہ) تک نہ سکھلاتے تھے اور عجب نہیں کہ ایسے لوگوں کی وجہ سے ان کے پڑھانے والوں سے بھی باز پرس ہو جبکہ ان کو قرائن سے معلوم ہو کہ یہ ایسے ہونگے۔ (دعوات عبدیت طریق النجاۃ۔ص:۱۲/۴۳)

انتخاب کا معیار

حضرات سلف صالحین کا انتخاب حسب نسب سے نہیں ہوتا تھا بلکہ ملکات سے ہوتا تھا یعنی جس شخص میں ملکات فاضلہ دیکھتے تھے ان کو علم دین کی تعلیم کامل دیتے تھے۔ اور جس شخص میں ملکات رذیلہ (بری خصلتیں، حرص، بدکاری، وغیرہ) دیکھتے تھے۔ اس کو بقدر ضرورت سکھلا کر دوسرے کام میں مشغول ہونے کی رائے دیتے تھے اگرچہ پہلا کسی ادنی اور معمولی گھرانے کا ہو اور دوسرا کسی عالی خاندان کا، انساب کو نہ دیکھتے اخلاق کو دیکھتے۔

انتخاب کا دوسرا معیار

پہلے زمانہ میں جو رسم تھی کہ ہر ایک شخص کو مقتدا و عالم بننے کی اجازت نہیں تھی اس میں بڑی مصلحت تھی مگر اس میں اتنی کمی تھی کہ انتخاب غلط تھا، خاص خاص قوموں کا انتخاب کر رکھا تھا کہ ان ہی کو علم دین پڑھنے کی اجازت تھی۔ البتہ انتخاب کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ اساتذہ طلبہ کے زمانہ تحصیل میں اس کا اندازہ کیا کریں کہ کس شخص میں حرص دنیا کی غالب ہے اور کس شخص میں نہیں ہے۔ جس میں حرص دنیا کی غالب دیکھیں اس کو رخصت کریں اور مدرسہ سے خارج کریں اور جس میں حب دنیا نہ ہو اس کو مقتدائے دین بنائیں۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۸/۳ ذم ہوی)

﴿فصل ۵﴾

سرپرستی کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب

فرمایا: دیوبند سے ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ میرا فلاں معاملہ صاف کرا دو ورنہ تم سرپرست ہو تم سے باز پرس ہوگی میں نے ان کو لکھ دیا کہ میں سرپرست بمعنی حاکم نہیں بلکہ بمعنی مشیر ہوں اگر کوئی بات مجھ سے پوچھی جائے گی جواب دے دونگا ورنہ نہیں۔ اور میں ایک مرتبہ سرپرست کی تفسیر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی کر چکا ہوں کہ سرپرست بمعنی مشیر کے ہے نہ حاکم کے۔ سہارنپور کی سرپرستی میں ایک جھگڑا ہو گیا تھا جس میں حاکم نے مجھے سرپرست بنایا تھا مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خط لکھا کہ تم اسے قبول کر لینا مگر میں نے یہ صاف لکھ دیا کہ اگر سرپرستی کے یہ معنی ہیں کہ جو مجھ سے پوچھا جائے جواب دیدوں تب تو خیر اور اگر حاکم کے معنی ہیں یعنی خود دیکھ کر کھود کرید کروں تو ایسی سرپرستی مجھے قبول نہیں۔

ایک زمانہ میں بعض لوگ مجھے لکھتے تھے کہ تم دیوبند کے سرپرست ہو یوں نہیں کرتے، یوں نہیں کرتے، ایک مرتبہ یہاں معترضوں کے سرغنہ آئے تھے میں نے ان کو اپنی سرپرستی کے فرائض دکھلا دیئے وہ کہتے تھے کہ ان فرائض کے دیکھنے سے تو کسی کا منہ نہیں جو اعتراض کر سکے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ میں سرپرست بمعنی مشیر کے ہوں حاکم کے نہیں یعنی مجھ سے جن امور میں پوچھا جائے گا، میں جواب دے دوں گا، اور جن میں نہیں پوچھیں گے، اس کا مطالعہ نہ کروں گا کہ کیوں نہیں پوچھا؟ اور رائے دینے کے بعد بھی عدم پابندی پر مواخذہ نہ کرونگا۔ ہاں عمل کا انتظار ضرور رہے گا۔ اور رائے تو مجھ سے دیگر مدارس کے مہتممین بھی لیتے ہیں۔ مگر اس میں دیوبند کا امتیاز یہ ہے کہ دیگر مدارس میں تو جب وہ پوچھتے ہیں تب رائے دیتا ہوں اور دیوبند بلا پوچھے بھی اگر کوئی بات سمجھ میں آئے گی تو دریغ نہ کرونگا خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو۔

اگر مدرسہ کا دستور العمل مقرر نہ ہو!

مدرسہ کے قوانین مدون و معروف ہوں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہونگے اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف ہیں تو دوسرے مدارس اسلامیہ جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جائے گا۔ (امداد الفتاوی۔ ص:۳۲۸/ ۳)

دستور ساز اساسی برائے مدارس مرتب کردہ حضرت تھانویؒ دستور اساسی کی اہمیت

یہ قانون (دفعات) بعض کلیات کا اساس و بنیاد ہے جو اہم واقدم (زیادہ قابل اہمیت) ہے دوسرے کلیات و جزئیات سے اس کو مقیس علیہ قرار دے کر اور اس کو بنیاد بنا کر بقیہ کلیات و جزئیات کے متعلق اساسی قانون بن سکتا ہے۔ اس کی منظوری سے ان شاء اللہ تعالیٰ مدرسہ تشویشات و اضاعت اوقات (فتنہ و فساد) سے محفوظ ہو جائے گا۔ باقی مدت بقاء تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ و علم میں ہے۔

(بیاض اشرفی۔ ص:۸۶)

۱۔ یہ قانون سب ممبروں کے اتفاق سے تجویز کیا گیا ہے۔

دستور اساسی کے دفعات کی حیثیت

۲۔ اس کے دفعات میں جو (امور) شرعاً واجب العمل ہیں ان میں کبھی تغیر نہیں ہو سکتا اور جس کی دوسری شق بھی مباح ہے اس کی تغییر (اور تبدیلی) بھی سب ممبروں کے اتفاق پر موقوف ہے ایک ممبر کا اختلاف رہتے ہوئے بھی تغیر (تبدیلی) جائز نہیں۔ (بیاض اشرفی۔ ص:۸۶)

ممبر کی تقرری یا علیحدگی

۳۔ کسی ممبر کی کمی یا بیشی شرائط منظور شدہ کے تحت میں صرف ممبروں کی متفقہ رائے سے ہو

سکے گی اور کسی کا اس میں دخل نہ ہوگا۔

مہتمم کا نصب وعزل

۴۔ اسی طرح مہتمم کا نصب وعزل بھی قواعد منظور شدہ کے تحت میں صرف ممبروں کی متفقہ رائے سے ہو سکے گا اور کسی کا اس میں دخل نہ ہوگا۔

نائب مہتمم وملازمین کا تقرر

۵۔ نائب مہتمم کے تقرر میں اور اسی طرح ہر اس ملازم کے تقرر میں جس کا سابقہ مہتمم سے پڑتا ہو (اس میں مدرسین بھی آگئے) ممبروں کی رائے کے ساتھ مہتمم کا اتفاق رائے بھی شرط ہے۔

طلبہ کے داخلہ واخراج کا اختیار

۶۔ طلبہ کے داخل کرنے کا صرف مہتمم کو کامل اختیار ہے اور خارج کر دینے کا اختیار مہتمم کو بھی ہے اور مجلس عاملہ کو بھی۔ یعنی اگر مہتمم خارج کرنا چاہے تو مجلس عاملہ کو اتفاق کرنا ضروری ہے اگر مجلس عاملہ خارج کرنا چاہے تو مہتمم کو اتفاق کرنا ضروری ہے۔

مدرسین کی معزولی

یہی قاعدہ مدرسین ودیگر ملازمین کے عزل (معزول) کرنے میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملازمین کے تقرر میں تو مجموعہ آراء (سب کا) اتفاق شرط ہے اور طلبہ کے داخلہ میں صرف مہتمم کی رائے کافی ہے اور ملازمین کے عزل اور طلبہ کے اخراج اور مجموعہ میں سے ایک رائے بھی کافی ہے۔ (بیاض اشرفی)

ضروری تنبیہ

نوٹ: یہ مذکورہ دفعات نمبر ۵، ۶، اس مہتمم کے لیے ہیں جو علم وتقویٰ میں خاص درجہ کا امتیاز رکھتا ہو اور اگر ایسا مہتمم میسر نہ ہو تو ان دونوں دفعہ پر ممبر (حضرات) نظر ثانی فرما کر مناسب وقت ترمیم کر سکتے ہیں۔

معائنہ حساب وکتاب اور مہتمم سے باز پرس کرنے کا اختیار

۷۔ مہتمم سے کسی قسم کی باز پرس کا حق صرف ممبروں کو ہے۔ خواہ ایک ہی ممبر ہو۔ پھر اس باز پرس کے بعد اگر مہتمم اس کی اصلاح میں متفق ہو جائے تو فبہا (ٹھیک ہے) اور اگر مہتمم کو اپنے طرز عمل پر اصرار ہو تو اس ممبر کو صرف یہ حق ہوگا کہ دوسرے ممبروں کو اطلاع کر دے۔ اگر سب متفق ہو جائیں تو مہتمم کو اپنا طرز عمل بدلنا واجب ہوگا۔ اور اگر ممبروں میں اختلاف رہے تو

حسب قواعد جس شق کو ترجیح دی جائے مہتمم کو اس کی پابندی لازم ہوگی۔

غیر ممبر کے اختیارات

٨۔ (عامی شخص) کو مدرسہ کے متعلق ایسے امور کی تحقیق کر لینے کا حق حاصل ہے جس میں مہتمم پر کوئی اعتراض لازم نہ آتا ہو اور جس امر میں اس کی رائے میں خواہ وہ رائے صحیح ہو یا غلط اس پر کوئی اعتراض لازم آتا ہو اس میں مہتمم کو حق ہے کہ دفعہ ہذا (اس دفعہ نمبر ٨) و مابعد (بعد والی دفعہ) کا حوالہ دے کر جواب دینے سے عذر کر دے۔ اور مدرسہ کے حساب و کتاب کے معائنہ کا یا اس کے متعلق کوئی سوال کرنے کا غیر ممبر کو مطلقاً حق نہیں گو اعتراض بھی لازم آئے۔ البتہ مصالح (فوائد) مدرسہ کے متعلق مشورہ دینے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے خواہ مہتمم کو مشورہ دے یا ممبروں کو اور اگر وہ امر محل مشورہ مہتمم کے حد اختیار سے خارج ہو۔ (یعنی مہتمم کو اس کا اختیار نہ ہو) تو وہ ممبروں کو باقاعدہ اس کی اطلاع دے آگے اس مشورہ کے قبول و عدم قبول کا فیصلہ یہ مخاطب بالمشورہ (جس کو مشورہ دیا گیا ہے اس) کا کام ہے مشیر (مشورہ دینے والے) کو مشورہ دینے سے زیادہ کوئی حق نہیں۔ (بیاض اشرفی۔ ص:٨٨)

غیر ممبر چندہ دہندگان کے اعتراضات و اختیارات

غیر ممبر کو اگر مہتمم کے متعلق یا حساب و کتاب کے متعلق یا مدرسہ اور کسی انتظام کے متعلق کوئی ضروری تحقیق یا کسی شبہ کا رفع کرنا ہو تو اگر وہ کم از کم دس روپیہ ماہوار یا ایک سو بیس روپیہ سالانہ (اس زمانہ کے چندہ گزار (دینے والا) ہے یا کسی وقف جس کا تعلق مدرسہ سے ہے اس کا واقف ہے، یا کسی ایسے ہی واقف کا منجانب واقف متولی ہے اور یہ واقف یا متولی وقف کی آمدنی مدرسہ میں بھیجتے ہوں۔ ایسے شخص کو تحقیق و رفع شبہ کا حق اس طرح حاصل ہے کہ اس کے لیے کسی ممبر کو واسطہ بنا دے یعنی اس سے اس کی درخواست کرے آگے ممبر کو اختیار ہے اگر اس کی رائے میں وہ امر معقول اور باوقعت ہو اس کی درخواست کو منظور کر کے خود یا بذریعہ مہتمم تحقیق کر کے براہ راست اس درخواست کا جواب دیدے اور اگر اس کی رائے میں وہ امر معقول نہیں تو عذر کر دینے کا اختیار ہے۔ جس کی وجہ اس ممبر سے نہیں پوچھی جا سکتی۔

اور اگر وہ سائل چندہ گزار نہیں یا دس روپیہ ماہوار سے کم کا چندہ گزار (دینے والا) ہے اور مدرسہ کے کسی وقف کا واقف یا متولی بھی نہیں تو ایسے شخص کو ایسی تحقیق کا کچھ حق نہیں۔

البتہ ان حالات میں اپنا چندہ بند کر لینے کا اختیار ہے لیکن اگر وہ رقم وقف کی ہے تو اس کے بند کر لینے کے جواز عدم جواز کے متعلق علماء سے استفتاء کر لے۔ (بیاض اشرفی۔ ص:٨٨)

امور مدرسہ سے متعلق اعتراضات

اگر کوئی شخص مدرسہ کے متعلق کوئی اعتراض شائع کرے اگر وہ صحیح ہو تو اس کے قبول کر لینے کی اطلاع

مدرسہ سے شائع کر دی جائے اور اگر غلط ہو تو اس واقعہ کی حقیقت ظاہر کر کے سادہ جواب شائع کر دیا جائے۔ اگر کوئی اس کو بھی رد کر دے تو اگر پہلے جواب میں کوئی حقیقت مخفی رہ گئی تھی جس سے وہ اعتراض پیدا ہوا تو اس حقیقت کو پھر شائع کیا جائے اور اگر حقیقت ہی کی تکذیب کی گئی ہو پھر جواب نہ دیں کہ اس سلسلہ لا تقف عند احد میں بجز اضاعت وقت کے کوئی فائدہ نہیں۔ نیز یہ قیل وقال بعض اوقات نفسانیت کی طرف بھی مفضی (ذریعہ) ہو جاتی ہے۔ "اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَاتَوْ فِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ"۔ (کتبہ، اشرف علی)

مہتمم واہل شوریٰ کی شرعی حیثیت واختیارات

مہتمم واہل شوریٰ وکیل ہیں اہل چندہ کے مہتمم مدرسہ ان معطین (چندہ دینے والوں) کا وکیل ہوتا ہے۔ اموال میں کسی تصرف کا جواز وعدم جواز معطین اموال (چندہ دینے والوں) کی اذن ورضا پر موقوف ہے۔ پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف وکیل کو جائز ہے۔ اگر بتصریح یا بقرائن اس قانون پر اہل چندہ کو اطلاع اور ان کی رضا ثابت ہے تو چندہ سے تنخواہ دینا جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ۔ ص:۳۴۸/۳)

مدارس کا روپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطین اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں۔ لہذا نہ اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ۔ ص:۲۷۳/۶)

مشورہ کی اہمیت

اگر کسی کا شیخ زندہ نہ ہو وہ بھی مشکلات میں اپنی رائے سے فیصلہ نہ کرے۔ بلکہ اس کو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ غرض چھوٹے بڑوں کا اتباع کریں اور بڑے چھوٹوں سے مشورہ لیں اس امت کے چھوٹے بڑے سب کام کے ہیں۔ اس رائے کا ماخذ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وشاورھم فی الامر"۔ حضور ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ (انفاس عیسیٰ۔ ص:۳۱۱)

مشورہ کا مقصد اور اس کا فائدہ

مشورہ کا حکم محض اس لیے ہے کہ اس کی برکت سے حق واضح ہو جاتا ہے خواہ مشورہ دینے والوں کی رایوں میں سے کسی ایک کا حق ہونا واضح ہو جائے یا سب رایوں کے سننے سے کوئی صورت ذہن میں آ جائے جو حق ہو۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وشاورھم فی الامر" حضور ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا حکم ہے اگر بڑا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرے۔ ان شاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا چہ جائیکہ چھوٹا اپنے

بڑے سے مشورہ کرے وہ بدرجہ اولیٰ محفوظ رہے گا۔ (انفاس عیسیٰ)

تصدیق وتائید بھی مشورہ ہے

تصدیق وتائید بھی ایک مشورہ ہے اور مشورہ کی صورت میں اختلاف رائے ہونا ممکن ہے (لیکن اس سے ناگواری نہ ہونا چاہیے) چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کو اختلاف رائے سے ناگواری نہ ہوتی تھی۔

(انفاس عیسیٰ۔ص:۱/۴۱۷)

اہل شوریٰ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں

دیکھئے! قرآن شریف میں مشورہ کا بھی امر ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "و شاورهم فی الامر"۔ آپ مشورہ کیجئے حضور ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا حکم ہے لیکن یہ حکم نہیں کہ ان کے مشورہ پر عمل کریں بلکہ آگے عمل کے متعلق یہ ارشاد ہے۔ " فاذا عزمت فتوکل علی اللہ" کہ مشورہ کے بعد آپ کا جو ارادہ ہو جائے اللہ پر توکل کر کے اس پر عمل کیجئے اہل شوریٰ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں۔

یعنی جب خود آپ کا قصد ہو جائے تو آپ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس کام کو کر ڈالئے۔ یہ نہیں فرمایا: " فاذا عزموا" کہ جب وہ عزم کریں یا "فاذا عزم اکثر هم" کہ ان میں سے اکثر عزم کریں مطلب (صرف) یہ ہے کہ مشورہ تو ان سے کیجئے اور عزم اپنا ہو کہ مشورہ کے بعد جس بات پر آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے اہل شوریٰ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں۔ (التبلیغ۔ص:۱۵/۱۱۴۔انفاس عیسیٰ۔ص:۴۳۳)

دفعات مجلس شوریٰ ودستور العمل

شریعت کی پابندی

۱۔ احکام شرعیہ پر پورے اہتمام سے عمل کرنا، کوئی کام خلاف شرع نہ کیا جائے گا نہ کوئی رائے خلاف شرع قبول کی جائے گی۔

اگر جواز وعدم جواز میں تردد ہو تو علماء سے استفسار کیا جائے گا۔ اگر انتخاب مفتی میں اختلاف ہو جائے یا علماء کے فتاویٰ میں اختلاف ہو جائے تو صدر کے تجویز شدہ مفتی کا فتویٰ معمول بہ ہوگا لیکن جس رکن کو اس میں شرح صدر نہ ہو وہ عمل پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس کو سکوت کی اور اس کام میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی جائے گی مگر مناقشہ کی اجازت نہ ہوگی۔ اسی طرح کوئی کلام خلاف قانون بھی نہ کیا جائے گا۔ (افادات اشرفیہ۔ص:۴۰)

صدر کا انتخاب

۲۔ طبقہ ارکان میں سے ایک شخص کو اس مجلس کا صدر تجویز کیا جائے جس کا انتخاب ارکان کے اتفاق سے ہوگا۔

اراکین کی تعداد

۳۔ ارکان کا عدد بہت زیادہ نہ ہونا چاہیے، بلکہ ایسا عدد ہو، جن کا اجتماع مشورے کے لیے سہل ہو، وہ مقامی ہوں، یا بیرونی ہوں، مگر ضرورت کے وقت بسہولت جمع ہو سکتے ہوں۔

جدید رکن کا انتخاب

۴۔ جدید رکنیت کے لیے قدیم ارکان کی متفقہ منظوری شرط ہے جس میں وہ مختار ہیں۔

صدر و رکن کا عزل

۵۔ صدر اور رکن کا تقرر جیسے اتفاق ارکان سے ہوا تھا اسی طرح ان کا عزل بھی اتفاق ارکان سے ہوگا۔

صدر و رکن کا استعفاء

۶۔ صدر و رکن کا استعفاء کسی کی منظوری پر موقوف نہیں لیکن ان کا احسان ہوگا اگر دو ہفتہ قبل اطلاع دے دیں۔

شوریٰ کے لیے اجتماع

۷۔ مشورہ کے لیے صدر اور تین مشیروں کا اجتماع کافی ہے۔ اگر صدر کو کچھ عذر ہو وہ وقتی مشورہ کے لیے کسی رکن کو اپنا قائم مقام بنادے۔ اور اگر صدر سفر میں ہو خود ارکان کسی کو صدر کا قائم مقام بنالیں۔

۸۔ باستثناء وقتی کاموں کے کوئی کام بدوں مشورہ نہ کیا جائے۔

اگر اہل شوریٰ میں اختلاف ہو

۹۔ اگر اہل شوریٰ میں اختلاف ہو جائے تو جس جانب صدر کی رائے ہو قطع نظر اقلیت یا اکثریت سے اس کو ترجیح ہوگی۔ اور اگر اہل شوریٰ و صدر میں اختلاف ہو جائے تو احتیاط کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔ یعنی اگر امر متنازع فیہ ایک رائے میں نافع محض غیر محتمل الضرر ہو اور دوسری رائے نہ نافع ہو نہ مضر ہو تو نافع والی رائے کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو کر لیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائے میں مضر اور دوسری رائے میں نافع مگر غیر ضروری ہو تو مضر والی کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو ترک کر دیا جائے گا اور ایک

رائے میں مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع اور ضروری اور صرف یہ اختلاف اہم واشد ہے تو صدر کی رائے کو ترجیح ہوگی۔

تصدیق ودستخط

یہ سب دفعات بالکل شریعت کے ایسے موافق ہیں کہ دلائل کی بھی حاجت نہیں۔

کتبہ اشرف علی: ۲۴ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ (افادات اشرفیہ۔ص:۴۴)

مشورہ میں ترمیم

جو بات مشورہ سے طے کرتا ہوں اس میں ترمیم بھی بلا اطلاع مشورہ والوں کے نہیں کرتا۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۳۷۷)

سرپرست اور ممبروں کی رائے کا اختلاف

فرمایا کئی سال ہوئے مدرسہ دیوبند کی مجلس شوریٰ میں یہ پاس ہوگیا تھا کہ سرپرست جو رائے قائم کرلے وہ سب ممبروں کی رائے کے خلاف ہو، وہی نافذ ہوگا۔ مگر بعد میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترمیم فرمائی کہ اختلاف کی صورت میں تو یہی ہو لیکن اتفاق کی صورت میں سرپرست کی رائے کی ضرورت نہیں۔

اس پر ممبروں نے جھگڑا شروع کیا مگر میں نے کہا یہ ترمیم منظور کرلی جائے مگر مجھ کو متفق ہونے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ اپنی رائے کو ظاہر کردوں گا، عمل نہ کرنیوالوں کو اختیار ہوگا۔ چنانچہ یہ منظور ہوگیا۔

(الکلام الحسن۔ص:۵۱)

تجویز ونفاذ کے بعد اختلاف رائے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر سلطان کے مشورہ لینے کے وقت اہل شوریٰ میں اختلاف رائے ہوجائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ سلطان کی رائے سے اختلاف کرنا مذموم تو نہیں؟

فرمایا جو اختلاف حکمت ومصلحت اور تدین وخیر خواہی پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں مگر اس کی بھی ایک حد ہے یعنی یہ اختلاف اسی وقت تک جائز ہے جب تک مشورہ کا درجہ ہے مگر بعد نفاذ اختلاف کرنا یا (اس رائے کے) خلاف کرنا یہ مذموم ہے۔ نفاذ کے بعد تو اطاعت ہی واجب ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت نمبر ۸۶۔ص:۲/۴۲ جدید)

شوریٰ وممبری کے اہل کون ہیں؟

مشورہ اس آدمی سے لینا چاہیے جس میں دو باتیں ہوں اول تو یہ کہ اس پر پورا اطمینان اور اعتبار ہو

کہ وہ میرا خیر خواہ ہے۔ دوم یہ کہ جس امر میں مشورہ کیا جائے اس میں وہ صاحب بصیرت ہو۔

(اشرف المواعظ۔ ص:۱۳۲/۲)

نااہل کو ممبر بنانا

فرمایا جب اہل دیوبند مجلس شوریٰ میں شریک ہونا چاہتے تھے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرمایا تھا تو اس پر بہت شور تھا اور فتنہ کا اندیشہ تھا تو میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت دفع شورش کے لیے کیا حرج ہے اگر ایک دو کو مجلس شوریٰ میں لے لیا جائے۔ آخر تعداد تو ہمارے حضرات ہی کی زیادہ رہے گی اور کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ تو جواباً مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ نااہل کا ممبر بنانا معصیت ہے جو سبب ہے ناراضگی خدا اور رسول کا اس لیے ہم نااہل کو مدرسہ کا ممبر نہ بنائیں گے چاہے مدرسہ رہے یا نہ رہے ہم کو رضائے الٰہی مقصود ہے۔ مدرسہ مقصود نہیں۔

(ملفوظات جدید ملفوظات۔ ص:۴۹)

اہل شوریٰ کا کرایہ ونفقہ

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو شخص کسی مصلحت یا خدمت کے لیے محبوس ومقید ہو اور اس احتباس کے سبب وہ اپنی معیشت کا انتظام نہ کر سکتا ہو تو اس شخص کا نفقہ اس پر واجب ہوگا جس کی مصلحت ومنفعت کے لیے محبوس ہوا۔

چنانچہ اس کی مشہور مثال جو فقہاء نے ذکر کی ہے رزق قاضی ہے اس کی مثال ہے گواہوں کی خوراک اس کا حاصل بھی یہی ہے کیونکہ وہ ایک خاص وقت تک "من لہ الشھادۃ" (جس کے لیے گواہی دے رہا ہے) اس کے کام میں مشغول ہے اس لئے اس کو اس سے خوراک دلوائی جاتی ہے۔ جب یہ مصلحت عام قوم کی ہے تو ان صاحبوں کے نفقات جو کہ اس مصلحت کی تکمیل میں مشغول ہیں۔ مجموعہ قوم کے ذمہ (چندہ سے) واجب ہونگے۔

(اصلاح انقلاب۔ ص:۱۹۲/۲۲ جدید)

کرایہ وخرچ کے علاوہ زائد رقم دینا جائز نہیں

شریعت میں رائے پر محنتانہ لینا جائز نہیں یہ رشوت محضہ ہے اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں کہ شریعت نے جس چیز کو متقوم نہیں قرار دیا اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں مثلاً آپ کا حق شفعہ تھا آپ نے سو روپیہ لے کر اس کو چھوڑ دیا تو یہ سو روپیہ واجب الرد ہیں اور حق شفعہ بھی نہیں رہا کیونکہ شریعت نے شفعہ کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی۔ حاکم سے سفارش کرانا بھی ایسا ہی فعل ہے۔ ہاں جس میں کوئی محنت مشقت ہو اس کی قیمت مقرر کی ہے۔

(التبلیغ احکام المال۔ ص:۱۵/۵۷)

باب نمبر ۳

اختلافات، فسادات، ھنگامہ، اسٹرائک

﴿فصل ۱﴾

ہر اختلاف بُرا نہیں

فساد کے معنی ہیں حالت کا اعتدال شرعی سے نکل جانا اور یہ افتراق ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کبھی اتفاق سے فساد ہوتا ہے پس ایسا اتفاق بھی مذموم ہے۔

قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کبھی جوڑتا اور کبھی توڑتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے۔ اور جو باطل پر ہوں انکے ساتھ فصل کا حکم ہے۔

نا اتفاقی اس واسطے مذموم ہے کہ یہ دین کو مضر ہے اور اگر دین کو مفید ہو گو دنیا کو مضر ہو تو وہ مذموم نہیں چنانچہ ایک نا اتفاقی وہ ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا کیا اس نا اتفاقی کو کوئی مذموم کہہ سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں جو کفار تھے ان میں باہم اتفاق واتحاد کامل تھا مگر کیا اس اتفاق کو کوئی محمود کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اس اتفاق کی بنیادیں اکھاڑ کر پھینک دی تھیں کیونکہ یہ خلاف حق پر تھا۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ۔ ص: ۳۶۔ ص: ۲۷)

اختلاف کے محمود مذموم ہونے کا معیار

خوب سمجھ لو کہ اتفاق صرف اسی وقت مطلوب ومحمود ہے جبکہ دین کو مفید ہو، اور اگر اتفاق دین کو مضر ہو اور نا اتفاقی دین کو مفید ہو تو اس وقت نا اتفاقی ہی مطلوب ہوگی۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ۔ ص: ۲۶)

اختلاف کی وجہ سے فریقین اور پوری جماعت سے بدگمان ہونا صحیح نہیں

میں یہ نہیں کہتا کہ اس اختلاف میں مولویوں کی خطا نہیں بلکہ ضرور ہے مگر آپ کی اتنی شکایت ضرور کرونگا کہ اس اختلاف کی وجہ سے سب کو چھوڑ دینا بے ترتیب اور غلط رائے ہے بعض لوگ علماء کو رائے دیتے ہیں کہ سب مولویوں کو متفق ہو جانا چاہیے۔ نا اتفاقی بری چیز ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے یا اس کے لیے کوئی قید بھی ہے۔ اگر نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے اور اس کی وجہ سے ہر فریق مجرم ہو جاتا ہے تو عدالت کو چاہیے کہ جب اس کے پاس کوئی مدعی دعویٰ پیش کرے تو تحقیق مقدمہ کے قبل ہی مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو سزا دیا کرے کیونکہ دعوی اور انکار سے دونوں میں نا اتفاقی کا ہونا ثابت

ہو گیا اور نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے تو مدعی اور مدعی علیہ دونوں مجرم ہوئے۔ اگر عدالت ایسا کرے تو سب سے پہلے آپ ہی مخالف ہونگے اور شور وغل مچائیں گے کہ یہ کون سا انصاف ہے۔

پس علماء کی باہم نا اتفاقی اور اختلاف سے آپ کا سب کو مجرم بنانا اور ہر فریق سے یہ کہنا کہ دوسرے سے اتفاق کرلو غلط رائے ہے۔ بلکہ اول آپ کو تحقیق کرنا چاہیے کہ حق پر کون ہے ناحق پر کون ہے؟ پھر جو ناحق پر ہو اسے مجرم بنایئے اور اس کو اہل حق کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور کیجئے ورنہ اہل حق کو دوسروں کے ساتھ مجبور کرنے کے تو یہ معنی ہونگے کہ وہ حق کو چھوڑ کر ناحق طریق اختیار کرلیں اور اس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا، مولویوں کی شکایت ہم کو بھی ہے مگر صرف ان کی، جو ناحق پر ہیں۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ۔ص:۸۱)

حق کا تقاضہ

فرمایا کہ مقتضائے حق یہی ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون اور ناحق پر کون ہے؟ جب حق متعین ہو جائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے چنانچہ نص ہے۔ " فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ "

(التبلیغ اسباب الفتنہ۔ص:۱۳۷/۱۰۔ملفوظات کمالات اشرفیہ۔ص:۲۷)

فیصلہ کرنے اور صلح کرانے کا طریقہ

فرمایا اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جائے اور یقیناً (مجبوراً) صاحب حق کو دبانا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ پس صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آج کل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے۔ یہاں تک جس کا حق ہوتا ہے اس کو بھی دبایا جاتا ہے بلکہ صلح کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے کیونکہ صاحب حق کو دبانا اضرار (نقصان پہنچانا) اور غیر صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بلکہ اس میں تو اس کو اضرار سے روکنا ہے چنانچہ ارشاد ہے " وَ اِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا " [الآیۃ]۔ مطلب یہ ہے کہ بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر اس پر راضی نہ ہو تو سب مل کر غلط بنیاد کو ڈھادو۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ۔ص:۸۱)

اگر مدرسہ میں اختلاف ہو جائے تو کیا کریں؟

ارشاد فرمایا: کہ جب کسی معاملہ میں لوگ تم سے جھگڑا کریں تو تم رطب و یابس سب اس کے حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جاؤ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرا عمر بھر کا یہی معمول ہے۔ حضرتؒ نے اپنے معمول پر ایک حدیث سے بھی استدلال فرمایا ہے جو جامع صغیر میں رزین ﷺ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے کہ:

نعم الرجل الفقیہ ان احتیج الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنی نفسہ.

”بہت اچھا وہ مرد فقیہ ہے کہ اگر لوگ اس کی ضرورت محسوس کریں تو ان کو نفع پہنچائے اور اگر لوگ اس سے استغناء برتیں تو یہ بھی ان سے استغناء کا معاملہ کرلے۔“

اور فرمایا کہ اسی لیے آج کل دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے بھی استعفاء دیدیا ہے۔ مجھے جھگڑوں اور سوال جواب میں پڑنے کی کہاں فرصت ہے۔ (مجالس حکیم الامت۔ص:۱۹۰)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ اگر مخالفین مدرسہ خالی کروانا چاہیں

فرمایا اس زمانہ میں یہاں یہ بھی تجویز ہوئی تھی کہ ان سے خانقاہ ومدرسہ خالی کرانا چاہیے اور میں ہر وقت اس پر تیار تھا کہ اگر ایک بچہ نے بھی آ کر مجھ سے کہا میں فوراً بلا مزاحمت خانقاہ خالی کردونگا۔ احباب کو یہ سوچ تھی کہ پھر یہ مجمع کہاں رہے گا۔ خدا کی قدرت اسی زمانہ میں عجیب قصہ پیش آیا کہ فلاں جگہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس شخص نے چار ہزار کی رقم کے متعلق وصیت کی کہ یہ رقم تھانہ بھون کے فلاں خانقاہ ومدرسہ کو بھیج دی جائے چنانچہ اس رقم کی یہاں اطلاع آئی اور وہ رقم اتنی تھی کہ اگر خانقاہ ازسرنو تعمیر کراتا تب بھی اس سے ممکن تھا۔ چنانچہ میں نے ایک جگہ بھی تجویز کرلی تھی مگر بفضلہ تعالیٰ سب کی گردنیں نیچی رہیں بعد میں ان کے بعض سرغنہ آ کر درخواست کرنے لگے کہ یہاں سے نہ جایئے ورنہ ہماری بڑی رسوائی ہوگی۔ میں نے اس وقت یہ کہنا مناسب سمجھا کہ میں تو حضرت حاجی صاحب کا بٹھلایا ہوں کیسے جاسکتا ہوں ہم نے اس حالت میں بھی عدالتوں میں کسی طور پر بھی جانا پسند نہیں کیا۔ (القول الجلیل۔ص:۶۶)

اگر مدرسہ میں ہنگامہ اور اسٹرائک کی نوبت آجائے

آج کل مدرسہ دیوبند میں ایک شور برپا ہے سخت شورش ہورہی ہے اور اس شورش کے رفع کرنے میں مہتمم مدرسہ اور اراکین سب کوشاں ہیں مگر میں نے مہتمم صاحب کو لکھ دیا ہے کہ تم اسی وقت سے ہر نتیجہ کے لیے آمادہ ہوجاؤ۔ یہ تجویز ذہن میں نہ کرو کہ مدرسہ رہے تمہارے ہاتھ میں رہے...... بلکہ اگر مدرسہ ٹوٹ جائے تو تم ابھی سے اس پر راضی ہوجاؤ۔ اور خدا پر نظر کر کے قوت کے ساتھ اپنے اصول پر قائم رہو اور یہ قوت بدوں تفویض کے پیدا نہیں ہوسکتی اس کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو کیونکہ تفویض ترک تدبیر کا نام نہیں ہے تفویض یہ ہے کہ تدبیر کرو، مگر اس پر نظر نہ کرو اور اپنی تجویز سے کوئی شق نتیجہ کی معین نہ کرو کہ یوں ہونا چاہیے میرے اس لکھنے کا یہ اثر ہوا کہ مہتمم صاحب بڑے مضبوط ہوگئے اور لکھتے ہیں کہ تیری وجہ سے ہمیں بہت قوت ہوگئی۔ (بدائع۔ص:۱۸۵ بدیعہ نمبر ۶۹)

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر ہے جس کو مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا دیوبندی رحمہ اللہ علیہما

کے نام تحریر فرمایا تھا جب کہ وہ مخالفین کی وجہ سے کچھ پریشان تھے۔ اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ میرے عزیزو! تم کیوں پریشان ہوتے ہو مدرسہ مقصود نہیں حق تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہے اور اس کے بہت سے طریق ہیں منجملہ ان کے ایک مدرسہ بھی ہے۔ اگر مدرسہ رہے کام کیے جاؤ اور اگر نہ رہے کسی اور جگہ بیٹھ کر کام کر لینا۔ (ملفوظات۔ ص ۴۸)

شورش ہنگامہ ختم کرنے کی ایک عجیب تدبیر

فرمایا میں نے شورش کے زمانے میں حضرات مدرسہ دیوبند کو لکھا کہ اب تک تو آپ تدبیرات میں رہے اب ترک تدبیر کر کے بھی دیکھ لیا جائے یہ نسخہ بھی بڑا مجرب ہے اور اس ترک تدبیر میں اگر نقصان بھی ہوا تو اتنا نہ ہوگا جتنا تدبیرات میں ہوا ہے مگر اکثر لوگ تدبیرات ہی میں لگے رہتے ہیں۔

(الکلام الحسن۔ ص ۲۳)

مدارس کی تباہی اور فتنہ وفساد کے اسباب

آج کل مدارس میں فتنہ فساد اور بے برکتی ہو رہی ہے اس کا سبب میں چندوں میں قلت احتیاط کو سمجھتا ہوں۔ اس چندہ کے باب میں آج کل ایسی گڑبڑ ہو رہی ہے کہ جائز ناجائز کو بھی بہت کم دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بدوں طیب خاطر (دلی رضامندی کے بغیر) کسی سے وصول کرنا بالکل ناجائز ہے اور اس سے احتیاط شاذونادر کی جاتی ہے۔ (الافاضات الیومیہ۔ ص: ۸/۲۶)

عمومی مرض

بعض باتیں ظاہر کرنے کی نہیں ہوتیں مگر اس لیے ظاہر کیے دیتا ہوں کہ شاید اس کو سن کر لوگ اپنی حالت درست کر لیں...... اس وقت لوگوں میں یہ مرض بہت شدت سے پھیل رہا ہے کوئی تو خاص اصلی گناہ ہی میں مبتلا ہے اور کوئی اس کے مقدمات یعنی اجنبی لڑکے یا اجنبی عورت پر نظر کرنا حدیث میں ہے اللسان یزنی الخ اس میں ہاتھ لگانا بری نگاہ سے دیکھنا سب داخل ہے۔ یہاں تک کہ جی خوش کرنے کے لیے کسی حسین لڑکے یا لڑکی سے باتیں کرنا یہ بھی زنا اور لواطت میں داخل ہے اور قلب کا زنا سوچنا ہے جس سے لذت حاصل ہو۔ جیسے زنا میں تفصیل ہے ایسے ہی لواطت میں بھی، اس بلا میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہو ورنہ ابتلاء عام ہے۔

جب تھانہ بھون میں طاعون پھیلا تو طاعون کے قبل ایک روز اخیر شب میں بیٹھا ہوا تھا۔ نیند کا سا غلبہ ہوا اور قلب میں آیت آئی "اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ" جو کہ قوم لوط پر عذاب کے ذکر میں آئی ہے اس پر میں نے لوگوں کو آگاہ کیا اور

میں جانتا ہوں کہ اس زمانہ میں لواطت کا مرض لوگوں میں زیادہ ہے اس سے توبہ کرو، ورنہ عذاب کا اندیشہ ہے میں نے اس کو وعظ میں بیان کیا مگر لوگوں نے توجہ نہ کی آخر کار عذاب آ ہی گیا اور بہت طاعون پھیلا، غرض ایک سبب وہ بھی نکلا جو قوم لوط میں تھا۔

(حسن العزیز۔ص:۱۶۱/۴۔ دعوات عبدیت۔ص:۱۱۸/۱۹۔ الا لتعاظ بالغیر)

فرمایا کہ طلبہ میں آزادی بہت ہی آ گئی ہے۔ ہر شخص خود مختار ہو گیا کہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ یہی وہ مرض ہے جو دیوبند کے طلبہ میں بڑھ کر ان واقعات کا سبب بن گیا جو آج کل ظاہر ہو رہے ہیں۔ (یعنی ہنگامہ اسٹرائک)۔ (التبلیغ۔ص:۱۸/۸)

اختلافات کی جڑ و بنیاد

فرمایا ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اختلاف و منافرت کی بنیاد کبر ہے۔ اختلاف ہمیشہ نفسانیت اور ترفع سے ہوا کرتا ہے۔ (مجالس حکیم الامت۔ص:۲۷۸۔ حسن العزیز۔ص:۲۴۲/۴)

اتحاد و اتفاق کس طرح باقی رہ سکتا ہے

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔ دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب کسی شخص میں تواضع ہوتی ہے تو اس کو یہ مشکل نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے آپ کو دوسرے کا تابع بنا دے۔ اور اپنی رائے کو دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اصرار نہ کرے۔ اور متکبر سے یہ کام کبھی نہیں ہوتا۔ (تجارت آخرت۔ص:۳۰)

اتفاق کی جڑ تواضع ہے جو لوگ متواضع ہونگے آپس میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا اور بدوں تواضع کے کبھی اتفاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ (محاسن الاسلام، ماخوذ وصیۃ العرفان)

مدارس میں انجمن بازی کی خرابی

فرمایا میں متعارف انجمن بازی کے خلاف ہوں خصوصاً مدارس دینیہ میں کیونکہ اس سے حریت پیدا ہوتی ہے جو مدارس کے واسطے زہر ہو جاتی ہے۔

ایک مولوی صاحب نے یہ کیا کہ پڑھنے والے لڑکوں کی انجمن بنائی، کسی طالب علم سے قصور ہو جاتا تو طلبہ سے مشورہ لیتے کہ کیا سزا دینا چاہیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن سب طلبہ نے متفق ہو کر کسی بات میں مولوی کی مخالفت کی، آخر مولوی صاحب کو علیحدہ ہونا پڑا، یہ اثر ہے آزادی کا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسی انجمنوں میں تقریر بھی لازم ہے اور تقریر کی فکر میں درسیات کا مطالعہ نہیں کرتے، مضمون ہی تلاش کرتے رہ جاتے ہیں، تعلیم مقصود چوپٹ ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں نے اپنے یہاں یہ انتظام کیا ہے کہ اگر کوئی کافیہ پڑھنے والا ہے تو کافیہ ہی کا کوئی مضمون دے دیا کہ اس کی تقریر کرو اور

اگر مشکوٰۃ پڑھ چکا ہے تو کوئی حدیث دے دی کہ اس کی تقریر کرو اس سے زبان بھی کھل جاتی ہے یعنی بولنے کا عادی بھی ہو جاتا ہے اور پڑھانے کا ڈھنگ بھی آ جاتا ہے اور تعلیم کا نقصان بھی نہیں ہوتا۔

(الکلمۃ الحق۔ ص:۱۲۴)

آج کل کے جلسے اور انجمنیں بالکل رسم بلا معنی اور صورت بھی ٹھیک نہیں اور لوگوں نے ان کو محض رسم سمجھ کر اختیار کیا ہے نفع پہنچانا ہرگز مقصود نہیں۔ (تجارت آخرت)

آپس کے اختلافات گروہ بندیاں اور انکی مذمت

باوجود اس کے کہ سب مدارس اسلامیہ کی غرض متحد ہے مگر پھر بھی ان میں سے بعض میں باہم تزاحم و تصادم ہوتا ہے کہیں اعلانیہ کہ ہر مدرسہ کی طرف سے دوسرے مدرسہ کے خلاف تحریراً و تقریراً سعی ہوتی ہے۔ اشتہارات میں دوسرے کو گھٹایا جاتا ہے۔ اہل چندہ کو دوسری جگہ اعانت کرنے سے منع کیا جاتا ہے اور کہیں خفیہ طور پر کہ عوام کو تو اطلاع نہ ہو۔ مگر کارکن لوگ اور دوسرے اہل فہم بھی سمجھ جاتے ہیں پھر شدہ شدہ عوام پر بھی اس کا ظہور ہو جاتا ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ بس یہ مدارس اسی غرض سے قائم کیے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے مال و جاہ حاصل کریں پھر یہ تزاحم یہاں تک ترقی کرتا ہے کہ اہل چندہ سے متجاوز ہو کر طالب علموں تک کو کہ ہر مدرسہ اپنی طرف کھینچتا ہے حتی کہ بعض اوقات طالب علموں کی اطاعت کی جاتی ہے یہ سب دلیل ہے عدم خلوص اور عدم للّٰہیت کی۔ (حقوق العلم۔ ص:۹۱)

مولویوں کو برا بھلا کہنا اور ان کی برائی سننا

دوسرے مولویوں کو برا بھلا کہنا کے علاوہ اس کے بعض اوقات معصیت بھی ہو جاتی ہے عوام پر برا اثر ہوتا ہے وہ سب سے بدگمان ہو جاتے ہیں اگر کسی صاحب کو باطل کے شر سے بچانا ہی ضروری ہو تو تہذیب کے ساتھ اطلاع کر دینا کافی ہے اور جس طرح خود اس میں مشغول ہونا مضر ہے اسی طرح کسی دوسرے مشغول کے ساتھ شریک ہو جانا یعنی کسی دوسرے شکایت کرنے والے سے مولویوں کی شکایت سن لینا بھی ایسا ہی مضر ہے۔ (حقوق العلم۔ ص:۹۶۔ تجدید تعلیم۔ ص:۱۱۷)

اہل علم و علماء کو بدنامی و بدگمانی سے بچانے کا اہتمام بہت ضروری ہے

فرمایا دینی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ علماء کی نصرت کرنا چاہیے اگر چہ وہ بدعمل بھی ہوں۔ اگر عوام کے قلب سے علماء کی وقعت گئی تو دین کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ پھر وہ سب ہی علماء سے بدگمان ہو کر کسی پر بھی دھیان نہ دیں گے۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص:۱۳۱)

فرمایا جب کوئی عام آدمی علماء پر اعتراض کرتا ہے تو اگر وہ اعتراض صحیح بھی ہو جب بھی یہ جی چاہتا ہے کہ علماء کی نصرت کروں جو بظاہر عصبیت ہے مگر میری نیت در حقیقت یہ ہوتی ہے کہ عوام علماء سے غیر معتقد نہ ہوں

ورنہ ان کے دین وایمان کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ (مجالس حکیم الامت۔ص:۱۶۶)

فرمایا علماء کی وقعت عوام کے قلب سے ہرگز کم نہ کرنی چاہیے۔ میں گوشہ نشینوں سے مدرسین کو افضل سمجھتا ہوں جو کام میں کر رہا ہوں یعنی تربیت سالکین اگر یہ دوسری جگہ ہوتا تو میں کتابیں پڑھاتا۔

(القول الجلیل۔ص:۷۹)

علماء کی نصرت وحمایت اور ان کو بدنامی سے بچانے کا اہتمام

فرمایا مجھ کو اس کا تحمل ہی نہیں کہ ایک بے علم جاہل کسی عالم پر اعتراض کرے یا اس کی اہانت کرے۔ بگھرا ایک قصبہ ہے وہاں پر ایک جلسہ ہوا تھا۔ علماء کرام کے احترام کے لیے جلسہ گاہ کو سجایا گیا۔ بلیوں پر کپڑا منڈھا گیا۔ پنڈال بنایا گیا بعض علماء دیوبند یہ حال دیکھ کر وہاں سے واپس ہو گئے، اتفاق سے اسی زمانہ میں مدرسہ دیوبند میں لاٹوس لیفٹیننٹ گورنر آئے تھے وہاں ان کے لیے اسی قسم کا تکلف کیا گیا تھا اس پر ایک صاحب نے میرے سامنے اعتراض کیا کہ اپنے لیے مولوی سب کچھ جائز کر لیتے ہیں، اور دوسروں کے لیے ناجائز، میں نے کہا کہ ضیف (مہمان) کا اکرام اس کے مزاج کے موافق کیا جاتا ہے سو وہاں ضیف (مہمان) تھا ایک دنیادار اس کا احترام یہی تھا۔ اور یہاں ضیف (مہمان) تھے علماء ان کا یہ احترام نہ تھا تم کو بالکل فہم نہیں ہے تم دونوں کو ایک ہی بات سمجھتے ہو دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اس جواب کا منشاء زیادہ تر یہ تھا کہ عوام کو علماء پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو۔ جن صاحب نے اعتراض کیا تھا ان سے یہ میری گفتگو تھی میں نے یہ بھی کہا کہ میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ جواب میں نے اس نیت سے نہیں دیا کہ یہ اہتمام اچھا ہے میں بھی تمہارے ساتھ متفق ہوں مگر نیت سے قطع نظر دیکھنا یہ ہے کہ جو وجہ میں نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ کہنے لگے جی ہاں وجہ تو بالکل ٹھیک ہے میں نے کہا اصل منشاء اس جواب کا یہ ہے کہ علماء کا اعتقاد عوام کے قلب سے نہ نکلے، کیونکہ اس اعتقاد کا کم ہو جانا بڑی خطرناک بات ہے۔ اگر عوام کا عقیدہ علماء سے خراب ہو گیا تو پھر عوام کے لیے کوئی راہ نہیں گمراہ ہو جائیں گے میں تو کہا کرتا ہوں چاہے عالم بدعمل ہی کیوں نہ ہو مگر فتویٰ جب دے گا صحیح ہی دے گا۔

(الافاضات۔ص:۱/۲۲۳)

مدرسہ والوں پر اعتراض اور مدارس کے منتظمین کے لیے اہم ہدایت

فرمایا: مختلف وفود جو مدرسہ میں محاسبہ کے لیے آتے ہیں ان کو کچھ جواب نہ دیا جائے اور نہ مدرسہ کے بارے میں ان سے گفتگو کی جائے، بلکہ صاف یہ کہہ دیں کہ جو کچھ کہنا ہو اہل شوریٰ سے کہیں پھر وہ ہم سے جواب لے کر تم سے کہہ دیں یہ ہے باقاعدہ جواب، میں نے حضرات دیوبند کو فتنہ کے زمانہ میں یہ پیام کہلا بھیجے تھے ایک یہ کہ عام معترضوں سے سوال وجواب کرنا مفید نہیں جو شخص مدرسہ پر اعتراض کرے ایک دفعہ

اس کے سامنے حقیقت ظاہر کردے پھر جواب نہ دے۔ دوسرے یہ کہ یہ اعلان کردیا جائے کہ ہم اصول صحیحہ پر مدرسہ چلائیں گے۔ اور چندہ کا حساب ایک دفعہ شائع کردیں گے اور ہر شخص کو حساب نہ دیں گے۔ اگران شرائط کے ساتھ کسی کو ہم پر اعتماد ہوتو چندہ بھیجے ورنہ نہ دے۔ (الکلام الحسن۔ ص:۵۴)

جس شخص کو کسی کام کا اہل مان لیا جائے اس کے افعال پر اعتراض نہ کرنا چاہیے اگر کسی کے فعل کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو کسی وقت اس سے بطور عرض کے اس سے سوال کیا جاسکتا ہے۔

اعتراض کی اصلاً گنجائش نہیں کیونکہ اس کو جاننے والا تسلیم کیا جاچکا ہے۔ بعض لوگ مدرسوں میں جاتے ہیں تو طرح طرح کی رائے دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ کورس ایسا ہونا چاہیے۔ کوئی کہتا ہے کہ خودداری کی تعلیم ہونی چاہیے، تم کیا جانو جو لوگ اس کے اہل ہیں جن کے ہاتھ میں مدرسہ ہے وہ اس کے نشیب و فراز کو سمجھ سکتے ہیں آپ نے ان کے ہاتھ میں مدرسہ دے دیا ہے تو ان کی رائے میں دخل نہ دیجئے۔

ہاں اگران میں نااہلیت ثابت ہوجائے تو ان کو معزول کر کے کسی دوسرے اہل کے ہاتھ مدرسہ دے دیجئے اور اس دوسرے کے بارے میں یہی کہوں گا کہ اس کی رائے میں دخل مت دینا۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ ایک شخص کو کسی کام کا اہل مان کر پھر اس کی رائے کو نہ مانا جائے اور اس کے مقابلہ میں رائے زنی کی جائے۔ غرض جو آدمی جس کام کا ہو اس کو وہ کام کرنے دو۔ (التبلیغ۔ ص:۲۲ر۷)

فصل ۲

طلبہ اور اسٹرائک

استفتاء (سوال ۵۰۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مذہبی درسگاہوں میں انتظامی امور میں طلبہ کا مدرسین و منتظمین سے مقابلہ میں احتجاجی طور پر اسٹرائک یعنی تعلیمی مقاطعہ کرنا شرعاً کیسا ہے اگر مطلقاً اس پر کوئی شرعی حکم اثبات یا نفی کے متعلق ہو تو بدلائل تحریر فرمایا جائے اور اگر اس میں کچھ تفصیل ہو تو ظاہر فرمائی جائے۔

سوال کی وجہ یہ ہے...... کہ مدرسہ میں طلبہ نے ایک ہفتہ تک اسباق پڑھنے سے ہڑتال کر کے تعلیمی مقاطعہ کردیا تھا تو کیا ان طلبہ کو اس مقاطعہ کا شرعاً حق تھا یا نہیں اور ان کا یہ فعل شرعاً کیسا تھا؟ بدلائل شرعیہ واضح فرمایا جائے۔ (امداد الفتاویٰ۔ ص:۲۰۱ر۹)

اسٹرائک کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم

الجواب هو الموفق للصواب. ”یہ جواب اصلاً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہے اس کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرنگرانی مولانا حبیب الرحمن کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے جو جواب لکھا گیا اس کو بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصل جواب کا جزء قرار دے کر

اس کو بھی اس میں شامل فرمالیا''

اسٹرائک کی حقیقت ایسی جماعت سے قطع تعلقات کرنا ہے جو اس کے دینی تعلیم میں تعلیماً یا عملاً معین (ومددگار) ہو اور تعلیم دین عبادت ہے اور اس کے معین ومعاون فی العبادات ہیں (اس وجہ سے اس) آیت وحدیث کے مصداق ہیں۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَفِيالْحَدِيْثِ اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَا فِيْهَا مَلْعُوْنٌ اِلَّا ذِكْرُاللهِ وَمَا وَالَاهُ اَوْ عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ.

''تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں تعاون کرو۔'' ''دنیا اور دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب ملعون ہے سوائے ذکر اللہ کے یا جو اس کے متعلقات وتوابع میں سے ہو اور سوائے عالم اور متعلم کے۔''

اور نیز یہ (اساتذہ) اس کے محسن بھی ہیں اور عموماً اپنے محسن سے تعلق ومحبت رکھنا حدیث ''مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ'' (یعنی جس نے لوگوں کا شکریہ نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا) مامور بہ ہے اور حدیث ''مَنْ عَلَّمَ عَبْدًا اٰيَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ فَهُوَ مَوْلَاهُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّخْذُلَهٗ وَ لَا يَسْتَاثِرَ عَلَيْهِ''

یعنی جس نے کسی کو کتاب اللہ کی ایک آیت سکھلادی تو وہ اس کا آقا ہوگیا۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اس کو چھوڑ دے یا اس کے مقابلہ میں دوسرے کو ترجیح دے۔

اس حدیث کے بموجب خصوصیت کے ساتھ اپنے معلم اور اپنے معاون فی الدین (دین کے معاملہ میں جو اس کا مددگار رہو اس) سے عظمت (ومحبت) کا تعلق رکھنا مامور بہ ہے (واجب ہے) اور اس مامور بہ (واجب) تعلقات کا قطع کرنا آیت ''وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ'' (اور قطع کرتے ہیں وہ لوگ اس رشتہ کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے زمین میں فساد برپا کرتے ہیں) کی وجہ سے محلِ وعید اور فساد میں داخل ہے، اس سے اس رسم کا ممنوع اور مذموم ہونا ثابت ہوگیا یہ تو اس ذات کے اعتبار سے اس کا شرعی حکم ہے اور دوسرا حکم عوارض کے اعتبار سے ہے جس کی فہرست طویل ہے۔ (امداد الفتاوی۔ ص:۲۰۲/۶)

اسٹرائک کی عدم مشروعیت وعدم جواز کے دلائل

اسٹرائک ایک یورپین کی ایجاد ہے اور مسلمانوں میں نہ کبھی اس کا وجود ہوا اور نہ وہ اس کو جانتے ہیں اس لیے صراحۃً تو اس کا حکم قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے ملنا مشکل ہے ہاں اصول شرعیہ سے اس کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ منتظمین کے خلاف مدارس کے طلبہ کی اسٹرائک کرنا قواعدِ شرعیہ کی رو سے ناجائز ہے۔

عدم جواز کی پہلی دلیل

اولاً اس لیے کہ اسٹرائک کا مقصود منتظمین پر دباؤ ڈالنا ان کو اپنے مطالبات کے ماننے پر مجبور کرنا ہے اور طلبہ کو کسی حالت میں اس قسم کے دباؤ ڈالنے کا حق نہیں کیونکہ طلبہ محکوم ہیں اور منتظمین حاکم اور محکومین پر حاکم کی اطاعت اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ان کو کسی خلاف شرع امر کا حکم نہ دیا جائے۔

پس طلبہ کا منتظمین پر حکومت کرنا قلب موضوع اور شریعت کو بدل دینا ہے لہٰذا اسٹرائک جائز نہیں ہوسکتا۔ (امداد الفتاوٰی۔ص:۲۰۳/۶)

عدم جواز کی دوسری دلیل

دوسرے جس وقت طالب علم مدرسہ میں داخل ہوتا ہے اس وقت مدرسہ کے قانون کا التزام کرتا ہے اور جب وہ اسٹرائک کرتا ہے تو مدرسہ کے قانون کو توڑتا ہے یہ صریح بدعہدی ہے اس لیے اسٹرائک کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

تیسری دلیل

چونکہ مدرسہ کا اساسی مقصود تعلیم ہے اور مدرسہ کی عمارتیں انہی طلبہ کے آرام کے لیے ہیں جو کہ مدرسہ میں تعلیم پائیں ایسی حالت میں طلبہ کا تعلیم چھوڑ کر مدرسہ کی عمارت پر قبضہ رکھنا ایک غاصبانہ قبضہ ہے جو جائز نہیں ہوسکتا۔ (امداد الفتاوٰی۔ص:۲۰۳)

اسٹرائک کے مقاصد ومفاسد

اسٹرائک کی غرض ایسے مطالبات پر جبر کرنا ہے جو ان مقاطعین (اسٹرائک کرنے والوں) کا حق واجب نہیں۔ اور اس جبر فی التبرع (یعنی تبرعات جو کہ واجب ہوتے ہیں اس میں جبر کرنے) کی حرمت معلوم ہے...... اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ مطالبات گو ان مقاطعین (اسٹرائک کرنے والوں) کا حق نہ ہوں مگر حقوق الٰہیہ واجبہ تو ہیں (اور اہل مدرسہ پر تو ان کی ادائیگی واجب ہے) اور انکے ترک کرنے پر قطع تعلقات وہجران (چھوڑ دینا) مشروع ہے۔ سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اسٹرائک کرنے والے ان کے وجوب وعدم وجوب پر ہرگز نظر نہیں کرتے محض اپنی خواہش نفسانی کے خلاف ہونے کی بناء پر شورش (اور ہنگامہ) برپا کرتے ہیں۔

پھر قطع تعلقات ہی پر اکتفاء نہیں کرتے جس کی صورت یہ تھی کہ مدرسہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے بلکہ اہل خیر کی جماعت کو بدنام کرتے ہیں اور ان پر پھبتیں لگاتے ہیں انکی غیبتیں کرتے ہیں جو مطلقاً اہل شر کے ساتھ بھی شرعاً جائز نہیں چہ جائیکہ اہل خیر کے ساتھ۔ (امداد الفتاوٰی۔ص:۲۰۲/۶)

ظلم در ظلم ضرر در ضرر

ان کے طبقہ میں جو لوگ (یعنی جو طلبہ اسٹرائک میں شریک نہ ہوکر) یکسو رہنا چاہتے ہیں (یہ لوگ) ان پر جبر کرتے ہیں جس سے ان کا دنیوی اور دینی ضرر ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ اسٹرائک کرنے والے "یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" (یعنی اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں) اور "لَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ" (اسلام میں اضرار یعنی نقصان پہنچانا جائز نہیں) کے مصداق بنتے ہیں۔

بلکہ بعض اوقات شخصی ضرر سے گزر کر خود تعلیم لے گا (مدرسہ) کے خطرے میں پڑ جانے کی وجہ سے جمہوری ضرر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ (جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہے)

(آج کل اسٹرائکوں میں ہوتا یہ ہے کہ) ایک یا کئی سرغنے باقی طلبہ کو اپنی فریب آمیز تقریروں سے قانون شکنی پر آمادہ کرتے ہیں اور جو ان کی فریب آمیز تقریروں سے بھی متاثر نہیں ہوتے ان کو ناجائز دباؤ ڈال کر اپنے اثر میں لاتے ہیں اور یہ تمام امور شرعاً ناجائز ہیں اس لیے اسٹرائک بھی جائز نہیں ہوسکتی۔

(امداد الفتاویٰ۔ ص: ۶/۲۰۴)

ایک بڑا مفسدہ

(یہ اسٹرائک کرنے والے) اپنی اغراض کی تحصیل و تکمیل کے لیے فساق و فجار سے مدد لیتے ہیں جو اس جماعت مقطوعہ کے منکرات مزعومہ (یعنی بزعم طلبہ اہل مدرسہ کے منکرات) سے کہیں زیادہ منکرات حقیقیہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان پر نکیر کی بھی توفیق نہیں ہوتی جس کی وجہ سے آیت "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ"

(وہ اپنے مقدمے شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں) اور "کَانُوْا لَا یَتَنَاہَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ" (جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے) کی وعید کے محل بنتے ہیں۔ اور اہل باطل کے طریقہ کو اہل حق کے طریقہ پر اعتقاداً یا عملاً ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ سے وعید۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا

"اور بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بنسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں"

کے مصداق بنتے ہیں۔

اسٹرائک کے مفاسد اور عدم جواز کے دلائل کا خلاصہ

الغرض اسٹرائک میں چند مفاسد ہیں مثلاً اس کا یورپین بدعت ہونا۔ ۲۔ شریعت کے حکم کو

بدلنا۔ ۳۔ مدرسہ کے قانون کو توڑ کر بد عہدی کا ارتکاب کرنا۔ ۴۔ دوسروں کو فریب (دھوکہ) دینا۔ ۵۔ ان کو عہد شکنی پر آمادہ کرنا۔ ۶۔ منتظمین پر ناجائز دباؤ ڈالنا۔ ۷۔ ناموافق طلبہ پر جبر کرنا۔ ۸۔ مدرسہ کے انتظام میں ایسی خرابیاں پیدا کرنا جس کی اصلاح ناممکن ہو کیونکہ طلبہ جب اسٹرائک کے خوگر ہو جائیں گے تو منتظمین کا کوئی ایسا حکم نہ چلنے دیں گے جو ان کی خواہش کے خلاف ہوگا اور اس کا نتیجہ فساد ہونا ظاہر ہے اور کوئی مدرسہ ایسی حالت میں قائم نہیں رہ سکتا اور اس لیے گر یا یہ مدرسہ کو توڑ دینا ہے اور یہ امور ایسے ہیں کہ ان کے ناجائز ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا اس لیے اسٹرائک ناجائز ہے۔

وفی مفاسد هذا العمل کثرة لا تحصی وعلی من تتبع واستقرء لا تخفی

اسٹرائک کرنے کا نقصان

اسٹرائک کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے اسٹرائک کرنے والے طلبہ مقطوعین (یعنی اہل مدرسہ) کی ضد و عداوت میں محدود مدت تک یا ہمیشہ کے لیے علوم دینیہ سے محروم ہو جاتے ہیں اور اس آیت کے مشابہ مصداق ہو جاتے ہیں۔

"بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ"۔ [بقرہ،۹۰]

"وہ حالت (بہت ہی) بری ہے جس کو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں اور وہ حالت یہ ہے کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی محض اسی ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو نازل فرمائے"۔

اسٹرائک کے قائلین کے جواز کے دلائل

فاضل مضمون نگار کا اصل منشاء یہ ہے کہ ناظم وغیرہ کے مقابلہ میں طلبہ نے جو اسٹرائک کی ہے وہ شرعاً بالکل حق بجانب ہے اور زمانہ اسٹرائک میں ان طلبہ کا کھانا بند کر دینا یا بورڈنگ سے نکال دینا جائز نہیں۔ اس کے اثبات یا تائید یا تمہید کے لیے آپ نے مجموعی طور سے چار واقعات ذکر کیے ہیں۔

دلیل اول: حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے جرم میں مسطح کا نفقہ بند کر دیا اور قسم کھائی تھی کہ ان کو کبھی کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچائیں گے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو اخلاقی حیثیت سے روک دیا۔

دلیل ثانی: دنیا میں سب سے زیادہ تمدن دیہات کا ہوتا ہے لیکن تمام دیہاتوں میں ذات (بائیکاٹ) کرنے کا طریقہ جاری ہے جس کی رو سے ایک شخص کا حقہ پانی کھانا پینا بند کر دیا جاتا ہے۔ (گویا یہ بھی اسٹرائک کی ایک سادہ شکل ہے)

تیسری دلیل: ابتدائے بعثت میں تمام قریش نے اس مضمون کا ایک عہد نامہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا تھا کہ قریش میں کوئی شخص بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو اپنی لڑکی نہ دے گا۔ ان سے لین دین خرید وفروخت نہ کرے گا ان سے ہم کلام نہ ہوگا۔ (وغیرہ)

چوتھی دلیل: اسلام میں جب کسی شخص نے قومی منافع پر شخصی فوائد کو ترجیح دی تو اس کے خلاف صحابہ ﷺ اور خود آنحضرت ﷺ نے اس قسم کا طرز عمل اختیار فرمایا: غزوہ تبوک میں تن آسانی کی وجہ سے شریک نہ ہونے پر کعب بن مالک، مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین پر سخت ناراضی ظاہر کی اور تمام صحابہ کو ایک مدت تک ان کے ساتھ سلام وکلام اور نشست و برخاست کی ممانعت رہی، آخر کار جب خدا کے یہاں سے ان تینوں کی معافی کا پروانہ آ گیا تب اسٹرائک ٹوٹی۔ (صحیح بخاری) یہ خلاصہ ہے ان حضرات کے دلائل کا ہے جو اسٹرائک کو جائز سمجھتے ہیں۔

دلائل کا تجزیہ نقد وتبصرہ

ان دلائل میں سے پہلی دلیل (یعنی صدیق اکبر ﷺ کا واقعہ) تو قطع نظر اس ہے کہ قرآن مجید نے اس کو جائز اور پسندیدہ قرار دیا یا نہیں، اسٹرائک کے اصلاحی مفہوم جو متنازعہ فیہ (زیر بحث) ہے۔ کوئی تعلق نہیں رکھتا (جیسا کہ ظاہر ہے)۔

باقی دوسری دلیل (یعنی دیہاتیوں کے ذات یعنی حقہ پانی بند کرنے کے طریقہ سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شرعی جواز و عدم جواز پر کہاں تک روشنی پڑ سکتی ہے اور ایک مذہبی مسئلہ کے احتجاج میں دیہاتیوں کے اس طرز عمل کو پیش کرنا کس حد تک درست ہے۔ (امداد الفتاوی۔ ص:۶/۲۰۶)

اگر جائز ہو سکتا ہے تو طلبہ کے خلاف اساتذہ کا اسٹرائک کرنا جائز ہو سکتا ہے

البتہ تیسری اور چوتھی دلیل (یعنی آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں قریش کا عمل اور کعب بن مالک وغیرہ ﷺ کے مقابلہ میں حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل) ایک خاص حد تک اس قسم کے مباحث کے وقت ذکر کیے جانے کا مساغ رکھتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوقات جن وانس عرب وعجم کے لیے ہادی اور استاد اور معلم بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے منصب کو "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" (مجھ کو معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے) کے الفاظ سے ادا فرمایا ہے۔

اور اس اعتبار سے تمام بنی آدم کو طوعاً و کرہاً آپ کے ساتھ تلمذ کی نسبت اور شاگردی کا تعلق حاصل ہونا چاہیے پس ہمارے نزدیک فاضل مضمون نگار کی توجیہات کے مقابلہ میں یہ کہنا زیادہ

چسپاں ہوگا کہ قریش مکہ نے اپنی جہالت وسفاہت کی وجہ سے جو اسٹرائک آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں کی چونکہ وہ شاگرد کی اسٹرائک استاد کے اور متعلم کی اسٹرائک اپنے حقیقی معلم کے مقابلہ میں تھی اس لیے وہ بے شک قابل نفرت وملامت (اور ناجائز) تھی اور اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کی جانب سے جو اسٹرائک (اگر اس کو اسٹرائک کہا جائے تو) چند شاگردوں کی غفلت اور خطا کاری کے مقابلہ میں عمل میں آئی اور وہ استاد کی اسٹرائک شاگرد کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے ٹھیک ٹھیک حق بجانب رہی اس اسٹرائک کے دباؤ کا نتیجہ کعب بن مالک ؓ وغیرہ کے حق میں یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ جب ان سے مسلمانوں کے رشتے ناتے توڑ دیے گئے اور اخوت وارتباط کے باہمی سلسلے سب منقطع ہوگئے تو وہ اپنے سادہ دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوکر گڑگڑائے اور ہر طرف کے عارضی سہارے کو چھوڑ کر صرف اللہ رب العزت کی جناب کو پکڑا جس کے نتیجہ میں یہ بشارت نازل ہوگئی. " لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ...... وَعَلَى الثَّلاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْ" [الآیۃ]

جن لوگوں نے آج کل مسئلہ اسٹرائک پر بحثیں کی ہیں۔ انہوں نے بار بار استاد شاگرد کے تعلقات کو باپ بیٹے کے تعلقات سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ اس اعتبار سے نہایت بلیغ ہے کہ باپ کی مادی تربیت سے استاد کی روحی تربیت کسی طرح کم نہیں۔ پس جب والدین کے مقابلہ میں اولاد کی اسٹرائک کا یہ حال (اور یہ حکم) ہے"وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا" (لقمان) "اور اگر تیرے والدین تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا" سو شاگردوں کو بھی استاد کے مقابلہ میں (بالخصوص جبکہ استاد اپنے شاگردوں کے اخلاق کی اصلاح کا کفیل ہوتا ہے) اسٹرائک کا اس سے زیادہ کچھ استحقاق نہیں ہوتا۔

اس بناء پر قریش مکہ اور غزوۂ تبوک کے جن دو واقعات سے فاضل مضمون نگار نے اپنا مدعا (جواز اسٹرائک کا) ثابت کرنا چاہا تھا ان سے اس کے برخلاف یہ ثابت ہوا کہ کسی قومی یا مذہبی درسگاہ کے طلبہ کی اسٹرائک جو اپنے اساتذہ اور مصلحین ومربیین کے مقابلہ میں ہو اسراسر ناجائز ہے اور اگر بالفرض اساتذہ اپنے بعض تلامذہ کے مقابلہ میں تعزیراً اسٹرائک کردیں تو یہ نہ فقط جائز بلکہ مستحسن ہے۔ واللہ اعلم۔

(امداد الفتاوی۔ ص: ۲۰۹/۶)

اخراج کے قابل طلبہ

کیسے طلبہ کو مدرسہ میں نہ رکھنا چاہیے

(۱) سخت افسوس یہ ہے کہ بعض عربی پڑھنے والے طلبہ خلاف شرع داڑھی رکھنے اور خلاف شرع لباس پہننے کی بلا میں مبتلا ہیں ان لوگوں پر سب سے زیادہ وبال پڑتا ہے اول تو اس وجہ سے کہ اوروں سے زیادہ واقف پھر دوسروں کو نصیحت کریں مسئلے بتائیں اور خود بے عمل ہوں۔

عالم بے عمل کے حق میں کیا کیا وعیدیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں پھر ان کو دیکھ کر اور جاہل گمراہ ہوتے ہیں۔ پھر ان کی گمراہی کا وبال انہیں کے برابر ان پر پڑتا ہے۔

مدارس اسلامیہ کے مدرسین ومہتممین پر واجب ہے کہ جو طالب علم ایسی حرکت کرے یا اور کوئی امر خلاف وضع شرعی کرے۔ اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ مدرسہ سے خارج کردینا چاہیے، ایسے شخص کو قوم کا مقتدا بنانا تمام مخلوق کو تباہ کرنا ہے...... طلبہ کے تمام افعال کی نگہداشت کرو، لباس کی بھی دیکھ بھال رکھو، جو لوگ کوٹ پتلون بوٹ وغیرہ پہنتے ہوں ان کو اہل علم کے لباس کی ہدایت کرو ورنہ مدرسہ سے الگ کرو چاہے مشابہت تامہ ہو یا مشابہت ناقصہ سب کا انتظام کرو، اور ان سے صاف کہہ دو کہ اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالب علموں جیسی صورت بناؤ ورنہ رخصت پر ہو جاؤ۔ (مظاہر الاعمال۔ص:۵۴)

(۲) جس شخص کے اخلاق خراب ہوں اولاً تو اس کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے بات بات پر اس کو ٹوکا جائے اگر اصلاح کی امید نہ رہے تو مدرسہ سے علیحدہ کردیا جائے۔

(تعظیم العلم۔ص:۲۴)

(۳) میں ایسے شخص کو مدرسہ میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔

(مقالات)

(۴) اسی طرح جس طالب علم کی طبیعت میں کجی معلوم ہو سلامتی سے محروم اس کو بھی پورا نصاب نہ پڑھایا جائے کیونکہ تکمیل نصاب کے بعد وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو عالم ومقتداء سمجھیں گے اور ایسا شخص مقتدا ہو کر جو کچھ ستم ڈھائے گا ظاہر ہے۔

میری رائے میں ایسے لوگوں کے لیے ایک مختصر نصاب جو ضروری مسائل واحکام کے لیے کافی ہو پڑھا کر کہہ دیا جائے کہ جاؤ دنیا میں کوئی کام سیکھو۔ (تعظیم العلم)

پہلے اکابر علماء جس میں جاہ کا مرض دیکھتے تھے اس کو اپنے حلقہ درس سے نکال دیتے تھے۔

(الکلام الحسن۔ص:۵۴)

مولوی ہونے یا مقتدا بننے کے لیے کچھ شرطیں ہیں جن میں سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس شخص میں حق

پرستی ہو، نفس پرستی نہ ہو کہ اپنی طمع کی وجہ سے مسئلہ کو بدل دے۔

اسی لیے میں اہل مدارس کو رائے دیتا ہوں کہ وہ اپنی ضابطہ پوری اور کاروائی دکھلانے کی غرض سے بد طینت لوگوں کو داخل نہ کریں۔

طلبہ کی قلت وکثرت کی ذرا بھی پرواہ نہ کیا کریں، بلکہ جس شخص کی حالت مقتدائیت کے مناسب نہ دیکھیں اس کو فوراً مدرسہ سے خارج کر دیں کیونکہ ہم بہت سوں کو مولوی بنانا جائز نہیں سمجھتے، آج جو علماء کا گروہ بدنام ہے یہ ان ہی طماعوں کی بدولت ہے۔

جس شخص کو اپنی بات کی پچ کرنے کا مرض ہو وہ ہرگز پڑھانے کے قابل نہیں۔ اگر اس کے اس مرض کا علاج نہ کیا گیا اور اسی طرح سر آنکھوں پر بٹھالیا گیا تو اس میں ہمیشہ کے لیے یہ عادت پختہ ہو جائے گی کہ جو بات اس کے منہ سے نکلے گی اس کی پچ کیا کرے گا۔ حق ناحق کی ذرا بھی پروا نہ کرے گا۔ اس کا دین پر جو اثر پڑے گا وہ ظاہر ہے۔ (تعظیم العلم۔ ص:۴۱)

باب نمبر۴

مدارس کے شعبے

﴿فصل ۱﴾

مدارس میں خانقاہی نظام، یعنی سلوک واخلاق کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ضروری ہے

آج کل خانقاہ بنانے والوں کو چاہیے کہ خانقاہ کے نام سے نہ بنائیں، بلکہ مدرسہ ہی کے نام سے بنائیں اور اس میں کام کریں خانقاہ کا، کیونکہ ایک تو خانقاہ کے نام سے شہرت زیادہ ہوتی ہے دوسرے بعد میں خانقاہ کے اندر بدعات ہونے لگتی ہیں، کوئی عرس کرتا ہے، کوئی قوالی کرتا ہے پھر گدی نشینی کا قصہ ہوتا ہے۔ جس میں جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں اس سے بہتر یہ ہے کہ خانقاہ کا نام نہ کیا جائے بلکہ مدرسہ بناؤ اور اس میں تربیت اخلاق اور تعلیم وسلوک کا کام کرو کہ وہی حقیقی مدرسہ بھی ہوگا۔ اور وہی خانقاہ بھی ہوگی۔

پس حقیقی مدرسہ وہ ہے جس میں علم کے ساتھ عمل کی بھی تعلیم اور نگہداشت ہو۔ پس اے مدرسہ والو! تم اپنے مدرسوں کو سنبھالو اور ان کو حقیقی مدرسہ بناؤ یعنی طلبہ کے اعمال کی بھی نگہداشت کرو، ورنہ یاد رکھو۔

''کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ'' کے قاعدہ پر آپ سے اس کے متعلق سوال ہوگا کیونکہ آپ طلبہ کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعایا ہیں پس یہ جائز نہیں کہ آپ طلبہ کو سبق پڑھا کر الگ ہو جائیں بلکہ یہ بھی دیکھتے رہو کہ ان میں سے کون علم پر عمل کرتا ہے اور کون عمل نہیں کرتا جس کو عمل کا اہتمام ہو، اسے پڑھاؤ ورنہ مدرسہ سے باہر نکال دیا کرو جب تو آپ کا مدرسہ واقعی دار العلوم ہوگا۔

طلبہ کے تمام افعال کی نگہداشت کرو۔ لباس کی بھی دیکھ بھال رکھو۔ جو لوگ کوٹ، پتلون، بوٹ وغیرہ پہنتے ہوں ان کو اہل علم کے لباس کی ہدایت کرو ورنہ مدرسہ سے الگ کرو چاہے مشابہت تامہ ہو یا مشابہت ناقصہ، سب کا انتظام کرو، اور ان سے صاف کہہ دو کہ اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالب علموں سی صورت بناؤ ورنہ رخصت ہو جاؤ۔

مدارس میں مبلغین کا انتظام بہت ضروری ہے

فرمایا میں نے اپنے تعلق کے بعض مدارس کو بار بار لکھا کہ جیسے آپ کے یہاں مدرسین کو تنخواہ ملتی ہے اور یہ تعلیم و تدریس گو خاص تبلیغ ہے اسی طرح مدرسہ سے تبلیغ عام کا بھی انتظام ہونا چاہیے اور مدرسہ کی طرف سے تنخواہ دار مبلغ رکھے جائیں اور ان کو اطراف و جوانب میں بھیجا جائے اور ان کو تاکید کی جائے کہ چندہ نہ مانگیں صرف احکام پہنچائیں مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی حالانکہ اس سے بہت نفع کی امید تھی بلکہ اس سے چندہ بھی زیادہ وصول ہوتا۔ (مظاہر الامال ملحقہ دین و دنیا،ص:۵۶۱)

ہر مدرسہ میں کم از کم ایک واعظ ضرور ہونا چاہیے

ہر اسلامی مدرسہ و انجمن کم از کم ایک واعظ بھی مقرر کرے اور یہ سمجھے کہ ضرورت تعلیم کے لیے ایک مدرس کا اضافہ کیا کیونکہ جس طرح مدرسہ کے معلمین طلبہ کے مدرس ہیں واعظین عوام کے مدرس ہیں اور اہل انجمن یہ سمجھیں کہ یہ تعلیم عوام کے لیے ان کی انجمن کی ایک شاخ ہے۔

دینی مدارس میں مبلغ اور واعظ ہونے کے فوائد

علماء کو آج کل مدارس کی طرف بہت توجہ ہے اور ہونی بھی چاہیے کیونکہ علوم اسلامیہ کی بقاء کی صورت یہی ہے اور اس کے لیے وہ چندے وغیرہ کرتے ہیں اور چندہ دینے والے زیادہ تر عوام ہیں تو علماء کو چاہیے کہ عوام کو اپنی طرف مائل کریں اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ تبلیغ کے لیے رکھا جائے جس کا کام صرف یہ ہو کہ احکام کی تبلیغ کرے اور اس کو ہدایا (تحائف) لینے سے قطعاً منع کر دیا جائے اور استحساناً یہ بھی کہہ دیا جائے کہ مدرسہ کے لیے بھی چندہ نہ کرے بلکہ اگر کوئی خود بھی دے تو قبول نہ کرے، بلکہ مدرسہ کا پتہ بتلا دے اگر تم کو بھیجنا ہو تو اس پتہ پر بھیج دو، واعظ کو محصل چندہ نہ ہونا چاہیے۔ محصل

چندہ اور لوگ ہوں، واعظ کا کام صرف وعظ کہنا ہو اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے وعظ میں جب چندہ کا ذکر نہ ہوگا تو بے غرض وعظ ہوگا۔ اس کا مخاطب پر بڑا اثر ہوتا ہے پھر عوام کو اس مدرسہ سے تعلق ہوگا کہ اس مدرسہ سے ہم کو دین کا نفع پہنچ رہا ہے اس کی امداد کرنا چاہیے اور اب تو عوام کو یہ بڑا اعتراض ہے کہ صاحب ہم کو مدرسہ سے کیا نفع بس عربی پڑھنے والوں ہی کو کچھ نفع ہوگا اور واقعی ایک حد تک یہ اعتراض بھی صحیح ہے اسی لیے جن عوام سے آپ چندہ لینا چاہتے ہیں ان کو بھی تو کچھ نفع پہنچنا چاہیے جس کی صورت میں نے بتلادی کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ محض وعظ کے لیے ہونا چاہیے۔ اگر ہر مدرسہ میں ایک ایک واعظ ہو جائے تو پھر دیکھیے: عوام کو مدرسہ سے کیسا تعلق ہوتا ہے اور چندہ کی بھی کیسی کثرت ہوتی ہے۔

یہ چلتے ہوئے نسخے ہیں اگر شبہ ہو تو تجربہ کر کے اس کے نفع کا مشاہدہ کر لیجیے، میں اہل مدارس سے کہتا ہوں کہ امتحان کے طور پر کچھ عرصہ کے لیے اس پر عمل کر کے دیکھ لو۔ اگر تمہارے مدرسہ کو اس سے نفع نہ ہو تو اس کام کو بند کر دینا ہر وقت اختیار میں ہے۔ (حقوق و فرائض۔ ص:۱۱۶)

بڑے اداروں میں بڑے پیمانہ پر مبلغین کا نظم

میری رائے ہے کہ مدارس اسلامیہ جیسے دیوبند سہارنپور کی طرف سے ہر جگہ مبلغ رہیں تمام ممالک کے ہر حصہ میں مستقل طور پر ان کا قیام ہو باضابطہ نظم ہو اور دیگر ممالک میں مبلغ تیار کر کے بھیجے جائیں۔

(انفاس عیسیٰ ص:۲/۲۰۲)

تمام مدارس کے لیے ضروری مشورہ

میں تمام اہل مدارس دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ ہر مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی ہونے چاہئیں یہ سنت نبویہ ہے اور پڑھنا پڑھانا اسی مقصود کا مقدمہ ہے اصل مقصود تبلیغ ہی ہے۔

عرصہ ہوا میں نے دیوبند والوں کو اس کا مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتی رہنی چاہیے۔ جس کا کام صرف تبلیغ ہو۔ اور ہر شہر میں اس کی آبادی کے مطابق مبلغ یا ان کی آمد و رفت رہنی چاہیے۔ مگر کوئی خاص انتظام نہیں ہوا۔ (افاضات الیومیہ۔ ص:۶/۳۸۹)

واعظ بننے کا اہل

یہ واعظ خواہ متبحر عالم نہ ہو۔ مگر دینیات پر کافی نظر ہو کہ تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت یا غلط مسئلہ بیان نہ کرے۔ (تجدید تعلیم۔ ص:۱۸۸)

واعظ و مبلغ کے لیے ضروری ہدایت

۱۔ بلاضرورت اختلافی مسائل بیان نہ کرے اور اگر ضرورت ہی پڑ جائے تو عنوان نرم و سہل ہو اگر کسی شخص کا نام لینا پڑے تو اس کی نسبت سخت کلمہ نہ کہے۔ بس متانت سے شرح حل کر دے خواہ کوئی

۲۔ عام طور پر واعظ کسی کی دعوت قبول نہ کرے۔ البتہ اگر داعی پہلے سے شناسا (جانا پہچانا) و مخلص ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یا شناسا نہ ہو مگر قرائن سے مخلص ہونا دل کو لگتا ہو تو بھی مضائقہ نہیں مگر از قسم ہدیہ نقد وغیرہ ہرگز قبول نہ کرے۔

۳۔ سیاسی امور یا کسی کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں واعظ دخل نہ دے اگر اس کی درخواست بھی کی جائے تو صاف انکار کر دے۔

۴۔ کسی کو تعویذ گنڈے دینے یا بیعت لینے سے واعظ کو قطعاً منع کر دیا جائے اگرچہ وہ اس کا اہل بھی ہو۔

۵۔ کسی مدرسہ یا انجمن کے لیے چندہ کی ہرگز ترغیب نہ دے بلا ترغیب کوئی دے تب بھی انکار کر دے پھر بھی نہ مانے تو کہہ دے کہ براہ راست مرکز میں بھیج دو میں نہیں لیتا۔ (ص:۱۸۹)

تحریر و تقریر میں مہارت پیدا کرنے کی ضرورت

اتنی ضرورت اس زمانہ میں ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دیگر عام تعلیم کی خوش تحریری و خوش تقریری کا اہتمام بھی مدارس میں بالالتزام کیا جائے اس طور پر کہ وہ طلبہ کا اختیاری امر نہ رہے بلکہ سب کو اس پر مجبور ہونا پڑے۔ (حقوق العلم۔ص:۵۲)

تبلیغ کا ایک مقدمہ اور بھی ہے یعنی تقریر کی مشق وہ بھی کیجئے مدرسہ میں اس کا سامان موجود ہے اس کو غنیمت سمجھئے اور ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے ایسا سامان کہیں نہ ملے گا۔ (آداب تبلیغ۔ص:۱۲۱)

ہم نے بعض اہل علم ایسے بھی دیکھے ہیں جن کو تقریر و تحریر نہیں آتی سو ان لوگوں سے بہت کم لوگوں کو نفع پہنچ سکتا ہے۔

اور پھر تحریر کے مقابلہ میں تقریر کی مہارت پیدا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ تحریر سے تو نفع خاص ہوتا ہے یعنی صرف طلبہ اور خواندہ لوگوں کو نفع ہوتا ہے اور تقریر میں نفع عام ہے جس میں خاص بھی داخل ہیں اور ان کا افادہ اس پر موقوف ہے کہ قوت بیانیہ بقدر ضرورت حاصل ہو پس ہمارے طلبہ کو دونوں کی تکمیل اور مشق کی ضرورت ہوئی کہ جب وعظ کہیں تو عوام الناس پوری طرح سمجھ سکیں اور جب درس دیں تو طلبہ خوب سمجھ لیں۔ (تعلیم البیان۔ص:۱۵)

غیر عالم مولوی اور حفاظ کے لیے صنعت و حرفت کا مستقل شعبہ

ایسے لوگوں کو کوئی دنیا کا کام سکھا دیا جائے تاکہ وہ مضطر ہو کر دین کو حرفہ نہ بنائیں۔ اور انہی کے لیے سہل صورت یہ ہے کہ امراء چندہ کر کے جا بجا صنعت و حرفت کے مدرسے (شعبے) کھلوا دیں اور بچپن ہی سے سب کو کوئی نہ کوئی دستکاری ضرور سکھلائی جائے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۵۰ جدید)

دینی مدارس میں دنیوی تعلیم نہ ہونا ہی مایہ ناز ہے

مدرسہ دیوبند کی بابت بڑے بڑے انگریزوں کی یہ تحریر ہے کہ ’’اگر اس مدرسہ کی مذہبی تعلیم میں دنیاوی تعلیم شامل ہوگئی تو اس کا مذہبی خالص رنگ باقی نہ رہے گا جو اس مدرسہ کا مایہ ناز ہے‘‘۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دستار بندی کے جلسے میں یہ مضمون فرمایا کہ اکثر لوگوں کو اس مدرسہ کی حالت دیکھ کر خیال ہوگا کہ یہاں علوم معاش کا کچھ انتظام نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدرسہ اس لیے ہے ہی نہیں، نہ ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ اس میں تمام علوم کی تعلیم ہوگی یہ تو صرف ان کے لیے ہے جن کو فکر آخرت نے دیوانہ بنایا ہے۔ (حسن العزیز۔ ص: ۴/۳۰۸)

دینی مدارس میں اعلیٰ معیار کی انگریزی اور معاشی فنون کی تعلیم کیوں نہ ہونا چاہیے

حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض عقلاء اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہم سے یہ کہتے ہیں کہ مدرسہ کی موجودہ تعلیم سے فارغ التحصیل طلبہ کے معاش کا کوئی انتظام نہیں ہوتا اس لیے اس وقت تو یہ مدارس صرف ان لوگوں کے کام کے ہیں جو آخرت کے دیوانے اور اس پر سب کچھ قربان کرنے والے ہیں اگر ان مدارس میں کچھ انگریزی تعلیم یا صنعت وحرفت کی بھی جاری کردی جائے تو یہ تعلیم سب مسلمانوں کے لیے مفید ہو۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہم سے جو کچھ ہوسکتا تھا کہ دین وآخرت کے طلبگاروں کے لیے انتظام کردیں ہم نے کردیا۔ اب جس خدا کے بندے کو توفیق ہو وہ ان کے معاش کا بھی انتظام کردے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تجربہ شاہد ہے کہ جب نقد اور ادھار جمع ہوں تو ہر شخص نقد کو ترجیح دیتا ہے ادھار پر راضی نہیں ہوتا۔ اب سمجھ لیجئے: کہ علوم دینیہ اور تعلیم آخرت بمنزلہ ادھار کے ہے اور فنون دنیویہ بمنزلہ نقد کے ہے جب دونوں جمع ہوں گے تو لوگوں کا میلان زیادہ نقد کی طرف ہوگا اور علوم دینیہ وآخرت مؤخر بلکہ غیر مقصود بن کر رہ جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ سبحان اللہ کس قدر متین اور انجام بینی کا جواب ہے یہ محض اس نور ایمان کا اثر ہے جو بزرگوں کی صحبت سے حق تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ڈال دیا تھا۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص: ۳۱۷)

یہ طریق مفید ثابت نہ ہوگا بلکہ مضر ہوگا۔ مدرسہ میں انگریزی داخل ہونے سے خلط مبحث ہوجائے گا اب جو کام مدرسہ میں ہو رہا ہے یہ بھی نہ ہوگا مدرسہ ایک معجون مرکب ہوجائے گا۔ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مدرسہ کو تو اپنی حالت پر رہنے دیجئے: جو کام ہو رہا ہے ہونے دیجئے اور انگریزی کے متعلق ایک درس گاہ الگ تیار کردیجئے: اس کا نظم ونسق ان ہی حضرات کے ہاتھ میں رہے جو عربی کا نظم ونسق فرمارہے ہیں۔

دوسری جگہ پہنچ کر فارغ التحصیل طلبہ کا بھی تعلیم انگریزی پانا مضرت سے خالی نہیں۔ ان کا یہ رنگ رہ ہی نہیں سکتا یہاں سے الگ ہو کر ان کے جذبات کا محفوظ رہنا مشکل ہے۔ جس کا نتیجہ گمراہی ہوگا۔

(الاضافات۔ ص: ۲/۱۰ جدید)

اہل علم کو کوئی ہنر سیکھنا

ایک مولوی صاحب کی نوکری کا ذکر آیا تو فرمایا اہل علم کو علاوہ علوم کے کوئی ہنر بھی سکھانا چاہیے: میری زیادہ رائے یہ ہے کہ تھوڑی کھیتی کر لیا کریں مگر صرف ضرورت بھر باقی جب اوپر پڑجاتی ہے سب کچھ کرلیتے ہیں غدر میں جو بیگمات پلنگ سے کبھی نہ اتری تھیں وہ دس دس کوس روزانہ چلی ہیں۔ مصیبت میں سب کچھ کرلیتے ہیں۔

لوگ عربی کو ذریعہ معاش بناتے ہیں اس علم کو تو جو کوئی پڑھے تو مقصود اصلاح نفس ہی ہونا چاہیے رہی معاش کی بات سو اس کے لیے کچھ اور ہی ہونا چاہیے۔ تجارت، زراعت، حرفت وغیرہ اور عربی کو ذریعہ معاش بنانے کے قصد سے پڑھنا ٹھیک نہیں۔

اہل علم کے لیے صنعت وحرفت کی آسان صورتیں

صنعت وحرفت یعنی دستکاری و پیشہ سے معاش حاصل کرنے میں بہت آسانی وسلامتی ہے عربی تکمیل کرنے والوں کے لیے چند صورتیں معاش کی مناسب ہیں۔

۱۔ اسکول میں نوکری کر لینا۔ ۲۔ مطب کرنا۔ مفید رسالے یا حواشی تصنیف کر کے یا درسی کتابیں چھپوا کر ان کی تجارت کرنا۔

۲۔ کاپی نویسی کرنا، کسی مطبع میں تصحیح کی نوکری کرنا اور سب صورتوں میں اوقات فراغ میں مطالعہ وتدریس کا شغل رکھنا، یا کسی اسلامی مدرسہ میں مدرسی کرنا۔ (تجدید تعلیم۔ ص: ۱۱۱)

اہل علم کے لیے مستقل مشغلہ طب مناسب نہیں

فرمایا مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ طب کو امور دینیہ کے لیے نہایت مضر فرماتے تھے، اس میں راز یہ بھی ہے کہ اساتذہ کے دیندار نہ ہونے سے فاسق ہو جانے کا قوی شبہ ہے میں نے خود بعض اطباء کے مطب میں دیکھا ہے کہ رنڈیاں آتی ہیں۔ (حسن العزیز۔ ص: ۱/۲۵۹)

اس قول کی تائید ایک خط سے ہوتی ہے جو کہ آج ایک طالب علم یہاں پڑھتا تھا مگر ان کے والد کی یہ رائے ہوئی کہ کوئی علم ایسا بھی حاصل کرنا چاہیے جس سے گزر اوقات کی صورت ہو سکے اس لیے وہ یہاں سے چلے گئے اور مدرسہ طبیہ دہلی میں جا کر طب شروع کر دی اب وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنا تعلق مدرسہ طبیہ سے بالکل علیحدہ کر دیا ہے کیونکہ مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا وہ خیال کہ ایسی جگہ تعلیم حاصل کروں

جہاں علم دین اور علم طب دونوں حاصل ہوسکیں، بالکل غلط ہے اور علم دین اور علم طب جمع نہیں ہوسکتے۔ مجھے ہر وقت فسق و فجور میں ابتلاء کا اندیشہ رہتا ہے۔

کام کرنے والے علماء کو مستقلاً معاش میں مشغول ہونے کی خرابی

جو لوگ مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی ترقی کیوں نہیں کرتے، مشینیں اور کارخانے کیوں نہیں چلاتے، وہ خوب سمجھ لیں کہ ایک شخص دو طرف پورا متوجہ نہیں ہوسکتا، اگر ملازم سرکار دوسرا کام کرے گا تو ضرور سرکاری کام میں خلل واقع ہوگا اس لیے اس کو اجازت نہیں کہ ملازمت کی حالت میں دوسرا کام کرے۔

جب یہ (مولوی) لوگ دنیا میں مشغول ہوں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کا کام نہ کرسکیں گے ایک مولوی صاحب جو ایک دینی ملازم تھے مگر لکڑیوں کی تجارت بھی کرتے تھے، خود اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ مدرسہ کے وقت میں طلباء کو پڑھانے بیٹھے کہ گاہک آگیا اور اس نے لکڑی کا سودا کرنا چاہا پس مولوی صاحب کشمکش میں پڑ گئے اگر اٹھتے ہیں تو مدرسہ کا حرج، اگر نہیں اٹھتے تو خریدار لوٹ جاتا ہے، مجبوراً اس سے کہتے ہیں بھائی ابھی اٹھتا ہوں، ذرا ٹھہرو۔ اس میں تھوڑا جھوٹ بھی تھا، غرض ان کا دل بٹ جاتا، سبق میں کچھ سے کچھ بیان کرجاتے ہیں پہلے تو طالب علموں کو ہنسی خوشی بتلارہے تھے اب دل دوسری طرف مائل ہوگیا۔ طلبہ کچھ پوچھتے ہیں اور پوچھنے کے سبب اٹھنے میں دیر ہوتی ہے تو ان پر جھنجھلاتے ہیں غصہ ہوتے ہیں، پس علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا یہی اثر ہوتا ہے کہ وہ دین کا کام پوری طرح نہیں کرسکتے۔

(التبلیغ۔ ص: ۲/۶، وعظ خیر المال)

کام کرنے والے علماء کو معاش میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں

اس آیت ''لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا'' [الآیۃ] سے معلوم ہوا کہ ایسی جماعت کو ذرائع تحصیل معاش میں بالکل مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ ''لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ'' اس پر دلالت کررہا ہے اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ علماء دنیوی معاش میں اپاہج ہیں اور ثابت ہوگیا کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام نہیں ہوا کرتے خصوصاً جبکہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو۔ بالید، باللسان یا بالقلب اور دین کی خدمت ایسا ہی کام ہے اور تدریس علوم دینیہ ذرائع معاش میں داخل نہیں۔ (حقوق العلم۔ ص: ۱۵)

جب خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ''لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ'' کہ ان میں طاقت ہی نہیں کہ دوسرے کام کریں۔ طاقت سے مراد شرعی طاقت (یعنی یہ) کہ ان کو اجازت نہیں کہ یہ دوسرے کام میں لگیں۔ اس مسئلہ کو میں ایک مثال دے کر واضح کرتا ہوں ہمارے اطراف میں ایک صاحب نے جو سرکاری ملازم تھے ایک مطبع کرلیا شدہ شدہ حکام کو اس کی خبر ہوئی تو ان کے نام ایک پروانہ آیا تم نوکری سے

استعفیٰ دے دو ورنہ مطبع بند کردو آخر اس حکم کی کیا وجہ ہے وجہ یہی ہے کہ مطبع کرنے کی صورت میں وہ نوکری کا کام پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے تھے۔ (دعوات عبدیت فضائل علم۔ ص:۴۰)

دنیادار مولوی سے اعتماد اٹھ جاتا ہے

ایک روز میں راستہ میں جارہا تھا ایک بڑھیا اپنے دروازہ میں جھانک رہی تھی مجھ کو دیکھ کر بولی بیٹا یہاں آنا، میں گیا تو بولی ایک مسئلہ بتادو...... میں نے مسئلہ بتایا پھر کہنے لگی میں نے ان سے یعنی لکڑیوں والے مولوی صاحب سے پوچھا تھا انہوں نے بھی تمہارے موافق بتلایا مگر مجھ کو ان کا یقین نہ ہوا کہ شاید اپنے مطلب کی کہتے ہوں اب تمہارے بتلانے سے یقین ہوا میں نے بڑی بی کو سمجھا دیا کہ علماء پر ایسا گمان جائز نہیں۔ یہ ہے علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا نتیجہ کہ مسائل تک میں ان کا اعتبار نہیں رہتا، ان کے دنیا میں مشغول ہونے میں خرابی یہ ہے کہ خود تم کو ان کے فتوؤں کا ان کے وعظوں کا اعتبار نہ ہوگا۔

(التبلیغ۔ ص:۶۹)

فصل ۲

علماء کہاں سے کھائیں؟

فرمایا اکثر اہل دنیا پوچھا کرتے ہیں کہ فی زمانہ عربی پڑھ کر انسان کیا کرے اور کہاں سے کھائے؟ ضابطے کا جواب یہ ہے کہ اہل دنیا سے وصول کر کے ان کے اموال سے لے کر کھائے۔ اس لیے کہ عربی پڑھنے والے دین کی اشاعت اور حفاظت میں مصروف ہیں۔ لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔

قرآن شریف مسلمانوں کی مشترک جائداد ہے اس لیے اس کی حفاظت بھی سب کو کرنی چاہیے کچھ افراد ایسے بھی ہونے چاہئیں کہ وہ محض خادم قوم ہوں کیونکہ اگر سب کے سب تحصیل معاش ہی میں پڑ جائیں تو دین کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا۔ دین کے کام میں اگر کوئی بھی نہ لگے تو یہ کام بند ہو جائے لہٰذا ضروری ہے کہ ایک جماعت محض خادمان دین کی ہو کہ یہ لوگ اس کے سوا اور کوئی کام نہ کریں۔

تو یہ لوگ عوام اہل اسلام کی ضرورتوں میں محبوس ہیں۔ اور یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ جو شخص کسی کی ضرورتوں میں محبوس ہو اس کا نان نفقہ اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے چنانچہ اسی بناء پر زوجہ کا نفقہ شوہر پر اور قاضی کا نفقہ بیت المال میں اور شاہد کا نفقہ من له الشهادة پر ہوتا ہے۔

پس جب علماء مسلمانوں کے مذہبی کام میں محبوس ہیں اور ان کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں روز مرہ کی جزئیات میں ان کو مذہبی حکم بتاتے ہیں اور یہ شغل ایسا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا کام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دوسرے کام میں جو لوگ لگے ہیں ان سے یہ کام نہیں ہوتا تو ان کا نان نفقہ بھی عام مسلمانوں کے ذمہ واجب ہوگا۔ تو علماء سے یہ پوچھنا کہ عربی پڑھ کر کیا کیجئے گا اور کہاں سے کھایئے گا اپنی حماقت کو ظاہر کرنا ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۴۲/۵۔ ص:۱۷۹/۶)

شرعی دلیل

سنئے! مولوی آپ کی خدمات میں محبوس ہیں تو قاعدہ مذکورہ سے ان کا نفقہ آپ کے ذمہ ہے اور یہ قاعدہ تمدنی بھی ہے، شرعی بھی، اول شرعی پہلو کا ذکر کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ” لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ “[الآیۃ] دیکھو للفقراء میں لام استحقاق کا ہے۔ لفظ فقراء احتیاج کو بتلا رہا ہے احصر و ا احتباس پر دلالت کرتا ہے اور فی سبیل اللّٰہ کی تفسیر طالب علم کے ساتھ منقول ہے۔ اور لا یسنطیعون ضربا اسباب معاش کی فرصت نہ ہونے کی طرف اشارہ رہا ہے۔

یعنی یہ (علماء) لوگ استحقاق رکھتے ہیں اگر نہ دو تو نالش کر کے لے سکتے ہیں قوم اگر ان کی خدمت میں کوتاہی کرے گی تو قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی۔ گو دنیا میں نالش نہ ہو سکے لیکن خدا تعالیٰ کے یہاں دیکھئے گا قیامت میں کتنی ڈگریاں آپ پر ہوتی ہیں۔

خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو بلفظ فقراء ذکر فرمایا فقیر آج کل عرف میں ذلیل لفظ ہے مگر یہ ذلت اگر ذلت ہے جیسا کہ تمہارے عرف نے سمجھ لیا ہے تو صرف انہیں لوگوں کو نہیں ساری دنیا کے لیے فرماتے ہیں۔ ”يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۤءُ اِلَى اللّٰهِ“۔

(دعوات عبدیت فضائل علم۔ ص: ۳۹/۷۔ اصلاح انقلاب۔ ص: ۲/۱۹۳)

تمدنی دلیل

اب میں تمدنی طور پر اس مسئلے کو بیان کرتا ہوں کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کو جو تنخواہ ملتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام قوم کا ایک ایک پیسہ دو دو پیسہ جمع کر کے جس کو خزانہ کہا جاتا ہے، خزانہ واقع میں قوم کی چیز ہے اس خزانہ سے جو تنخواہ دی جاتی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بادشاہ اور پارلیمنٹ ایسے قومی کاموں میں مصروف ہیں کہ وہ دوسرا کام نہیں کر سکتی اس لیے قوم کے مجموعہ مال سے اس کو نفقہ دیا جاتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو قومی کام میں مشغول ہو، ان کا حصہ قوم کے اموال میں ہے۔

(دعوات عبدیت۔ ص: ۴۰/۷۔ فضائل علم دین)

دینی اور دنیوی تعلیم کا تقابل اور اس کا فرق

انگریزی تعلیم سے دین تو حاصل ہوتا ہی نہیں دنیا بھی سب کو حاصل نہیں ہوتی ایک صاحب نے خوب کہا کہ علم دنیا تو جب تک مکمل نہ ہو کسی مصرف کا نہیں اور علم دین کا جو درجہ بھی حاصل ہو جائے وہ نافع ہے آخرت کا تو نفع اگر کوئی حاصل کر سکتا ہے چنانچہ اگر کسی کو دین میں کچھ حاصل نہ ہو صرف اذان ہی یاد کر لے جو سب سے ادنیٰ درجہ ہے علم دین کا تو وہ بھی اپنا پیٹ پال سکتا ہے دونوں وقت چین سے پکی پکائی روٹی کھا سکتا ہے۔ بخلاف انگریزی کے کہ اس میں انٹر سے کم تو بالکل بیکار ہے اور انٹر بھی آج کل زیادہ

کارآمد نہیں کیونکہ انگریزی پڑھنے والے آج کل اس کثرت سے ہوگئے ہیں کہ ہر محکمہ میں بی اے، اور ایم اے والوں کی درخواستیں پہلے سے رکھی رہتی ہیں پھر اعلیٰ کے ہوتے ہوئے انٹر والوں کو کون پوچھتا ہے۔

(التبلیغ الھدیٰ والمغفرۃ۔ص: ۱۰/۲۲۰)

معمولی دینی تعلیم رکھنے والا بھی بھوکا نہیں رہ سکتا

مولوی محمد عمر صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین اور دنیاوی تعلیم کا خوب فرق بیان کیا کہ دنیا کی تعلیم تو جب تک ایک حد خاص تک نہ ہو بالکل بے سود ہے بخلاف دینی تعلیم کے کہ اس کا کوئی حصہ بھی بیکار نہیں اور دین میں تو مفید ہے ہی، دنیا کے حق میں بھی وہ مفید ہے حتیٰ کہ اگر کوئی نومسلم صرف اذان سیکھ لے اور کسی مسجد میں جا کر اذان دینے لگے اور بدھنے (لوٹے) بھر کر رکھ دیا کرے۔ چٹائیاں بچھا دیا کرے، جھاڑو دے دیا کرے، بس اسے روٹیاں آنے لگیں گی۔ یہ دینی تعلیم کا بہت ہی ادنیٰ درجہ ہے جس کا دنیاوی فائدہ یہ ہے اور آخرت کا فائدہ الگ رہا۔ (حسن العزیز۔ص: ۲/۸۰)

مڈل اور بی اے والوں کا حال

مڈل پاس والوں سے تو یہ عورتیں ہی اچھی ہیں کہ دودھ پلانے سے آٹھ روپے مل جاتے ہیں ان کو اتنے بھی نہیں ملتے کانپور میں چنگی میں ایک چپڑاسی کی جگہ خالی ہوئی تھی ۶ مڈل والوں نے درخواستیں دیں اور انٹر پاس والوں نے بھی گورنمنٹ کہاں تک نوکری دے۔ (حسن العزیز۔ص: ۲/۲۲۳)

ادنیٰ ملازمت بھی قدردانی کے قابل ہے

غریب آدمی کے لیے معاش کی سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ نوکری کرے جو خاصیت ہندوؤں کے حرام سود میں ہے وہی ملازمت میں ہے کہ اٹھتے بیٹھتے تنخواہ چڑھتی ہی رہتی ہے۔ اگر ملازمت مل جائے تو اس کی بہت ہی قدر کرنی چاہیے۔

علماء وفقہاء کا کام بہت محنت کا کام ہے

کوئی اہل اللہ کو طفیل خور نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ سرکاری لوگ ہیں دیکھئے گورنر جنرل کو کثیر التعداد رقم ہر مہینہ ملتی ہے حالانکہ بظاہر اس کو کوئی بڑا کام نہیں کرنا پڑتا لیکن محض اس لیے کہ اس کا دماغی کام ہے حضرات اہل اللہ پر جو گزرتی ہے اور جو دماغ سوزی ان کو کرنی پڑتی ہے اگر آپ پر وہ گزرے تو چند روز میں جنون ہو جائے ......ان کا جسم گو معطل ہے لیکن ان کی روح (ادراک کی عقل) بہت بڑے کام میں ہے ان کی روح نے اس بارگراں کو اٹھایا ہے جس کے اٹھانے کی پہاڑ بھی تاب نہیں لاسکتا۔ اور زمین آسمان سے بھی نہیں اٹھ سکا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

"لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ" تو جس کی روح اتنا بڑا بارگراں اٹھائے ہوئے ہے ان کو پاجی کیسے کہا جاسکتا ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۶/۸۷)

اپنا حال

میں کوئی چیز نہیں ہوں لیکن یہ حالت کہ جب کبھی کوئی رسالہ لکھتا ہوں تو راتوں کو نیند نہیں آتی پنسل کاغذ پاس لے کر سوتا ہوں اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر جو کچھ یاد آتا ہے اس کو لکھتا ہوں۔

(دعوات عبدیت۔ص:۶/۷۹)

عالم دین بھوکا نہیں رہ سکتا

عالم کو اپنی فاقہ مستی پر نازاں ہونا چاہیے مخلوق کے روپے پر نظر نہ کرنا چاہیے کہ علم میں خود وہ لذت ہے جس کے سامنے تمام لذتیں ہیچ ہیں دنیا ہے کیا چیز، علم کے سامنے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ رہا روٹی اور کپڑا سو اس سے بے فکر رہو جس کے پاس علم ہو وہ بھوکا نہیں رہا کرتا اس سے زیادہ کی تم کو ضرورت نہیں۔ اہل علم کو استغناء کے ساتھ رہنا چاہیے۔ (التبلیغ۔ص:۲۱/۱۶۵)

یاد رکھو! (اے قوم) اگر تم نہ بھی کفالت کرو بلکہ تمام لوگ اس جماعت کے مخالف ہو جائیں اور اس کو دینا اور مدد کرنا بند کردیں تب بھی یہ جماعت قائم رہے گی اور مولوی کھاتے ہی رہیں گے۔ اگر کہیے کہ کیونکر کھاتے رہیں گے اور کہاں سے ان کو ملے گا تو لیجئے میں بتلاتا ہوں کہ کہاں سے ان کو ملے گا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔

"هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...... تا ......وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ"

حاصل یہ کہ تم کو انفاق فی سبیل اللہ کے لیے بلایا جاتا ہے مگر بعضے بخل کرتے ہیں اور اس بخل سے اپنا ہی نقصان کر رہے ہو ورنہ خدا تعالیٰ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔ اگر تم بے توجہی کرو گے تو خدا تعالیٰ دوسری قوم کو پیدا کردیں گے اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۶/۸۴)

تنخواہ ضرور لینا چاہیے

فرمایا ایک مولوی صاحب کو جوش اٹھا کہ نوکری چھوڑ دوں میں نے پوچھا کہ نوکری چھوڑ کر علم دین کی خدمت بھی کرو گے یا نہیں کہنے لگے حسبۃً للہ کروں گا میں نے کہا میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ آپ سے یہ

نہیں ہوگا سوچ کر بولے کہ جی ہاں ہے تو صحیح حضرت نے فرمایا کہ نوکری و تنخواہ کی وجہ سے تو کچھ کام کرتے بھی ہیں، کچھ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کچھ خیانت وغیرہ سے ڈرتے ہیں۔ اور نوکری چھوڑنے کے بعد تو کوئی بھی نہیں کرتا شاید ہی کوئی ایسا ہو۔

نفس کا دھوکہ

تھوڑے روز ہوئے ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے ان کے نفس نے یہ تجویز کیا تھا کہ نوکری چھوڑ کر اللہ کے واسطے پڑھائیں اس لیے کہ تنخواہ لینے سے خلوص نہیں رہتا میں نے ان سے کہا کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے شیطان نے دیکھا کہ یہ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں ان سے یہ کام کسی تدبیر سے چھڑانا چاہیے تو اگر یہ کہتا کہ پڑھانا چھوڑ دو تو اس کی ہرگز نہ چلتی۔ اس لیے اس کی وہ صورت تجویز کی جو دینداری کے رنگ میں ہے کہ اس میں خلوص نہیں ہے نوکری چھوڑ کر پڑھاؤ تو سمجھ لو کہ اب تو پابندی تنخواہ سے کام بھی ہو رہا ہے اور اگر نوکری چھوڑ دو گے (بلا تنخواہ پڑھاؤ گے) تو پابندی نہیں ہوگی، تو رفتہ رفتہ پڑھانا ہی چھوٹ جائے گا اور شیطان کامیاب ہوگا۔ اس لیے نوکری ہرگز مت چھوڑو۔

(ذم ہوی دعوات عبدیت۔ ص:۳/۳۱)

امیر عالم کو بھی تنخواہ لینا چاہیے

میری رائے تو یہ ہے کہ اگر عالم امیر ہو اور تنخواہ ملنے لگے تب بھی اس کو چاہیے کہ تنخواہ لے کر پڑھائے اگر ایسا ہی امارت کا جوش اٹھے وہ تنخواہ پھر مدرسہ میں دے دے مگر لے لے ضرور تا کہ پابندی سے کام ہوتا رہے۔

ہمارے فقہاء (کو اللہ جزائے خیر دے) نے لکھا ہے کہ اگر قاضی امیر کبیر ہو تو اس کو بھی تنخواہ لینا چاہیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی قاضی تنخواہ نہ لے اور دس برس تک وہ قاضی رہا اور اس کے بعد کوئی غریب قاضی ہو کر آیا تو اب تنخواہ کا اجراء مشکل ہوگا۔ سبحان اللہ فقہاء کا کیا فہم ہے۔ یہ حضرات حقائق شناس تھے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۳/۳۱)

مکاتب و مدارس کی تنخواہ لینا کیا ذلت کی بات ہے

بادشاہ کو جو خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے وہ بھی محض اس لیے کہ وہ رعایا کے کام میں محبوس ہے کیونکہ بادشاہ وہ ہے جس کو ساری قوم حاکم بناتی ہے اور اس کو بیت المال کے خزانہ سے تنخواہ دیتی ہے اب یہ دیکھو کہ وہ خزانہ کس چیز کا نام ہے۔ میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں ساری قوم سے جو چندہ جمع کیا جاتا ہے کہ ایک پائی زید کی ایک پائی عمرو کی اور ایک پائی بکر کی جس کوٹھڑی میں جمع کیا جاتا ہے اس کا نام خزانہ ہے حقیقت اس کی

وہی چندہ ہے۔ وہ بھی قومی چندہ ہے اسی سے بادشاہ کو تنخواہ ملتی ہے صرف خزانہ کے لفظ سے اس کی عزت بڑھ گئی لوگ کہتے ہیں کہ یہ خزانہ شاہی ہے مگر حقیقت اس کی وہی قومی چندہ ہے پس یہی حقیقت اس چندہ کی ہے جس سے مولویوں کو تنخواہ یا نذر ملتی ہے مگر مولویوں کے حق میں چندہ سے تنخواہ ملنے کو لوگ ذلت سمجھتے ہیں اور بادشاہ کے لیے ذلت نہیں سمجھی جاتی۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ بادشاہ کو ایک لاکھ ملتی ہے اس لیے ذلت نہیں خیال کی جاتی اور مولوی بیچاروں کو تھوڑی مقدار ملتی ہے اس لیے اس کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور الزام رکھتے ہیں کہ مولوی خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں مگر بغور دیکھئے حقیقت دونوں جگہ ایک ہی ہے اور جب حقیقت ایک ٹھہری تو جس نے چندہ میں سے ایک پیسہ لیا اس کی کم ذلت ہونا چاہیے اور جس نے زیادہ لیا اس کی زیادہ ذلت ہونی چاہیے۔ (التبلیغ۔ ص:۲/۷۴)

اگر یہ مولوی خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں تو بادشاہ اور وائسرائے اور جج کلکٹر سب ہی خیرات کھاتے ہیں، اگر یہی بات ہے تو کسی کو بھی تنخواہ نہ لینا چاہیئے کیونکہ سب کو قوم ہی کے چندہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ (التبلیغ۔ ص:۲/۷۵)

مولویوں کو تنخواہ کا استحقاق کیوں ہے؟

رہی یہ بات کہ بادشاہ کو خزانہ سے تنخواہ ملنے کی استحقاق کی علت کیا ہے؟

سو وہ علت یہ ہے کہ وہ ملک کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے کیونکہ وہ قوم کی خدمت کرتا ہے اس لیے اس کا نفقہ رعایا کے ذمہ ہے اور بادشاہ پر کیا موقوف ہے سب کو چندہ قومی ہی سے تنخواہ ملتی ہے کلکٹر کو بھی، ڈپٹی کلکٹر کو بھی، جج کو بھی، منصف کو بھی، بس یہ مسئلہ عقلی ہوا اور اس قاعدہ کو شریعت نے بھی تسلیم کر لیا ہے جیسے زوجہ کا نفقہ اس کے شوہر پر۔ اب بتایئے! یہ علت علماء کے استحقاق تنخواہ وغیرہ میں بھی مشترک ہے یا نہیں کیونکہ وہ بھی قوم کی دینی خدمت میں محبوس ہیں۔ اس لیے ان کا نفقہ بھی قوم کے ذمہ ہے کیونکہ جب تک وہ معاش سے فارغ نہ ہوں دین کا کام نہیں کر سکتے۔ اگر ان کی خدمت نہ کی جائے گی تو وہ کھائیں گے کہاں سے۔ (التبلیغ۔ ص:۲/۷۴۔ وعظ خیر المال)

مولویوں کو تنخواہ ملتی ہے ان پر کسی کا احسان نہیں

ان پر کسی کا احسان نہیں کبھی کوئی احسان کرنے لگے اس لیے کہ اگر وہ تنخواہ وغیرہ لیتے ہیں تو آپ کی دینی خدمت بھی تو کرتے ہیں آپ کے ذمہ تو ان کا قرض ہے اگر یہاں دنیا میں نہ دیا تو شاید آخرت میں اگلوائیں، ایسا نہ ہو تو پڑھنے پڑھانے کا تبلیغ کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے اور سارا دین درہم برہم ہو جائے۔

(التبلیغ۔ ص:۲/۷۵)

تنخواہ کتنی ہونا چاہیے؟

(تنخواہ یا مشاہرہ) بحیثیت نفقہ کے دیا جاتا ہے اور نفقہ بقدر کفایت ہوتا ہے مگر اس میں ہمیشہ جھگڑے پیدا ہوا کرتے ہیں عامل کہتا ہے کہ اس مہینہ میں میرے پچاس روپیہ خرچ ہوئے دوسرے کہتے ہیں بیس ہی ہوئے جب روزانہ جھگڑا کرتے تو سلسلۂ تعلیم چند روز میں درہم برہم ہو جاتا اس عارض کے لیے انتظاماً تعیین کی بھی اجازت ہوگی۔ (دعوات عبدیت ص: ۳۸/۴، احکام عشرہ اخیرہ)

میں کہتا ہوں کہ اس میں خطا مولویوں کی نہیں بلکہ خطا ان کی ہے جنہوں نے حریص بنایا لوگوں کو چاہیے کہ اماموں اور مؤذنوں کی معقول تنخواہیں مقرر کیا کریں اور ان کو عزت کے ساتھ رکھا کریں۔ افسوس! کہ عوام نے علماء کو بھی ملانوں میں داخل کرلیا اور وہ ان کو بھی پست ہمت اور لالچی وحریص سمجھتے ہیں۔

(التبلیغ ص: ۱۰/۵۸)

کم تنخواہ ہونا علم دین کی ناقدری کی علامت ہے

اگر ہمارے اندر دین کی عظمت و وقعت ہوتی تو حاملان قرآن کی مشقت کی قیمت بھی بڑی تجویز کرتے لیکن ہم نے دین کی بے وقعتی کر رکھی ہے اس لیے مؤذنوں اور معلموں اور اماموں کی یہ بے قدری کر رکھی ہے کہ ان کی تنخواہیں بہت قلیل مقرر کی جاتی ہیں اور مردوں کے کھانے، کپڑے سے ان کی امداد کرتے ہیں، تیجہ اور دسویں کا کھانا مقرر کرتے ہیں۔ (التبلیغ ص: ۱۰/۷۰)

ضرورت سے زائد تنخواہ نہ صرف جائز بلکہ بہتر اور پسندیدہ ہے

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کتب دینیہ کی تعلیم پر گزارے کی ضرورت سے زیادہ اجرت لینی جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں کیونکہ مباشرت اسباب طبعاً قناعت اور اطمینان کے حصول کا سبب ہیں اور طبیعتوں کے ضعف کی وجہ سے آج کل یہ قناعت اور اطمینان بڑی نعمت ہے باقی یہ کہ ضرورت سے زیادہ کے اجازت ہوگی۔ سو ضرورت کی دو قسمیں ہیں (۱) حالی (۲) مآلی، پس ممکن ہے کہ اب ضرورت نہ ہو اور آئندہ چل کر ضرورت ہو جائے۔ اس لیے زائد لینے کی بھی اجازت ہوگی کیونکہ اپنے پاس زائد روپیہ ہونے سے ایک قسم کا استغناء رہتا ہے کہ ہمارے پاس روپیہ ہے بلکہ بعض مصالح کے سبب تو بلا ضرورت بھی ایسے ابواب کا قبول کر لینا مستحسن قرار دیا گیا ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے قاضی کے رزق قبول کرنے میں خاص مصلحت بیان کی ہے، اور اگر اس میں طمع کا شبہ ہو تو اتنی طمع بھی جائز ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس درجہ کے زاہد تھے کہ ان کے پاس ہارون رشید کا خط آیا تو لکڑی سے کھول کر پڑھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس خط کو ظالم کا ہاتھ لگا ہے مگر باوجود اس کے وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ

میں کچھ مال جمع رکھنا مصلحت ہے کیونکہ اگر ناداری کی حالت میں ضرورت پڑے گی تو مضطر ہو کر پہلے دین ہی کو تباہ کرے گا اس واسطے تنخواہ ضرور لے اگر کچھ بچ جائے تو اس کو جمع کرتا رہے۔

میں نے جمعرات کی روٹیاں جو مسجد میں آتی تھیں جاری رکھنے کی رائے دی ہے جس کو بعض مؤذن حاجت نہ ہونے کی وجہ سے رد کر دیتے تھے میں نے کہا کہ رد نہ کی جائیں ممکن ہے کہ یہ حالت (عدم احتیاج) استغناء کی ہمیشہ نہ رہے اور پھر کسی دوسرے مؤذن کو ضرورت واقع ہو اور اگر لوگوں کی عادت نہ رہی تو دوسرا مؤذن تنگ آ کر مسجد چھوڑ دے گا اور مسجد غیر آباد ہو جائے گی۔ یہی وجہ مصلحت مدرس کی تنخواہ لینے میں بھی ہے کہ سلسلہ جاری رہنے سے اہل اعانت کی رعایت رہے گی نیز اس سے انکار کرنے میں در پردہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بالکل جائز ہے۔

زائد تنخواہ کی وجہ سے دوسری جگہ جانا

فرمایا ایک جگہ کی تھوڑی تنخواہ کی ملازمت کو دوسری جگہ محض زیادتی کی وجہ سے چھوڑنا جب کہ اس قلیل تنخواہ میں بھی گزر ہو جاتا ہو خدا تعالیٰ کی ناشکری ہے جب میں کانپور میں تھا تو ایک جگہ سو روپیہ کی تنخواہ پر مجھے بلایا گیا اس وقت کانپور میں چالیس روپیہ ملتے تھے میں نے جواب لکھ دیا کہ جو شخص ایک جگہ کام کر رہا ہے اس کو وہاں سے ہٹانا مناسب نہیں ہے جو شخص بیکار (خالی) ہو اس کو بلا کر آپ رکھیں تا کہ اس کی حاجت رفع ہو اور اگر میں آپ کے یہاں آ بھی جاؤں تو آپ کو میرے اوپر اعتماد نہ کرنا چاہیے، اگر اس کو اس سے کہیں زیادہ ملیں گے تو وہ وہاں چلا جائے گا۔ (حسن العزیز۔ص:۱۳۶/۲)

تنخواہ کی زیادتی کی وجہ سے کہیں جانے سے سکون نصیب نہیں ہوتا

فرمایا! بڑی تنخواہوں نے مولویوں قاریوں حافظوں کو مار لیا پھر فرمایا جتنے لوگ یہاں سے محض ترقی کی وجہ سے ملازمت چھوڑ کر گئے انہیں اطمینان تو نصیب نہیں ہوا جب انسان کا گزر کافی طور پر ہو رہا ہو تو ایک جگہ سے محض زیادتی کی وجہ سے تعلق چھوڑ دینا ناشکری ہے۔ البتہ اگر گزر کے لائق بھی نہ ہو تو وہ اور بات ہے اس وقت مضائقہ نہیں۔ (حسن العزیز۔ص:۲۲۴/۲)

جو صاحب امداد العلوم سے تعلق چھوڑ کر دوسری جگہ زیادتی تنخواہ دیکھ کر گئے ان کو جمعیت تو نصیب ہوئی نہیں حالانکہ جمعیت بڑی چیز ہے سلطنت کی بھی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں ہے۔

(حسن العزیز۔ص:۱۳۶/۲)

طالب دنیا اور طالب آخرت کا فرق مخلص و غیر مخلص کی پہچان

میرے نزدیک اجرت اور نفقہ میں فرق کا معیار یہ ہے کہ جو مدرس تنخواہ لے کر پڑھا رہا ہے وہ یہ سوچے کہ کسی جگہ سے زیادہ تنخواہ آ جائے مثلاً پچیس روپے مل رہے ہیں دوسری جگہ سے پچاس پر ان کو بلایا

جائے پچیس روپے میں ان کا کام بھی چل رہا ہے۔

مگر کام چلنے کے یہ معنی نہیں کہ دس چھٹانک گھی روزانہ کھا سکتے ہوں اور دو روپے گز کا کپڑا پہن سکتے ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچیس روپے میں تالم (تکلیف و تنگی) نہ ہو گو تنعم بھی نہ ہو۔

نیز دوسری جگہ دین کا نفع یہاں سے زیادہ نہ ہو پھر دیکھنا چاہیے کہ اس حالت میں دوسری جگہ دوگنی تنخواہ پر جاتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جاتا ہے تو واقعی اس کی تنخواہ نفقہ ہے وہ مخلص اور طالب آخرت ہے اگر چلا گیا تو اس کی تنخواہ اجرت ہے۔

(اور یہ طالب دنیا ہے) اور یہ کرایہ کا ٹٹو ہے، گو گناہ اس میں بھی نہیں، کیونکہ متاخرین کا فتویٰ جواز پر ہو چکا ہے مگر اس تعلیم و تدریس میں ثواب کچھ نہیں کیونکہ اس کا مقصود محض تنخواہ ہے مگر اس حالت میں یہ تعلیم طاعت نہیں۔

البتہ اگر تنخواہ اس درجہ قلیل ہو جس میں تنگی اور کلفت سے گزر ہوتا ہو، یا گزر تو ہو جاتا ہے مگر وہاں کوئی دوسری تکلیف ہے جیسے باہمی رقابت، ایک دوسرے سے بغض و حسد، یا اس کے مثل کوئی اور کلفت ہو تو اس صورت میں دوسری جگہ مذموم نہیں کیونکہ اس کا مقصود زیادہ تنخواہ نہیں بلکہ رفع تالم (تکلیف) مقصود ہے۔

یا دوسری جگہ تنخواہ زیادہ ہے اور وہاں دین کا کام بھی اس کے ہاتھ سے زیادہ ہوگا اس صورت میں بھی دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں جب کہ مقصود یہ ہو کہ وہاں جا کر دین کا کام زیادہ کروں گا۔ خدا تعالیٰ سے معاملہ ہے اپنی نیت دیکھ کر خود فیصلہ کر لینا چاہیے۔ (التبلیغ۔ص:۱۲/۱۰۸)
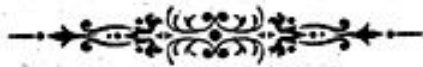
باب نمبر ۵

اصلاح مدارس

﴿فصل ۱﴾

مدارس کی اصلاح بہت ضروری ہے

مدارس میں متعدد امور ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے اور اصلاح نہ ہونے سے اہل علم کی جماعت معترضین کا ہدف ملامت بھی بنتی ہے اور خود مدارس کی روح یعنی عمل بالدین وہ بھی ضعیف ہو جاتی ہے اور نیز ان امور کو دیکھ کر دوسروں پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ لوگ علوم دینیہ سے متوحش اور نفور ہو جاتے ہیں اور اس کا سبب اہل علم کی جماعت ہوتی ہے تو گویا درجہ تسبب... میں یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق میں داخل ہوتے ہیں۔ (حقوق العلم۔ص:۸۵)

مدارس کی اصلاح بہت ضروری ہے اگر ان کی اصلاح ہوگئی تو ایک عالم کی اصلاح ہوگئی۔
(تجدید تعلیم۔ص:۷۸)

وظیفہ مقرر کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہیے

فرمایا بہت ثقاہت جتانے والے اکثر دھوکہ باز ہوتے ہیں جو بہت بنتا ہے، وہ بہت بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ ایک حافظ صاحب آکر مدرسہ میں رہے اور مدرسہ کی طرف سے فوراً ان کا وظیفہ مقرر ہوگیا وظیفہ لے کر انہوں نے مدرسہ سے اپنی روانگی کا ارادہ ظاہر کیا اور چلے گئے...... پھر فرمایا کہ ایسی خرابیاں اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ آنے والوں کی امداد فوراً آتے ہی شروع کردی جاتی ہے سو ایسا نہ ہونا چاہیے بلکہ انتظار و جانچ کے بعد امداد ہونی چاہیے۔ (حسن العزیز۔ص:۱۹)

مقامی طلبہ کا وظیفہ مقرر نہ کرنے میں مصلحت ہے

میری تو رائے ہے مدرس بستی کے نہ رکھے جائیں بلکہ باہری رکھے جائیں میں نے ایک مرتبہ طلبہ کے متعلق یہ سمجھا کہ جیسے باہر کے طلبہ کا وظیفہ ہوتا ہے ایسے ہی بستی کے طلبہ کا بھی وظیفہ ہونا چاہیے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا مگر قواعد کی رو سے بعض طلبہ کے وظائف بند کرنے کی ضرورت پیش آئی تو دس آدمی ان کے حامی کھڑے ہوگئے۔ تب میں نے یہ سمجھا کہ بزرگوں کی باتوں میں دخل دینا ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے بزرگوں نے جو باتیں مقرر کی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔

تربیت کی ضرورت

ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ تعلیم کو تو سب کے لیے ضروری سمجھتے ہیں مگر تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے تعلیم درسی سے تو ہر اعتبار سے اور مطلق تعلیم سے بعض وجوہ سے۔ تعلیم درسی سے تو اس لیے کہ وہ فرض عین نہیں بہت سے صحابہ علوم درسیہ سے خالی تھے مگر ان پر کبھی اس کو لازم نہیں کیا گیا اور تربیت یعنی تہذیب نفس ہر شخص پر فرض عین ہے۔

اور مطلق تعلیم سے اس لیے کہ تعلیم سے مقصود تربیت ہی ہوتی ہے کیونکہ تعلیم علم دینا ہے اور تربیت عمل کرانا ہے اور علم سے مقصود عمل ہی ہے اور مقصود کا اہم ہونا تو ظاہر ہے، بہر حال تربیت تعلیم سے اہم ہے اس سے قطع نظر کرنے کی اور اس کو ضروری نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲/۱۵۷)

صفائی ستھرائی کا اہتمام

نظافت کا اہتمام بقدر امکان ضروری ہے اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ منتظم مدرسہ خواہ بذریعہ ملازم یا خود طلبہ کو تصریحاً حکم دے کر اپنی نگرانی میں ہفتہ وار ضرور صفائی کرادیا کرے۔ (حقوق العلم۔ص:۳۲)

کپڑے اور بدن کی صفائی کی ضرورت

ضرورت اس کی ہے کہ تکلف نہ ہو اور صفائی ہو مثلاً آج کل گرمی کا موسم ہے اس موسم میں علی العموم کپڑوں میں جلدی بدبو آجاتی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ ہفتہ میں دو مرتبہ ضرور غسل کر کے کپڑے بدلے جائیں اور اگر کسی کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو تو وہ یہ کرے کہ اپنے انہیں کپڑوں کو جن کو پہنے ہوئے ہے دھو کر صاف کرے کپڑے میں تکلف اور استری کی ضرورت نہیں ضرورت صرف اس کی ہے کہ میلا نہ ہو پسینے کی بدبو نہ آتی ہو کیونکہ بدبو سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے خصوصاً اساتذہ کو۔ آپ لوگوں نے حدیث میں پڑھا ہے۔

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں) اور پسینے کی بدبو سے اذیت ہوتی ہے چنانچہ غسل جمعہ کی سنت کے قصہ میں آیا ہے "كان يوذي بعضهم بعضاً" یعنی ایک دوسرے کے پسینے کی وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اس لیے غسل کا حکم ہوا اور لیجیے فقہاء نے کہا ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ کچی پیاز کھا کر مسجد میں نہ جائے۔ دوسرے کی تکلیف کے علاوہ صفائی نہ رکھنے سے طرح طرح کی بیماریوں کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اور صفائی کو صحت میں بہت زیادہ دخل ہے کیونکہ صفائی سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور نشاط معین صحت ہے۔

(دعوات عبدیت العمل للعلماء۔ ص:۳۱۳)

صحن اور کمروں کی صفائی

نظافت مطلوب ہے چنانچہ اس کی اس قدر ترغیب دی ہے کہ یوں ارشاد فرمایا: "نظفوا افنيتكم ولا تشبهوا باليهود" یعنی اپنے فناء دار کو صاف رکھا کرو اور اس کو میلا کچیلا رکھ کر یہود جیسے نہ بنو۔ فناء دار اس حصہ زمین کو کہتے ہیں جو گھر سے باہر دروازہ کے سامنے ہو جب فناء دار تک کی نظافت مطلوب ہے اور اس کا حکم ہے تو خود دار اور حجرہ اور لباس و بدن کے صاف کرنے کا حکم کیوں نہ ہوگا۔ اب طالب علموں کی یہ حالت ہے کہ چاہے دو بالشت کوڑا ان کے حجرہ میں ہو جائے، لیکن یہ کبھی صاف نہ کریں گے۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۴۳، ص:۴۴، ص:۱۳۰)

صفائی ستھرائی اور سلیقہ کا نظم

آج کل آموں کی فصل ہے مدرسہ میں جس جگہ دیکھیے چھلکا گٹھلی پھیلا پڑا ہے میں نے تھانہ بھون میں یہ انتظام کیا ہے کہ ایک جگہ ایک بڑا ٹوکرہ رکھ دیا ہے اور سب سے کہہ دیا ہے کہ اس میں چھلکے وغیرہ ڈالو۔ لیکن اس کے باوجود کسی کو اس کی توفیق نہیں ہوتی۔ وجہ یہی ہے کہ مزاج میں صفائی اور نظافت نہیں۔ علی ہذا گرمی کی وجہ سے سب لوگ صحن میں سوتے ہیں لیکن ایسے بہت کم ہیں کہ صبح اٹھ کر چارپائی کو کسی

ٹھکانے کی جگہ رکھ دیں بلکہ جس جگہ پڑی ہے وہیں دن چڑھے تک پڑی رہے گی۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۳/۴۴)

نگران کا تقرر اور ان کی ذمہ داری

مدارس میں یہ انتظام ہونا ضروری ہے کہ دس دس بیس بیس لڑکوں پر ایک معمر نگران مقرر ہو جو ان امور کی نگرانی رکھے کہ کسی چھوٹے طالب علم کو بڑے طالب علم سے نہ ملنے دے نگران سے الگ ہو کر کسی آپس میں باتیں نہ کرنے دے، ان کے نام جو خطوط آئیں وہ بھی دیکھ کر دے، لباس سادہ ہو اگرچہ امراء کے بچوں کا قیمتی ہو۔ نماز و جماعت میں ان کی حاضری کی فکر رکھے تفریح یا کسی ضرورت سے بازار وغیرہ جائیں تو ان کے ساتھ رہے۔ ان باتوں کی خلاف ورزی پر مناسب سزا دے۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ۔ص:۳/۸۱)

طلبہ کے اعمال و اخلاق کی نگرانی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے اور ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آگیا تھا، اور ہم وضو کر رہے تھے، جلدی میں کسی وجہ سے پاؤں دھونے میں کچھ سوکھا رہ گیا، تو آپ ﷺ نے دو تین مرتبہ زور سے فرمایا خبردار! عذاب ہے ان ایڑیوں کے لیے جو سوکھی رہ جائیں اس سے شاگرد کے تین حق ثابت ہوئے ایک یہ کہ صرف تعلیم ہی پر اکتفاء نہ کرے، بلکہ ان کے اعمال کی نگرانی رکھے، جس کی طرف اب بالکل ہی توجہ نہیں کی جاتی اساتذہ صرف پڑھا دینے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ۔ص:۱۲۶)

طلبہ کو قواعد کا پابند بنایا جائے

اکثر عربی مدرسوں میں طلبہ کی خواہش و مذاق اور کثرت تعداد کے مقابلہ میں اصول و قواعد کی پرواہ کم کی جاتی ہے اس سے بھی مفاسد پرورش پاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ طلبہ کو قواعد کا پابند بنایا جائے خواہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو جائے کام کے دو چار نکارہ سو، دو سو سے افضل ہیں۔

(حقوق العلم۔ص:۸۹، تجدید علم۔ص:۷۴)

شکایت سننا اور اس پر تنبیہ کرنا

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص کی نماز اتنی طویل ہوتی ہے کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ بددل ہو کر جماعت چھوڑ دوں تو رسول اللہ ﷺ اس پر اتنا برافروختہ (خفا) ہوئے کہ کبھی اتنا برافروختہ ہوتے نہ دیکھا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ تم لوگوں کو متنفر کرتے ہو جو نماز میں امامت کرے اس کو چاہیے کہ تخفیف سے کام لے اس سے بھی دو امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ اگر کچھ اسباق اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد

کیے جائیں اور اس کی شکایت ہو تو شکایت سننا اور تحقیق کے بعد انتظام کرنا چاہیے یہ نہیں کہ شکایت کرنے والے کو محض طالب علم سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔

دوسرا یہ کہ اگر کسی شاگرد یا طالب علم سے کوئی نامناسب حرکت ہو اور معلوم ہو کہ غصہ ہو کر کہنے سے زیادہ نفع ہوگا تو غصہ ہی کرنا افضل ہے۔ (تجدید تعلیم۔ص:۱۲۸)

طلباء کی وضع قطع کی نگہداشت

بعض مدارس میں طلبہ کے اعمال و اوضاع پر اصلاً روک ٹوک نہیں ہے اس سے جو برا اثر عوام اور خود ان طلبہ پر واقع ہوتا ہے محتاج بیان نہیں۔ (حقوق العلم۔ص:۸۹)

ایک شخص سیاہ پائجامہ اور سیاہ عمامہ اور سیاہ صدری پہن کر آئے جو کہ ہیئت تزئین کی تھی مولانا نے فرمایا کہ تم لوگ جس غرض کے لیے آئے ہو یہ وضع اس کے مناسب نہیں، بلکہ اس کے بالکل خلاف ہے اس ہیئت سے تکبر کی شان پیدا ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑے رئیس ہیں پھر فرمایا کہ صدری پہننے کی کیا غرض ہے سوائے اس کے کہ زینت ہو اس وقت گرمی کا وقت ہے فرمایا کہ جاؤ اس وضع کو بدلو۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "البذاذة من الایمان" سادگی ایمان کی بات ہے، یہ ہیئت اگرچہ نصاً مذموم نہیں لیکن وجدان سلیم سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون سی ہیئت کس نیت سے بنائی ہے۔

لباس فاخر اگر اپنی تفریح طبع کے لیے ہو تو جائز ہے اور اس آیت کے تحت داخل ہے۔ قل من حرم زینة الله اور اگر تفاخر عندالناس کی غرض سے ہو تو حرام ہے اور اس آیت کے تحت داخل ہے۔ "وَزِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ" (دعوات عبدیت۔ص:۱۴/۵۵ الملفوظات)

اساتذہ اور نگران کو تنبیہ

اے محترم اور بزرگ قوم! حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته" تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے۔ جس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا پس اے حضرات اساتذہ! آپ اپنے متعلمین اور طلبہ کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعیت ہیں پس ان کی عملی حالت سے اگر آپ بے توجہی برتیں گے تو کیا آپ سے مواخذہ نہ ہوگا؟ اس لیے ہمیں طالب علم کی ہر حالت پر نظر رکھنی چاہیے۔ بہت زیادہ جاسوسی کی تو ضرورت نہیں مگر اس کی کوئی بات انداز و قرائن یا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہو جائے تو اس پر ضرور تنبیہ کرنی چاہیے۔ بالخصوص اخلاقی کمزوری کی ضرور اصلاح کرنی چاہیے اور واجبات و فرائض کے علاوہ سنن اور مستحبات کا بھی اس کو پابند بنانا چاہیے۔

(آداب المتعلمین بحوالہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ص ۱۰۸)

شریر اور عاجز کر دینے والے طلبہ کی اصلاح کس طرح ہو؟

فرمایا کانپور میں ایک لڑکا بہت شریر تھا: بہت سے استاد اس کو پڑھاتے پڑھاتے عاجز ہو گئے تھے ایک

میاں جی نے کہا کہ میں اس کو پڑھاؤں گا چنانچہ انہوں نے اس کو پڑھانا شروع کیا اور یہ معمول کرلیا کہ اس لڑکے کے روزانہ دس قچی (چھڑی) لگا دیتے تھے جب پہلے دن اس کے دس قچی لگائی گئیں تو اس نے کہا کہ میں نے کیا خطا کی ہے میاں جی نے کہا خطا کچھ نہیں تمہیں ضرورت ہے اس کی بس اسی طرح دس قچیاں روز لگا کرتی تھیں۔ (حسن العزیز۔ص:۱۹۳/۲)

شرعی اور عربی اصطلاحات کا استعمال

لوگ الفاظ کو معمولی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ الفاظ بڑی چیز ہیں انہی سے نکاح ہوتا ہے اور انہیں سے ٹوٹ جاتا ہے۔ الفاظ ہی سے آدمی مسلمان سمجھا جاتا ہے اور الفاظ ہی سے کافر ہوجاتا ہے شریعت میں الفاظ کا اس درجہ اہتمام ہے کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں: ''**لایقولن احد کم خبثت نفسی ولیقل قلست نفسی**'' یعنی اگر کسی کو متلی ہو تو یوں نہ کہے کہ میری طبیعت بری ہے بلکہ یوں کہے کہ میری طبیعت مالش کرتی ہے یا مجھے متلی ہو رہی ہے کیونکہ مسلمان کی طبیعت بری نہیں ہوسکتی جس کے پاس ایمان کی دولت ہے وہ کسی حال میں برا نہیں تو دیکھئے حضور ﷺ نے معمولی معمولی باتوں میں بھی رعایت الفاظ کی تاکید فرمائی ہے تو الفاظ بہت بڑی چیز ہیں حضور ﷺ کی حسن تعلیم کو ملاحظہ فرمایئے کہ آپ فرماتے ہیں: ''**لا یغلبنکم الاعراب علی اسم العشاء الاخرۃ و کانوا یسمونھا العتمۃ**'' (او کما قال) مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عشاء کے وقت کو عتمہ کہا کرتے تھے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جہلاء عرب اس لفظ میں تم پر غلبہ نہ کرنے پائیں کہ تم بھی ان کی طرح عشاء کو عتمہ کہنے لگو۔

اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ شریعت نے جن الفاظ میں اپنی کوئی خاص اصطلاح مقرر کی ہے مسلمانوں کو اسی کا استعمال کرنا چاہیے اس کو چھوڑ کر کفار کی اصطلاح نہ برتنی چاہیے ظاہر میں تو یہ معمولی بات ہے کہ بول چال میں اپنے اسلامی الفاظ بولے جائیں مگر اس کو چھوڑنے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو دیکھ کر اس کی قدر معلوم ہوتی ہے اگر سب مسلمان الفاظ کو معمولی چیز سمجھ کر دوسری زبان کے مہینے استعمال کرنے لگیں تو رمضان اور عید اور حج وغیرہ کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کب آئے تھے اور کب چلے گئے حضور ﷺ نے رعایت الفاظ فرما کر محض الفاظ کو نہیں بلکہ دین کو سنبھالا ہے مگر آج کل لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ (اسباب الفتنہ التبلیغ۔ص:۳۰۔ص:۱۰/۳۳)

عربی مہینوں اور اسلامی تاریخ کا استعمال

ایک بات یاد آگئی میں اس پر بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہم لوگوں کو اپنے روزمرہ میں عربی کا استعمال کرنا چاہیے۔ ہاں ضرورت کے موقع میں دوسرے مہینوں کے استعمال کا مضائقہ نہیں (مثلاً منی آرڈر پر دستخط کرنا ہو یا کوئی عدالتی کاغذ وغیرہ وغیرہ) باقی روزمرہ کی بول چال، اور باہمی خط و کتاب میں عربی مہینوں کا استعمال کرنا چاہیے کیونکہ اس میں دوسرے مہینوں کے استعمال کی کچھ ضرورت نہیں پھر بلا ضرورت

اور بلا وجہ اسلامی طریقوں کو چھوڑ کر دوسروں کا طریقہ کیوں لیا جائے مگر آج کل اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی جاتی اور اکثر نوجوانوں نے عربی مہینوں کا استعمال ترک کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ رمضان کب آگیا اور جو کسی کو خبر ہوتی ہے تو وہ بھی انگریزی مہینوں کے ذریعہ سے چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے کہ اب کی بیسویں جولائی کو عید ہوگی۔ حالانکہ عید ایک اسلامی چیز ہے مگر ان حضرات کو اس کا وقت بھی انگریزی مہینوں سے معلوم ہوتا ہے۔ (التبلیغ اسباب الفتنہ۔ص:۳۱)

شرعی حکم

چونکہ مدار احکام شرعیہ کا حساب قمری پر ہے اس لیے اس کا محفوظ و منضبط رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے اور سہل طریق انضباط کا یہ ہے کہ روزمرہ اسی کا استعمال رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ فرض کفایہ عبادت ہے اور عبادت کی حفاظت کا آلہ یقیناً ایک درجہ میں عبادت ہے پس حساب قمری کا استعمال درجہ میں مطلوب شرعی ٹھہرا شمسی حساب کا استعمال کرنا شرعاً ناجائز تو نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بوجہ خلاف ہونے وضع صحابہ وسلف صالحین کے خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ (بیان القرآن۔ص:۱۰۸؍پ۲)

باب نمبر ۶.

اصلاح العلماء والطلبہ

فصل ۱

علماء کو دین کے تمام شعبوں کا جامع ہونا چاہیے

آپ لوگ مقتدا بننے والے ہیں اس لیے آپ کے اندر سب شعبے دین کے ہونے چاہیے، عالم وہ ہے ، جو علوم کے تمام شعبوں کا عالم ہو۔ حسین وہ ہے جس کی ناک، کان، آنکھ سب ہی حسین ہوں سب چیزیں موزوں یا متناسب ہوں اگر سب چیزیں اچھی ہوں مگر آنکھوں سے اندھا یا ناک کٹی ہو تو وہ حسین نہیں اسی طرح دیندار وہ ہے جو دین کے تمام شعبوں کا جامع ہو۔ (تجدید تعلیم۔ص:۲۲۷)

علماء وطلبہ سے خاص خطاب

میں علماء وطلبہ سے خاص طور پر خطاب کرتا ہوں کہ آپ حضرات جو علم پر ناز کیے بیٹھے ہیں اور علم کے فضائل اور درجات عالیہ کا مستحق اپنے آپ کو سمجھتے ہیں اور موقع بے موقع عوام کے سامنے "فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم" پڑھ دیا کرتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ فضائل کون سے

علم کے ہیں مطلق علم یا علم مع العمل کے اگر عالم بے عمل کے لیے کتاب وسنت میں وعیدیں نہ ہوتیں تو تمہارا ناز کسی درجہ میں تسلیم کیا جاتا مگر ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے نفس علم کیسے باعث فخر ہو سکتا ہے۔

(الاضافات۔ص:۵۳)

محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہو جاتا بلکہ علم دوسری چیز کا نام ہے جب ڈاکٹری کی کتابیں پڑھ لینے سے ہر شخص طبیب نہیں بن جاتا بلکہ جس کو علاج کا ملکہ (مہارت) حاصل ہو جائے وہی طبیب ہوتا ہے اسی طرح بعض لوگوں کو حدیث وقرآن اور فقہ کی کتابیں پڑھ لینے سے علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی محض الفاظ یاد ہو جاتے ہیں علم کی حقیقت حاصل ہونے کے لیے کتابوں کے سوا ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔جس کو اس زمانہ کے ایک شاعر نے خوب کہا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا　　دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یعنی صحبت اہل اللہ کی بھی ضرورت ہے اور اس سے آج کل کے اکثر علماء کورے ہیں۔الا ماشاء اللہ اس طرف توجہ ہی نہیں اسی واسطے حقیقی علم والے بہت تھوڑے ہیں۔ (التواصی بالحق۔ص:۳۶)

مولوی اس ناز میں ہیں کہ ہم قال اقوال یعنی عربی کتابیں خوب جانتے ہیں مگر اس سے کیا ہوتا ہے مقصود تو کچھ اور ہی ہے عربی داں ہونا کچھ کمال نہیں، خدا داں ہونا چاہیے۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:۱/۳۱۱)

بڑا ناز ہے علم پر کہ ہم عالم ہو گئے یاد رکھو! بغیر اپنے کو مٹائے ہوئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔اور مٹانے کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے کو مٹا دو کہ ہم کچھ نہیں جب تک یہ بات پیدا نہ ہو سمجھ لو کہ تم برباد ہو، کورے ہو، کچھ نہیں ہو۔

(الاضافات۔ص:۴/۳۸۱)

ہم عالم ہو کر اکمل تو ہو سکتے ہیں، لیکن افضل ہونا خدا ہی کو معلوم ہے، ایک شخص عالم ہے اور ایک جاہل تو یہ عالم اکمل تو ہے مگر افضل ہونا خدا ہی کو معلوم ہے کہ افضل جاہل ہے یا عالم کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ عالم کے لیے افضل ہونا بھی لازم ہے ممکن ہے کہ اس جاہل کے قلب میں ایسی کوئی چیز ہو کہ وہ علم سے کہیں زیادہ خدا کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہو تو اپنی اکملیت کی بناء پر اپنے کو افضل سمجھنا برا ہے یہی علوم ہیں جو کامل کی صحبت میں میسر ہوتے ہیں۔ (الاضافات الیومیہ۔ص:۳۶۸)

فرمایا ایک مرتبہ متعدد علماء کا مجمع تھا اور کبر وتواضع کے متعلق اس پر بحث تھی کہ ایک عالم اپنے کو کمتر کیوں سمجھ لے یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے کیونکہ جب علم وفضل پڑھا ہے تو یہ کیسے سمجھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ ایک حافظ اپنے کو غیر حافظ کیسے سمجھ سکتا ہے؟

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت جامع اور مختصر جواب ارشاد فرمایا کہ کسی کمال کے سبب اکمل سمجھنا تو جائز ہے مگر افضل بمعنی مقبول سمجھنا جائز نہیں پس یہ سمجھنا کہ میں عالم ہوں اس میں کوئی حرج نہیں مگر اس پر اپنے آپ کو مقبول عند اللہ سمجھنا یہ بڑا خطرناک ہے پس یہ سمجھنا کہ ممکن ہے کہ باوجود اس کے جاہل

ہونے کے اس میں ایسی کوئی خوبی ہو جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے اور ہم گو بڑے عالم ہوں مگر ہم میں کوئی ایسی برائی ہو جس سے ہم ان کو پسند نہ آئیں پھر ہم ہیں کس کام کے۔

(ملحوظات جدید ملفوظات۔ص:۱۲۷)

حقیقی علم و حقیقی عالم

قرآن نے علماء بنی اسرائیل کے بارے میں پہلے تو ''وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ'' کہا پھر فرمایا: ''وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ'' پہلے ''وَلَقَدْ عَلِمُوْا'' (بے شک جان لیا ان لوگوں نے) ان کی اصطلاح کے موافق فرمایا کیونکہ وہ بھی محض جان لینے اور لکھ پڑھ لینے کو علم کہتے تھے پھر'' لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ'' (کاش کہ یہ لوگ جان لیتے) اپنی اصطلاح کے مطابق فرمایا جس میں ان سے علم کی نفی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شریعت میں علم الفاظ و معانی کا نام نہیں ہے ورنہ تو یہ علم علماء بنی اسرائیل کو حاصل تھا اس سے نفی ان سے کیونکر ہو سکتی ہے بلکہ علم کے ساتھ جب عمل بھی ہو اس وقت وہ عالم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے ان من العلم لجهلا (بے شک بعض علم جہالت ہوتے ہیں) اور ظاہر بات ہے کہ ایک چیز علم و جہل نہیں ہو سکتی اس لیے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ'' ان من العلم عند الناس لجهلا عند الله'' کہ بعض علم جس کو عرفاً علم سمجھا جاتا ہے وہ خدا کے نزدیک جہل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں محض دانستن نادانستن (جاننے نہ جاننے) کا نام علم نہیں بلکہ ان کی حقیقت کچھ اور ہے وہ وہی ہے جس کو ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ بعض علم حجۃ اللہ علی العبد ہے جب کہ وہ اس کے مطابق عمل نہ کرے پس اب دیکھنا چاہیے کہ ہم جو اپنے کو عالم و فقیہ سمجھتے ہیں ہمارا عمل اس کے موافق کہاں تک ہے ہماری حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں اور جلسوں میں جو علم کے فضائل ہم بیان کرتے ہیں اس سے مقصود اپنی فضیلت کا ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ ہم اس درجہ کے ہیں ہماری تعظیم کرنا چاہیے مگر علماء کو اس طرز سے شرم کرنا چاہیے۔ (العبد الربانی ملحقہ حقوق و فرائض۔ص:۷۵)

علم نافع و علم ضار

علم پڑھ کر جس میں خشیت پیدا نہ ہو، اس سے وہ جاہل اچھا ہے، جس میں خشیت ہو۔ علم کی مثال اس کے نافع اور مضر ہونے میں تلوار کی دھار کی سی ہے اس سے دوست بھی کٹتا ہے اور دشمن بھی کٹتا ہے اگر تلوار چلانے والا ماہر فن نہ ہو تو کبھی اس سے اپنے ہی کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس طرح کہ ہاتھ تو مارا دشمن کے اور وہ خالی گیا اور لوٹ کر اپنے ہی پر پڑ گیا۔ اسی طرح علم بڑی ہی نازک چیز ہے اس میں امن

بھی اور خوف بھی ہے گو غالب امن ہے مگر حسن استعمال کی ضرورت ہے اس کو دیکھ لیجئے کہ جتنے گمراہ فرقے بنے ہیں یہ لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ ہی لوگوں کی بدولت بنے ہیں۔ کسی جاہل کا معتقد کون ہوگا۔

(افاضات الیومیہ۔ص:۳۵۲)

آج کل کے علماء کے کمال کی پرواز

آج کل جس کو بھی ذرا بولنے کا سلیقہ ہو جائے اور دو چار تقریریں کر دے وہی لوگوں کے نزدیک عالم اجل اور فاضل بے بدل بلکہ علامہ زماں ہو جاتا ہے خواہ درحقیقت جاہل اور بددین ہی ہو۔

(الفصل والوصل ص:۴۱۴)

آج کل جہاں کسی نے عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لیں اسے مولوی کہنے لگتے ہیں حالانکہ یہ شخص حقیقت میں مولوی نہیں اصل مولوی وہ ہے جو احکام شریعت اچھی طرح سمجھ کر ان کے مطابق ظاہراً و باطناً عامل ہو جو اللہ والا ہو، اور اللہ والا شریعت سے جاہل نہیں ہو سکتا، تو محض عربی کی کتابیں پڑھ لینے یا عربی بول لینے اور لکھ لینے سے یا چرب زبانی اور ذہانت کی باتیں کر لینے اور عربی کتابوں سے انسان مولوی نہیں ہو سکتا۔ (تعیم التعلم ص:۲۷)

آج کل بعض لوگوں کو اس کا خبط ہو گیا ہے کہ وہ عربی میں تقریر کر لینے کو بڑا کمال و فخر سمجھتے ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ تم کیسے بھی صاحب علم ہو جاؤ، حتیٰ کہ ابو العلم ہو کر بھی ایسی عربی نہیں بول سکتے، جیسی ابو جہل بولا کرتا تھا اگر عربی میں گفتگو کر لینا ہی علم ہے اور یہ کوئی بڑا کمال ہے، تو ابو جہل تم سب سے بڑا عالم (اور با کمال) ہونا چاہیے۔ حالانکہ وہ ابو جہل ہی رہا۔ عربی بول لینے سے عربی میں تقریر کر لینے۔ سے وہ ابو العلم تو کیا ہوتا ابن العلم بھی نہ ہوا۔ (مطاہر الاقوال۔ص:۶۶)

اصل چیز عمل ہے

اصل چیز عمل ہے، علم بغیر عمل سب بیکار ہے خواہ علم ظاہر ہو یا علم باطن، اصل فضیلت عمل ہی کو ہے، عمل ہی سے دین کی تکمیل ہوتی ہے دیکھئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کتابی علم کہاں تھا مگر قبولیت اظہر من الشمس ہے۔ (اس کی وجہ یہی ہے کہ) علم سے زیادہ ان کے پاس عمل تھا۔ (افاضات۔ص:۳/۲۱۱)

عمل کے بغیر یہ تحقیقات وہ نکات کچھ کام نہ آئیں گے

میں علماء سے یہ بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات و اسرار سب رکھے رہ جائیں گے اور سالکین سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجید و اذواق اور معارف و حقائق بغیر تعلق صادق کے بیکار ہیں۔

حضرات! نوکر کا فیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنا رہے اور باتیں بنا! کرے بلکہ اس کی خدمت کام آتی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا

کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: ساری عبادتیں اور اسرار ونکات اور اشارات غائب ہو گئے ان سے کچھ کام نہ چلا بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہو جائے تو نور علی نور ہے ورنہ کچھ نفع نہیں اگر مقصود حاصل نہ ہوا۔ آج کل غضب یہ ہے کہ علماء صوفیاء سب غیر مقصود کے درپے ہیں مقصود سے اکثر غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں۔

(غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح، حقوق الزوجین۔ ص:۵۲)

علم کے بعد عمل واخلاص اور قال کے حال کی ضرورت معرفت ومحبت کی اہمیت

خدا تعالیٰ کو عمل کے ساتھ باطن کی بھی خبر ہے وہ سب کے باطن کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ کس میں اخلاص ہے اور کس میں نہیں، محض علم پر ناز نہ کرنا، کیونکہ یہ علم تو شیطان اور بلعم باعور کو بھی حاصل تھا، شیطان بقول مشہور ملائکہ کا معلم (استاذ) بھی تھا، بلعم باعور اپنی قوم کا واعظ بھی تھا اور دونوں شخص علم کے ساتھ عمل ظاہر کے بھی جامع تھے۔

بڑے عابد اور جفاکش مجاہدہ کرنے والے تھے مگر ان کے باطن میں اخلاص اور خدا تعالیٰ کی محبت و معرفت پوری نہ تھی۔ اس لیے یہ علم وعمل سب بیکار ہو گیا۔ پس عمل کے ساتھ ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہوئی جس کا نام حال باطنی ہے۔ بغیر حال کے علم وعمل قابل اعتبار نہیں اور یہ حال کتب بینی سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ کسی صاحب حال کی جوتیاں سیدھی کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔ غرض علم وعمل اور حال ان تینوں کا حاصل کرنا ضروری ٹھہرا۔ اور محض علم وعمل حاصل ہو گیا۔ مگر حال نہ ہو تو اس کے بارے میں ارشاد ہے۔ ”وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ“ یعنی خدا تعالیٰ باطن کو بھی دیکھتے ہیں محض ظاہری عمل کو نہیں دیکھتے۔

محض قیل وقال سے کچھ نہیں ہوتا اور اس سے حال حاصل نہیں ہوتا ہاں اگر اس کے بعد کسی صاحب حال کو لپٹ جائے تو پھر یہ علم رسمی بہت کارآمد ہے، جاہل صوفی سے عالم صوفی افضل ہوتا ہے۔

حال وہ چیز ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل کامل نہیں ہو سکتا بغیر حال کے عمل کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کو دو آدمی ٹھیلتے ہوں آخر کب تک ٹھیلیں گے اور کیا اس طرح منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں؟ بہت مشکل ہے۔ (حقوق وفرائض)

اخلاص کی اہمیت

اخلاص کا لفظ سب نے سنا ہوگا مگر اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کسی کو فکر نہیں ہم لوگ بھی اپنی حالت پر غور کر کے نہیں دیکھتے کہ ہم میں کیا کمی ہے اخلاص اتنی ضروری شی ہے کہ عبادت تک اس کے بغیر معتبر نہیں جب عبادت کے ساتھ اخلاص کا ہونا ضروری ہے تو اس سے اخلاص کی عظمت شان اور زیادہ معلوم ہو گئی کہ عبادت جیسی چیز بھی بدوں اس کے ہیچ ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص: ۲/۵۷، الدین الخالص)

اخلاص کی حقیقت

اخلاص کے معنی لغت میں خالص کرنے کے ہیں اور شریعت میں اس کے معنی وہی ہیں جو ورود شروع سے پہلے تھے خالص گھی وہ ہے جس میں کوئی دوسری چیز نہ ملی ہو اخلاص عبادت کے معنی بھی یہ ہوئے کہ عبادت کو غیر عبادت سے خالی کیا جائے۔ یعنی کوئی ایسی غرض اس میں نہ ملی ہو جس کا حاصل کرنا شرعاً مطلوب نہ ہو۔ (التبلیغ۔ص:۱۳۲/۲)

اخلاص کی علامت

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کی ایک علامت لکھی ہے وہ یہ کہ جو کام تم کر رہے ہو اگر کوئی دوسرا اس کام کا کرنے والا تم سے اچھا اس بستی میں آجائے اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب نہ ہو جیسے مسجد و مدرسہ کا اہتمام یا وعظ کہنا پیری، مریدی کرنا، کسی نیک کام کے لیے چندہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو رنج نہ ہو بلکہ خود تم لوگوں کو اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ وہ مجھ سے بہتر ہیں اور سارا کام خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ اور دل میں خدا کا شکر کرو کہ اس نے ایسے آدمی کو بھیج دیا جس نے تمہارا بوجھ بٹا لیا۔ اگر یہ حالت ہو تب تو واقعی تم مخلص ہو مگر اب تو اگر کسی عالم کی بستی میں کوئی دوسرا چلا آئے جس کی طرف عوام کا رجوع ہونے لگے تو جلتے مرتے ہیں اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ اس شخص سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جس سے عوام بدگمان ہو جائیں اور اس کو چھوڑ دیں۔ سمجھتے ہیں کہ بس تمام لوگوں کو ہماری ہی طرف رجوع کرنا چاہیے کسی اور کی طرف رخ بھی نہ کرنا چاہیے اس حالت میں تم ہرگز مخلص نہیں ہو بلکہ اخلاص سے مفلس ہو۔

علم دین حاصل کرنے میں تصحیح نیت کی ضرورت

دین کے دو شعبے ہیں۔ ایک علم، دوسرا عمل تو جیسے عمل میں اخلاص ضروری ہے۔ ایسے ہی علم میں بھی ضروری ہے۔ اب دیکھئے! کہ تحصیل علم میں تمہاری کیا نیت ہوتی ہے ایسے بہت کم ہیں کہ جن کی نیت یہ ہو کہ غیر مرضیات حق (یعنی حق تعالیٰ کی ناراضگیوں) سے بچیں اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہو گا۔ جب علم میں اخلاص نہیں تو عمل میں کہاں سے آئے۔ اول علم میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے اول تو اس کی کوشش کرنا چاہیے کہ پہلے ہی سے علم حاصل کرنے کی نیت خالص ہو اور اگر کسی کی نیت خالص نہ ہو تو اس کو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہئے امید ہے کہ کبھی اخلاص حاصل ہو جائے گا۔ (الدین الخالص۔ص:۴۸)

علم بے عمل کی مثال

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''جس شخص کو بہت سے علوم حاصل ہوں اور عمل نہ کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سپاہی اس کے پاس بہت سے ہتھیار ہوں اس کو راہ میں دشمن ملے اور مقابلہ ہو،

لیکن وہ ان اسلحہ کا استعمال نہیں کرتا تو کیا دشمن پر غالب ہوگا؟

یہ علوم بمنزلہ ہتھیار کے ہیں شیطان کے دفع کرنے کے لیے ہتھیار کیسے لائسنس کے مگر صرف ہتھیاروں کے لگانے سے خوش نہ ہونا چاہیےجب ان پر عمل ہی نہیں تو کیا فائدہ؟

ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہے "فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ" (وہ لوگ اس علم ہی کی وجہ سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے) اگر کوئی خارش والا خارش کے بہت سے نسخے یاد کرے تو اس سے کیا نفع، جب تک کہ ان کو کوٹ پیس کر کام میں نہ لایا جائے۔ (ترک مالایعنی ملحقہ حقیقت تصوف۔ص:۵۵۵)

درس وتدریس میں حسن نیت

اے عزیز طلبہ! آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے اگر نیت اچھی ہو "انما الاعمال بالنیات" اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر آپ کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف (یعنی تبلیغ دین) کروں گا، تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ ہی کا شعبہ ہے۔ اور اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر تبلیغ نہیں۔ دیکھو! اگر کوئی شخص نماز کی نیت نہ کرے تو نماز نہیں ہوتی، ایسے ہی روزہ ہے اگر نیت نہ کرے اور دن بھر فاقہ کرے تو روزہ نہیں ہوتا۔ غضب کی بات ہے کہ ہم رات دین پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر اعمال وطاعات کی نیت نہ کرنے کی وجہ سے ثواب سے محروم ہیں۔

درس وتدریس تبلیغ کا (بہت) بڑا فرد ہے اگر کتابیں مدون نہ ہوتیں تو بڑا خلط مبحث ہوتا دین میں بڑا فساد پھیلتا۔ اگر کتابیں نہ ہوں تو سلف کی باتیں ہم تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنی عنایت ورحمت سے کتابیں مدون کرادیں، مدرسے قائم کرادیے، اس کے سامان مہیا کردیے، بغیر مدارس قائم کیے، کتابوں کی تعلیم ممکن نہیں لہٰذا یہ بدعت نہیں بلکہ سنت ہے کیونکہ اس درس وتدریس سے مقصود تبلیغ ہی ہے۔

سو یہ درس وتدریس تبلیغ کا اتنا بڑا فرد ہے مگر ہم تبلیغ کی نیت نہ کرنے سے اس کے ثواب سے محروم ہیں۔

"اِنَّمَا الاعمَالُ بِالنِّیاتِ" سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت نہ کرنے سے اعمال کا ثواب نہیں ملتا گو عمل متحقق ہو جائے۔ اور بعض اعمال تو بلا نیت کے ہی نہیں ہوتے کیونکہ اعمال دو قسم کے ہیں: بعض اعمال تو ایسے ہیں کہ ان کا تحقق بھی بلا نیت کے نہیں ہوتا اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا تحقق تو ہو جاتا ہے مگر ثواب نہیں ملتا۔ جیسے: پڑھنا پڑھانا کہ اس کا تحقق بلا نیت کے بھی ہو جاتا ہے مگر ثواب نہیں ملتا۔ بخلاف نماز روزہ کے کہ ان کا تحقق ہی بلا نیت نہیں ہوتا۔ (دعوت تبلیغ۔ص/۱۹ آداب تبلیغ)

تحصیل علم میں خلوص پیدا کرنے کا طریقہ

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی اپنے مرید کے گھر گئے وہاں ان کے گھر روشن دان دیکھا پوچھا یہ

کیوں رکھا ہے؟

اس نے جواب دیا، روشنی کے واسطے انہوں نے فرمایا: "کہ روشنی تو بغیر نیت کے بھی آتی ہے اگر اس کے رکھنے میں یہ نیت کر لیتا کہ اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو تجھے اس کا ثواب ملتا رہتا اور روشنی تو خود ہی آجاتی۔ (حقیقت تصوف وتقویٰ۔ ص:۶۱۰)

مکلف بہ (یعنی جس چیز کا مکلف بنایا گیا ہے) وہ یہ ہے کہ نیت کو خالص کرو علوم میں بھی اعمال میں بھی تحصیل علوم میں لوگوں نے خرابیاں کر رکھی ہیں۔ (مثلاً یہ کہ) ہم نے فقہ اس لیے سیکھی تھی کہ فتویٰ لکھیں گے، مفتی کہلائیں گے یا حدیث پڑھتے ہیں تا کہ وعظ کہیں گے، لوگ ہم کو نذرانے دیں گے، دانت گھسائی دیں گے یا بعضوں نے مباحثہ کے لیے پڑھا تھا، کہ بڑی عزت ہوگی اس تفصیل کی مجھے اس وقت اس لیے ضرورت ہوئی کہ تحصیل علوم میں لوگوں نے خرابیاں کر رکھی ہیں اور اس وقت مخاطب اہل علم ہیں۔

تو ان کو یہ نیت کرنا چاہئے علم حاصل کر کے ہم احکام الٰہی پر خود کار بند ہوں گے اور لوگوں کو ہدایت کریں گے اور میں وصیت کرتا ہوں کہ نوکری کی نیت نہ کرو گو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ملے گی ضرور مگر نیت اس کی مت رکھو اور بعد میں جب مل جائے تو کر لو اور پڑھانے پر تنخواہ لینا بھی جائز ہے اور یہ جواز حنفیہ کے اصول پر بھی ہے۔ (الدین الخالص۔ ص:۵۴)

کسی قسم کی نیت نہ ہونا بھی ایک طرح کا خلوص ہی ہے

میں صاف کہتا ہوں کہ خلوذ ہن یعنی ذہن خالی ہونا اور کسی قسم کی نیت نہ ہونا یہ بھی اخلاص ہی ہے اگر کوئی نیت حاضر نہ ہو تو اس کے سوچنے میں دیر کرنے کی ضرورت نہیں، بے فکر ہو کر کام کر لو تم ریا کار نہ ہو گے بلکہ مخلص ہو گے۔ (ارضاء الحق۔ ص:۱۳۲)

تحصیل علم میں فساد نیت ہو تب بھی اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے

میں یہ نہیں کہتا کہ اگر نیت خالص نہ ہو تو تحصیل علم ہی چھوڑ دو۔ نہیں، پڑھنا تو بہر حال ضروری ہے کیونکہ اگر تحصیل (علم حاصل کرنے) کے وقت اخلاص نہیں ہے تاہم امید ہے کہ علم حاصل کر لینے سے پھر بھی عمل نہ چھوڑو کہ کبھی عمل کرتے کرتے اس کی برکت سے بھی اخلاص پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ ان دونوں میں تجاذب (کشش اور جاذبیت) بھی ہے۔ کبھی عمل سے بھی نیت درست ہو جاتی ہے، جیسا کہ علم سے بھی اکثر یہ بات ہو جاتی ہے تو اگر نیت خالص نہ ہو تب بھی چھوڑ نہ دے، کیونکہ آئندہ حاصل ہو جانے کی امید تو ہے بزرگوں کا قول ہے "تعلمنا العلم لغير الله فابى العلوم الا ان يكون لله" (ہم نے علم غیر اللہ کے لیے پڑھا تھا مگر وہ مانا ہی نہیں لہٰذا وہ اللہ ہی کا ہو کر رہا)۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً قرآن میں کوئی آیت وعید کی پڑھی جس میں علم سے دنیا کمانے کی مذمت تھی۔ (مثلاً یہ حدیث پاک "من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله لا

بعلمه الا ليصيب به عرضاً من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة" ۔یعنی جس نے علم دین جس سے اللہ کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے، اس کو دنیا حاصل کرنے کے لیے حاصل کیا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا جب یہ حدیث سنی) تو قلب میں ایک کھٹکا پیدا ہوا کہ میں بھی تو اسی مرض میں مبتلا ہوں تو اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور روتا ہے پس اس طرح عالم باعمل ہو گیا یہ معنی ہیں ابی العلم الخ کے کہ علم خدا کا کر کے رہتا ہے اور علم سے کبھی نہ کبھی اخلاص ہو ہی جاتا ہے، اس لیے اول تو اس کی کوشش کرنا چاہیئے کہ پہلے ہی سے تحصیل علم میں نیت خالص ہو اگر کسی کی نیت ابھی خالص نہ ہو تو اس کو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہیے امید ہے کہ کبھی اخلاص پیدا ہو جائے گا اسی لیے اہل اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کام کرتا ہے گو ریا ہی سے ہو۔ اس شخص سے اچھا ہے جو کام کرتا ہی نہیں کیونکہ کبھی نہ کبھی ریا بھی جاتی رہے گی اور عمل رہ جائے گا۔ (الدین الخالص ملحقہ دین و دنیا۔ ص: ۴۷۔ ص: ۴۸)

علم دین حاصل کرنے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نیت ہونا چاہیے

ایک روز بادشاہ اس مدرسہ نظامیہ کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور مخفی طور سے طلبہ کے خیالات کی آزمائش کی کہ دیکھیں علم دین پڑھنے سے ان کی کیا غرضیں ہیں چنانچہ ایک طالب علم سے پوچھا کہ آپ کس لیے پڑھتے ہیں؟ اس نے کہا: میں اس لیے پڑھتا ہوں کہ میرا باپ قاضی ہے، میں اگر عالم بن جاؤں گا تو میں بھی قاضی ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد دوسرے سے پوچھا۔ اس نے کہا میرا باپ مفتی ہے میں مفتی بننے کے لیے پڑھتا ہوں۔ غرض جس سے پوچھا اس نے کوئی غرض دنیا ہی کی بتلائی۔ بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ افسوس ہے کہ علم دین دنیا کے لیے پڑھا جا رہا ہے اور ہزاروں روپیہ مفت میں برباد ہو رہا ہے۔

ایک گوشہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی خستگی کی حالت میں بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے اس وقت تک یہ طالب علم تھے نہ کوئی جانتا تھا نہ شہرت تھی ان سے دریافت کیا کہ تم کیوں پڑھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک مالک حقیقی ہے جو آسمان و زمین کا مالک ہے اور مالک کی اطاعت ضروری ہوتی ہے کہ اس کی مرضیات پر عمل کرے اور نامرضیات سے بچے۔ سو میں اس لیے پڑھتا ہوں کہ اس کی مرضیات و نامرضیات کی اطلاع حاصل ہو بادشاہ سن کر خوش ہوئے اور ظاہر کیا کہ میں بادشاہ ہوں اور کہا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس مدرسہ کو توڑ دوں گا مگر تمہاری وجہ سے یہ مدرسہ رہ گیا۔

پس تحصیل علم اس غرض سے ہونی چاہیے جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر کی اور جس کی غرض تحصیل دنیا اور باعث حب دنیا ہوگا اس کے علم سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ (دعوات عبدیت۔ ص: ۲۰، ج ۱۳/ ذم ہوی)

بغیر خلوص کے علم دین فائدہ سے خالی نہیں

ان لوگوں کو جواب سمجھ میں آ گیا ہوگا جو کہتے ہیں کہ انگریزی سیکھنا برا ہے تو آج کل کے طالب علموں

کو عربی سیکھنا بھی اچھا نہیں کیونکہ اس میں ان کی کون سی نیت اچھی ہے دونوں سے مقصود دنیا ہے۔ بس دونوں بُرے ہوئے یہ سب تلبیسات ہیں دونوں ہرگز برابر نہیں کیونکہ علم محمودہ حدیث و قرآن عربی پڑھنے والے کی زبان سے ادا ہوں، کان بھی سنے گا، اس میں غور و فکر بھی کرے گا تو اس کے ساتھ ایک ہادی تو موجود ہے، کبھی تو اثر پڑے گا اور اصلاح ہو جائے گی۔ مگر انگریزی میں کوئی امید بھی اصلاح کی نہیں۔ بڑا کھلا فرق ہے۔

اول تو اس کی کوشش کرنا چاہیے کہ پہلے ہی سے تحصیل علم میں نیت خالص ہو اور اگر کسی کی نیت ابھی خالص نہ ہو تو اس کو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہیے، امید ہے کہ کبھی اخلاص حاصل ہو جائے گا، اسی لیے "اہل اللہ" کہتے ہیں کہ ایک شخص کام کرتا ہے، گو ریا ہی سے ہو اس شخص سے اچھا ہے، جو کام کرتا ہی نہ ہو کیونکہ کبھی نہ کبھی ریا بھی جاتی رہے گی اور عمل رہ جائے گا۔ مثلاً ایک شخص بے چبائے کھانا کھاتا ہے تو اس سے یہ نہ کہا جائے کہ کھاتے کیوں ہو۔ ہاں یہ ضرور کہا جائے گا کہ اچھی طرح چبا کر کیوں نہیں کھاتے۔

(دعوات عبدیت۔ ص: ۱۹/۷۷۔ الدین الخالص)

علماء کی فضیلت عمل کی وجہ سے ہے

آپ حضرات علم کی دولت کی وجہ سے حضرات انبیاء کے وارث ہیں چنانچہ ارشاد ہے "العلماء ورثۃ الانبیاء" "علماء انبیاء کے وارث ہیں" اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کو ہر ذی علم نے بڑی خوشی سے تسلیم کر لیا ہے اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں کمال علمی کے ساتھ کوئی دوسرا کمال عملی بھی تھا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اثبات میں دیا جائے گا کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام میں بھی کمال عملی نہ مانا جائے تو پھر کس کے اندر مانا جائے گا کیونکہ وہ حضرات تو افضل المخلوقات ہیں۔ پس یہ کہنا ضروری ہوگا کہ انبیاء میں اس درجہ کمال عملی تھا کہ کسی دوسرے میں ہونا ممکن نہیں جب یہ بات ثابت ہو چکی تو اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وراثت کی وجہ صرف کمال علمی ہے یا کمال عملی بھی اس میں داخل ہے۔ ہم جو غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف کمال علمی وجہ وراثت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو عالم بے عمل ہیں ہم ان میں کوئی شان مقبولیت نہیں پاتے حالانکہ وارث نبی ہونے کے لیے مقبول ہونا ضروری ہے مثلاً ابلیس کہ وہ بہت بڑا عالم ہے اور دلیل اس کے عالم ہونے کی یہ ہے کہ وہ علماء کے اغواء کی تدبیر کرتا ہے اور بسا اوقات اس میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کسی شخص کے خیالات کو وہی بدل سکتا ہے کہ جو کہ خود بھی کم از کم اس کے برابر ماہر تو ہو جس کے خیالات بدلنے کی کوشش ہے قانون دان کو وہی شخص دھوکہ دے سکتا ہے جو کہ خود بھی قانون جانتا ہو تو شیطان کا علماء کے اغواء میں کامیاب ہونا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ بھی بہت بڑا عالم ہے لیکن اس کا جو انجام ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

علماء بنی اسرائیل جن کی نسبت " اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتَابَ " ارشاد ہے مگر ان کی بدانجامی کا ذکر خود قرآن پاک میں مذکور ہے اور جگہ جگہ ان لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے حتیٰ کہ کسی فرقے کی اتنی مذمت قرآن پاک میں نہیں جتنی بنی اسرائیل کی ہے پس معلوم ہوا کہ صرف کمال علمی وراثت کی وجہ نہیں بلکہ عمل کی بھی ضرورت ہے کیونکہ بدوں عمل کے قبولیت نہیں ہوتی اور غیر مقبول وارث انبیاء نہیں ہوسکتا۔ اس کو رسول مقبول ﷺ نے ایک حدیث میں نہایت واضح فرمادیا ہے فرماتے ہیں۔" العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينار اً ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر " .

اس حدیث میں علم کو حظ وافر فرمایا ہے اور علم حظ وافر اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب مقرون بالعمل ہو، نری صفت علم کو حظ وافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا وبال جان ہونا خود حدیث میں مذکور ہے۔" ان من العلم لجهلا " .

اسی طرح کلام مجید میں ارشاد ہے۔

" وَلَقَدۡ عَلِمُوۡا لَمَنِ اشۡتَرٰهُ مَالَهٗ فِي الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ " . تو حدیث میں ایسے علم کو جہل فرمانا اور آیت میں "علموا" کے بعد "لو کانوا یعلمون" فرمانا صاف بتلاتا ہے کہ یہ علم کسی درجہ میں بھی قابل اعتبار نہیں۔ پس اچھی طرح واضح ہوگیا کہ علم بلاعمل حظ وافر نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو علم عقاب سے نہ بچاسکے وہ حظ وافر کیا ہوگا، حظ وافر وہی علم ہوگا جو کہ مقرون بالعمل ہو مطلق علم وراثت کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۹،۱۰/۱۳)

زیادہ افسوس علماء کی جماعت پر ہے

اول تو مسلمانوں میں نفس عمل ہی کی کمی ہے اور اگر کچھ عمل کیا جاتا تو وصف میں بالکل ناقص۔ اور زیادہ افسوس علماء کی جماعت پر ہے اس لیے کہ جانتے ہیں پھر کوتاہی کرتے ہیں۔ ذرا اپنے قلب کو ٹٹول کر دیکھیں۔ ہم کو غور کرنا چاہیے کہ آیا ہم میں عملی شان پائی جاتی ہے یا نہیں اگر نہیں پائی جاتی تو وراثت کا دعویٰ ہم کو چھوڑ دینا چاہیے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۵/۱۳)

فصل ۲

علماء کی بدعملی کا عذاب

حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کو دیکھا جائے گا کہ اس کی آنتیں باہر نکلی پڑی ہیں اور وہ ان کے گرد گھوم رہا ہے لوگ اس سے اس سزا کا سبب پوچھیں گے کہے گا کہ میں اپنے علم پر عمل نہ کرتا تھا ایک علم بندے کے لیے حجت ہے اور ایک علم خدا کی حجت ہے بندے پر تو ایسا علم کیا یہ ناز ہوسکتا ہے۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۱۱/۱۳)

تم نے یہ حدیث نہیں سنی "ویل لمن لا یعلم ولو شاء اللّٰہ لعلمہ واحدٌ من الویل وویل لمن یعلم ولا یعمل سبع من الویل" (رواہ سعید بن منصور فی سننہ کذافی العزیزی۔ص:۳/۴۱۷)

یعنی جاہل کے لئے ایک ہلاکت ہے، اور عالم کے لئے سات گونہ ہلاکت ہے، آخر اس حدیث پر عمل کرنے کے لئے کیا کوئی دوسری مخلوق پیدا ہوگی، کیا یہ تعلیمات ہمارے واسطے نہیں ہیں؟

(التبلیغ: ص/۱۳۶، ج/۱۲)

بے عمل عالم پوری جماعت کی بدنامی کا سبب بنتا ہے

علماء کی جماعت میں اگرچہ سب ایسے نہیں ہیں لیکن ان کے لیے کسی ایک کا ایسا ہونا بھی موجب شکایت ہے کیونکہ تباہی ان ہی تک مقصور (منحصر) نہیں رہتی بلکہ اس ایک کو دیکھ کر دوسرے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں علماء کی جماعت میں اگر ایک شخص بھی لاابالی (بدعمل بے پرواہ) ہوتا ہے تو اس کا اثر سب پر پہنچتا ہے اور یہ اثر دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کو دیکھ کر دوسرے عوام بدعملی پر جرأت کرتے ہیں دوسرے یہ کہ سب علماء سے بدگمان ہوجاتے ہیں اور اس طرح سے علماء پر اعتراض کی نوبت آتی ہے اور پھر اعتراض سے بدزبانی تک نوبت آجاتی ہے اس میں اگرچہ اکثر عوام غلط ہیں کیونکہ "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" لیکن زیادہ تر اس کا سبب ہم ہیں اور وہ اعتراضات مخالفین کے نہیں ہوتے کہ ان کو حسد یا بغض پر محمول کرلیا جائے یا یہ کہا جائے کہ اعتراضات تو انبیاء پر بھی ہوئے ہیں پھر ہم کو اعتراضات کی کیوں پرواہ ہو؟ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر اعتراضات کفار کی طرف سے ہوئے تھے اور علماء پر ان کے موافقین جو ان کا دم بھرتے ہیں اعتراض کرتے ہیں یہ بہت بڑا عیب ہے کہ اپنے لوگ اعتراض کرنے پر مجبور ہوں ہماری حالت بے حد محل تاسف ہے۔

اس سے عوام الناس پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے یعنی ان کو کہنے کی گنجائش ملتی ہے کہ علماء ایسے ہوتے ہیں اگر خلوص تقویٰ نہ اختیار کیا جائے تو اسی مصلحت سے اختیار کرلیا جائے کہ اس سے عوام بگڑیں گے ورنہ ایسے لوگ "یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" کے مصداق کہے جاسکتے ہیں کیونکہ روکنا جس طرح مباشرۃً ہوتا ہے کہ ہاتھ سے روکے تو اس طرح تسبب بھی ایک قسم کا روکنا ہے اس کو بھی صد عن سبیل اللہ کہا جائے گا کیونکہ سبب معصیت بھی معصیت ہوتا ہے اور اسی معصیت کے ساتھ اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۵، ۳/۱۸)

بے عمل عالم بھی ادب وقدر کے قابل ہے

یہ مطلب نہیں ہے کہ عام لوگ علمائے بے عمل کی تحقیر واہانت کیا کریں نعوذ باللہ ہرگز نہیں بلکہ ان کو مثل بدپرہیز طبیب کے سمجھیں کہ طبیب اگر پرہیز نہ کرے گا تو اپنے آپ مرے گا۔ مگر مریض کو تو اس

کے بتلانے کے موافق ہی عمل کرنا چاہیے اگر فریقین نے اس کی تدبیر کے موافق عمل کر لیا تو اس کو ضرور شفاء ہو جائے گی طبیب ہر حالت میں قابل تعظیم ہی ہے نیز عالم بے عمل اس وکیل سرکاری کے مانند ہے جو خود قانون کی خلاف ورزی کا نتیجہ بد خود دیکھے گا...... مگر وہ چونکہ قانون سے واقف ہے اس لیے مقدمات میں اس کی رائے لینے سے فائدہ ہی ہو گا پس عوام کو ان سے پوچھ کر ہی عمل کرنا چاہیے۔

البتہ جو عالم غلط مسائل بتاتا ہو اور نفسانی غرض سے جس نے پوچھا اس کے موافق فتویٰ دیتا ہو تو اس سے پرہیز کرے وہ خائن طبیب اور جھوٹا وکیل اور رہزن ہے اور عالم بے عمل اگر صحیح بتلاتا ہو تو اس کی زبان کو سن لیا کرے اور اس پر عمل کیا کرے مگر اس کی صحبت اختیار نہ کرے صحبت کسی عالم باعمل کامل متبع سنت کی اختیار کرے تاکہ آخرت کی طرف رغبت اور عمل کا شوق پیدا ہو۔

(آداب المتعلمین بحوالہ حکیم الامت تھانوی۔ ص:۱۱۱)

فصل ۳

نوافل و مستحبات کی طرف سے اہل علم کی بے رغبتی

اکثر طالب علم میں یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے کہ مستحبات کی قدر نہیں رہتی جب تک میں نے منیۃ المصلی نہیں پڑھی تھی تو جو نفلیں پڑھا کرتا تھا جب منیہ پڑھ لی اور اس میں مستحب کی تعریف پڑھی تو نفس کے کید میں آکر یہ خیال ہوا کہ اگر امر مستحب نہ کریں گے تو کچھ مواخذہ تو ہو گا ہی نہیں اس لیے بہت سے مستحبات ترک ہونے لگے نفس میں عجیب عجیب کید ہیں۔ نفس شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کو بھی نفس ہی نے تو خرابی میں ڈالا تھا۔

طالب علموں کی تو یہ حالت ہے جہاں کسی عمل کے استحباب کا حکم معلوم ہوا بس فضائل کو چھوڑ دیا جہلاء تو مستحبات کو کر بھی لیتے ہیں مگر لکھے پڑھے بالکل نہیں کرتے الا ماشاء اللہ یہ نفس کا بڑا کید ہے جس نے اہل علم کو بہت سی برکات سے محروم کر رکھا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے اور مستحبات و فضائل کی بھی بے قدری نہ کرنا چاہیے۔ (التبلیغ۔ ص: ۸/۱۷)

نوافل کی اہمیت

لوگ نفل کو ایک زائد چیز سمجھتے ہیں خاص کر اہل علم اس غلطی میں زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ طالب علموں کو شروع سے نفل کا حکم یہ بتایا جاتا ہے کہ جس کے کرنے میں ثواب ہو اور نہ کرنے میں کچھ گناہ نہ ہو وہ سمجھتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تو یہ عمل نہ کرنے میں کیا بات ہے یہاں تک بھی غنیمت تھا۔ مگر غضب یہ کہ اس کا ترجمہ دوسرے لفظوں میں یوں کر لیا کہ نفل کوئی مہتم بالشان نہیں۔ چلئے چھٹی ہوئی گویا شریعت میں نوافل کا

بیان ہی فضول ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ نفل بیکار اور فضول چیز نہیں بلکہ مہتم فرائض ہونے کی وجہ سے ایک مہتم بالشان چیز ہے نیز خاص محبت کی ایک بڑی علامت ہے، میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں فرض کرو ایک ملازم ہے جس کو کھانا پکانے کے واسطے رکھا گیا ہے اور وہ ایسا قانونی ہے کہ کھانا پکا کر چل دیتا ہے اور ایک دوسرا ملازم ہے کہ اسی کام کے لیے وہ بھی رکھا گیا ہے مگر اس کی حالت یہ ہے کہ جب کھانا پکا چکتا ہے تو آقا کو پنکھا جھلنے لگتا ہے اور بھی خدمت کر دیتا ہے ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

ضرور فرق ہے اس دوسرے آدمی کی قدر آقا کے دل میں یقیناً زیادہ ہوگی بلکہ اس کی ان زائد خدمتوں کی قدر بعض دفعہ اصل کام سے بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ منصبی کام کا تو ضابطہ ہے کہ خانہ پری ہے اور نوکر سے زبردستی اور ٹھوک بجا کر لیا جاتا ہے اور یہ زائد خدمات محبت اور خلوص کی دلیل ہے محبت اور خلوص کا نتیجہ دوسرے کی طرف سے بھی محبت اور خلوص ہی ہوتا ہے تو اس دوسرے شخص سے آقا کو خاص محبت ہوگی اور بلفظ دیگر یہ دوسرا نوکر محبوب ہوگا اور پہلا آدمی نوکر اور مزدور ہوگا۔ یہ حقیقت ہے نفل کی۔

پس اسی طرح جو شخص احکام شرعی میں سے صرف فرائض کو ادا کرے پانچ وقت کے فرائض ہی پڑھے اور زکوۃ بقدر واجب ہی دے دیا کرے کوئی نفل اور خیر خیرات نہ کرے تو وہ ضابطہ کا نوکر ہے اس سے ٹھوک بجا کر کام لیا جائے گا اور ذرا سا بھی قصور ہوگا تو گرفت سے نہ چھوڑا جائے گا۔ اور کسی طرح یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کو حق تعالیٰ سے محبت ہے۔

صاحبو! محبت کی علامت سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ آدمی نفل طاعات کی کثرت کرے پس نفل بھی ایک ضروری چیز ہوئی اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نوافل کس درجہ کی چیز ہے۔

(التبلیغ وعظ امید رحمت۔ ص: ۱/۱۱۴)

طالب علم اور تہجد کا اہتمام

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ ہے کہ ایک طالب علم آپ کا مہمان ہوا۔ رات کو سوتے وقت آپ نے اس کے پاس لوٹے میں پانی بھر کر رکھ دیا۔ صبح کو جب آپ وہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوٹے میں اسی طرح پانی رکھا ہے تب آپ نے اس مہمان طالب علم سے فرمایا کہ میں نے لوٹے میں پانی بھر کر اس لیے رکھ دیا تھا کہ تم تہجد کے لیے اٹھو گے تم کو وضو کے لیے پانی تلاش کرنے کی دقت نہ ہو مگر میں نے دیکھا کہ پانی اسی طرح رکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم تہجد کے پابند نہیں۔ بہت افسوس کی بات ہے طالب علموں کو اس کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے اگر طلباء اور علماء ہی پابند نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا؟

(بزم جمشید۔ ص: ۳۸)

طلبہ سے گزارش

(طلبہ) اگر چاشت، اشراق کے وقت کم از کم دو رکعتیں پڑھ لیا کریں اور رات کو اٹھ کر تہجد کی دو رکعتیں پڑھ کر مطالعہ کتب میں مشغول ہو جایا کریں اور حدیث پڑھنے والے بجائے فضول باتوں کے چلتے پھرتے زبان سے درود شریف پڑھتے رہا کریں تو بتائیے کہ ان کی تعلیم میں کون سا حرج واقع ہوتا ہے؟ اگر خیال کیا جائے تو انشاء اللہ ایسی صورتیں خود بخود ذہن میں آنے لگیں گی جن سے طلبہ میں نور عبادت و حلاوت ذکر بھی پیدا ہو جائے اور تعلیم میں بھی کوئی کمی کسی قسم کی نہ آنے پائے۔

سمجھنے کی بات ہے کہ فہم سلیم اور نور ذکاوت عمل اور تقویٰ سے جس قدر پیدا ہوتا ہے اس کے بدوں حاصل نہیں ہو سکتا تو اس کا اہتمام تعلیم کے لیے مفید ہوگا یا مضر؟ میں نہیں خیال کر سکتا کہ اس کو مضر کیوں سمجھا جاتا ہے۔

البتہ باقاعدہ سلوک سے اور صوفیاء کے خاندانی ذکر سے ضرور منع کیا جائے اس سے حالات و کیفیات کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو تعلیم ناقص رہ جاتی ہے مگر جو اذکار احادیث میں وارد ہیں اختصار کے ساتھ ان کی پابندی کرنا اور بلاناغہ تلاوت قرآن کرتے رہنا وغیرہ یہ تو کسی طرح خارج نہیں ہو سکتے۔

(آداب المعلمین، بحوالہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ۔ ص:۱۰۹)

نوافل و مستحبات کا حکم

سنن و مستحبات کے متعلق یہ اعتقاد جما ہوا ہے کہ ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں گناہ نہیں اس لیے ان کے ناغہ ہونے کو سہل سمجھتے ہیں حالانکہ نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن زائدہ اور مستحبات کا یہ حکم قبل شروع کے ہے اور شروع کرنے کے بعد ان کا حکم بدل جاتا ہے چنانچہ ایک حکم تو عین وقت اشتغال کے ساتھ مختص ہے وہ یہ کہ شروع کرنے کے بعد مستحب کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور ایک حکم عام ہے جو وقت اشتغال کے ساتھ مختص نہیں وہ یہ ہے کہ جس مستحب کو معمول بنا لیا جائے اور کچھ عرصہ تک اس پر مواظبت (پابندی) کر لی جائے اب اس کا ناغہ کرنا اور مواظبت چھوڑ دینا مکروہ ہے اس کی دلیل بخاری کی ایک حدیث ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "یا عبد اللّٰہ لا تکن مثل فلان کان یقوم من اللیل ثم ترکہ" یعنی اے عبداللہ تم فلاں شخص کی طرح نہ ہونا جو رات کو نماز کے لیے اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔

اس میں حضور ﷺ نے اس شخص کی اس حالت پر ناگواری اور کراہت ظاہر فرمائی ہے معلوم ہوا کہ مستحب کو معمول بنا کر ترک کر دینا مذموم و مکروہ ہے اسی لیے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل وغیرہ کا اتنا ہی پابند ہو جس کو نباہ سکے ورنہ شروع ہی نہ کرے اس سے بڑی بے برکتی ہوتی ہے۔

انسان کی عادت ہے کہ جب ایک کام کا پابند ہو پھر اس میں فتور ہونے لگے تو اس کا خلل ممتد ہو جاتا ہے چنانچہ اس عمل پر تو پھر عمر بھر پابندی نصیب نہیں ہوتی اور اس سے گزر کر دوسرے اعمال میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے آج تو تہجد میں فتور ہے کچھ دنوں میں صبح کی نماز کی بھی پابندی نہ رہے گی نماز قضا ہونے لگے گی اور یہ سارا فساد ایک مستحب کی پابندی چھوڑنے سے ہوا۔ (التبلیغ۔ص:۱۶/۱۷۹)

فصل ۴

تقویٰ کی ضرورت

تقویٰ سے کیا چیز حاصل ہوتی ہے؟

بس اس سے زیادہ پتہ اس حقیقت کا نہیں بتلا سکتا، " فھما او تیہ الرجل فی القران " (یعنی تقویٰ سے تفقہ فی الدین اور قرآن کا فہم نصیب ہوتا ہے) مگر یہ فہم کیا چیز ہے؟ اور کس درجہ کی ہوتی ہے اس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں اس کے سمجھنے کا طریقہ یہی ہے کہ تقویٰ اختیار کر کے دیکھ لو الفاظ سے کمالات حقیقیہ کی تعبیر نہیں ہوسکتی۔ مولانا محمود یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امور ذوقیہ کی حقیقت بیان سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ دیکھو اگر کسی نے آم نہ کھایا ہو اور تم اس سے آم کی تعریف بیان کرو کہ ایسا لذیذ ایسا میٹھا ہوتا ہے تو وہ کہے گا گڑ جیسا؟ تم کہو گے نہیں، وہ کہے گا شکر جیسا؟ یا انگور اور انار جیسا؟ تم کہو گے نہیں، پھر وہ اصرار کرے گا کہ بتلاؤ کیسا ہوتا ہے؟ تم بھی کہو گے کہ بھائی ہم کو اس کے بیان پر قدرت نہیں، ایک دفعہ کھا کر دیکھ لو خود معلوم ہو جائے گا اس وقت اس شخص کو تعجب ہوگا اور اس بات کا یقین نہ کرے گا کہ بیان پر قدرت نہیں۔ مگر جب کھالے گا تو اب وہ بھی بیان پر قادر نہ ہوگا۔ یہ بات کمالات حقیقیہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ محسوسات میں بھی جس چیز کا ذوق سے تعلق ہے وہ الفاظ سے بیان نہیں کی جاسکتی۔

اہل علم اور طلباء کو تقویٰ کی ضرورت ہے

عربی پڑھنے والے بھی سب عالم نہیں ہوئے، کیونکہ زبان اور چیز ہے اور علم اور چیز ہے میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر علم دین بھی ہو اور عمل نہ ہو تو وہ بھی محقق عالم نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علماء یہود کے بارے میں فرماتے ہیں۔ " لو کانوا یعلمون " چونکہ وہ عمل نہ کرتے تھے اس لیے باوجود اس کے کہ اس کے قبل ان کی نسبت ' ولقد علموا ' (یعنی ضرور یہ جانتے ہیں) کا حکم ہے۔ پھر ' لو کانوا یعلمون ' میں ان کے علم کی نفی کی اور ان کے علم کو کالعدم سمجھا گیا پس معلوم ہوا کہ علم مطلوب وہی ہے جس کے ساتھ عمل ہو پس اہل علم ناز نہ کریں کہ ہم نے کتابیں پڑھ لی ہیں ہم مولوی ہیں۔

یاد رکھو علم کی حقیقت کہ احکام کو صحیح صحیح سمجھ جائیں میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ بدوں تقویٰ کے نصیب نہیں

ہوتا۔ اگر دو آدمی ہم عمر ہوں اور ایک ہی استاد سے انہوں نے پڑھا ہو اور فہم و حافظے میں بھی برابر ہوں لیکن فرق یہ ہو کہ ایک متقی ہو اور ایک نہ ہو تو متقی کے علم میں جو برکت اور نور ہوگا اور جیسا فہم اس کا صحیح ہوگا اور جیسے حقائق حقہ اس کے ذہن میں آئیں گے وہ بات غیر متقی میں ہرگز نہ ہوگی اگرچہ اصطلاحی عالم ہے اور کتابیں بھی پڑھا سکتا ہے مگر خالی اس سے کیا ہوتا ہے۔

اگر تقویٰ ہوگا تو علوم حقہ قلب پر وارد ہوں گے اب بھی جس طالب علم کا جی چاہے تجربہ کر لے اور تقویٰ کو اختیار کر کے دیکھ لے کہ کیسے کیسے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ اگر خلوص سے تقویٰ اختیار کیا جائے تو اس کی برکت کی تو حد نہیں۔ اگر خلوص نہ ہو تو امتحان کے لیے کر کے دیکھ لو اس کی برکت بھی کچھ نہ کچھ دیکھ لو گے۔ طلبہ کو خصوصیت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۲۶/۱۵، الغاء المجازفۃ)

عمل و تقویٰ کے بارے میں طلبہ کی کوتاہی

تقویٰ زیادت علم کا سبب ہے طلبہ کو اس کا بالکل اہتمام نہیں اس میں وہ بے حد کوتاہیاں کرتے ہیں ان کوتاہیوں کی تفصیل میں کہاں تک کروں اور کس کس بات کو بتاؤں ذرا کوئی شخص دو ہفتہ کسی محقق کے پاس رہے اور اس سے اپنی اصلاح کی درخواست کرے اور محقق بھی ایسا ہو جو بے تکلف روک ٹوک کرتا ہو تب ان کو اپنی کوتاہیوں کی حقیقت معلوم ہو۔

طلبہ میں جو تقویٰ کی کمی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے خوف نہیں ہے اب تو یہ حالت ہے کہ جس کام کو کرنا چاہتے ہیں اس کو گھیر گھار کر جائز کر لیتے ہیں گو دل میں جانتے ہیں کہ ناجائز ہے۔

(التبلیغ۔ ص:۱۳۴/۱۲، کوثر العلوم)

بعض طلبہ کہتے ہیں کہ ہم تو ابھی بچے ہیں یاد رکھو یہی عمر ہے تمہاری پختگی کی جس بات کی اب عادت ہو جائے گی وہ کبھی نہ چھوٹے گی اسی واسطے تو ارشاد ہے۔ ”مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا“ یعنی اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات برس کو پہنچ جائیں حالانکہ نماز فرض ہوتی ہے بلوغ کے بعد اور بالغ ہوتا ہے اکثر پندرہ برس کی عمر میں اور حکم سات برس کی عمر سے پڑھوانے کا ہے تو وجہ اس کی یہی ہے کہ عادت پڑے گی۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۲۷/۱۵، المجازفۃ)

طلبہ کی غلطی اور نفس و شیطان کا دھوکہ

بعض طلبہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی تو ہمارا تحصیل علم کا زمانہ ہے اس میں عمل کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ سراسر شیطانی دھوکہ ہے نصوص نے وجوب احکام میں طلبہ و علماء میں کہیں فرق نہیں کیا۔ البتہ اعمال زائدہ جیسے طویل اوراد یا مجاہدات و ریاضات کہ ان میں مشغول ہونے سے طالب علم کے لیے مطالعہ اور تکرار سبق افضل ہے۔

طلبہ سے چند صاف صاف باتیں

میں نہایت ادب سے تھوڑا سا خطاب طالب علموں سے کرتا ہوں کہ آپ کی ضرورت محض علم وعمل کی وجہ سے ہوئی ورنہ آپ کوئی چیز نہیں اور یاد رکھو جتنا لطیف کھانا ہوتا ہے اس میں زیادہ اور جلدی بدبو ہو جاتی ہے پس جس طرح بحالت درستی نافع الوجود ہیں اسی طرح نادرستی میں مضر اور سبب فساد بھی ہوں گے اس لیے آپ کو اپنی اصلاح کرانا ضروری ہے اور آپ کی اصلاح کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ زمانہ تحصیل میں استاد دیندار ڈھونڈیے بددین استاد ہرگز اختیار نہ کرو یہی طالب علمی کا وقت ہے تخم پاشی کا پھر اس کے بعد کچھ دنوں پڑھ کر کسی اہل اللہ کی چندے صحبت اختیار کرو تب تم خادم دین بن سکو گے پھر لوگ تمہارے قدم دھوئیں گے۔ (دعوات عبدیت۔ ص: ۸۵/۱۱، ضرورۃ العلماء)

آج کل طلبہ نے خیال کر رکھا ہے کہ درسیات سے فارغ ہو کر پھر عمل کا اہتمام کریں گے یہ بالکل شیطانی وسوسہ ہے جس کی وجہ سے عمر بھر بھی عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ یاد رکھو ہر چیز کا پہلی بار جو اثر ہوتا ہے وہ پھر نہیں ہوا کرتا۔ جب علم حاصل کرنے کے وقت کسی کام کا ثواب یا گناہ معلوم ہوتا ہے اس وقت دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اگر اس اثر سے اس وقت کام لیا گیا اور عمل کا اہتمام کر لیا گیا تب تو اثر آئندہ باقی رہتا ہے ورنہ پھر قلب سے زائل ہو جاتا ہے اور دوبارہ آسانی سے پیدا نہیں ہوتا جب پڑھنے کے زمانہ میں تم احادیث وقرآن کی ورق گردانی کرتے چلے گئے اور ترغیب وترہیب کا اس وقت تمہارے دل پر اثر نہ ہوا تو آئندہ کیا امید کی جا سکتی ہے کہ تم اس سے متاثر ہوں گے جب پہلے ہی تم نے یہ خیال کر کے آنکھیں بند کر لیں کہ یہ وقت ان پر عمل کرنے کا نہیں تو عزیز من یہ امید مت کرنا کہ درسیات سے فارغ ہو کر پھر اس کا کچھ اثر بھی تمہارے دل پر ہوگا جب تمہارے نفس نے پہلی ہی بار اسے ٹال دیا پھر کیا اثر قبول کرے گا۔

(آداب المتعلمین بحوالہ حکیم الامتؒ۔ ص: ۱۰۷)

صاحب ہدایہ کا تقویٰ

ان حضرات کے خلوص کی یہ کیفیت تھی کہ صاحب ہدایہ کی تصنیف (جب تک) تمام نہیں ہوئی روزہ برابر رکھتے تھے اور طرفہ یہ کہ کسی کو روزہ رکھنے کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ خدا جانے کتنے سال میں ہدایہ لکھا ہوگا، برابر روزہ رکھنا اور کسی کو خبر نہ ہونا کس قدر اخلاص کی بات ہے۔ مردانہ مکان میں بیٹھ کر لکھتے تھے۔ لونڈی مکان سے کھانا لاتی تھی اور رکھ کر چلی جاتی تھی جب کوئی مسافر نا آشنا سامنے سے گزرتا اس کو وہ کھانا دے دیتے لیکن چونکہ اپنے مخصوصین سے پردہ نہیں ہوتا اس لیے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کبھی خاص (لوگوں) سے یہ سب قصہ ذکر فرمایا ہوگا۔ اس لیے ہم تک منقول ہوا۔ اس خلوص کی برکت سے جن کو نور فہم عطا ہوا ہے ان کی تحقیق ہے کہ تنخواہ لینے میں مصلحتیں ہیں۔ (دعوات عبدیت۔ ص: ۳۲/۳، ذم ہویٰ)

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ سے یہ مراد نہیں کہ ذکر و شغل اور مراقبات کیا کرو یہ تو تقویٰ کی زینت ہیں اللہ نے تقویٰ کی حقیقت بھی بیان فرمائی ہے۔ "اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" تا "ھُمْ یُوْقِنُوْنَ" اس جگہ حق تعالیٰ نے عقائد اور عبادات بدنیہ و مالیہ کے اصول بیان فرمائے ہیں پس حاصل یہ ہوا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو دین میں کامل ہوں ان کے عقائد صحیح ہوں اور عبادات بدنیہ و مالیہ میں بھی کوتاہی نہ کرتے ہوں۔

شرعاً تقویٰ کی حقیقت کمال فی الدین ہے جس پر دوسری آیت دال ہے وہ یہ ہے "لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالْکِتَابِ وَالنَّبِیِّیْنَ" یہاں تک تو عقائد کا ذکر ہے تو بر کامل کا ایک جز تو تصحیح عقائد ہے آگے فرماتے ہیں "وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ......تا...... فِی الرِّقَابِ" اس میں عبادات بدنیہ و مالیہ کا ذکر ہے اور "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عَاھَدُوْا وَالصَّابِرِیْنَ فِی الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ" اس میں اصول واخلاق کا ذکر ہے غرض اعمال ظاہرہ اور طاعات مالیہ و بدنیہ اور اعمال قلبیہ وغیرہ سب اس آیت میں موجود ہیں ان سب کا بیان ہو کر ارشاد ہوتا ہے۔ "اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ". اس سے صاف معلوم ہوا کہ متقی وہ ہے جو ان سب اوصاف سے متصف ہو پس ثابت ہوا کہ تقویٰ کی حقیقت کمال فی الدین ہے اور تصحیح عقائد و ادائے طاعات بدنیہ و مالیہ و اصلاح معاملات و معاشرات اس کے اجزاء ہیں۔ (التبلیغ۔ص:۱۳۴/۲۲ کوثر العلوم)

اصل تقویٰ

تقویٰ کے لیے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مامورات کو بھی بجا لائے کیونکہ ترک مامور بہ بھی معصیت ہے اس کا ترک بھی تقویٰ کے لیے ضروری ہے۔

میں تقویٰ کے لیے آپ کو ایک گر بتلاتا ہوں اس کو یاد رکھئے وہ یہ کہ گو نوافل اور ذکر و شغل زیادہ نہ ہو مگر ورع یعنی ترک معاصی و مناہی کا (یعنی گناہوں سے بچنے کا) زیادہ اہتمام کرو حدیث میں ہے" لا تعدل بالرعۃ (لیس الورع کالکف" گناہوں سے رکے رہنا سب سے بڑا تقویٰ ہے۔

(التبلیغ۔ص:۱۳۲۔۱۴۱)

طلبہ کو اس کا بالکل اہتمام نہیں اور اس میں وہ بے حد کوتاہیاں کرتے ہیں ان کوتاہیوں کی تفصیل میں کہاں تک کروں اور کس کس بات کو بتاؤں؟ طلبہ میں جو تقویٰ کی کمی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے خوف نہیں۔ (التبلیغ۔ص:۱۳۴)

فصل ۵

اہل علم کو سادگی کی ضرورت

میرے خیال میں جہاں تک غور کیا جائے گا ہم میں سادگی کا پتہ بھی نہیں ملے گا۔ نہایت افسوس اس امر کا ہے کہ اس وقت خود اکثر اہل علم میں عورتوں کی سی زینت آ گئی ہے۔ صاحبو! یہ ہمارے لیے دین کے اعتبار سے بھی اور دنیا میں بھی سخت (قسم کا عیب) نقص ہے اس سے بجائے عزت بڑھنے کے اور ذلت ہوتی ہے۔

ہمارے لیے کمال یہی ہے کہ نہ لباس میں کوئی شان وشوکت ہو نہ دوسرے سامان میں مگر اس وقت یہ حالت ہے کہ اکثر طالب علموں کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ طالب علم ہیں یا کسی نواب کے لڑکے۔ اور یہ کوئی دیندار ہیں یا دنیادار یا تو آدمی کسی جماعت میں داخل نہ ہو اور اگر داخل ہو تو پھر وضع قطع سب اسی کی سی ہونا چاہیے۔ علم کی یہی زینت ہے کہ اہل علم کی وضع پر رہے میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا بھی خیال نہیں تو کم از کم اس کا خیال تو ضرور کیجئے کہ آپ کس کے وارث ہونے کے مدعی ہیں اور ان مورث کی کیا حالت تھی۔ واللہ ہماری حالت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دین کا ہم پر کامل اثر نہیں ہوا۔ دین نے ہمارے قلب میں پوری جگہ نہیں کی۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۲۱/۳)

سلف صالحین اور اکابرین کی حالت

ہمارے سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ انہوں نے بعضے مباح امور کو بھی جبکہ وہ مقتضی بہ تکلف یا فساق کا شیوہ ہو گئے تھے (ان کو بھی) ترک کر دیا تھا چنانچہ اسی بناء پر باریک کپڑا پہننا چھوڑ دیا تھا اور اسی بناء پر حدیث شریف میں ہے من رق ثوبہ رق دینہ (جس نے اپنے کپڑے کو باریک بنایا اس کا دین بھی باریک کمزور ہو گیا)

دوسری بناء کے متعلق ایک واقعہ ہے کہ کسی صحابی یا تابعی نے ایک مرتبہ کسی خلیفہ کو مہین لباس پہنے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ" انظر الی امیرنا ھذا یلبس بثیاب الفساق " (ہمارے اس امیر کو دیکھو تو فاسقوں کا لباس پہنے ہے۔)

چونکہ سلف صالحین میں سادگی بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی اس لیے اس وقت صلحاء باریک کپڑے نہ پہنتے تھے۔ اس لیے امیر کو فساق کا لباس پہنے دیکھ کر یہ اعتراض کیا۔

پس اس وقت بھی جو امور اہل باطل یا اہل کبر کی وضع ہیں گو فی نفسہ مباح ہی ہوں ان کو ترک کرنا چاہیے۔ جیسے انگریزی بوٹ جوتے پھندنے دار ٹوپی وغیرہ کیونکہ اس قسم کے امور اول من تشبہ میں داخل ہیں دوسرے اگر ان کو تشبہ سے قطع نظر کر کے مباح مطلق بھی مان لیا جائے تب بھی چونکہ ثقہ لوگوں کی وضع

نہیں ہے اس لیے بھی وہ قابل ترک ہوں گے ہماری وضع ایسی ہونی چاہیئے کہ لوگوں کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو ناکارہ سمجھا جاتا ہے جو کہ ہمارے لیے مایۂ فخر ہے۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۱۳/۳۳)

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بالکل ہی سادے رہتے تھے مگر لوگوں کو ہمت بھی نہیں ہوتی تھی کہ سامنے بات کر سکیں۔ (مزید المجید۔ ص:۲۶)

تصنع وتکلف سے احتراز

بعض اہل علم اپنے کو خوب بناؤ سنگھار سے رکھتے ہیں جو شانِ علم کے خلاف ہے اور ضروری خدمات علم سے بے فکری کی علامت ہے کیونکہ اس فکر کے ساتھ لباس وطعام وغیرہ کے تکلفات کی طرف التفات نہیں ہوتا۔

اسی طرح مجلس میں صدر یا ممتاز جگہ پر بیٹھنے کا شوق، چلنے میں تقدم کی فکر، مجمع میں امام ہونے کا خیال، یہ سب ریا وکبر کے شعبے ہیں، تواضع وبے تکلفی اور سادگی ہی میں علم دین کی شان ہے حدیث میں ہے: ''البذاذة من الایمان'' اس سے مساکین کو بعد وتوحش نہیں ہوتا۔ اور یہی لوگ دین کے زیادہ قبول کرنے والے ہیں۔ البتہ سادگی کے ساتھ طہارت ونظافت ضروری ہے۔

(حقوق العلم۔ ص:۹۶۰، تجدید تعلیم۔ ص:۱۱۶)

تصنع وتکلف کی مضرت

قطع نظر اس کے کہ یہ (سادگی) کے بالکل خلاف ہے ایک بڑی مضرت یہ ہے کہ جب ہر وقت یہی شغل رہے گا تو بقاعدہ النفس لا تتوجه الی شیئین فی آن واحد یہ ضروری ہے کہ علم کی طرف توجہ نہ رہے گی اور علم سے بالکل بے بہرہ رہے گا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ ہر وقت بناؤ سنگھار میں رہتے ہیں نہ ان میں کوئی استعداد ہوتی ہے، نہ مناسبت۔ اور یہ یقینی ہے کہ جو شخص امور عظام (اہم کاموں) میں مشغول ہوتا ہے اس کی نظر امور صغار (معمولی کاموں) پر نہیں رہا کرتی حتیٰ کہ یہ بھی خبر نہیں ہوتی، کہ غسل کب کیا تھا اور کپڑے کب بدلے تھے اور یہی سبب ہے کہ شریعت مطہرہ نے یہ قانون مقرر کر دیا کہ ایک ہفتہ میں ایک مرتبہ ضرور غسل کر لیا کرو۔ ورنہ یہ تو خود امر طبعی تھا مگر کام کرنے والوں کو اس طرف التفات نہیں رہتا اس لیے قانون کی ضرورت پڑی ایک طرف بذاذت کا حکم ہے کہ تکلف اور زینت نہ آجائے اور چونکہ بعض لوگوں سے اس پر ایسا عمل کرنے کا خیال تھا کہ وہ اپنے تن بدن کی خبر نہ رکھنے کی وجہ سے حد نظافت سے بھی خارج ہو جاتے ہیں اس لیے فرمایا کہ ہفتے میں ایک مرتبہ غسل کر لیا کرو تاکہ نظافت بھی فوت نہ ہو۔

(دعوت عبدیت۔ ص:۳/۳۵، العمل العلماء)

کام کا آدمی ہمیشہ سادہ دیکھا جاتا ہے

حسی اعتبار سے لیجئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ حسا بھی یہی حالت ہوتی ہے کہ جو آدمی کسی بڑے کام میں مشغول ہوتا ہے اس کو چھوٹے کاموں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ مثلاً شادی کے موقع پر جن لوگوں کے سپرد شادی کا انتظام ہوتا ہے ان کو نہ اپنے کپڑوں کی خبر ہوتی ہے نہ بدن کی اور وہ اس کو کچھ عار نہیں سمجھتے بلکہ اپنی کارگزاری پر ناز کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ انہماک فی الامور العظام (بڑے کاموں میں منہمک ہونے کے لیے) بذاقت لازم ہے۔

جو طالب علم اپنے علم کے شغل میں لگا ہوگا اس کو کبھی اس کی فکر نہ ہوگی کہ میرے پاس بوٹ بھی ہے یا نہیں اور رومال بھی ہے یا نہیں؟

بڑے لوگوں کی سوانح عمری دیکھنے سے بھی اگرچہ وہ دنیا ہی کے بڑے ہوں صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ انہوں نے زندگی نہایت بے تکلف بسر کی پس جو شخص ہر وقت مانگ پٹی میں مشغول رہے اس کی نسبت سمجھ لینا چاہیے۔ " لیس من الکمال فی شیء "اس کے اندر کچھ کمال نہیں۔

یہ شخص (کام کا آدمی) تو قومی انجن کا ڈرائیور ہے، ڈرائیور کو غسل اور صابن ملنے کی اور کوئلوں کے جھاڑنے کی فرصت کہاں؟ اگر فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے متنعم پر اعتراض کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم (بمبئی، کلکتہ) اسی کی بدولت پہنچے ہیں اور وہاں سے ڈگریاں حاصل کر کے فرسٹ و سیکنڈ کلاس میں سفر کر رہے ہیں۔ (اگر وہ یہ اعتراض کریں) تو نادانی کے سوا کیا ہے۔ (تجدید تعلیم۔ ص:۳۵)

عزت اچھے کپڑوں اور تصنع و تکلف میں نہیں

ان لوگوں کو یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ ہم جو تکلف اور فیشن کے پیچھے پڑے ہیں، آخر ان کی غرض کیا ہے ظاہر ہے کہ اپنی قدر بڑھانا، اور لوگوں کی نظروں میں عزیز بننا، یہی اس کی غرض ہوتی ہے۔ سو علماء کی جماعت میں تو اس سے کچھ قدر نہیں ہوتی ہے۔ اس جماعت کی نظر میں قدر بڑھانے کی تو صورت یہ ہے کہ علم میں کمال حاصل ہو۔ اگرچہ پائجامہ نصف ساق تک ہی ہو اور اگرچہ کرتہ بالکل بھی نہ ہو۔

کانپور میں جس زمانہ میں میرا قیام تھا ایک مرتبہ میں مدرسہ میں پڑھا رہا تھا کہ ایک شخص آکر بیٹھے ان کے بدن پر صرف لنگی اور ایک چادر تھی، اس ہیئت کو دیکھ کر کسی نے ان کی طرف التفات نہیں کیا، جب انہوں نے گفتگو شروع کی تو معلوم ہوا کہ بہت بڑے فاضل ہیں پھر ان کی اس قدر وقعت ہوئی کہ ہر ہر طالب علم ان پر جھکا جاتا تھا۔

پہلے طالب علموں کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ وہ بالکل الول جلول رہتے تھے، کہ نہ کرتہ کی خبر نہ پائجامہ کی پھر دیکھ لیجئے کہ ان میں سے جو اب موجود ہیں وہ اپنے وقت کے مقتداء ہیں اور جو شخص کرتے پاجامے کی زیب میں مشغول رہے گا اس کو یہ بات کہاں میسر ہوگی۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۳/۳۶)

عوام کے حالات وخیالات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظروں میں بھی اہل علم کی وقعت وضع اور لباس سے نہیں۔ یہ ظاہری زیب وزینت ان لوگوں کے لیے ہے جو کمال سے عاری ہوں۔

(دعوات عبدیت۔ ص: ۱۳/۳۷)

عزت وذلت کا معیار

حقیقت یہ ہے کہ عزت کا مدار استغناء اور تذلل کا مدار احتیاج پر ہے، لباس ووضع کو اس میں دخل نہیں۔ اگر کپڑے پرانے ہیں اور ہفت اقلیم کا بھی دست نگر نہیں تو وہ معزز ہے اور اگر لباس ووضع نوابوں کا سا ہے، ہزاروں روپیہ تنخواہ ہے، ہزاروں روپیہ جائیداد کی آمدنی ہے، سامان امیرانہ ہے، مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ اور مل جائے۔ فلاں معاملہ میں کچھ اور ہاتھ آجائے، تو ایسا شخص بالکل ذلیل ہے۔

(اے اہل علم!) آپ لوگوں کی وقعت علم تقویٰ وطہارت سے ہے، نہ کہ لباس سے، قدر بڑھانے کی صورت یہ ہے کہ علم میں کمال حاصل ہو اہل علم کی وضع ولباس اکثر سادہ (ہی ہوتا ہے) کبھی پیوند لگا ہوا کبھی بند یا بٹن کھلا ہوا دیکھا جاتا ہے، اس سے ان پر تذلل کا شبہ کیا جاتا ہے حالانکہ یہ تواضع ہے۔

(تجدید تعلیم۔ ص: ۳۴، دعوات عبدیت۔ ص: ۳۷)

تصنع وتکلف کرنے والوں کی حالت

ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ ان کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی ان کے گھر پر جا کر آواز دیتا تو کم از کم نصف گھنٹہ میں باہر آتے اس کی وجہ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ جس وقت پکارنے کی آواز گھر میں پہنچتی ہے تو وہ آئینہ اور کنگھا طلب کرتے ہیں اور نہایت تکلف سے بالوں کو درست کر کے مانگ نکال کر داڑھی میں کنگھا کر کے ایک ایک بال کو موزوں بنا کر دولہا بن کر تشریف لاتے تھے اسے جنون و خبط نہ کہیے تو کیا کہیے؟

اسی طرح اکثر متکلفین کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس ایک دو جوڑا محض اس کام کے لیے رہتا ہے کہ جب باہر نکلیں تو اس کو زیب تن کر کے نکلیں اور جب واپس آئیں تو پھر وہی لنگوٹی یا سڑے ہوئے کپڑے پہنیں، ان کا لباس گویا ہاتھی کے دانت ہیں کہ کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ ان لوگوں کو شیطان نے دھوکہ دیا ہے کہ ”ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال“ جب خدا تعالیٰ کو جمال پسند ہے تو ہم کو بھی جمیل بن کر رہنا چاہیے۔ لیکن میں ان سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ تزئین محض جمال کی وجہ سے ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ محض جلوت میں یہ تکلف کا لباس پہنا جاتا ہے کیا خدا تعالیٰ کو خلوت میں جمال پسند نہیں؟ صاحبو! یہ سب نفس کی توجیہات اور نکات بعد الوقوع ہیں اور خود آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اصل مقصود کیا ہے چنانچہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ نہایت کم قیمت کپڑا پہنیں گے لیکن وضع ایسی اختیار کریں گے کہ دوسرے کو نہایت قیمتی معلوم ہو اور یہ بڑے لوگوں میں شمار ہوں۔

اسی طرح بعض امراء کو دیکھا ہے کہ نہایت قیمتی کپڑا پہنتے ہیں لیکن اس کی وضع ایسی سادہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل معمولی ہوتا ہے۔

اگر خدا تعالیٰ نے وسعت دی ہو قیمتی کپڑا پہنو لیکن اس کی وضع بالکل سادہ رکھو اس میں بناوٹ اور تزئین ہرگز نہ ہو مگر یہ اسی سے ہوسکے گا جو کسی بڑے کام میں مشغول ہوگا۔ (دعوات عبدیت۔ص:۳/۳۶)

تکلف اور سادگی کا مطلب

بعض لوگ شاید بذاذت کے یہ معنی سمجھ جائیں کہ نہ صفائی ہو اور نہ نظافت ہو بالکل میلی کچیلی حالت میں رہے حالانکہ میلے پن سے بذاذت کو کوئی علاقہ نہیں ہماری جماعت جو کہ علماء طلباء کی جماعت ہے اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ یہ نظافت کی طرف متوجہ ہوں جہاں تک دیکھا جاتا ہے ان لوگوں کو اس کا ذرا خیال نہیں ہوتا بعض لوگ تکلف کے خوگر (عادی) ہیں لیکن صفائی ان میں بالکل نہیں ہوتی حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ تکلف نہ ہو اور صفائی ہو۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۳/۴۳)

(ہمارا حال یہ ہے کہ) نظافت اختیار کریں گے تو اس درجہ کی کہ نواب معلوم ہوں اور بذاذت پر اتریں گے تو اس حد تک کہ کپڑے بھی سڑے ہوئے بدن بھی سڑا ہوا۔ وہ تعدیل کی شان جو شریعت نے سکھلائی ہے اس کا کہیں پتہ نہیں حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ نظافت (صفائی) اور بذاذت (سادگی) دونوں ہاتھ سے نہ جانے دے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۳/۴۶)۔

کپڑے میں ایک مادہ ہوتا ہے اور ایک صورت ہیئت سو تکلف میں اکثر زیادہ دخل ہیئت کو ہوتا ہے یعنی اگر کسی قیمتی کپڑے کی سادہ ہیئت بنالی جائے تو وہی معمولی اور سادہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور اگر کسی معمولی کپڑے کی عمدہ ہیئت بنالی جائے تو وہی قیمتی اور بھڑک دار معلوم ہونے لگتا ہے۔ خدا نے وسعت دی ہو تو قیمتی کپڑا پہنو لیکن اس کی وضع بالکل سادہ رکھو اس میں بناوٹ اور تزئین ہرگز نہ ہونے دو۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۳/۴۳)

امتیازی ہیئت سے احتیاط

ہمارے مشائخ کا طرز یہ ہے کہ وہ امتیاز سے بچتے ہیں۔ امتیازی شان نہ بنانا چاہیے اسی لیے ہمارے بزرگ نہ عبا پہنتے ہیں، نہ چوغہ، نہ صدری کہ اس سے آدمی خوانخواہ دوسروں سے ممتاز معلوم ہوتا ہے۔ صدری میں آج کل ہماری جماعت میں اختلاف ہے بعض لوگ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں اور میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ہم نے اپنے اکابر کو صدری پہننے کا عادی نہیں دیکھا، یہ رواج عموم ولزوم کے ساتھ آج کل ہی نکلا ہے اور اس کو بھی لوگوں نے علماء کا خاص امتیازی شعار بنالیا ہے۔ جس سے ہمارے اکابر بچتے تھے چنانچہ اگر کسی وقت (گوشہ نشینی) سے امتیاز ہونے لگتے تو ہمارے اکابر عزلت بھی اختیار نہ کرتے تھے بلکہ اختلاط کے ساتھ زبانوں کی حفاظت کرتے تھے۔ (تقلیل الاختلاط۔ص:۳۲۶ برکات رمضان)

شرعی وضع قطع کی ضرورت علماء اور طلبہ سے اہم خطاب

آپ لوگ اہل علم ہیں جاہل وعوام نہیں ''العاقل تکفیه الاشارة'' اگر ہم لوگ فکر صحیح سے کام لیں تو دیکھیں گے کہ ہم لوگوں کے ضمیر میں ضرور تفاخر ہے الا ماشاء اللہ کوئی فرد ایسا ہوگا جو اس وباء عام میں مبتلا نہ ہو۔ رفتار میں تفاخر، نشست و برخاست میں تفاخر، معاشرت و معاملہ میں تفاخر، خوراک پوشاک میں تفاخر، محض تفاخر و ریاء کے لیے قیمتی گراں قدر لباس پہنا جاتا ہے۔ روٹی تو کھاویں مسجدوں کی، خرچ کریں زکوٰۃ وغیرہ کا مال، مگر لباس قیمتی ہی ہوگا گو قرض لے کر ہو مگر شان میں فرق نہ آئے یہ تو اچھا خاصا لباس زور (جھولا) ہے۔ ہر کپڑے میں یکتائی سوجھتی ہے رضائی کے لیے چھینٹ لیں گے وہ جو محلہ بھر میں کسی کے پاس نہ ہو بلکہ شہر بھر میں بھی کسی کے پاس نہ ہو اور گو ہو چھینٹ لیکن مخمل نما ہو پھر مشورے ہوتے ہیں کہ اس کی گوٹ کیسی خوبصورت رہے گی۔ مغزی کیسی خوشنما معلوم ہوگی، استر کیسا ہونا چاہیے، جیسا کرتہ ہے ویسی ہی ٹوپی ہے، یہ تو وہ لوگ ہیں جو اپنی شان کے موافق شرعی لباس پہنتے ہیں۔ وضع علماء کی اختیار کرتے ہیں مگر اس میں تفاخر اور بعض حضرات طلبہ مزید برآں نئے فیشن پر مٹے ہوئے ہیں۔ ٹوپی دیکھئے تو ترکی، پاجامہ، پتلون، اچکن، شیروانی، جوتا ہمیشہ گرگابی، کالر نکٹائی لگی ہوئی ہے جو کہ فی الحقیقت ناک کٹائی ہے نام ہی بڑا خوبصورت ہے مگر لوگ ان پر مرے ہوئے ہیں بعض دفعہ لباس قیمتی نہیں ہوتا لیکن اس کو ایسے طرز سے تراشا جاتا ہے اور ایسے طور پر سلوایا جاتا ہے جس سے بہت قیمتی معلوم ہو، دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ طالب علم نہیں کوئی نواب صاحب ہیں۔ یا کوئی امیر زادے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میلے کچیلے رہو اپنے لباس و بدن کو پاک و صاف نہ رکھو۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اپنی حیثیت سے نہ بڑھو، جتنی چادر ہے اتنے ہی پیر پھیلاؤ اپنی اپنی وسعت کا خیال رکھو، علمی و شرعی وضع کو نہ چھوڑو کتنی شرم کی بات ہے کہ تم عالم ہو کر جاہلوں کا اتباع کرو ان کی تقلید کرو چاہیے تو یہ تھا کہ جاہل تمہاری تقلید کرتے نہ کہ وہ الٹا امام و مقتداء بن جائیں یوں تاویلیں تو جیہیں کر کے نہ مانو تو اس کا علاج تو کچھ نہیں ذرا تم غور کرو خوض دتا دیل سے کام تو لو کہ تم نے یہ طریقہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم نے اس کو اہل باطل سے سیکھا ہے اس لباس میں کفار کو اپنا پیشوا بنایا ہے اس سے مقصد بجز تفاخر و ریاء وغیرہ کے اور کوئی دوسری چیز نہیں۔ علاوہ ازیں جس وضع کو تم نے دوسروں سے لیا ہے وہ تمہارے تحمل سے بھی باہر ہے اور عقلاً و شرعاً انسان کو وہ کام کرنا چاہیے، جس کی برداشت و تحمل کر سکے، تحمل بقدر تحمل ہونا چاہیے میں تم کو ایک معیار و قاعدہ بتاتا ہوں اس سے اس وضع کے جواز عدم جواز کا اندازہ کر لیا کرو کہ قیمتی و خوش وضع لباس پہننے کے بعد تمہارے قلب میں کچھ تغیر و تبدل ہوتا ہے، کچھ عجب و فخر معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر تمہاری حالت ویسے ہی ہے جیسے پہلے تھی بے شک قیمتی و خوش وضع لباس میں کچھ حرج نہیں ہے، بشرطیکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو اور اگر کچھ خود داری و عجب کی بو آئے تو حرام ہے باقی وہ وضع ہر حال میں حرام رہے گی

جو کفار سے اخذ کی گئی ہے کیونکہ اس میں منشاء حرمت صرف تفاخر نہیں بلکہ تشبہ بھی علت ہے پس صرف تفاخر کی نفی سے حرمت کا انتفاء نہ ہوگا جب کہ دوسری علت باقی رہے نیز ہر وقت لباس کی فکر ویسے بھی تو مضر ہے جو شخص ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے وہ کسی کام کا نہیں ہے۔

حضرات آپ کا کمال آپ کا جمال تو صرف علم و عمل ہے اس کا خیال رکھئے اس میں مشغول ہو جایئے اس لباس سے زینت حاصل کیجئے۔ "وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ"۔ آپ کو علم و عمل کے ہوتے ہوئے کسی دوسری شئے کی ایسی احتیاج نہیں ہے جس کے لیے تشویش اور ذلت میں مبتلا ہوں اس کا حصول تمام اشیاء سے مستغنی و بے نیاز بنا دیتا ہے کسی امر کی ضرورت نہیں رہتی، بس ان زنانے پن کی زینت کو چھوڑنا چاہیے، سادگی سے بود و باش کرنا چاہیے۔

علامت ایمان

حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "البذاذة من الایمان "یعنی" سادگی سے رہنا ایمان کی علامت ہے" آپ لوگ مقتدا ہیں نائب رسول ﷺ ہیں آپ اگر اس فیشن کے لباس و وضع کو اختیار کریں گے تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ وہ تو اچھے خاصے انگریزی ہو جائیں گے۔ عوام اس سے غفلت میں پڑ جائیں گے اور ان کو آپ پر حق احتجاج حاصل ہوگا اور ان سب کا وبال آپ لوگوں کی گردن پر ہوگا۔ دیکھ لیجئے احادیث میں قصہ آتا ہے کہ کوئی خلیفہ باریک کپڑے پہن کر خطبہ جمعہ کو آئے۔ ایک صحابی ؓ نے فوراً اعتراض کیا کہ "انظروا الیٰ امیرنا هذا یلبس لباس الفساق"۔ "دیکھئے خلیفۃ المسلمین کو محض باریک کپڑے پہننے پر جو اس وقت شعار اوباش کا تھا" مجمع عام میں کیسا لتاڑا گیا حدیث شریف میں جناب رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں "من تشبه بقوم فهو منهم" اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کا طریقہ زینت یا فیشن کا اہل کفر یا اہل غفلت سے ماخوذ ہوگا تو آپ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔ طلبہ کے لیے یہ لباس ہرگز شایان شان نہیں اس سے علم کی ناشکری بے قدری ہوتی ہے خصوصاً طالب علمی کی حالت میں تو بالکل فقراء و مساکین کی طرح سادہ لباس سادہ مزاج رہنا چاہیے۔ میں قیمتی لباس سے منع نہیں کرتا خدا تعالیٰ نے جس کو دیا ہے وہ پہنے۔ میں ترفع و تفاخر سے روکتا ہوں باقی جن لوگوں میں یہ تفاخر و بڑائی کا مادہ نہ ہو، وہ کیسا ہی بڑھیا لباس پہنیں جب بھی ان کی طالب علمی کی شان میں ضرر رساں نہیں ہوتا کیونکہ وہ بڑھیا لباس میں بھی ایسے الول جلول رہتے ہیں کہ صورت سے آثار طالب علمی صاف نظر آتے ہیں۔ اور جو لوگ زینت و وضع کی فکر میں رہتے ہیں یا نئے فیشن کو اختیار کرتے ہیں ان کی صورت پر طالب علمی کی شان نہیں ہوئی بلکہ افسوس سے کہا جاتا ہے کہ آج کل اس طرز و وضع کو اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ کہیں لوگ طالب علم نہ سمجھ لیں گویا یہ چاہتے ہیں کہ عوام ہم کو زمرہ طلبہ سے علیحدہ سمجھیں یا ایک شاندار و ممتاز طالب علم تصور کریں اور تاویل یہ

کرتے ہیں کہ جہلاء اور عوام کی نظروں میں ذلیل نہ ہوں صاحبو! ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ یہ کسی عزت ہے جس کی عزت ہونے پر اہل جاہل کی نظر سے استدلال کیا جاتا ہے اس جہالت کا بھی کوئی ٹھکانا ہے عزت تو وہ ہے جس کو اہلِ نظر عزت کہیں اہل علم کو چاہیے کہ اپنے سلف صالحین اہل علم کا اتباع کریں ان کی پیروی اختیار کریں۔ اسی میں فلاح دارین تصور کریں۔ یہ آپ کے بچپن کا زمانہ ہے اب جس طرح چاہو نفس کو سدھار سکتے ہو پھر اصلاح مشکل ہو جائے گی۔

اپنی وضع قدیم کو نہ چھوڑو غرباء و مساکین واہل اللہ کے طرز پر رہو اگر تم جہلاء کی نظروں میں اس سے ذلیل بھی ہو تو اس پر فخر کرو یہی ذلت عزت ہے اول تو ذلیل ہوتے نہیں عوام میں بھی اسی عالم کی وقعت ہوتی ہے جو سلف کے طرز پر ہو۔ نہ معلوم کس وجہ سے آپ لوگ اپنی وضع بدلتے ہیں ہر طرز، ہر طریقہ میں کیوں ردو بدل کر لیا ہے۔ خوب دھڑلے سے انگریزی لباس پہنتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی لندن سے آئے ہیں اور طرہ یہ ہے کہ انگریزی کا ایک حرف بھی نہ جانتے ہوں گے مگر لباس سے صاحب بہادر بلکہ سانپ بہادر ہی معلوم ہوں گے میرے خیال میں یہ تو عوام میں بھی ذلت ہی ہے سلف صالحین کا لباس خواص میں تو بالاتفاق وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے لیکن عوام میں بھی اسی کو عزت کی نظروں میں دیکھا جاتا ہے۔ اور بصورت تسلیم اگر عوام اس ثقہ لباس میں آپ کو ذلیل سمجھتے ہیں تو اس نئے لباس میں عوام وخواص دونوں آپ کو ذلیل سمجھتے ہیں، دونوں طرف سے طعن و تشنیع ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ سانپ بنے پھرتے ہیں اور نام کو انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں جانتے اس سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ تکبر لباس میں تو تھا ہی دل میں بھی تکبر گھسا ہوا ہے چنانچہ کبھی اپنی خطا کے مقر نہیں ہوتے قصور کا اعتراف نہیں کرتے تاویل کو تیار ہو جاتے ہیں ہر بات میں تاویل یعنی ٹھسا ہے حالانکہ ہر کلامیکہ محتاج لیعنی باشد لا یعنی است، ہر امر میں لان موجود ہے اچکن میں بھی لان، جوتا میں بھی لان کرتہ میں بھی لان ٹوپی میں بھی لان ۔لباس کیا ہوا لان کا مجموعہ ہو گیا جو نہ اوڑھنے کا نہ بچھانے کا۔

طلب کی شان

اے صاحبو! ان تکلفات بارہ کو چھوڑو تم لوگ طالب علم ہو تو طلب کی شان کو نبھاؤ طلب کے ساتھ توجہ دو چیزوں کی طرف نہیں ہوا کرتی ہے۔ ''لانّ النفس لا تتوجه الى الشيئين في آن واحد'' ورنہ اسی لباس و باس میں پھنسے رہ جاؤ گے۔ اور مقصود اصلی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اس نئی وضع قطع میں کیا دھرا ہے کون سی سلطنت مل جاتی ہے سلف صالحین کی وضع اختیار کرو۔ یہی کمال ہے یہی جمال ہے یہی عزت ہے یہی حرمت ہے گراں قیمت لباس پہننا شرعاً کمال ہے ہی نہیں دیکھئے تو تواریخ میں جہاں سلاطین کے حالات لکھے ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں تو یہ کسی جگہ نہیں لکھتے کہ فلاں بادشاہ بہت خوش لباس تھا بہت قیمتی

کپڑا پہنا کرتا تھا بلکہ جو بادشاہ موٹے اور کم قیمت کپڑے استعمال کرتا تھا اس کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے اور خاص مداح میں سے شمار ہوتا ہے جہاں اس کے کارنامے وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں سادگی کا بھی احترام کیا جاتا ہے اور یہ اس کے اول نمبر کے محاسن میں سے سمجھا جاتا ہے۔

حضرات آپ کو تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ "دع ما یریبک الی ما لا یریبک" کہ امور مشکوک مشتبہ سے احتراز کر کے امور یقینیہ کو اختیار کرو جن میں کسی مفسدہ کا شبہ بھی نہ ہو فرماتے ہیں "لا یکمل ورع المومن حتیٰ یدع مالا باس بہ حذرا مما بہ باس او کما قال" یعنی انسان محرمات سے جب ہی اجتناب کر سکتا ہے جب مشتبہات سے بھی اجتناب کرے۔

تقویٰ کی ضرورت

یہی ہے ورع کامل اور یہی ہے اول درجہ کا تقویٰ اس کو اختیار کیجئے۔ اگر آپ لباس میں تاویلیں اور توجیہیں کر کے اس کو جائز بھی کر لیں۔ تب بھی اسکے مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں پھر تم امر مشتبہ کو کیوں اختیار کرتے ہو۔ صاحبو! آپ اپنے سلف صالحین کے کارنامے دیکھئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک کرتہ پہنا جو آپ کو اچھا معلوم ہوا نفس کو اس سے حظ آنے لگا آپ نے مقراض لے کر اس کی تھوڑی تھوڑی آستینیں کاٹ ڈالیں تاکہ بدزیب ہو جائے اور نفس کو حظ نہ آئے اگر اور بھی کوئی خرابی نہ ہو تو اس میں تو شک نہیں کہ آپ یہ نئی وضع قطع محض حظ نفس کے لیے اختیار کرتے ہیں اور آپ کے اسلاف حظ نفس سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔

میں آپ لوگوں کو ایک ضابطہ کلیہ بتائے دیتا ہوں اس کو یاد رکھو اور اپنے ہر طرز کو اس معیار پر جانچ لیا کرو۔ یاد رکھو! جس وقت تم اپنی نگاہ میں بھلے معلوم ہو اس وقت سمجھ لو تم حق تعالیٰ کی نظر میں برے ہو، کسی کمال سے، کسی جمال سے، کسی علمی تقریر و تحریر سے جب تم کو اپنے اندر حسن ظاہر ہو اس وقت حق تعالیٰ کے نزدیک تمہارے اندر قبح یہی پندار اور خود بینی ہے۔

احادیث میں اعجاب کل ذی رائی برأیہ خود رائی کی سخت مذمت وارد ہے اور حضور ﷺ نے جو عجب کو مذموم فرمایا ہے اس کا راز یہی ہے کہ عجب و خود بینی مقدمہ ہے۔ کبر کا کیونکہ انسان عجب سے اول تو اپنے نفس کو جمیل و حسین دیکھتا ہے بعد میں اوروں کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے یہی کبر ہے اور مقدمات شئی کے لیے بھی شئی ہی کا حکم ہوا کرتا ہے لہٰذا عجب علاوہ مستقل نصوص کے خود اس دلیل سے بھی حرام ہے اب اس لباس کو پہننے والے سوچ لیں کہ یہ لباس پہن کر ان کو عجب ہوتا ہے یا نہیں۔ اب اختیار ہے تاویلیں کرتے رہیں ہمارا کام بتانا تھا بتا دیا۔

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

وہ خود جانتے ہیں اہل علم ہیں۔ ''بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ'' یہ تو لباس میں فخر تھا۔

ہمارا کمال یہی ہے کہ نہ لباس میں کوئی شان وشوکت ہو نہ دوسرے سامان میں مگر اس وقت یہ حالت ہے کہ اکثر طالب علموں کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ طالب علم ہے یا کسی نواب کے لڑکے یا اور کوئی دیندار ہیں یا دنیادار یعنی یا تو آدمی کسی جماعت میں داخل نہ ہو اور اگر داخل ہو تو پھر وضع قطع سب اس کی سی ہونا چاہیے علم کی یہی زینت ہے کہ اہل علم کی وضع پر رہے۔

(دستور سہارنپور ملحقہ حقیقت تصوف وتقویٰ۔ص:۱۳۶۹)

اہل علم اور طلبہ کی وضع قطع کیسی ہونی چاہیے

علم میں مشغول ہو کر وضع بھی علمی ہی رکھے مولوی کی وضع تو ایسی ہو کہ لوگ دیکھ کر مجہول سمجھیں ترکی ٹوپی ظاہراً اب عام ہو گئی ہے جو مقتدا نہ ہو اس کو مضائقہ نہیں مگر مولوی کو اب بھی نہ چاہیے۔

(کلمۃ الحق۔ص:۱۷۳)

ہم جیسے طلبہ کو زیادہ فاخرہ لباس نہیں پہننا چاہیے اور نہ شان وشوکت سے رہنا چاہیے غریبوں کی طرح رہنا مناسب ہے اس لیے کہ ان کو سابقہ زیادہ تر غرباء ہی سے پڑتا ہے اور ایسی صورت میں رہنے سے ان پر ایک قسم کا رعب اور ہیبت ہو گی اور استفادہ نہ کر سکیں گے اس لیے میں اس کا بھی خیال رکھتا ہوں ہاں یہ بھی نہ ہونا چاہیے کہ بالکل زدہ (خستہ پراگندہ) حالت میں رہیں کہ جس کو دیکھ کر کوئی سوالی خیال کرے۔ اگر خدا دے تو اوسط درجہ میں اہل علم کو رہنا چاہیے۔ ''خیر الامور اوسطھا'' کا عامل بن کر رہنا چاہیے۔

(الافاضات۔ص:۲۴،ج/۱)

جس کو اپنے سے بڑا سمجھے اس کے سامنے اس کے کپڑوں سے زیادہ قیمتی کپڑے پہننا بے ادبی ہے بلکہ اس کے سامنے ہر چیز کو گھٹا ہوا رکھنا چاہیے۔

(القول الجلیل)

جن لوگوں کو انتظام امور سے تعلق ہے وہ ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ شوکت بھی ہو کیونکہ بدوں اس کے انتظام عالم نہیں ہو سکتا۔

(مزید المجید۔ص:۲۶)

طلبہ کا یونیفارم

میں نے حضرات دیوبند کو کہلا بھیجا تھا کہ طلبہ کا ایک خاص طرز معین ہونا چاہیے مثلاً لباس معین وضع کا ہو جیسا کہ اپنے بزرگوں کا تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلبہ اس کو آج کل اپنی تحقیر خیال کرتے ہیں مگر ایسے امور (ایسی باتوں) کی طرف التفات ہی کیوں کیا جائے۔

(الکلام الحسن۔ص:۵۳)

اہل علم اور طلبہ کو چند نصیحتیں

(۱) اے طلبہ مدرسہ! تمہارا فخر یہی ہے کہ جس جماعت میں تمہارا شمار ہے تم اس کی اصطلاح اور وضع اور طرز کو اختیار کرو۔

(۲) لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے عزت کا طلب کرنا انسان کا کام نہیں یہ تو نہایت بھدا پن ہے۔

(۳) اگر مخلوق سے عزت نہ ہو تو کیا پرواہ ہے خالق کے یہاں تو ضرور عزت ہوگی۔

(۴) تم کو تو ایسی تواضع اور پستی اختیار کرنا چاہیے کہ تمام دنیا پستی و تواضع میں تمہاری شاگرد ہو جائے، تمہاری عزت اسی میں ہے۔

(۵) تم اپنے کو مٹا دو گمنام کر دو تو پھر تمہاری محبوبیت کی یہ شان ہوگی کہ تم چپ ہوں گے اور تمام مخلوق میں تمہارا آوازہ (شہرہ) ہوگا۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:۱/۳۷۳)

﴿فصل ۶﴾

تواضع اور خشوع کی تعلیم

''خشوع'' قلب کا عمل ہے ہم لوگوں میں بہت کم پایا جاتا ہے حالانکہ یہ ساری طاعت کا راس (جڑ) ہے مگر ہم لوگ اس کی ذرا فکر اور اہتمام نہیں کرتے خشوع کی صفت اس کے آثار و تدابیر اختیار کرنا اہل علم کے لیے زیادہ خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے کہ یہ ان کے لیے زینت اور زیور ہے۔ ہماری اس حالت کے فقدان خشوع کی شکایت صاف لفظوں میں قرآن شریف میں بھی فرماتے ہیں ''اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ'' معلوم ہوا کہ خشوع نہایت ضروری عمل ہے اور اس کا مقابل قساوت ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ''فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' آگے ارشاد فرماتے ہیں ''ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ'' اس آیت میں قساوت کا مقابل لین کو فرمایا ہے اور لین وہی خشوع ہے تو معلوم ہوا کہ خشوع کا مقابل قساوت ہے اور قساوت کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے۔ ''ان ابعد شیء من اللّٰہ القلب القاسی'' (اللہ سے سب سے زائد دور رہنے والا ایسا قلب ہے جس میں قساوت یعنی خشوع کی صفت نہ ہو) اس سے زیادہ اور اس کے ضروری اور واجب ہونے کے لیے کیا چاہیے پس ہر طالب علم کو لازم ہے کہ وہ قلب میں خشوع پیدا کرے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۳/۳۸)

خشوع کی حقیقت

خشوع قلب کا عمل ہے جب قلب میں خشوع کی صفت ہوگی تو جوارح پر اس کا اثر ضرور پڑے گا

حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا حضور ﷺ نے فرمایا اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو یہ ایسا ہرگز نہ کرتا۔

اب دیکھ لیجئے ہمارے قلب میں خشوع ہے یا نہیں اور ہم ''اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ'' کے مضمون میں داخل ہیں یا نہیں، اور ہمارے قلوب میں ترفع اور شیخی تو نہیں پائی جاتی۔ پس اگر ہمارے قلوب میں خشوع ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کے آثار نہیں پائے جاتے اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم کو اپنا کام خود کرنے سے یا کسی مسلمان کا کام کرنے سے عار آتی ہے؟ حضور ﷺ سے زیادہ تو کوئی مخدوم نہیں پھر دیکھ لیجئے کہ حضور ﷺ کی کیا حالت تھی۔ (دعوات عبدیت۔ ص: ۱۳/۲۱)

تواضع وخشوع وانکساری کے آثار

اس کے ظاہری آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے، بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے، غیظ وغضب میں مغلوب نہ ہو، انتقام کی فکر میں نہ رہے اور ارشاد خداوندی ہے۔ ''وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ'' یعنی اپنی رفتار میں میانہ روی پیدا کرو اور آواز کو پست کرو۔

پس معلوم ہوا کہ جب قلب میں خشوع ہوتا ہے تو رفتار میں بھی خشوع کا اثر ہوتا ہے اور آواز میں بھی اس کا اثر ہوتا ہے اور جیسے خشوع کے لیے یہ آثار لازم ہیں اسی تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان آثار کے لیے بھی خشوع لازم ہے بلکہ ظاہری ہیئت کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔

دیکھیے! اگر کوئی شخص غمگین صورت بنا کر بیٹھ جائے تو قلب میں اضمحلال (پژمردگی) کا اثر محسوس ہوگا یا اگر کوئی شخص متکبرانہ وضع بنالے تو دل میں بھی ایک تجبر اور تکبر کی شان پائی جاتی ہے تو جیسے باطن ظاہر میں مؤثر ہے کہ باطن کے موافق آثار پائے جاتے ہیں اسی طرح ظاہر بھی باطن میں مؤثر ہے۔

تواضع وخشوع پیدا کرنے کا طریقہ

جن لوگوں کو اس وقت تک خشوع کی صفت حاصل نہیں ان کو چاہیے کہ وہ متواضعین کے افعال اختیار کریں ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے قلب میں تواضع کی صفت پیدا ہوگی، کوئی تو وجہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے متکبرین کے افعال سے ممانعت فرمائی اور قرآن شریف میں ''وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ'' ارشاد ہوا۔ ذرا اپنے اسلاف کے حالات کو دیکھیے ان کی کیا شان تھی، ہم لازم ہے کہ ہم وہی وضع اختیار کریں جو ان کو مرغوب ہو اور جس کو وہ اختیار کر چکے کیا عجب ہے کہ ہم اس تشبہ ظاہری کی بدولت اپنے باطن کو درست کر سکیں۔

اہل اللہ کے ساتھ ظاہر کا تشابہ (مشابہت) وہ چیز ہے کہ اس کی بدولت کفار پر فضل ہو گیا ہے، سیر کی روایت ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے ساحرین کو جمع کیا تو وہ لوگ اسی لباس

میں آئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس تھا آخر میں مقابلہ ہوتے ہی تمام ساحرین مسلمان ہو گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربار خداوندی میں عرض کیا کہ یا الٰہی یہ سامان فرعون کے اسلام کے لیے ہوا تھا کیا سبب ہے کہ اس پر فضل نہ ہوا اور ساحرین کو ایمان کی توفیق ہو گئی ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! یہ لوگ تمہاری صورت لے کر آئے تھے ہماری رحمت نے پسند نہ کیا کہ ہمارے محبوب کے ہم وضع لوگ دوزخ میں جائیں اس لیے ان کو توفیق ہو گئی اور فرعون کو اتنی بھی مناسبت نہ تھی اس لیے اس کو یہ دولت نصیب نہ ہو سکی اس حکایت سے احتجاج مقصود نہیں کہ اس کے ثبوت میں کلام کرنے لگو صرف تائید منظور ہے۔

اگر ہم میں خشوع کی صفت موجود ہے تب تو ہم کو اس کے مناسب وضع اختیار کرنا لازم ہے اور اگر یہ صفت موجود نہیں تو خود اس کی تحصیل کے لیے ایسا کرنا یعنی اس کے آثار کا اختیار کرنا ضروری ہے اور یہ کہ اہل خشوع کی صحبت اختیار کی جائے۔ (دعوات۔ ص:۳۹/۳)

تواضع کی حقیقت

تواضع یہ ہے کہ حقیقت میں وہ اپنے کو لاشئی سمجھے اور سچ سمجھ کر تواضع کرے اور اپنے کو رفعت (عزت و بلندی) کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔

تواضع کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں عطاء فرمائی ہیں ان کی اپنے سے نفی کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنا کمال نہ سمجھے محض فضل و رحمت حق سمجھے۔ (انفاس عیسیٰ۔ ص:۲۷۲)

تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار اور خاکسار سمجھے کہ برا بھلا کہے اور حقیر و ذلیل کرے تو ہم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہے پھر کیوں برا مانتا ہے۔ اور کسی کی برائی سے کچھ رنج و اثر نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔ (انفاس عیسیٰ۔ ص:۱۷۲)

متواضع سے کبھی کوئی بات تکبر کی نکل جائے تو یہ مضر نہیں ہاں اس کے افعال میں زیادہ غلبہ تواضع کا ہونا چاہیے۔ (انفاس عیسیٰ۔ ص:۲۷۳)

محققین کا قول ہے کہ تم یہ سمجھ کر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا یہی حق ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے اور اپنے کو لاشئی محض سمجھے اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت (عزت و بلندی) عطا کر دیں گے، لیکن تم رفعت کی نیت سے تواضع اختیار نہ کرو، تواضع میں خاصیت ہے کہ وہ قلوب کو کشش کرتی ہے گو کسی نیت سے ہو مگر اس صورت میں حقیقی رفعت یعنی قرب و رضاء حق حاصل نہ ہوگی۔ (انفاس عیسیٰ۔ ص:۱/۲۷۵)

حضور ﷺ کے خشوع اور تواضع کی حالت

دیکھ لیجیے حضور ﷺ کی کیا حالت تھی فرماتے ہیں " انی آکل کما یاکل العبد " کہ میں کھانا اس طرح کھاتا ہوں کہ جیسے کوئی غلام کھاتا ہے۔ جس میں تجبر اور تکبر کا نام نہیں ہوتا حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔

چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور ﷺ کبھی آگے نہ چلتے تھے بلکہ کچھ صحابہ آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے اور یہ کسی کا آگے اور پیچھے چلنا کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہیں ہوتا تھا جیسا کہ آج کل بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ باقاعدہ کچھ لوگ ان کی عزت بڑھانے کو ان کے آگے اور کچھ ان کے پیچھے ہوتے ہیں سو یہ نہ تھا بلکہ جس طرح بے تکلف احباب سے ملے جلے چلتے ہیں کہ کبھی کوئی آگے ہوگیا کبھی کوئی پیچھے ہوگیا، اس طرح چلتے تھے لباس کی یہ شان تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا کر پہنتے تھے آرام کرنے کی یہ حالت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر آرام کرتے تھے۔

معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے۔ بازار سے ضرورت کی چیزیں جا کر خرید لاتے تھے۔

ایک بار حضور ﷺ سے کوئی باہر کا ایلچی ڈر گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے ڈرو مت میں ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو کہ سوکھا گوشت کھاتی تھی حضور ﷺ کے ان حالات کو دیکھئے اور پھر اپنے کو تو لو معلوم ہوگا۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

صاحبو! جس طرح آپ ﷺ کا قول متبوع ہے اسی طرح آپ کا فعل بھی متبوع (قابل اتباع) ہے جب تک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو ارشاد ہے" لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" یہ افعال بھی اتباع ہی کے لیے ہیں کہ ہماری بھی وضع وہی ہو۔ چال ڈھال وہی ہو، معاشرت وہی ہو۔

(دعوات عبدیت۔ ص: ۱۳/۳۰)

﴿فصل ۷﴾

علم وعمل پر غرور کیونکر؟

اگر کسی کو اپنے علم پر ناز ہو تو سن لیجیے کہ حضور ﷺ کے برابر تو کسی کو علم عطا نہیں ہوا حق تعالیٰ آپ سے ارشاد فرماتے ہیں "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ" یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دیے ہیں دفعۃً سلب کرلیں "ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا" یعنی پھر کوئی آپ کا کارساز بھی نہیں ہوسکتا دیکھئے کتنا ہولناک خطاب ہے آپ ڈر ہی تو گئے ہوں گے اور تعجب نہیں کہ یاس کی نوبت

آجاتی اس لیے حق تعالیٰ نے یہ جز بڑھادیا ''اِلَّا رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ'' بس رحمت خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اور کوئی ساتھ نہیں دے سکتا ان الفاظ کے جوڑ سے پتہ چلتا ہے کہ اس حالت کا جو اس آیت کے اترنے سے حضور ﷺ پر گزری ہوگی کہ اتنے لفظ پر بھی اکتفاء نہیں کیا گیا ''اِلَّا رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ'' کیونکہ اس سے تو اتنا معلوم ہوا کہ رحمت دستگیری کر سکتی ہے مگر اس کا وقوع ہوگا یا نہیں اس لفظ سے اس کا اطمینان نہیں ہوتا اس واسطے ایک جملہ اور بڑھادیا ''اِنَّ فَضْلَہٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا'' یعنی چونکہ خدا تعالیٰ کا فضل آپ ﷺ کے شامل حال ہے اس لیے بالفعل رحمت آپ کی دستگیر ہے آپ کسی طرح کا اضطراب نہ کریں بس اس لفظ سے یقیناً حضور اکرم ﷺ کا اطمینان ہوگیا کہ ایسا واقع نہ ہوگا کہ علوم سلب کر لیے جائیں، صرف اظہار قدرت اور تصحیح عقیدہ کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے۔

جب حضور ﷺ کے ساتھ یہ گفتگو ہے تو دوسروں کا کیا کہنا ہم کو ذرا ہوش سنبھالنے کی ضرورت ہے کسی کو علم پر ناز ہے تو حماقت ہے، عمل پر ناز ہے تو حماقت ہے، عرفان پر ناز ہے تو حماقت ہے، ان میں کوئی جز بھی اس درجہ میں مکتسب نہیں جس پر ناز کیا جائے، جس کو جو چیز حاصل ہے وہ سب عطاء الٰہی ہے اس کو اپنی چیز سمجھنا اور تزکیہ نفس کرنا کبر ہے۔

اور کبر وہ عیب ہے جو گندگی در گندگی ہے یہ مرض ام الامراض۔ اکثر شدید امراض باطنی کی جڑ یہی ہے اور اکثر عیوب کا سلسلہ کبر ہی پر منتہی ہوتا ہے مثلاً غصہ ایک بڑا مرض ہے مگر پیدا ہوتا ہے تکبر ہی سے، بعض وقت تو اس کا ظہور خود غصہ والے منہ سے ہونے لگتا ہے مثلاً بعض بد دماغ آدمی غصہ کے وقت اپنی زبان سے کہنے لگتے ہیں کہ تو نہیں جانتا ہم کون ہیں؟

اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ کبر کس درجہ بری چیز ہے مگر ہم لوگوں میں بہت کم قلوب اس سے پاک ہوں گے۔ (التبلیغ۔ ص:۱۸/۵)

فرمایا سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ تابعی ایک روز کہہ رہے تھے کہ میری تکبیر تحریمہ اتنے برس سے قضا نہیں ہوئی یہ کہہ کر اٹھے تھے کہ مسجد میں جا کر دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ کر نکل رہے ہیں اللہ نے فوراً ہی دعویٰ کا جواب دیا۔ (حسن العزیز۔ ص:۲/۲۱۴)

فرمایا محسوسات کا ادراک بھی خدا تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے (جب چاہے سلب کر لے) ایک رات کو ابر بہت تھا، میں گھر کا راستہ بھول گیا دس بارہ منٹ حیران رہا کبھی کہیں چلا جاؤں کبھی کہیں چلا جاؤں حالانکہ گھر اتنا قریب ہے کہ آدمی آنکھیں بند کر کے بھی جا سکتا ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۱/۱۶۷)

کام کرنا مخلص اور مقبول ہونے کی دلیل نہیں

فرمایا اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس سے کام لیا

جائے وہ عنداللہ مقبول ہی ہو دیکھو چمار سے بیگاری لی جاتی ہے (اس سے کام لیا جاتا ہے) مگر اس سے چمار کا کوئی درجہ نہیں رہ جاتا وہ اپنی جگہ چمار ہی رہتا ہے، ہمارا حال بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کچھ خدمت ہم سے لے لیتے ہیں مگر اپنا حال ہم خود جانتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں درجہ تو اللہ کے نزدیک صرف عالم باعمل کا ہے۔ (مجالس حکیم الامت۔ص:۲۸۶)

آج کل کے طلبہ کی بدحالی اور بدشوقی

اب تو طالب علم ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے خوامخواہ غصہ آ ہی جائے اور سچ یہ ہے کہ طالب علم کم ہی رہ گئے ہیں چنانچہ بعض طالب علم استاد کی تقریر بہت بے پرواہی سے سنتے ہیں اور جب مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو استاد سے جھگڑتے ہیں اس کو غصہ کیسے نہ آئے گا۔ میں ایک واقعہ لکھنؤ کا بتلاتا ہوں۔ لکھنؤ میں ایک جگہ صدرا (کتاب کا نام ہے اس) کا سبق ہو رہا تھا کسی مقام میں نسخے کی غلطی کا احتمال ہوا طالب علموں کے سب نسخوں میں دیکھا گیا ایک طالب علم ان میں ایسا تھا کہ ان سے پوچھا کہ تمہاری کتاب میں کیا ہے تو وہ ڈھونڈنے لگے استاد جو برہم ہوئے تو کہنے لگے کہ ابھی نظر سے نکل گیا ہے بتلاتا ہوں جب زیادہ دیر ہوئی تو استاد نے کتاب ان سے لے کر خود دیکھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ کتاب شمس بازغہ ہے پوچھا کہ تم روزانہ اس نسخہ میں پڑھتے ہو کہنے لگے جی ہاں! سوان بزرگ کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ یہ کون سی کتاب ہے کچھ حد ہے اس بے پروائی کی۔

اسی طرح ایک طالب علم فارغین کی نسبت کہتے تھے کہ یہ لوگ بڑے بے وقوف ہیں جو فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں کیونکہ پھر روٹی موقوف ہو جاتی ہے ہم تو کئی سال سے نورالانوار پڑھ رہے ہیں اور ابھی اس کے حل کرنے کا قصد ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۹/۵۸۔الدین الخالص)

فراغت کے بعد طلبہ کا حال

درسیات سے فارغ ہونے کے بعد حالت یہ ہے کہ جس کی استعداد خراب ہے وہ تو پڑھنا پڑھانا ہی چھوڑ دیتے ہیں پھر بعض تو ذکر و شغل میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بعض وعظ گوئی اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ ان میں حظ نفس ہے ایک میں حظ نفسانی۔ وعظ میں تو حظ نفسانی بواسطہ جسمانی کے ہے کہ لوگ واعظ کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں جسمانی اور مالی خدمت کرتے ہیں عمدہ عمدہ غذائیں کھانے کو ملتی ہیں اور قیمتی سواری ملتی ہے۔

جو طلبہ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں ان میں دو قسم کے لوگ ہیں بعض تو غیر مخلص ہیں جو جاہ وغیرہ کے طالب ہیں اور بعض مخلص ہیں مگر مخلصین بھی حظوظ میں مبتلا ہیں جو

طلبہ غیر مخلص ہیں ان کا تو پوچھنا ہی کیا یہ ان کا ذکر تھا جو خوش استعداد نہیں کہ زیادہ تر اپنی بد استعدادی ہی کی وجہ سے ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں اور زیادت فی العلم سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں اور جو خوش (ذی) استعداد ہیں ان کی انتہاء یہ ہے کہ وہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اسی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی زیادت اسی میں منحصر ہے کہ درسیات ہی ساری عمر پڑھاتے رہیں پھر ان میں بھی بعض کا مقصود تو تنخواہ ہے اور بعض کا مقصود یہ ہے کہ تعلیم علم کا ثواب بھی ملے گا گو اس کے ساتھ تنخواہ بھی ملتی رہے گی۔ بعض کو تو محض تنخواہ ہی مقصود و مطلوب ہوتی ہے اور بعض کا مقصود طلبہ میں شہرت ہے کہ تعلیم و تدریس میں نام ہو جائے گا اور عالم متبحر اور لائق مدرس مشہور ہو جائیں گے اور گو بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کا مقصود علمی ترقی اور زیادت فی العلم ہے مگر ایسا شخص دس جماعتوں میں ایک ہی نکلے گا۔

(التبلیغ وعظ کثیر العلوم العلوم۔ص:۱۲/۸۲۶۹)

اصلاح نفس کا طریقہ اور فراغت کے بعد کا ضروری دستور العمل

کتب درسیہ کی فراغت کے بعد آپ کے ذمہ واجب العمل ہے کہ اگر ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال ختم کیے تو باطن کی درستی میں فی سال ایک ماہ ہی خرچ کر دیجئے یعنی کم سے کم دس مہینہ ہی کسی کامل کی خدمت میں صرف کیجئے اور اس کے ارشاد کے مطابق عمل کیجئے خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اس کی برکت سے دولت خشوع عطا فرماتے ہیں اور علم کا اثر قلب کے اندر پیوست ہو جاتا ہے لیکن اس پر اسی وقت عمل کرنا مناسب ہے کہ جب کتب درسیہ سے فراغ ہو چکے اور اساتذہ ادھر متوجہ ہونے کی اجازت دے دیں اور اگر اساتذہ ختم درسیات کے بعد بھی چند روز تک درسیات ہی میں مشغول رہنے کا حکم فرمائیں تو ان کے ارشاد پر عمل کرے اور جب تک کافی مناسبت نہ ہو جائے اس وقت تک درسیات میں مشغول رہے۔ اور جب کافی مناسبت ہو جائے تو چند روز کسی کے پاس رہ کر اصلاح باطن کرے۔ اور پھر درس و تدریس کا شغل بھی جاری کر دے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۳/۳۲)

فراغت کے بعد طلبہ التزاماً محققین اہل اللہ کی خدمت میں حسب گنجائش قیام کریں اور ان سے عملاً آداب و اخلاق سیکھیں۔ اور ان کی صحبت سے برکت حاصل کریں اور چندے ان کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں جس سے کہ نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہو جائے۔ تب خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ ان شاء اللہ عموماً اہل اسلام ان سے وابستہ ہو کر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے۔ (تجدید تعلیم۔ص:۷۵)

صحبت صالح اور مشائخ کی خدمت میں رہنے کی ضرورت

''صحبت'' اس کے بغیر نہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم کافی ہے اور نہ ادنیٰ درجہ کی اسی لیے علماء و طلبہ سب کے ذمہ

اس کا اہتمام ضروری ہے۔ پہلے زمانہ میں جو سب لوگ اچھے ہوتے تھے اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ سب اس صحبت کا اہتمام رکھتے تھے۔

اس وقت یہ حالت ہے کہ تعلیم کا اہتمام تو کسی قدر ہے بھی کہ اس پر ہزاروں روپیہ صرف کیا جاتا ہے اور بہت سا وقت دیا جاتا ہے مگر صحبت کے لیے فی سال ایک ماہ بھی کسی نے نہیں دیا۔

واللہ اگر صحبت کی طرف ذرا بھی توجہ کرتے تو مسلمان ساری تباہیوں سے بچ جاتے جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے فراغ دیا ہے وہ کم از کم چھ ماہ تک کسی بزرگ کی خدمت میں رہیں لیکن اس طرح کہ اپنا تمام کچا چٹھا ان کے سامنے پیش کردے۔ اور پھر جس طرح وہ کہیں اس طرح عمل کریں اگر وہ ذکر و شغل تجویز کریں تو ذکر و شغل میں مصروف ہو جائے اور اگر وہ اس سے منع کر کے کسی دوسرے کام میں لگائیں اس میں لگ جائے۔ اور ان کے ساتھ محبت بڑھائے اور ان کی حالت کو دیکھتا رہے کہ کسی چیز کے لیتے وقت یہ کیا برتاؤ کرتے ہیں اور دینے کے وقت کس طرح پیش آتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ تخلق باخلاق اللہ ہو جائے گا۔ اور پھر اس کی ذات سے سراسر نفع پہنچے گا۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۴۲/۱۳)

محض لکھ پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا اصل چیز اصلاح نفس اور صحبت صالح ہے

میں کہا کرتا ہوں کہ محض لکھنے پڑھنے سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ کسی کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں، میں تو کہتا ہوں کہ آدمی جاہل رہے مگر اس میں تدین ہو وہ جاہل اس بددین عالم سے اچھا ہے جس میں (دینداری) نہ ہو اور ایسے ان پڑھ ہونے اور حساب و کتاب نہ جاننے پر حضور ﷺ نے فخر کیا ہے۔ "**نحن امة امية لا نكتب ولا نحتسب**"۔

بعض صحابی تو ایسے ہوئے ہیں کہ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سو کتنے ہوتے ہیں مگر ان میں پھر کیا بات تھی جس کی وجہ سے ان کو فضیلت حاصل تھی۔ صحابہ ﷺ کی حالت تو یہ تھی مگر درجات کی یہ حالت ہے کہ نہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ان کے برابر، نہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نہ جنید رحمۃ اللہ علیہ۔

بات صرف یہ تھی کہ صحابہ ﷺ کو حضور ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور اس صحبت سے ان کا دین ایمان خالص اور کامل ہو گیا تھا پس اصل چیز یہ ہے۔

اور اگر آدمی پڑھا لکھا ہو مگر اس دولت سے محروم ہو یعنی کسی اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی نہ کی ہوں تو ایسا شخص بڑے خسارہ میں ہے۔

صحبت صالح اور بزرگوں سے تعلق رکھنے کی ضرورت اور اس کے فوائد

بزرگوں سے تعلق بڑی نعمت ہے لوگ اس کی قدر نہیں کرتے مجھ کو تو اس لیے بھی اس کی خاص قدر

ہے کہ میرے پاس تو سوائے بزرگوں کی دعاء کے اور کچھ ہے نہیں۔ نہ علم ہے نہ عمل ہے اگر ہے تو صرف یہی ایک چیز ہے۔ (افاضات۔ص:۱۰۵/۵)

آج کل پڑھنے پڑھانے والوں کی اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم بہت کچھ ہوگئے۔ (طریق القلندر۔ص:۸۸)

یاد رکھئے! جو عالم مدرسہ سے فارغ ہو کر خانقاہ میں نہ جائے (یعنی اپنی اصلاح نہ کرائے) وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کر کے اسی پر قناعت کرے اور نماز نہ پڑھے۔

محض پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہے۔

(افاضات الیومیہ۔ص:۵۱۵/۴)

ہم نے ایک آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا کہ درسی اور کتابی اعتبار سے پورا عالم ہو اور صحبت یافتہ نہ ہو اور پھر اس سے ہدایت ہوئی ہو اور ایسے بہت سے دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں یعنی کتابی اور درسی علم حاصل نہیں لیکن صحبت حاصل ہو جانے کی برکت اور فیض سے دین کی خدمت کرتے ہیں پس نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا علم ہے۔ (طریق النبی۔ص:۹۶)

اصل دین صحبت صالح ہی سے آتا ہے محض ورق گردانی سے کچھ نہیں ہوتا

صحبت میں رہ کر دین آتا ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا، ضابطہ کا دین تو کتابوں سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بغیر کسی کی جوتیاں سیدھی کیے بلکہ بلا جوتیاں کھائے نہیں آتا۔

دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا دین انہیں نخروں سے آتا ہے اب جس کا جی چاہے لے اور جس کا جی چاہے نہ لے اکبر ایک اچھے شاعر تھے ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے ان کا مصرعہ ہے۔

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اوج القنوج۔ص:۸۲)

دین سے کامل مناسبت بزرگوں کی صحبت ہی سے ہوتی ہے کتابوں سے نہیں ہوتی۔ کتابی قابلیت کیسی ہی اونچی ہو کتنا ہی بڑا ذی استعداد ہو شیخ کامل کی صحبت کے بغیر بصیرت نہیں ہو سکتی۔

(افاضات۔ص:۳۶۹/۲)

خودرو درخت ٹھیک نہیں ہوتا۔ ناہموار اور بعض اوقات بدمزہ ہوتا ہے جب تک کہ باغباں اسے درست نہ کرے کانٹ چھانٹ نہ کرے قلم نہ لگائے ایسے ہی وہ شخص جو شیخ کی خدمت میں نہ رہے اصلاح نہ کرائے محض کتابوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھ بیٹھے اس کی مثال بعینہٖ خودرو درخت کی سی ہے جب تک اسے شیخ مصلح درست نہ کرے اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوتا بلکہ بددین، بدعقائد یا بداخلاق ہو جاتا ہے۔ (مقالات۔ص:۴۰۷)

صحبت صالح کے بغیر اسلامی تعلیم کا رنگ نہیں جمتا

صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی کہ اس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے اور ضرورت اسی کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو نہ ظاہری نماز کام کی نہ روزہ بس وہ حالت ہے کہ طوطے کو سورتیں رٹا دیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں۔

جس تعلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہو تو حافظ قرآن و عالم بھی ہوگا تب بھی آٹے دال ہی کا بھاؤ دل میں لے کر مرے گا جیسا کہ اس وقت اکثر حالات ہیں کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے۔

اسی کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے خدا کے لیے اپنی اولاد پر رحم کرو اور ان کو اسلام کے سیدھے راستے پر لگاؤ۔ (طریق النجاۃ۔ص:۱۰۹)

صحبت صالح اختیار کرنے کا حکم

یہ صحبت میرے نزدیک اس زمانہ میں فرض عین ہے بڑے ہی خطرے کا وقت ہے جو چیز مشاہدہ سے ایمان کی حفاظت کا سبب ہو۔ اس کے فرض عین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ ایسی چیز کا اہتمام تو ابتداء ہی سے ہونا چاہیے۔ (الافاضات۔ص:۸۷/۴)

آج کل بدحالی کا اصل سبب صحبت صالح کا فقدان ہے

آج کل افعال رذیلہ کا ہر شخص شکار بنا ہوا ہے اس کا زیادہ تر سبب اہل اللہ کی صحبت سے محروم ہونا ہے صحبت بڑی چیز ہے اور اس کی قدر اسی لیے نہیں رہی کہ آخرت کی فکر نہیں رہی ورنہ آخرت کی فکر میں رہنے والا اس سے کبھی اپنے کو مستغنی نہیں سمجھ سکتا میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں۔

(اضافات۔ص:۶۷۳/۴)

صحبت صالح میسر نہ ہونے کا نتیجہ

اگر کتابی علم کامل ہو اور تربیت نہ ہو تو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کتابی علم سے جاہل ہو اور تربیت بھی نہ ہو۔ تب بھی یہی حالت ہوتی ہے غرض علم بغیر تربیت کے عیاری کو پیدا کرنے والا ہے۔ (طریق النجاۃ۔ص:۹۷)

نیک صحبت نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت یہ حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ استادوں کے ساتھ استہزاء قرآن و حدیث میں تحریف (کی جانے لگی ہے) اس وقت کمالات کی انتہاء لوگوں کے نزدیک یہ ہوگئی ہے کہ تقریر اور تحریر ہو اور اپنے کو اپنے استادوں اور بزرگوں کے برابر خیال کرنے لگے۔ (الافاضات۔ص:۱۰۷/۲)

صحبت کیسے شخص کی مفید ہے، صاحب کمال ہونے کی علامت

صاحب کمال ہونے کی علامتیں یہ ہیں کہ ایک تو بقدر ضرورت علم دین جانتا ہو، دوسرے شریعت پر پوری طرح کار بند ہو، تیسرے اس میں یہ بات ہو کہ جس امر کو خود نہ جانتا ہو علماء سے رجوع کرتا ہو علماء سے اس کو وحشت نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ اس میں روک ٹوک کی عادت ہو، مریدین اور متعلقین کو ان کی حالت پر نہ چھوڑ دیتا ہو۔ چھٹے یہ کہ اس کی صحبت میں یہ برکت ہو کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہوتی جائے۔

ساتویں یہ کہ اس کی طرف سے صلحاء اور دین کو سمجھنے والے لوگ زیادہ متوجہ ہوں اور یہ کمال کی بڑی علامت ہے جس شخص میں یہ علامتیں پائی جائیں وہ مقبول اور کامل ہے اس کے پاس جایئے اور اس کی صحبت سے مستفیض ہو جایئے۔ (طریق النجاۃ۔ ص: ۹۷)

صحبت کب مفید ہو سکتی ہے

صحبت مفید جب ہو سکتی ہے کہ ان سے اپنے امراض کا بیان کریں اور ان کا علاج پوچھیں۔ نیک صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے عطر فروش کی دوکان کہ یا تو وہاں سے عطر خرید وگے ورنہ کم سے کم خوشبو سے تو دماغ کو راحت ہوگی۔ اسی طرح نیک صحبت سے کوئی نہ کوئی بات کام کی حاصل ہو جاتی ہے۔

صحبت سے مراد یہ نہیں کہ علماء کی خدمت میں جا کر زٹل ہانکیں دنیا بھر کے اخبار و حکایات بیان کریں۔ (دعوات عبدیت الغاء المجازفۃ)

اہل اللہ کی صحبت کا بڑا فائدہ

فرمایا! کہ صحبت اولیاء اللہ میں ایک خاص بات قلب میں ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے خروج عن الاسلام کا احتمال نہیں رہتا خواہ گناہ اور فسق و فجور بھی کچھ اس سے وقوع میں آئیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ مردودیت کی نوبت نہیں پہنچتی۔ برخلاف اس کے ہزاروں برس کی عبادت میں بھی بذاتہ یہ اثر نہیں کہ وہ کسی کو مردودیت سے محفوظ رکھ سکے چنانچہ شیطان نے لاکھوں برس عبادت کی لیکن وہ اس کو مردودیت سے نہ روک سکی یہی معنی ہیں اس شعر کے۔

یک زمانے کی صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کیونکہ ظاہر ہے کہ ایسی چیز جو مردودیت سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کردے ہزار ہا سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے جس میں یہ اثر نہ ہو۔ (حسن العزیز۔ ص: ۲۴۳/۱)

بدوں صحبت شیخ کے اگر کوئی لاکھ تسبیحیں پڑھتا رہے کچھ نفع نہیں۔ عادت اللہ یہی جاری ہے کہ بدوں شیخ کی صحبت کے نرا ذکر کافی نہیں اس کے لیے صحبت شیخ شرط ہے، پہلے میرا خیال یہ تھا کہ شیخ کے پاس رہنے

کی ایسی ضرورت نہیں لیکن اب تجربہ کے بعد معلوم ہوا جو نفع شیخ کے پاس رہ کر ہوتا ہے وہ دور رہ کر نہیں ہوتا۔ صحبت میں بالخاصہ اثر ہے جیسے مقناطیس میں لوہے کو کھینچنے کا اثر ہے کوئی خاص وجہ اس اثر کی نہیں بتلائی جاسکتی۔ واقعی خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۲۳۰/۱)

علماء کو صحبت صالح کی ضرورت

یاد رکھو! کہ صحبت بدوں علم متعارف کے مفید ہوسکتی ہے مگر علم متعارف بدوں صحبت کے بہت کم مفید ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج کل بہت سے علماء نظر آتے ہیں مگر ان میں کام کے دو چار ہی ہیں جن کو کسی کامل کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔

دیکھئے گلاب کے پاس رہنے سے مٹی میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اہل محبت کے پاس رہنے سے خدا کی محبت اور دین کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرات صحابہ کرام ﷺ کو فضیلت صحبت ہی کی وجہ سے ہوئی کہ آج کوئی امام اور فقیہ اور کوئی بڑے سے بڑا ولی ادنیٰ صحابی ﷺ کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ حالانکہ وہ زیادہ لکھے پڑھے نہ تھے بلکہ بہت سے علوم تو صحابہ ﷺ کے بعد پیدا ہوئے ان کے زمانہ میں ان علوم کا پتہ بھی نہ تھا جو آج کل کثرت سے موجود ہیں۔ ان کا یہی کمال تھا کہ وہ ان علوم میں مشغول نہ ہوئے تھے۔ پس صحابہ کا بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا آپ ﷺ کی صحبت ان کو نصیب تھی۔ (التبلیغ۔ ص:۴۰/۱۷/۲۱)

اگر صحبت صالح میسر نہ ہو، صحبت کے قائم مقام

اور جو اپاہج ہیں (یا ان کو فی الحال صحبت صالح نصیب نہیں) تو ان کے لیے صحبت کا بدل یہ ہے کہ ایسے بزرگوں کے ملفوظات دیکھا کریں یا سنا کریں ان کے توکل، صبر وشکر تقویٰ وطہارت کی حکایتیں دیکھنا سننا یہی صحبت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۶۲/۱۲)

خوف خدا و خشیت پیدا کرنے کا طریقہ

خشیت پیدا کرنے کے لیے یہ تدبیر کی جائے کہ کوئی وقت مناسب تجویز کر کے اس میں تنہا بیٹھ کر اپنی حالت عصیاں اور پھر خدا تعالیٰ کی نعم اور نیز اس کے عذاب آخرت اور قیامت کے احوال، پل صراط، میزان، دوزخ کی حالت وغیرہ کو سوچا جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تحصیل خوف کے لیے بس اتنا سوچ لینا بھی کافی ہونا چاہیے کہ اگر مجھ سے یہ سوال ہو گیا کہ تیرے پاس کیا جواب ہے جب خوف پیدا ہوگا تو پھر کوئی گناہ نہ ہوگا اس لیے کہ خوف ہی نہ ہونے کی وجہ سے سب خرابیاں ہیں جتنا جتنا خوف پیدا ہوتا جائے گا اسی درجہ کی خرابیاں دفع ہوتی جائیں گی۔

اگر قیامت کے متعلق ہم کو یہ بھی اطمینان دلایا جائے کہ ہم تم کو دوزخ میں نہ بھیجیں گے لیکن یہ ضرور پوچھتے رہیں گے کہ نالائق تو نے یہ کیا کیا کہ جس قدر اپنے چھوٹوں سے ڈرا کرتا تھا اتنا بھی ہم سے نہیں ڈرا اور وہ پوچھنے کا وقت بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات وجاہ وجلال اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت ومقہوریت پیش نظر ہوگی تو واللہ یہ بھی مرجانے کی جگہ ہے۔ چہ جائیکہ دوزخ بھی ہو روحانی ذلت اور جسمانی کلفت بھی ہو۔ کیا یہ مجموعہ بھی خوف کے لیے کافی نہیں۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۵/۶۲)

زمانہ طالب علمی میں بیعت ہونا مناسب نہیں

میں نے زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تھی اس پر حضرت نے فرمایا تھا: کہ جب تک کتابیں ختم نہ ہو جائیں اس خیال کو شیطانی خیال سمجھنا۔ واقعی یہ حضرات بڑے حکیم ہیں کیسی عجیب بات فرمائی۔ ایک وقت میں قلب دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا اس لیے ضروری کو غیر ضروری پر ترجیح دینا چاہیے اور طالب علمی ضروری ہے بیعت ہونا ضروری نہیں اس وقت اس طرف متوجہ ہونے سے نہ تعلیم ہی ہوگی اور نہ یہی ہوگا۔ اس لیے طالب علمی کے زمانہ میں اگر شیخ نے ذکرو شغل کی تعلیم کی تو اس طرف مشغول ہونا بھی ضروری ہوگا اور طالب علمی میں بھی یکسوئی اور دلجمعی کی ضرورت ہے پس اس میں دو متضاد چیزیں جمع کرنا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ذکرو شغل کا نفع نہ ہوگا اور پھر مایوسی ہوگی اور بیٹھے بٹھائے شیخ سے بدگمانی پیدا ہوگی۔ اچھا خاصہ خلجان لینا ہے اور اگر شیخ سے کچھ تعلیم حاصل نہ کی تو بیعت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

البتہ اصلاح اخلاق طالب علمی میں بھی ضروری ہے سو اس کے لیے بیعت شرط نہیں اور اس میں کچھ وقت بھی صرف نہیں ہوتا جس سے طالب علمی کے شغل میں مزاحمت ہو۔ (التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ۔ص:۳۶۸)

طالب علمی کے زمانہ میں کسی اور شغل میں مشغول ہونا تعلیم کو برباد کردیتا ہے طالب علمی کے لیے یکسوئی اور جمعیت قلب بہت ضروری ہے اس کے برباد ہونے سے تعلیم برباد ہوجاتی ہے۔ (ص:۴/۳۲۹)

تحصیلِ علم فرض ہے گو یہ بھی (اصلاح نفس) فرض ہے اور ہم نے مانا کہ تحصیل علم سے بڑھ کر مگر جس طرح نماز فرض ہے اور وضو سے بڑھ کر ہے مگر بغیر وضو کے نہیں ہوسکتی، اسی طرح درویشی بھی فرض سہی اور تحصیل علم سے بڑھ کر سہی مگر تحصیل علم اس کے لیے بمنزلہ وضو کے ہے تو جس طرح وہاں وضو میں اس کی اہمیت موقوف علیہ ہونے کے اعتبار سے ہے یہاں تحصیل علم میں ہے۔ (الافاضات الیومیہ۔ص:۱۷/۳۲۸)

مرید طالب علم کو اپنے شیخ سے طالب علمی کی حیثیت سے نہ پڑھنا چاہیے البتہ بلا کتاب کے بیٹھ جانا اس کی تقریر کو سننا اور سوالات نہ کرنا اس میں مضائقہ نہیں۔ (ص:۴/۳۲۹)

باب نمبر ۷

اہل علم وطلبہ کی بدعملیاں وکوتاہیاں

فصل ۱

ضروری اصلاحات

افسوس ہے کہ ہم میں ایسے افراد بھی ہیں کہ وہ صرف علم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے۔

بعض کی حالت تو یہاں تک ناگفتہ بہ ہے کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ بعض ایسے ہیں کہ وہ اس قدر کھلم کھلا تو بے عمل نہیں لیکن اپنی زبان وغیرہ کی حفاظت وہ بھی نہیں کرتے جس جگہ بیٹھیں گے لوگوں کی غیبت شکایت کے انبار لگائیں گے بعض ایسے ہیں کہ وہ زبان کی بھی حفاظت کرتے ہیں لیکن وہ نظر کی حفاظت نہیں کرتے اکثر نامحرموں کو دیکھنا، راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر تاکنا جھانکنا عادت ہوجاتی ہے۔

جو بہت متقی ہیں وہ زبان کی بھی حفاظت کرلیتے ہیں، قلب کی حفاظت وہ بھی بہت کم کرتے ہیں اور قلوب کے معاصی سے ان کو بہت کم نجات ملتی ہے، مرض قلب وہ مرض ہے کہ قریب قریب سب کے سب مبتلا ہیں۔ صاحبو! علم مقصود بالذات نہیں عمل مقصود بالذات ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۳/۱۶)

ہم لوگوں میں چند کوتاہیاں ہیں ایک تو یہ کہ عمل کی طرف التفات ہی نہیں کرتے اور اگر کچھ عمل کرتے ہیں تو غضب یہ ہے کہ اس میں انتخاب کرلیا ہے اور اس کو کافی سمجھ کر اپنے کو عامل باشریعت اور دیندار سمجھتے ہیں آج کل ہم لوگوں میں اکثر تو عمل ہی نہیں کرتے۔ نماز ہورہی ہے اور وہ پڑے سورہے ہیں بعض لوگ باوجود بیدار ہونے کے محض سستی کی وجہ سے پڑے رہتے ہیں۔ اگر نماز کے پابند ہوگئے لیکن دوسرے اعمال یا تقویٰ کے شعبے اکثر ندارد۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۳/۱۶)

اہل علم سے شکایت

جو پڑھے لکھے ہیں ان کی بھی یہ حالت ہے کہ جو منہ میں آیا بک دیا جو قلم میں آیا لکھ دیا۔ اس سے کوئی بحث ہی نہیں کہ دوسرے کو اس سے تکلیف ہوگی۔ اس کی فکر ہی نہیں کہ اپنے سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے جو جی میں آیا کرلیا۔ غور وفکر کا نام نہیں جیسے سانڈ آزاد ہوتے ہیں بس یہ حالت ہے آزادی اور بےفکری کی۔

(افاضات یومیہ۔ ص:۴/۴۹)

اے طالب علمو! اپنی اصلاح کی فکر کیجئے۔ بےفکری بہت بری شئے ہے اس سے گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں اور گناہ کے بڑھنے سے دل بےحس ہوجاتا ہے۔ پھر اچھے برے کی تمیز بھی نہیں رہتی۔

اسی لیے ہروقت اپنے نفس کی دیکھ بھال اور نگرانی میں لگا رہنا چاہیے۔ کمبخت ہر رنگ میں مارتا ہے حتیٰ کہ دیندار کو دنیا میں دین کا رنگ دکھا کر مبتلا کرتا ہے بہر حال نگرانی کی سخت ضرورت ہے کسی کو بھی بے فکر نہ ہونا چاہیے۔ (افاضات۔ ص:۱۱۵ دعوات عبدیت)

خواص سے شکایت

افسوس یہ ہے کہ خواص کو بھی دین کی ترقی کی فکر نہیں بس جو تعلیم میں مشغول ہے وہ اسی پر قانع ہے اور سمجھتا ہے کہ بڑا دیندار ہوں کہ ہر وقت قال اللّٰہ و قال الرسول میں رہتا ہوں کوئی ان سے پوچھے کہ آخر شریعت میں معاملات اور معاشرت کی تعلیم کس لیے دی گئی ہے۔ اصلاح اخلاق کا اہتمام کیوں نہیں کرتے۔ کیا یہ دین نہیں؟ کیا اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم پیدا ہوگی۔

(کمال الرجال۔ ص:۳۲)

آج کل یہ حالت ہے کہ کتابیں بھی ختم اور مدرس بھی بن گئے مگر آج تک یہ خبر نہیں کہ (اللہ تک پہنچنے کا) راستہ کیا ہے لوگ زوائد میں مبتلا ہیں۔ مقاصد کو چھوڑے ہوئے ہیں سنئے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں۔ اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ طاعت کی توفیق ہو جائے۔ اللہ سے غفلت جاتی رہے اور اللہ کی طرف توجہ پیدا ہو جائے۔ (کمالات اشرفیہ۔ ص:۲۹)

(خلاصہ یہ کہ) راستہ صرف ایک ہی ہے کہ محبت واطاعت کے ساتھ احکام شریعت کے سامنے اپنے کو پیش کردو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ (افاضات۔ ص:۵/۲۳۲)

اخلاقی تنزلی

علماء اکثر درس وتدریس میں مشغول رہتے ہیں مگر اس طرف توجہ نہیں کہ باطن کی اصلاح کریں گو درس وتدریس بھی بڑی عبادت ہے مگر اس کی بھی تو ضرورت ہے بلکہ خود درس وتدریس وغیرہ بھی سب کچھ انہیں اعمال مامور بہ کے لیے کرایا جاتا ہے۔ (افاضات یومیہ۔ ص:۳/۲۹۵)

ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ خود اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو علم کی فکر ہے لیکن عمل کی نہیں اس کا تو بڑا اہتمام ہوتا ہے کہ ہم ساری کتابیں پوری کریں لیکن عمل کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ قوتِ عملیہ اس درجہ ضعیف ہو رہی ہے اور اس درجہ میں اس میں خلل آ گیا جس کا حساب نہیں۔ بہت سے معاصی ایسے ہیں کہ ان میں دن رات مبتلا ہیں اور خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے کوئی گناہ کیا کسی کی چیز بلا اجازت اٹھالی اور جہاں چاہا ڈال دی کسی کی کتاب بلا اجازت لے لی اور ایسی جگہ رکھ دی کہ اس کو نہیں ملتی اور وہ پریشان ہو رہا ہے۔ کسی سے کسی اچھے کام کا وعدہ کیا اس کے پورا کرنے کی بالکل فکر نہیں۔ اسی طرح سینکڑوں قصے ہیں کہاں تک بیان کیے جائیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ان کے علم وفضل میں کوئی شک نہیں ہوتا حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہیں یوں تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے بڑوں

والوں کو وہ بہکاتا ہے۔ تفسیر میں وہ ماہر، حدیث سے وہ واقف، فقہ میں وہ کامل، کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتا اگر زیادہ نہ جانتا ہوتا تو علماء کو کیسے بہکا سکتا۔ جب کوئی شخص کسی فن میں ماہر ہوتا ہے جب ہی تو وہ اپنے سے کم جاننے والوں کو دھوکہ دے سکتا ہے۔ شیطان میں اگر کمی ہے تو صرف اس بات کی کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ایسا علم جو عمل کے لیے نہ ہو جہنم کا ذریعہ ہے ہم لوگ ایسے غافل ہو رہے ہیں کہ اپنی اصلاح کی ذرا بھی فکر نہیں کرتے بعض لوگ گو قصداً گناہ نہیں کرتے لیکن بے پرواہی کی وجہ سے ان سے گناہ ہو جاتے ہیں وہ بھی شکایت کے قابل ہیں اگر کوئی ملازم سرکاری بے پرواہی کرے اور کام خراب کرے تو کیا اس سے باز پرس نہ ہوگی۔

حقیقت احسان......احسان کا فقدان

لوگوں نے عبادت کی روح نکال لی ہے مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لیے اور نماز ادا ہوگئی خصوصاً اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام وقعود کے اور بھی کچھ ہے اور وہ ضروری بھی ہے۔ جس طرح قرآن میں "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ" اس میں خاشعون بھی آیا ہے جب صلوتھم کے لفظ سے نماز کو مطلوب شرعی سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خاشعون سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے۔

اسی طرح اور مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ خشوع بھی ایسا ہی ہے جیسا قیام رکوع وغیرہ۔ اس غلطی کو دفع کرنا نہایت ضروری ہے کہ ایک کو تو ضروری سمجھیں اور دوسرے کو نہ سمجھیں۔ حالانکہ دونوں حکم یکساں ضروری ہیں۔ یہ خشوع۔ جس سے عبادت اچھی ہوتی ہے احسان اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

جس طرح کنز، ہدایہ ضروری ہیں اسی طرح ابو طالب مکیؒ کی قوۃ القلوب اور غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اربعین کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔

کیسی ناانصافی کی بات ہے کہ جب دس برس علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کیے تو دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو۔

اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہو اس کے اخلاق وعادات، عبادات کو دیکھو کہ غصہ کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ خوشامد کا اس پر کہاں تک اثر پڑتا ہے۔

(حقیقت احسان۔ ص: ۱۳ تا ۱۷)

باطنی بداخلاقی اور حب مال وحب جاہ کا مرض

علماء نے محض کتابی علم کو کافی سمجھ رکھا ہے یہ علم حاصل کر کے عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ علم سے مقصود عمل ہی ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ان کے اخلاق باطنہ درست ہیں۔ نہ اس کی فکر ہے جن میں دو خلق مجھے سخت ناگوار ہیں اور میں کیا ہوں اللہ تعالیٰ کو ان سے سخت نفرت ہے ایک طمع یعنی حب مال دوسرا حب جاہ، علماء کو ان ہی باتوں نے زیادہ تباہ کیا ہے۔ مدرسین کی یہ حالت ہے کہ تنخواہ پر جھک جھک کرتے ہیں اسی

لیے کسی مدرسہ کے مہتمم کو اپنے مدرس پر اعتماد نہیں ہوتا کہ یہ رہے گا یا نہیں کیونکہ کسی دوسری جگہ سے پانچ روپیہ زائد پر بھی دعوت آگئی تو مدرس صاحب فوراً اس مدرسہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیں گے۔ اگر چہ وہاں دین کی خدمت زیادہ نہ ہو اور پہلی جگہ دین کی خدمت زیادہ ہو رہی ہو۔ اور گزر بھی ہو رہا ہو۔ یہ صریح دین فروشی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو محض تنخواہ مقصود ہے۔ دین کی خدمت مقصود نہیں۔

البتہ اگر پہلی جگہ میں گزر نہ ہوتا ہو، ضروریات میں تنگی پیش آتی ہو۔ تو دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ تنگی واقعی ضروریات میں ہو کیونکہ فضول ضرورتوں میں تنگی ہونا معتبر نہیں وہ دراصل ضرورت ہی نہیں۔

دوسرا مرض ان میں حب جاہ کا ہے جس کی وجہ سے علماء کے اندر پارٹی بندی ہوگئی ہے ہر شخص اپنی ایک جدا جماعت بنانے کی فکر میں ہے۔ (الفاظ القرآن۔ص:۶۸)

اپنی اولاد کو علم دین نہ پڑھانا

فرمایا افسوس ہے کہ آج کل بعض حضرات دیندار اور اہل علم کہلاتے ہیں مگر اپنی اولاد کو دنیا کی تعلیم کی طرف بھیجتے ہیں مجھ کو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگ غالباً اس پر پچھتاتے ہوں گے کہ ہم عالم کیوں ہوگئے ہم نے انگریزی کیوں نہ پڑھ لی سو یہ حالت کس قدر خطرناک ہے اس سے ان کے قلب میں علم دین کی کھلی بے وقعتی معلوم ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ ان لوگوں کی حالت پر رحم فرمائے۔ اور ان کو ہدایت فرمائے۔ (افاضات الیومیہ۔ص:۱۲۴/۴)

دین کی راہ میں اپنا مال خرچ نہ کرنا

فرمایا جس کو خدا نے مال دیا ہو وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کر کے خدا تعالیٰ کو راضی کرے۔ اس میں واعظین اور علماء بھی داخل ہیں ان کو بھی خرچ کرنا چاہیے اور اگر زیادہ نہیں کر سکتے تو کچھ تو کریں علماء کا اکثر طبقہ اس میں بہت کوتاہی کرتا ہے۔ سارا امر بالمعروف ان کو اپنی بچت کے واسطے ہی سوجھتا ہے خود خرچ کرنا کم جانتے ہیں۔

آپ کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی روٹی بچوائیں اور اپنے پاس سے خرچ کریں اور جب کسی کام کے لیے چندہ کی تحریک کریں تو سب سے پہلے خود بھی چندہ دیا کریں۔ یہ صورت اچھی نہیں کہ دوسروں کو ترغیب دی جائے اور اپنے گھر سے کچھ نہ نکالا جائے اس صورت میں اثر بھی نہیں ہوتا اور لوگ متوحش ہوتے ہیں اگر تم بھی خرچ کیا کرو تو لوگوں کو وحشت نہ رہے گی۔

اب تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چندہ کے سارے وعظ کا حاصل یہ ہے کہ مولوی اپنی بچت کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں سے وصول کرنا چاہتے ہیں۔

اگر علماء یہ کہیں کہ ہمارے پاس کہاں ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے مدرسہ میں جو مزدور دو آنہ مہینہ دیتا ہے تم اس سے کم نہیں ہو پھر کیا وجہ ہے تم دو آنہ بھی نہ دو۔ (مظاہر الاقوال)

اہل علم کی بُری عادت کسی کی کتاب لے کر نہ دینا

اہل علم کی یہ حالت ہے کہ کسی کی کتاب لے لی تو اس کے واپس دینے کا نام جانتے ہی نہیں۔ کتاب دینے والا اگر کثیر المشاغل ہے تو اس کو یاد بھی نہیں رہتا کہ مجھ سے کتاب کس نے مانگی تھی۔ بس مہینہ بھر کے بعد وہ سمجھ لیتا ہے کہ کتاب چوری ہوگئی اور لینے والا بے فکر ہوگیا کہ وہ تو مانگتا ہی نہیں اب گویا وہ ان کی ملک ہوگئی۔ (التبلیغ۔ ص: ۲/۲۱۸، وعظ ترجیح الآخرۃ)

اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرنا

فرمایا اہل علم میں یہ خطاء عام ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ تاویلات و توجیہات کرنے لگتے ہیں اور یہ مرض طالب علمی ہی کے وقت سے ان میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ کتب درسیات میں بعض مصنفین سے جو غلطی ہوگئی ہے۔ شراح اور محشین ان کی تاویلات و توجیہات کرتے ہیں تاکہ مصنف سے اہل علم کو بدگمانی نہ ہو اس سے طلبہ کو تاویل و توجیہ کی عادت پڑ جاتی ہے۔ حالانکہ محشی اور شارح کی تاویل و توجیہ کا منشاء تواضع ہے کہ وہ باوجود دوسرے کی غلطی معلوم ہو جانے کے اس کے کلام کو اچھے محمل پر محمول کرتے ہیں اور اپنے مواخذہ کو ضعیف کر دیتے ہیں مگر طلبہ نے اس سے الٹا سبق سیکھا کہ اپنی خطاؤں میں خود ہی تاویل کرنے لگے، جس کا منشاء (سبب) محض کبر ہے۔ جس کی اصلاح ضروری ہے۔

(مظاہر الاقوال۔ ص: ۳۴)

بحث و مباحثہ

منجملہ گناہوں کے ایک بحث مباحثہ بھی ہے یعنی اپنی بات غالب کرنے کی کوشش کرنا گو وہ حق بھی نہ ہو یہ مرض آج کل اہل علم میں بہت ہے کہ ایک دفعہ زبان سے کوئی بات نکل جائے تو پھر اس کی پچ ہو جاتی ہے اور مناظرہ و مباحثہ کی نوبت آ جاتی ہے۔ (مظاہر الاقوال۔ ص: ۳۴)

بدنگاہی کا مرض

آنکھوں کے بہت سے گناہ ہیں لیکن یہاں ایک خاص گناہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے؟ بدنگاہی لیکن اس گناہ کو لوگ گناہ سمجھتے ہی نہیں۔

بعض لوگ بدنظری میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی غیر محرموں کی طرف بے باکانہ دیکھتے ہیں اور اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتے بلکہ یہ ایسا مرض ہے کہ اس سے بہت کم لوگ پاک ہیں کیونکہ اکثر ان گناہوں سے لوگ بچتے ہیں جن کے ارتکاب سے فوت جاہ یا رسوائی کا خیال ہو اور اس گناہ میں جاہ (عزت) فوت نہیں ہوتی

اس لیے کہ اول تو دوسرے کو نظر کی خبر ہی کیونکر ہو سکتی ہے، دوسرے اگر نظر کی اطلاع بھی ہو جائے تو نیت کی کیا خبر۔ بعض لوگ اس سے بھی بچتے ہیں کیونکہ سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس کے وقوع (اور علم) سے کسی کو بدگمانی پیدا ہو جائے اس لیے اس سے بھی بچتے ہیں لیکن ان کے قلب میں یہ مرض شہوت کا ہوتا ہے اور لطف یہ کہ باوجود اس قلبی مرض کے یہ شخص اپنے کو متقی سمجھتا ہے حالانکہ خیالات اس کے نہایت گندے ہوتے ہیں اور اکثر وہ حدیث نفسی (نفس سے باتیں کر کے مزہ لینے) میں مبتلا ہوتا ہے بعض اوقات عزم بھی ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر اس کو موقع مل جائے تو یہ ہرگز نہ بچے۔ جب اس کی عادت ہو جاتی ہے تو اس کا چھوٹنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔

بدنگاہی سے بہت کم لوگ بچے ہیں

ہم کو اپنی حالت دیکھنا چاہیے کہ ہمارے اندر اس معصیت سے بچنے کا کتنا اہتمام ہے میں دیکھتا ہوں کہ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہوا ہو ورنہ ابتلائے عام ہے اور اس کو نہایت درجہ خفیف سمجھتے ہیں۔

جو جوان ہیں ان کو تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جن کی قوت شہویہ ضعیف ہو گئی ہے ان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تو شہوت ہی نہیں اس لیے کچھ حرج نہیں سو ان کو مرض کا پتہ بھی نہیں لگتا۔

(دعوات عبدیت۔ ص: ۷۷/۵)

یہ مرض تاک جھانک کا اکثر پرہیزگاروں میں بھی ہے ان کو دھوکہ اس سے ہو جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات اپنی طبائع میں اکثر شہوت کی خلش نہیں پاتے اس سے سمجھتے ہیں کہ ہماری نظر شہوانی نہیں۔ لیکن بہت جلد ظاہر ہو جاتی ہے اس لیے ابتداء ہی سے احتیاط واجب ہے۔ (دعوات عبدیت الانعاد بالغیر)

ایک کوتاہی طلبہ میں یہ ہے کہ امارد (حسین لڑکوں) کی طرف نظر کرنے اور ان کے ساتھ اختلاط کرنے سے نہیں بچتے حالانکہ یہ تقویٰ کے لیے سم قاتل ہے۔ آخرت کا مواخذہ تو شدید ہے ہی، اس سے دنیا میں اہل علم کی سخت بدنامی ہوتی ہے۔ علم دین پڑھنے والوں کو اس باب میں سخت احتیاط کرنا چاہیے۔

(التبلیغ۔ ص: ۳۹/۲)

بدنگاہی کا مرض بہت چھپا ہوا ہوتا ہے

افسوس ہے کہ لوگ تو اس (بدنگاہی) کو ایسا خفیف سمجھتے ہیں کہ گویا حلال ہی ہے۔ حالانکہ معصیت کا حلال سمجھنا قریب بہ کفر ہے کسی عورت کو دیکھ لیا، کسی لڑکے کو گھور لیا اس کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا کسی پھول کو دیکھ لیا اور یہ گناہ وہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ بدکاری سے تو محفوظ ہیں کیونکہ اس کے لیے بڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں۔ اول تو جس سے ایسا فعل کرے وہ بھی راضی ہو اور روپیہ بھی پاس ہو اور حیا و شرم بھی مانع نہ ہو غرض اس کے لیے بہت سی شرائط ہیں اسی طرح بہت سے

موانع ہیں چنانچہ کہیں یہ امر مانع ہوتا ہے کہ اگر کسی کو اطلاع ہوگئی تو کیا ہوگا۔ کسی کو خیال ہوتا ہے کہ کوئی قاری نہ لگ جائے۔ کسی کے پاس روپیہ نہیں ہوتا کسی کو اس کی وضع مانع ہے چونکہ موانع زیادہ ہیں اس لیے شائستہ آدمی خصوصاً جو دیندار سمجھے جاتے ہیں اس میں بہت کم مبتلا ہوتے ہیں۔ بخلاف آنکھوں کے گناہ کے کہ اس میں سامان کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ نہ اس میں ضرورت روپیہ کی اور نہ اس میں بدنامی کیونکہ اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے۔ کسی کو گھور لیا اور مولوی صاحب مولوی صاحب رہتے ہیں قاری صاحب قاری صاحب رہتے ہیں نہ اس فعل سے ان کی مولویت میں فرق آتا ہے اور نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں کوئی دھبہ لگتا ہے۔ اور (دوسرے) گناہوں کی تو خبر اوروں کو بھی ہو جاتی ہے مگر اس کی اطلاع کسی کو نہیں ہوتی۔ معصیت کرتے ہیں اور نیک نام رہتے ہیں۔ لڑکوں کو گھورتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو بچوں سے بڑی محبت ہے۔ جب آنکھوں کے گناہ میں اطلاع نہیں ہوتی تو دل کے گناہ پر کیسے ہو سکتی ہے؟

اور جن کو اطلاع ہوتی بھی ہے وہ حضرات ایسے متحمل ہوتے ہیں کہ کسی کو خبر نہیں کرتے حضرت عثمان ﷛ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور وہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ کر آیا تھا تو حضرت ﷛ نے خطاب خاص سے تو اس سے کچھ نہ فرمایا۔ لیکن یہ فرمایا "ما بال قوم یترشح الزنا من اعینهم" یعنی لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے یہ عنوان ایسا ہے کہ اس میں رسوائی کچھ نہیں لیکن جو کرنے والا ہے وہ سمجھ جائے گا۔

غرض چونکہ وہ لوگ (جن کو علم ہو جاتا ہے) کسی کو فضیحت نہیں کرتے اور جو فضیحت کرنے والے ہیں ان کو اطلاع نہیں ہوتی اس لیے یہ گناہ بدنگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اس لیے بے دھڑک اس کو کرتے ہیں۔

دیگر معاصی مثلاً سرقہ زنا وغیرہ میں تو ضرورت اس کی بھی ہے کہ قوت و طاقت ہو اس میں اس کی ضرورت نہیں اس لیے بوڑھے بھی اس میں مبتلا ہیں۔ مجھ سے ایک بوڑھے آدمی ملے اور وہ بہت متقی تھے انہوں نے اپنی حالت بیان کی کہ میں لڑکوں کو بری نظر سے دیکھنے میں مبتلا ہوں۔ اور ایک اور بوڑھے تھے وہ عورتوں کو گھورنے میں مبتلا تھے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۴۷/۵)

بدنگاہی بھی بدکاری اور بدترین معصیت ہے

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے "انا غیور واللّٰہ اغیر منی و من غیرۃ حرم الفواحش ماظهر منها و ما بطن" میں بہت غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ غیرت مند ہے اور اسی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے شرمی کی باتوں کو حرام قرار دے دیا، چاہے اس کی برائی کھلی ہو یا اندرونی ہو۔

اور یہ سب فواحش ہیں آنکھ سے دیکھنا، ہاتھ سے پکڑنا، پاؤں سے چلنا، کیونکہ ان سب کو شارع نے زنا ٹھہرایا ہے چنانچہ ارشاد ہے "العینان تزنیان" الخ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور اس کا زنا کرنا دیکھنا ہے، کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا سننا ہے، اور زبان بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا ہے، اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۸۵/۵)

اس وقت لوگوں میں یہ مرض شدت سے پھیل رہا ہے کوئی تو خاص اصلی ہی گناہ میں مبتلا ہیں اور کوئی اس کے مقدمات میں یعنی اجنبی لڑکے یا اجنبی عورت پر نظر کرنا۔ حدیث میں ہے: "اللسان یزنی و زناہ النطق والقلب یتمنی و یشتھی" اس میں ہاتھ لگانا، بری نگاہ سے دیکھنا سب داخل ہو گئے یہاں تک کہ جی خوش کرنے کے لیے کسی حسین لڑکے یا لڑکی سے باتیں کرنا یہ بھی زنا ولواطت میں داخل ہے۔ اور قلب کا زنا سوچنا ہے جس سے لذت حاصل ہو تو جیسے زنا میں تفصیل ہے ایسے ہی لواطت میں بھی۔ اور یہ نہایت ہی افسوس اور رنج کی بات ہے باوجودیکہ عورت کی طرف طبعاً میلان ہوتا ہے مگر لوگ پھر بھی لڑکوں کی طرف مائل ہیں اور وجہ اس کی زیادہ تر یہی ہے کہ عورت سے ملنے میں بدنامی ہو جاتی ہے۔ دوسرے عورت ملتی بھی مشکل سے ہے اور لڑکے سے ملنے میں زیادہ بدنامی کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا اور ملتے بھی آسانی سے ہیں۔ بالخصوص دیکھنا اور تصور کرنا تو اس لیے بھی سہل ہے کہ اس کی کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور یہ سب بدکاری ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۱۹/۹)

اس تعلق بد کا انجام

اس فعل کی خباثت عقلاً ونقلاً ہر طرح ثابت ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے خود ہی انکار کرتی ہے اس فعل پر سوائے بدطینت آدمی کے اور کوئی سبقت نہیں کرسکتا۔

ایک کھلا ہوا فرق شہوت بالنساء اور شہوت بالرجال میں یہ ہے کہ عورت سے قضاء شہوت کرنے کے بعد آپس میں طبیعت بڑھتی ہے اور مرد کی عزت عورت کی نظر میں بڑھ جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ یہ مرد ہے نامرد نہیں اور لڑکوں سے قضاء شہوت کر کے ایک دوسرے کی نظر میں اسی وقت ذلیل وخوار ہو جاتا ہے پھر بہت جلد مفعول کے دل میں عداوت ایسی قائم ہو جاتی ہے کہ ایک دوسرے کی صورت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔

(دین ودنیا۔ ص ۲۷۲)

امارد (حسین لڑکوں) سے تعلق بہت خبیث النفس کو ہوتا ہے۔ اور اس کا نام لوگوں نے محبت رکھا ہے یہ محبت ہرگز پاک نہیں ایسے ناپاکوں کا مرجانا ہی بہتر ہے۔

ایسے موقعوں پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں دونوں طرف سے فریفتگی تھی اور تعشق کیا جاتا ہے مقصد حاصل ہونے کے بعد دونوں میں عداوت ہو گئی اس تعلق میں یہی خاصیت ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۸۹/۲)

بدنگاہی وبدنظری

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو شہوت بالرجال سے پاک وصاف ہیں مگر ان میں بھی نظر کے مرض میں اکثر مبتلا ہیں۔ حالانکہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے پس مردوں کو بنظر شہوت دیکھنا بھی حرام ہے اس میں بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں حالانکہ نظر (بدنگاہی) مقدمہ ہے فعل کا اور مقدمة الحرام حرام قاعدہ فقہیہ ہے یعنی حرام کے مقدمات بھی حرام ہوتے ہیں۔ (لہٰذا بدنگاہی بھی حرام ہے) اس لیے نگاہ کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

بدنگاہی کا وبال اور اس کا عذاب

اہل کشف نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایک ایسی ظلمت ہو جاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سے بصیرت ہو وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے۔

اگر دو شخص ایسے لیے جائیں کہ عمر میں، حسن وجمال میں اور ہر امر میں وہ برابر ہوں۔ فرق ان میں صرف اس قدر ہو کہ ایک فاجر ہو، دوسرا متقی ہو۔ جب چاہے دیکھ لو فاجر کی آنکھ میں ایک قسم کی ظلمت اور بے رونقی ہوگی لیکن اہل کشف خصوصیت سے کسی کو کہتے نہیں بلکہ عیب پوشی کرتے ہیں۔

میں نے خواب میں ایک مرتبہ دجال کو دیکھا کہ اس کے ساتھ عورتیں اور باجے کثرت سے ہیں، اسی واسطے میں اس سے بہت خوف کرتا ہوں۔ جو لوگ حسن پرست ہیں اور (ان میں) بدنظری کا مادہ ہے وہ اس (دجال کے) ساتھ ہوں گے۔ (مزید المجید۔ ص:۶۸)

یہ ایک پرانا مرض ہے اور سب سے اول حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ مرض پیدا ہوا تھا اور شیطان نے ان لوگوں کی راہ ماری۔

افسوس ہے! کہ خدا تعالیٰ نے فراغت اس لیے دی تھی کہ دین کا کام کریں گے مگر زیادہ تر ایسے ہی لوگ محروم رہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۲۴/۹)

ایک بزرگ کا قول ہے ”کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتے ہیں اس کو لڑکوں کی محبت میں مبتلا کر دیتے ہیں یہ نہایت مضرت کی چیز ہے“۔ حضرت ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”النظرة سهم من سهام ابليس“ یعنی نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

بعض اکابر کا قول

بعض اکابر کا قول ہے ”کہ جس شخص کو حق تعالیٰ اپنے دربار سے نکالنا چاہتے ہیں اس کو امارد (حسین خوبصورت لڑکوں) کی محبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ محبت گو فعل اختیاری نہیں مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں یعنی ان کو دیکھنا ان سے اختلاط کرنا وغیرہ پس مطلب یہ ہوا کہ جس کو حق تعالیٰ اپنے دربار سے مطرود (یعنی مردود و راندۂ درگاہ) کرنا چاہتے ہیں اسی کو نظر الی الامارد و اختلاط بالامارد (یعنی لڑکوں سے بدنگاہی اور

خلط ملط) میں مبتلا کردیتے ہیں اور یہ افعال اختیار یہ ہیں جس کا انجام طرد عن الحق (اللہ کی طرف سے دھتکار) ہے۔(اعاذنا اللّٰہ) (دین ودنیا۔ص:۲۷۲)

بدنگاہی کا انجام،سلب ایمان کا خطرہ

ایک روایت ہے کہ ’’النظر سهم من سهام ابلیس ‘‘یعنی نظرایک تیر ہے شیطانوں کے تیروں میں سے۔نظر کرنے سے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھتی ہے اور نظر کو روکنے میں وہ آگ گھٹتی ہے۔جس سے تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن وہ آگ وہیں (دب کر) رہ جاتی ہے بھڑکتی نہیں۔گھٹ کر بجھ جاتی ہے اور نظر کرنے سے موت تک کی نوبت آجاتی ہے کیونکہ جب مقصد حاصل نہیں تو پھر تقاضا پیدا ہوگا تکرار نگاہ کا اور پھر بھی مقصود حاصل نہیں ہوتا تو پھر تقاضا پیدا ہوتا ہے۔غرض یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا تو نگاہ کر لینے کا نقصان تو ختم نہیں ہوتا اور نگاہ کو روک لینے کی تکلیف ذرا دیر میں ختم ہو جاتی ہے۔

تجربہ کرکے دیکھ لیجئے دو چار دفعہ نظر کو روکیے،اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ جو تکلیف نظر کرنے سے ہوتی تھی وہ اس میں ہرگز نہیں ہوگی۔جو تکلیف نظر کرنے میں ہوتی ہے وہ نظر کو روکنے کی تکلیف سے زیادہ ہوتی ہے۔ (مفاسد گناہ۔ص:۱۷۲)

کانپور میں ایک بزرگ تھے وہ بیان کرتے تھے کہ میں جوانی میں لکھنؤ میں ایک مرتبہ ناچ میں چلا گیا۔ وہاں ایک بازاری عورت پر جو نظر پڑی بس دل ہاتھ سے نکل گیا اور اس قدر فریفتگی کا غلبہ ہوا کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہولیے۔ (التهذیب ملحقہ برکات رمضان۔ص:۳۲)

عبرتناک واقعہ

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک عاشق جو اپنے محبوب کے ملنے سے مایوس ہو کر مرنے لگا تھا کسی نے محبوب کے پاس جا کر کہا کہ وہ مر رہا ہے،رحم کرو اس وقت پہنچ جاؤ گے تو اس کی جان بچ جائے گی کچھ اس کی سمجھ میں آگئی اور اٹھ کر اس کی طرف چل دیا کسی نے عاشق کو خبر دی کہ تیرا محبوب آرہا ہے یہ سن کر اس میں جان آگئی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔مگر آتے آتے محبوب کو کچھ غیرت آئی اور یہ کہہ کر لوٹ گیا کہ کون بدنام ہو کسی نے یہ بھی جا کر (اس عاشق سے کہا) یہ خبر سنتے ہی وہ عاشق گر گیا اور نزع میں مبتلا ہو گیا اس سے کہا گیا کہ کلمہ پڑھ لے تو وہ بجائے کلمہ کے کفر کا کلمہ کہتا ہے۔

رضاک اشهى الى فؤادى

من رحمة الخالق الجليل

(یعنی اے میرے محبوب خالق کے مقابلہ میں تیری رضا کی مجھے زیادہ خواہش ہے) اور اسی حالت میں جان نکل گئی۔دیکھئے!کس قدر عبرتناک واقعہ ہے اس کی اگر اصل تلاش کریں گے تو کہیں پہنچ کر نگاہ ہی پر ختم ہوگی جان بھی گئی اور ایمان بھی گیا اور یہ سب خرابی نگاہ کی ہوئی۔اب دیکھ لیجئے کہ

نگاہ کرنے میں زیادہ تکلیف ہوئی یا نگاہ روکنے میں، کہیں نہ سنا ہوگا کہ کوئی تکلیف سے مرگیا ہو تکلیف اس میں ضرور ہے مگر وہ تکلیف آسان ہے لوگ کہتے ہیں کہ نگاہ پر قابو نہیں نظر بد سے رکا نہیں جاتا یہ غلط ہے نظر یقیناً فعل اختیاری ہے۔

دردناک واقعہ

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور ایک چشم (کانے) تھے اور کہتے جاتے تھے اللھم انی اعوذبک من غضبک اے اللہ! (میں تجھ سے تیرے غضب کی پناہ چاہتا ہوں) کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے؟ کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا۔ غیب سے چپت لگا اور آنکھ پھوٹ گئی اس لیے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہ ہو جائے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۹۱ر۵)

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی سامنے سے آرہا تھا۔ ایک مرید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالیں گے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو نے اس کو نظرِ استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص قرآن بھول گیا۔

طاعون (عذاب) کا ایک دوسرا سبب بھی ہے اگرچہ بعض باتیں ظاہر کرنے کی نہیں ہوتیں مگر اس لیے ظاہر کر دیتا ہوں کہ شاید اس کو سن کر لوگ اپنی حالت درست کر لیں۔ تین چار سال ہوئے جب تھانہ بھون اور اس کے گرد ونواح میں طاعون ہوا تھا۔ قبل طاعون کے ایک روز میں اخیر شب میں بیٹھا ہوا تھا کہ قلب پر یہ آیت وارد ہوئی۔ ''اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ''.

میں نے اس کو وعظ میں بیان کیا مگر لوگوں نے توجہ نہ کی اور طاعون پھیلا غرض ایک سبب وہ نکلا جو قوم لوط میں تھا اس وقت لوگوں میں یہ مرض شدت سے پھیل رہا ہے۔

نگاہ حق ونگاہ بد کا معیار

بعضوں کو دھوکہ ہوتا ہے، شیطان بہکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول یا اچھے کپڑے یا اچھے مکان وغیرہ کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے، ایسے ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی دل چاہتا ہے یہ بالکل دھوکہ ہے۔ یاد رکھو! رغبت کے مختلف انواع ہیں جیسی رغبت پھول کی طرف ہے ویسی انسان کی طرف نہیں اچھے کپڑے دیکھ کر کبھی جی نہیں چاہتا کہ اس کو گلے لگا لوں چمٹا لوں، انسان کی طرف ایسی ہی رغبت ہوتی ہے۔

ایک دھوکہ اور ہوتا ہے وہ یہ کہ بعضے یہ کہتے ہیں کہ جیسے اپنے بیٹے کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ گلے لگا لوں اسی طرح دوسرے کے بچے دیکھ کر بھی ہمارا یہی جی چاہتا ہے۔

صاحبو! کھلی ہوئی بات ہے اپنے سیانے بچے اور دوسرے کے سیانے لڑکے میں بڑا فرق ہے اپنے لڑکے کو گلے لگانا چکانا اور طرح کا ہے اس میں شہوت کی آمیزش ہرگز نہیں۔ اور دوسرے لڑکے کی طرف اور قسم کا میلان ہے کہ اس میں گلے لگانے سے بھی آگے بڑھنے کو بعض کا جی چاہتا ہے۔ محبوب کی جدائی میں اور طرح کا رنج ہوتا ہے اور لڑکے کی جدائی میں اور قسم کا اور لڑکوں کی رغبت تو اور بھی سم قاتل ہے، نصوص میں اس کی حرمت ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص: ۹/۱۱۸)

عفت و پاک دامنی کی ضرورت اور اس کا طریقہ

خوب سمجھ لیجیے کہ عفت نہایت قابل اہتمام چیز ہے اور اس کے لیے ان ذرائع کی ضرورت ہے جو شریعت نے تجویز کی ہیں اور وہ ذرائع اختیار میں ہیں مثلاً نگاہ کا بچانا کہ یہ قابو سے باہر نہیں ہے گو اس میں کچھ تکلیف ہو مگر وہ تکلیف نگاہ کو آلودہ کرنے کی تکلیف سے کم ہے۔

غرض نفس نگاہ کو روکنے سے تکلیف تو ہوتی ہے مگر یہ روک لینا اختیار میں ہے۔ اگر اپنے اختیار سے کام لیا جائے اور اس تھوڑی سی تکلیف کو گوارہ کر لیا جائے تو شیطان اخیر تک نہیں پہنچا سکتا۔ شیطان کو ہر معصیت میں اختیار صرف بلانے اور ترغیب دینے ہی کا ہے۔ بڑی چیز وہ تقاضہ ہے جو خود آپ کے اندر موجود ہے یعنی تقاضا نفس تو شیطان سے بڑا نفس ہوا، نفس کو روکیے یہاں تک دو مقدمے ہوئے ایک یہ کہ معصیت کا اصلی سبب تقاضہ نفس ہے اور شیطان صرف محرک ہے وہ کوئی فعل جبراً ہم سے نہیں کرا سکتا کہ ہم ارادہ نہ بھی کریں اور کام ہو جائے۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ تقاضہ نفس کے بعد ہمارا ارادہ معصیت کا سبب ہوتا ہے تو جب معصیت نفس کے تقاضے سے ہوتی ہے تو کوئی تدبیر معصیت سے بچنے کی اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ تقاضائے نفس کو ضبط کیا جائے اور یہ مشکل ہے۔

اس کے لیے سہل تدبیر یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ تقاضائے نفس کیوں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاصی میں نفس کو جو لذت آتی ہے وہ لذت گناہ کرنے والے کے پیش نظر ہوتی ہے اور واقع میں اس گناہ پر ایک عقوبت بھی مرتب ہونے والی ہے۔ وہ پیش نظر نہیں ہوتی اور وہ خدا کی ناراضی اور عذاب جہنم ہے، اس کو دوسرے الفاظ سے اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ گناہ کرنے والے کو ارادہ گناہ کے وقت صرف ایک مخلوق پیش نظر ہوتی ہے یعنی لذت اور خدا پیشِ نظر نہیں ہوتا۔ اگر خدا بھی پیش نظر ہو جائے تو گناہ کا تقاضا کبھی نہ ہو۔ (مفاسد گناہ۔ ص: ۱۷۶)

اور صبر عن الشہوات بہت مشکل کام ہے کیونکہ شہوت رانی میں قضاء شہوت (شہوت پورا ہو جانے) کے بعد کچھ کوفت نہیں ہوتی اگر کسی کو روحانی کوفت ہو تو ممکن ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں۔ عام حالت یہی ہے کہ شہوت رانی کے بعد اس کا مزہ پڑ جاتا ہے پہلے سے زیادہ آگ بھڑک جاتی ہے گو تھوڑی دیر کے لیے سکون ہو جاتا ہے۔ (دین و دنیا۔ ص: ۲۶۷)

شہوت بالامارد کی ابتداء

یہ ناپاک فعل سب سے پہلے قوم لوط میں رائج ہوا ان سے پہلے آدمیوں میں اس کا وقوع نہ ہوا تھا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العالمين گو حیوانات میں بعض کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان میں پہلے سے اس کا وقوع تھا کتب سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل بد (خبیث) قوم لوط نے خود بھی ایجاد نہیں کیا بلکہ شیطان نے ان کو سکھایا یہ فعل ایسا خبیث ہے کہ انسان کا نفس باوجود امارۃ بالسوء ہونے کے اس طرف خود منتقل نہیں ہوا بلکہ شیطان خبیث نے اس کی طرف قوم لوط کو متوجہ کیا۔

جس کا قصہ اس طرح کتابوں میں لکھا ہے کہ شیطان خوبصورت لڑکے کی شکل میں ایک شخص کے باغ میں سے انگور توڑ کر کھایا کرتا تھا۔ باغ والا اس کو دھکاتا رہا، مارتا رہا مگر یہ باز نہ آتا تھا۔ ایک دن اس نے تنگ آکر اس سے کہا کہ کمبخت تو نے میرے باغ کا پیچھا کیوں لے لیا سارے درخت برباد کر دیئے تو مجھ سے کچھ روپے لے لے اور میرے باغ کا پیچھا چھوڑ دے۔ شیطان نے امرد (حسین لڑکے) کی صورت میں کہا کہ میں اس طرح باز نہ آؤں گا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے درختوں کا ناس نہ کروں تو جو بات میں کہوں اس پر عمل کرو اس نے کہا وہ کیا بات ہے۔ ابلیس نے اس کو اس فعل کی تعلیم دی کہ میرے ساتھ یہ فعل کیا کر پھر میں تیرے باغ کو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ پہلی بار تو اس نے جبراً وقہراً اپنے باغ کے بچاؤ کے لیے یہ فعل کیا پھر خود اس کو مزہ پڑ گیا۔ وہ اس کی خوشامدیں کرنے لگا کہ تو روز آیا کر اور جتنے انگور چاہے کھا لیا کر پھر اس نے دوسرے آدمیوں کو اس کی اطلاع دی اور لوگ بھی یہ فعل کرنے لگے پھر کیا تھا عام رواج ہو گیا اس کے بعد شیطان تو غائب ہو گیا لوگوں نے لڑکوں کے ساتھ یہ فعل کرنا شروع کر دیا۔ خدا تعالیٰ کو یہ فعل بہت ہی ناگوار ہے چنانچہ لوط علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کو اس فعل سے روکو ورنہ سخت عذاب آئے گا انہوں نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے آخر عذاب نازل ہوا اور سب کے سب تباہ ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے قوم لوط پر جو سنگین عذاب نازل کیا ہے وہ سب کو معلوم ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ فعل کیسا سنگین ہے کیونکہ کفر تو تمام کفار میں مشترک تھا لیکن عذاب کی نوع (قسم) کا مختلف ہونا بظاہر خصوصیت افعال ہی کی وجہ سے تھا۔ (الکمال فی الدین۔ ص: ۲۶۸ ملحقہ دین و دنیا)

شہوت بالامرد کی قباحت وخباثت

شہوت بالرجال شہوت بالنساء سے بھی اشد (زیادہ سخت) ہے کیونکہ عورتوں میں محارم کے ساتھ ابتلاء کم ہوتا ہے اکثر غیر محارم سے ہوتا ہے سو وہ کسی نہ کسی وقت تمہارے لیے حلال بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر وہ کنواری ہے تو اسی وقت نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے اور اگر شوہر والی ہے تو ممکن ہے شوہر مر جائے یا طلاق دے دے تو پھر تم اس سے نکاح کر سکتے ہو بہر حال اس میں حلت کی توقع ہے گو کسی وقت ہو اور گو توقع

ضعیف ہی ہو مگر امردوں کا حلال ہونا تو کسی وقت بھی متوقع نہیں۔

بلکہ بعضے گناہ تو ایسے ہیں کہ جو جنت میں جا کر گناہ نہ رہیں گے مثلاً شراب پینا دنیا میں گناہ ہے لیکن جنت میں شراب ملے گی۔

اور شہوت بالرجال ایسا خبیث فعل ہے کہ جنت میں بھی اس کا وقوع نہ ہوگا پس یہ زنا اور شراب خوری سے بھی بدتر ہے بلکہ شراب میں تو جو کچھ حرمت ہے سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے اگر کسی تدبیر سے شراب کا سکر زائل ہو جائے مثلاً سرکہ بن جائے تو بعینہٖ اس کا پینا حلال ہو جاتا ہے لیکن شہوت بالامرد کی خباثت لذاتہ ہے یہ کسی طرح بھی زائل نہیں ہوسکتی پس یہ فعل حرمت میں سب سے بڑھا ہوا ہے کہ اس میں کسی طرح بھی حلت کی گنجائش نہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ اس منحوس عمل سے باطنی عذاب بھی نازل ہوتا ہے قلوب مسخ ہو جاتے ہیں او رظاہری بلائیں بھی نازل ہوتی ہیں خدا سب مسلمانوں کو اس سے نجات دے۔ (آمین)

(الکمال فی الدین۔ص:۲۷۴)

شہوت بالامارد میں ابتلاء عام

شہوت بالامارد شہوت بالنساء سے بھی اشد ہے آج کل امردوں کے ساتھ ابتلاء عام ہو رہا ہے جس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) اول تو عورتوں میں قدرتی حیا کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے ان سے اظہار شہوت کی جرات ذرا دقت (دشواری) سے ہوتی ہے اور لڑکوں میں حیا کا مادہ کم ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے عورتوں کی حفاظت بہت کی جاتی ہے ان کے پاس پہنچنا آسان نہیں اور جو کوئی پہنچ بھی جاتا ہے اس کی رسوائی جلد ہی ہو جاتی ہے اور بچوں کی کچھ حفاظت بھی نہیں کی جاتی ان کا کسی سے پردہ نہیں ہوتا۔

(۳) تیسرے اس میں اتہام (بدنامی) کم ہوتا ہے بچوں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا جاتا ہے اور شہوت سے بھی اب اگر کسی کے بچہ کو پیار کریں تو سب لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان بچوں پر شفقت زیادہ ہے۔ شہوت کی کسی کو کیا خبر...... ان وجوہ سے آج کل امارد (حسین خوبصورت لڑکوں) کے ساتھ ابتلاء زیادہ ہے۔

(دین و دنیا۔ص:۲۶۸)

عشق یا فسق اور شہوت بالقلب

میری سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ لڑکوں سے کسی کو عشق ہوتا ہو آج کل لوگوں نے فسق کا نام عشق رکھ لیا ہے اور اگر ہزار میں کسی ایک کو عشق ہو بھی جائے تو اس کو عشق پر تو ملامت نہ کی جائے مگر اس کے بعد جو افعال اس سے صادر ہوتے ہیں ان پر ملامت کی جائے گی کیونکہ وہ اختیاری افعال ہیں حتیٰ کہ اس کا تصور

کرنا اور تصور سے لذت لینا یہ بھی اختیاری ہے جس کا چھوڑنا واجب ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس حالت میں محبوب سے بعد میں (یعنی دور رہنے میں) نفع کو بہت زیادہ دخل ہے تباعد (یعنی علیحدہ اور دور رہنے) سے اکثر یہ مرض خفیف ہو جاتا ہے اس باب میں سالکین کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً سخت احتیاط کرنا چاہیے۔ (الکمال فی الدین ملحقہ دین و دنیا۔ص:۲۷۲)

لفظ لواطت کا استعمال درست نہیں

یہ فعل ایسا خبیث ہے کہ جو اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ تو بدنام ہوتا ہی ہے مگر اس سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ جس نبی کی امت نے اس فعل کا ارتکاب کیا ہے آج اس نبی کی طرف بلفظاً نسبت کرنا لوگوں میں باعث ننگ ہو گیا۔ یعنی کوئی شخص اپنے لیے یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کو لوطی کہا جائے حالانکہ لفظ لوطی میں یاء نسبت ہے اور لوط علیہ السلام (پیغمبر کا) نام ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ محمدی اور موسوی اور عیسوی اور یوسفی۔ اگر لوط علیہ السلام کی قوم نے یہ فعل بد نہ کیا ہوتا تو آج لوطی کا لفظ باعث فخر ہوتا جیسا کہ دیگر انبیاء کی طرف نسبت کرنا باعث فخر ہے مگر اس کم بخت قوم نے اپنے نبی کے نام کو بھی نہیں چھوڑا۔

مجھے تو اس فعل کے لیے لفظ لواطت کا استعمال بہت ہی ناگوار ہوتا ہے کیونکہ لواطت کا لفظ لوط علیہ السلام کے نام سے بنایا گیا ہے۔ تو ایسے گندے کام کا نام نبی کے نام سے مشتق کرنا بہت ہی نازیبا ہے۔ جس نے یہ لفظ ایجاد کیا بہت ہی ستم کیا۔ میرے نزدیک یہ لفظ عربیت میں دخیل اور مولد ہے، فصحائے عرب کے کلام میں اس کا استعمال نظر سے نہیں گزرا۔ عربی میں اس کے لیے اتیان فی الدبر کا لفظ معلوم ہوتا ہے یا اور کوئی بھی لفظ ہو بہر حال لواطت کا لفظ قابل ترک ہے اور میرے نزدیک اغلام کا لفظ بھی مولد ہے عربی فصیح میں اس کا بھی استعمال نہیں یہ سب بعد کے گھڑے ہوئے ہیں۔ (الکمال فی الدین۔ص:۲۷۱)

شہوت کے اقسام

اچھا کھانے اور فضول باتوں کا نشہ

ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ شہوت عورتوں اور لڑکوں ہی کے تعلق میں منحصر نہیں بلکہ لذیذ غذاؤں کی فکر میں رہنا بھی شہوت ہے۔

عمدہ لباس کی دھن میں رہنا بھی شہوت ہے ہر وقت باتیں بگھارنے کی عادت ہونا بھی شہوت ہے اور ان سب شہوتوں سے نفس کو روکنا یہ بھی صبر عن الشہوات میں داخل ہے۔

آج کل لوگوں کو باتیں بنانے کا بہت مرض ہے بس جہاں کام سے فارغ ہوئے مجلس آرائی کر کے فضول باتیں کرنے لگے۔ میں صرف عوام کی شکایت نہیں کرتا بلکہ میں علماء و مشائخ کو بھی مجلس آرائی سے منع

کرتا ہوں کیونکہ یہ مرض ان میں بھی بہت ہے۔

عشاء کے بعد کی مجلس

بعض مشائخ کے یہاں عشاء کے بعد بھی مجلس آرائی ہوتی ہے جس سے خوامخواہ نیند برباد ہوتی ہے۔ اگر شیخ کے معمولات میں اس سے فرق بھی نہ آتا ہو تاہم سب اہل مجلس یکساں نہیں ہوتے ان میں سے بعض صبح کی نماز غائب کر دیتے ہیں پھر یہ بھی نہ ہو تو بلاضرورت باتیں بنانا ظلمت قلب کا سبب ہے یہی کافی بڑا نقصان ہے اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ شہوت میں شہوت رجال ونساء وشہوت لباس وشہوت طعام وشہوت کلام بھی داخل ہے اور شہوت وغضب کا روکنا بھی صبر ہے۔

صبر عن الشهوات گوفی نفسہ دشوار ہے مگر جب آدمی اس کا ارادہ کرتا ہے تو آسانی سے شروع ہو جاتی ہے۔ حتی کہ پھر کبھی دشواری نہیں رہتی۔ (دین ودنیا۔ص:۸۱)

بدنگاہی کا مرض کیسے پیدا ہوتا ہے

یہ مرض اول جوانی میں پیدا ہوتا ہے بلکہ سب گناہوں کی یہی شان ہے کہ اول جوانی میں تقاضے کی وجہ سے کیا جاتا ہے پھر وہ مرض اور روگ لگ جاتا ہے جیسے حقہ کو اول کسی مرض کی وجہ سے پینا شروع کیا تھا مگر پھر یہ مرض لگ جاتا ہے اور شغل ہو جاتا ہے۔

لیکن جوان اور بوڑھے میں فرق یہ ہے کہ جوان آدمی تو معالجہ کے لیے کسی سے کہہ بھی دیتا ہے اور بوڑھا آدمی شرم کی وجہ سے کسی سے کہتا بھی نہیں۔ اس کے مخفی رہنے کی وجہ سے اس میں کثرت سے ابتلاء ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۵/۵)

بدنگاہی سے بچنے کی تدبیر

شیطان اول تو اچھی نیت سے دکھلاتا ہے چند روز کے بعد جب محبت جاگزیں ہوتی ہے تو پھر نگاہ کو ناپاک کر دیتا ہے تو ضروری امر یہ ہے کہ علاقہ (تعلق) ہی نہ کرو اور علاقہ ہوتا ہے نظر سے لہٰذا نظر ہی نہ کرو غالباً حدیث میں ہے یا کسی بزرگ کا قول ہے۔ النظر سهم من سهام ابليس (کہ نظر کرنا ابلیس کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار ہے)

یہ نظر ایسی چیز ہے کہ اس کا اثر پیدا ہونے کے بعد بھی مدت تک یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ہم کو تعلق ہو گیا۔ بلکہ جب کبھی محبوب جدا ہوتا ہے اس وقت قلب میں ایک سوزش سی پیدا ہوتی ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ تعلق ہو گیا اور جس قدر یہ سوزش بڑھتی ہے خدا کی محبت کم ہوتی جاتی ہے اور اس سے خدا تعالیٰ کو بہت غیرت آتی ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۲۲۲/۹)

بدنگاہی چھوڑنے کے لیے آسان علاج

جب اس لغو کام کی عادت پڑ جائے تو کم ہمتوں سے بڑی مشکل سے چھوٹتا ہے ہاں اگر ہمت کی جائے اور پختہ قصد کرے تو چھوٹ بھی جاتا ہے کیونکہ بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ایک حد تک مجبوری بھی ہوسکتی ہے جیسے غریب آدمی کا رشوت لینا کہ اگر نہ لے تو بظاہر اس کے کام اٹکتے ہیں اور اس میں تو کوئی ایسی مجبوری بھی نہیں کہ کوئی کام اس پر اٹکا ہوا ہو بس اس میں تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ تھوڑی سی تکلیف نفس کو ہوگی۔ اس کا چھوڑ دینا ہمت والے کے لیے بہت آسان ہے ہمت والوں نے خدا کی راہ میں جانیں تک دے دی ہیں بہت سے ایسے باہمتوں کے واقعے سنے ہیں کہ انہوں نے تمام عمر کی افیون کی عادت چھوڑ دی۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۹/۱۲)

بدنگاہی میں مبتلا شخص کا آسان علاج

فرمایا اگر کسی حسین صورت کو دیکھ کر برا خیال دل میں آنے لگے تو فوراً اس مجمع میں جو سب سے زیادہ بدصورت شخص ہو اس کو بہت غور سے دیکھنے لگے اور اگر اس جگہ کوئی بدشکل نہ ہو تو پچھلے دیکھے ہوئے کسی بد شکل شخص کو ذہن میں لاوے ورنہ متخیلہ سے (خیال) سے کوئی نہایت بھونڈی صورت تراش کر اس کا مراقبہ کرنے لگے۔ آخر قوت خیال پھر اور کس وقت کام دے گی۔

کسی ایسے موٹے بھدے آدمی کا تصور کرے جس کا پیٹ نکلا ہوا ہو، ہونٹ موٹے موٹے ہوں، ناک پچکی ہوئی ہو، رینٹھ (ناک) بہہ رہی ہو، مکھیاں بھنک رہی ہوں غرض کہ جہاں تک متخیلہ کام کرسکے نہایت بدشکل کی تصویر اختراع کرکے تصور میں لائے ایسا کرنے سے ان شاء اللہ فوراً وہ بد خیال جاتا رہے گا۔

ایک صاحب کو (بدنگاہی کے علاج کے لیے) تحریر فرمایا کہ یہ تصور کیا کرو کہ اس حسین کا مر کر کیا حال ہوگا بدن گل سڑ جائے گا، پیٹ پھٹ جائے گا، کیڑے پڑ جائیں گے غرض عجب ہیئت ہو جائے گی۔ اس وقت اگر کوئی اس عاشق سے کہے کہ اس کو گود میں لے کر پیار کرو تو وہاں سے ہزار نفرتیں کرکے لاحول پڑھ کر بھاگ آئے۔ (حسن العزیز۔ ص:۱/۲۸)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا امردوں سے احتیاط

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تو بڑھ کر آج کل کوئی مقدس نہیں ہوگا مگر دیکھئے کہ امام محمدؒ کو امام صاحب نے اول دفعہ تو دیکھا لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کے داڑھی نہیں آئی تو یہ حکم کردیا کہ جب تک داڑھی نہ نکل آئے پشت کی طرف بیٹھا کرو دونوں طرف حق تھی مگر احتیاط اتنی بڑی مدت دراز کے بعد ایک مرتبہ اتفاقاً امام صاحب کی نظر پڑ گئی تو تعجب سے پوچھا کہ کیا تمہارے داڑھی نکل آئی ہے؟

تو جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر احتیاط کی ہے تو آج کون ہے کہ وہ اپنے اوپر اطمینان کرے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۹/۱۱۸)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

فرمایا میں نے اپنے لوگوں کو ممانعت کردی تھی کہ تصنیف کے کمرہ میں جہاں میں تنہا ہوں کسی نوعمر لڑکے کو نہ بھیجا کریں۔ مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ خانقاہ کے سب لوگ لڑکوں سے پرہیز کرتے تھے۔ (مجالس حکیم الامت۔ص:۶۲)

عشق مجازی سخت ابتلاء کی چیز ہے اس سے بچنا چاہیے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں خود مجھ کو اپنا اعتبار نہیں اور میں خود کوئی چیز نہیں لیکن جو شخص مجھ کو بڑا سمجھتا ہو اور مجھ سے عقیدت رکھتا ہو اس کے لیے یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ جس کو ہم بڑا سمجھتے ہیں جب اس کی یہ حالت ہے تو ہمیں تو بہت ہی احتیاط رکھنا چاہیے۔ (حسن العزیز۔ص:۲۸)

امردوں سے قرآن پاک یا نعت سننا

اسی طرح اجنبی عورت یا امرد مشتہی سے گانا سننا یہ بھی ایک قسم کی بدکاری ہے حتی کہ اگر کسی لڑکے کی آواز سننے میں نفس کی شرکت ہو تو اس سے قرآن سننا بھی جائز نہیں۔

اکثر لوگ لڑکوں کو نعت، غزلیں یاد کرا دیتے ہیں یہ بھی جائز نہیں ہے فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر بے ریش لڑکا مرغوب طبع ہو تو اس کی امامت بھی مکروہ ہے تو جب امام بنا کر کھڑا کرنا جائز نہیں حالانکہ اللہ کا قرآن ہی پڑھے گا مگر فقہاء نے بلا ضرورت اس کی بھی اجازت نہیں دی۔

اکثر واعظین عورتوں کے مجمع میں خوش آوازی سے اشعار پڑھتے ہیں یہ بالکل ہی مصلحت دین کے خلاف ہے حضور ﷺ نے ایک مرتبہ سفر میں ایک غلام کو عورتوں کے سامنے اشعار پڑھنے سے روک دیا اور فرمایا تھا کہ **رویدک یا انجشۃ لا تکسر القواریر** تو جب اس زمانہ میں کہ سب پر تقویٰ غالب تھا حضور ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی تو آج کس کو اجازت ہو سکتی ہے۔ بالخصوص جبکہ خود عورتیں یا لڑکے ہی پڑھنے والے ہوں۔ (دعوات عبدیت۔ص:۹/۱۲۶)

علم و تکبر اور علماء و متکبرین

کبر (تکبر) بدترین امراض میں سے ہے اور یہ علماء کے حصہ میں آیا ہے جاہل بیچاروں میں ایسا بڑا مرض پیدا نہیں ہوتا۔ اہل علم کا جیسا مرتبہ بڑا ہے ایسے ہی ان کا مرض بھی سب سے بڑا ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ **آفۃ العلم الخیلاء** یعنی علم کی آفت تکبر ہے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ آفت جو علم سے پیدا ہوتی ہے اور ایک یہ کہ وہ آفت جو حصول علم سے مانع ہے کوئی معنی بھی لیے

لیکن یہ بات ہر صورت میں صادق ہے کہ تکبر علم کے واسطے مضر ہے۔ چنانچہ جس کے قلب میں تکبر ہے اس کے قلب میں نور علم نہیں ہو سکتا۔

ایسے علماء سے جو اس آفت میں مبتلا ہوں جہلاء ہی اچھے ہیں کیونکہ ان میں اتنا بڑا مرض تو نہیں ہے اور ایسے علم سے جس کے ساتھ تکبر بھی ہو وہ جہل اچھا ہے جس کے ساتھ تکبر نہ ہو۔ اس کو سن کر لوگ کہیں گے کہ علم کی مذمت کر دی حالانکہ علم تو ہر حال میں اچھی چیز ہے علم ہی ایک روشنی ہے جس سے بھلے برے میں امتیاز کیا جا سکتا ہے میں کہتا ہوں کہ عینک (چشم) اس غرض سے لگایا جاتا ہے کہ آنکھ کی روشنی بڑھے مگر اس سے یہ فائدہ جب ہی تو نکلے گا، جب طریقہ کے مطابق استعمال کیا جائے گا ورنہ اگر عینک کو کان پر رکھ دیا جائے تو کیا فائدہ، یا اس کے شیشہ پر چونا لپیٹ دیا جائے یا کالک لگا دی جائے تو کیا کام دے سکتا ہے۔ ایسے چشمہ کے ہونے سے تو نہ ہونا اچھا ہے کیونکہ وہ تو رہی سہی بصارت (قوت بینائی) کو بھی کھوتا ہے اور خواہ مخواہ کا بوجھ رہتا ہے یہی حالت علم کی ہے کہ اگر اس کو طریقہ سے استعمال کیا جائے یعنی اس سے اپنے نفس کی اصلاح کا کام لیا جائے تو بہت کام کی چیز ہے اور سرتاپا نور ہی نور ہے، اگر اس سے یہ کام نہ لیا جائے بلکہ دوسروں سے لڑنے جھگڑنے اور بڑا بننے کے لیے استعمال کیا جائے تو بیکار بلکہ مضر ہے تو یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ علم ہر حالت میں اچھی چیز نہیں بلکہ بعض حالتوں میں قابل مذمت بھی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ بعض ان پڑھ لوگ پڑھے لکھے لوگوں سے اچھے ہیں ان پڑھ لوگوں کے ذہن میں کبھی یہ وسوسہ بھی نہیں آتا کہ ہم دوسروں سے اچھے ہیں اور تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن میں ہر وقت یہی بات بھری رہتی ہے کہ ہم دوسروں سے اچھے ہیں۔ ان پڑھ لوگ اتنی بصیرت تو رکھتے ہیں کہ اپنے عیبوں کو جانتے ہیں۔ گو اجمال ہی کے مرتبہ میں سہی چنانچہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم جاہل ہیں اور یہ حضرات (تعلیم یافتہ) اتنی بصیرت بھی نہیں رکھتے کہ اپنے عیب کو دیکھ سکیں کہ ہم میں تکبر ہے حسد ہے عجب ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس وہ اگر چندھے ہیں تو یہ اندھے ہیں۔ (السوق لاھل الشوق)

ہلاکت و بربادی کا اصل سبب تکبر ہی ہے

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۔ یعنی کفار جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے تو جہنم میں جانے کی علامت کفر ہی کو کہا گیا ہے فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ تو اس برے ٹھکانے پانے کی علامت تکبر ہی کو کہا جائے گا اور دونوں جگہ مجرم ایک ہی گروہ ہے تو حاصل یہ نکلا کہ اس گروہ کی اس سزا کی یعنی دخول جہنم کی علتیں دو بیان ہوئیں کفر اور تکبر۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دونوں ایک چیز ہیں یعنی ایک مفہوم کے دو نام ہیں جیسے اسد بھی شیر کو کہتے ہیں اور لیث بھی اسی کو کہتے ہیں یا دونوں الگ الگ چیزیں، اور ان میں سے ہر ایک علت ہے جہنم میں داخل ہونے کی غرض ان دونوں میں کیا تعلق ہے تو سمجھ لیجئے کہ دونوں مفہوم

کے لحاظ سے تو ایک نہیں ہیں کیونکہ کفر اور تکبر کو کسی نے مرادف نہیں کہا۔ باعتبار مفہوم لغوی کے دونوں علیحدہ چیزیں ہیں تو اب یہ کہا جائے گا کہ دونوں علیحدہ علیحدہ علتیں ہیں جہنم میں داخل ہونے کی لیکن ان دونوں میں ہر ایک مستقل علت نہیں ہے بلکہ ایک علت ہے اور ایک علت العلت۔

اس کا بیان یہ ہے کہ علت جس سے مراد سبب ہے دو قسم پر ہے ایک سبب اور ایک سبب السبب۔ کفر اور تکبر دونوں کو دخول جہنم کا سبب کہہ سکتے ہیں لیکن در حقیقت دخول جہنم کا سبب قریب کفر ہے اور تکبر سبب السبب ہے یعنی تکبر سبب ہے کفر کا جو سبب ہے دخول جہنم کا اسی وجہ سے قرآن میں کہیں تکبر کو علت قرار دیا ہے دخول جہنم کے لیے اور کہیں کفر کو غور سے دیکھا جائے تو یہ بالکل واقعی بات ہے کہ کفر اور تکبر میں اصل تکبر ہی ہے اور کفر تکبر کا نتیجہ اور فرع ہے اور کفار کو جہنم میں لے جائے گا۔ اس لحاظ سے دخول جہنم کے محل میں بِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ کہنا بالکل برمحل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی کفر اختیار کرتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ حق اس سے پوشیدہ رہا حق تو پوشیدہ رہنے کی چیز ہی نہیں حق ضرور واضح ہو جاتا ہے لیکن عار سبب ہوتی ہے کفر کا اور عار کی حقیقت تکبر ہے تو تکبر سبب ہوا کفر کا۔ اب تکبر اور کفر دونوں کا تعلق معلوم ہو گیا، خلاصہ یہ کہ تکبر سبب ہے کفر کا اور کفر سبب ہے دخول جہنم کا، تکبر بھی سبب ہوا دخول جہنم کا لیکن بالواسطہ یعنی سبب السبب ہوا۔

اس تقریر کی بناء پر متکبرین کے لفظ میں اشارہ ہے تمام عقائد اور اخلاق کی اصلاح کی ضرورت کی طرف، کیونکہ استقراء سے عقائد و اخلاق کی تمام خرابی تکبر ہی سے پیدا ہوتی ہے اور یہی تکبر ہر ذمیمہ کی اصل ہے۔

اور تکبر کا نتیجہ بیان کیا گیا دخول جہنم تو اس میں ہر برے عقیدے اور برے ذمیمہ (و بد اخلاقی) کی برائی آ گئی۔

کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے جو راکھ سے دبی ہوئی رکھی ہے اس کا انتظار نہ کیجئے کہ جب وہ ظاہر ہو گی اور آگ بھڑک اٹھے گی۔ اس وقت بجھا لیں گے کیونکہ جس وقت آگ بھڑک اٹھتی ہے پھر کسی کے قابو میں نہیں آتی سب کچھ جلا دیتی ہے آگ سے زیادہ چنگاری کی حفاظت کیجئے کیونکہ آگ کی طرف تو التفات ہوتا بھی ہے اور آدمی اس سے ہوشیار ہو ہی جاتا ہے مگر چنگاری کی طرف التفات کم ہوتا ہے اور وہ دبے ہی دبے اپنا کام کر جاتی ہے۔ (السوق لاہل الشوق)

علماء کے لیے سخت خطرہ

مولانا رومی فرماتے ہیں:

علت ابلیس انا خیر بداست
ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

اس سے مراد ابلیس کا وہ لفظ ہے جو اس نے اس وقت کہا تھا جب اس کو سجدہ کا حکم ہوا "اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ" یعنی میں آدم سے بہتر ہوں تو اس کو سجدہ کیوں کروں۔ دیکھئے! اس کے دل میں ہمیشہ سے کبر تھا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا تھا جس سے آخر کار نوبت کفر تک آہی گئی چنانچہ خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے انکار سے پیش آیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون اور جہنمی ہو گیا۔

مولانا اس واقعہ کو بیان کر کے ہم کو ہوشیار کرتے ہیں کہ ابلیس کا واقعہ سن کر ہنسو مت! اپنی خبر لو کیونکہ وہ مسالہ تمہارے اندر بھی موجود ہے فرق اتنا ہے کہ وہاں اس مسالہ میں رگڑ بھی لگ گئی تھی اور یہاں ابھی تک رگڑ نہیں لگی ہے دیا سلائی تیار موجود ہے رگڑ لگنے کی دیر ہے اور ایک مٹی کے تیل کا پیپا بھی موجود ہے پھر جہاں دیا سلائی ہو وہاں تو ہر وقت ہی خطرہ ہے کہ خدا جانے کس وقت مسالہ میں رگڑ لگ جائے اور تیل میں آگ لگ کر بھڑک جائے اور سب گھر بار پھونک ڈالے۔ مولانا آگاہ کرتے ہیں کہ تم کو کسی وقت بے فکر نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمہارے یہاں بھی ایک پیپا مٹی کے تیل کا موجود ہے۔ وہ کیا ہے نفس جس میں ہر وقت شر کی استعداد ہے بس چنگاری پڑنے کی دیر ہے۔ جب تک تکبر اندر موجود ہے ہرگز کوئی شخص مامون نہیں ہو سکتا مگر عجیب بات ہے کہ یہی سب سے خطرناک چیز ہے اور اسی کا علاج نہیں کیا جاتا، اچھے اچھے نمازی اور پرہیزگار ہیں جن کے لوگ معتقد ہیں مگر ان کے اندر یہ بلا بھری ہوئی ہے اس کو کچھ گناہ اور عیب ہی نہیں سمجھا جاتا معمولی گناہوں سے بچتے ہیں اور کبر جیسے گناہ کی کچھ پرواہ نہیں وجہ یہ ہے کہ دین نام رکھا گیا ہے صرف اعمال ظاہری کا اور اعمال باطنی کو دین کے اندر داخل ہی نہیں سمجھا جاتا بس نیچا کرتہ پہن لیا اور پانچوں وقت نماز پڑھ لی اور پاجامہ شرعی پہن لیا اور اپنے آپ کو شبلی وقت سمجھنے لگے خواہ باطنی معاصی میں سر سے پیر تک آلودہ ہوں۔ یہ مرض ایسا عام ہوا ہے کہ کوئی بھی اس سے خالی نہیں خصوصاً اہل علم...... الا ماشاء اللہ۔

(السوق لاھل العلم)

دوسروں سے سلام نہ کرنے کے بارے میں کوتاہی

ہمارے عمل کی یہ حالت ہے کہ مولوی صاحب تکبر کی وجہ سے کسی عامی شخص کو کبھی خود سلام نہ کریں گے۔ میں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ راستہ میں کوئی ایسا مسلمان ملتا ہے جو اصطلاحی عالم نہ ہو تو اس کو ابتداء سلام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

مجھے علماء سے شکایت ہے کہ ہم لوگ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ عوام کو سلام کرنے سے ہم کو عار آتی ہے بلکہ اس کے منتظر رہتے ہیں کہ پہلے دوسرے ہم کو سلام کریں ہم عوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ مناسب یہ تھا کہ ہم ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتے۔ بتلایئے! اگر ایک تندرست آدمی بیمار کو دیکھے تو اس کو مریض کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اس کو دیکھ کر رحم آتا ہے۔ ایسے ہی

مناسب یہ تھا کہ علماء عوام پر رحم کرتے اور ان سے شفقت برتتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت یہی ہے۔

(العید الربانی ملحقہ حقوق الفرائض۔ص:۷۶)

خفیہ تکبر

ہم خود اپنے آپ ہی کو کہتے ہیں کہ ہم ابتداء بالسلام نہیں کرتے اور اس کا منشاء وہی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے یا راستہ میں علو (برتری) چاہتے ہیں جدھر کو نکل جائیں نظریں ہم پر اٹھ جائیں یہ سب بڑا بننا اور کبر ہی ہے اور بعض وقت راستہ میں اس طرح دبے ہوئے اور جھکے ہوئے چلتے ہیں کہ جس سے معلوم ہو کہ بڑے متواضع ہیں حالانکہ دل میں یہ ہوتا ہے کہ اس متواضعانہ ہیئت کو دیکھ کر لوگوں کی نظر ہماری طرف اٹھیں یہ ایک دقیق کبر ہے اس کا پتہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے ایک مقولہ سے چلا فرمایا تھا: ''کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے جیسا کہ بعض متواضعین میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی مجمع میں پہنچے تو صف نعال میں (جوتوں کے پاس) بیٹھ گئے اس کے سوا کوئی جگہ ہی نہیں اختیار کرتے لوگ جانتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہے یا وضع قطع اور صورت وشکل سے بھی سفید پوش اور شریف پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں پڑھے لکھے کی صورت چھپتی نہیں ہے اب لوگ اصرار کرتے ہیں کہ حضرت یہاں تشریف لایئے صدر مقام پر بیٹھئے آپ کہاں بیٹھ گئے ہم سب کو شرمندہ کردیا یہ جگہ آپ کے بیٹھنے کی نہیں ہے آپ کو خدا تعالیٰ نے بڑا رتبہ دیا ہے۔

(السوق لاھل الشوق)

اصل مرض اور اس کا علاج

مرض کا وجود علامات سے پہچانا جاتا ہے ہم جب کسی سے ملتے ہیں تو ابتداء بالسلام کیوں نہیں کرتے ،طبیعت اس سے کیوں رکتی ہے کیا یہ اس کی علامت نہیں ہے کہ ہم کو دل میں اپنے بڑے ہونے کا خیال ہے۔ اگر اپنے کو بڑا نہ سمجھتے تو ابتداء بالسلام سے کیوں عار آتی۔ پھر جب علامات سے ثابت ہوگیا کہ مرض موجود ہے۔ اور مرض بھی کون سا؟ ''بدترین مرض'' تو پھر ہم کیوں بھولے بیٹھے ہیں اور وہ کون سی خوبی ہے جس کی بناء پر دوسرے سے اپنے کو اچھا سمجھتے ہیں کیا یہ بات قابل اصلاح نہیں۔ ضرور ہے اور اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ یوں سوچنا چاہیے کہ تم اگر اس دوسرے شخص سے بڑھے ہوئے ہو جس کو سلام کرنے سے عار آتی ہے تو کس بات میں بڑھے ہوئے ہو بڑھنے اور گھٹنے کا معیار بھی تو ہے اگر معیار علم ہے اور وہ تم میں موجود ہے اور اس میں نہیں ہے تو خیال کرو کہ علم فی نفسہ مقصود چیز نہیں بلکہ علم صرف اس وجہ سے مقصود ہے کہ وہ عمل کا ذریعہ ہے تو تم جب دوسرے سے ملو تو اس وقت کا عمل سلام کرنا ہے اور وہ تم نے نہیں کیا تو تمہارا علم بیکار رہا۔ کیونکہ موصل الی المقصود (مقصود تک پہنچانے والا نہیں ہوا) جب بیکار رہا تو باعثِ فضیلت بھی نہ ہوا تو تم ان سے بڑھے ہوئے نہ ہوئے بلکہ گھٹے ہوئے ہو۔

اور اگر معیار فضیلت مال ہے تو اگر اس کے پاس مال کم سے کم ہے اور تمہارے پاس اس سے زیادہ ہے تب بھی تعلقات قائم رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ مال کی ترقی یا بقاء تجارت سے ہوتی ہے اور تجارت گو روپے سے ہو سکتی ہے مگر اس کے لیے تعلقات کی ضرورت ہے اور سلام ایک عمدہ ذریعہ ہے تعلقات کا، بس اس کا بھی تقاضہ ہے کہ تم ہی اس کو سلام کرو۔ غرض آدمی کو اگر اپنی اصلاح کا خیال ہو تو ہر حال میں کوئی نہ کوئی وجہ اور صورت نفس سے تکبر چھڑانے کی نکال سکتا ہے۔

یہ سب باتیں سمجھدار آدمی کے لیے اور عمل کرنے والے کے لیے ہیں ورنہ مناقشہ اور جھگڑا کرنے کی تو بڑی گنجائش ہے۔ (السوق لاہل الشوق)

قیل وقال سے کام نہیں چلتا...... ایک طالب علم کا قصہ

ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ راستہ میں ان کی جاہل آدمی سے ملاقات ہوئی انہوں نے اس سے سلام نہیں کیا، یہ مرض اہل علم میں ہوتا ہی ہے اس وقت اسی کا بیان ہو رہا ہے اس جاہل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ کیا آپ نے کتاب میں ابتداء بالسلام (پہلے سلام کرنے) کی فضیلت نہیں پڑھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پڑھی ہے مگر قاعدہ یہ ہے کہ چھوٹا آدمی بڑے کو سلام کرے تم جاہل ہو ہم عالم ہیں لہٰذا تم چھوٹے اور ہم بڑے تم کو چاہیے تھا کہ ہمیں سلام کرتے ان دونوں میں گفتگو بہت بڑھ گئی حتیٰ کہ وہ شخص ان کو پکڑ کر ان کے استاد کے پاس لے گیا اور سارا قصہ سنایا استاد نے طالب علم سے کہا کہ یہ قضیہ مسلم اور صحیح ہے کہ چھوٹا آدمی بڑے کو سلام کرے مگر تم کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اپنے خیال کا بڑا اور چھوٹا ہونا معتبر نہیں ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑا ہو، استاد نے سچی بات کہی اور صحیح تعلیم دی مگر طالب علم کی ذہانت دیکھئے آپ فرماتے ہیں کہ یہی بات اس جاہل کو سمجھنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ میں عند اللہ بڑا ہوں لہٰذا ان کو ابتداء بالسلام کرنا چاہیے تھی، دیکھئے کیا جواب دیا ہے کہ جاہل تو جاہل استاد کو بھی خاموش کر دیا۔

حاصل یہ کہ قیل وقال اور بحث و مباحثہ کی تو بہت گنجائش ہے اور کوئی بات ایسی نہیں جس کا جواب نہ ہو سکے مگر اس سے کام نہیں چلتا اور یہ طریقہ مفید نہیں۔ یہ طریقہ دنیا کے تو کسی کام میں اختیار کر کے دیکھئے معلوم ہو جائے گا کہ اس سے کیسے کام چلتا ہے۔ مثلاً کھانا پکانا سیکھنا ہو اور کسی کو اس کام کے لیے استاد بنایا وہ کہتا ہے کہ شوربے میں اتنا مصالحہ اور اتنا نمک اور اتنا پانی ڈالو آپ بجائے اس کی طاعت کرنے کے قیل وقال شروع کر دیں اور ذہانت سے کام لینے لگیں کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ اتنا پانی اتنا ہی مصالحہ اور اتنا ہی نمک چاہیے ہم یوں کیوں نہ کریں کہ جتنا پانی بتایا ہے اتنا ہی نمک ڈال دیں تو اس قیل وقال سے جیسا کھانا پکے گا معلوم ہے۔ گو استاد آپ کی ذہانت کے سامنے لاجواب ہو جائے۔ یہی بات ہے کہ یہ طریقہ مفید اور مقصد تک پہنچانے والا نہیں ہوگا۔ اس قیل وقال سے کچھ کام نہیں چل سکتا۔

مفید طریقہ یہی ہے کہ استاذ کے بتانے کو بے چون وچرا تسلیم کرلو اور ذہانت کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ کھانا پکانا کیسے جلدی آتا ہے اور کھانا کیسا مزہ دار پکتا ہے۔ جو آدمی کام کرنے والا ہوتا ہے وہ قیل وقال میں کبھی نہیں پڑا کرتا اس کی نظر کام پر ہوا کرتی ہے۔

اپنے کو بڑا اور دوسرے کو چھوٹا سمجھنا

ہر شخص میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ برائیاں بھی اگر اس شخص میں ایک برائی ہے تو ممکن ہے کہ ہم میں بہت سی برائیاں ہوں یا ایک ہی برائی ہو لیکن اس کی برائی سے بدتر ہو پھر کس طرح ہم اس کو کم درجہ کا گھٹا ہوا سمجھتے ہیں اور کیوں دوسرے کو اپنے آپ سے کم درجہ کا سمجھ کر سلام میں ابتداء کرنے سے عار آتی ہے۔ میں نے تدبیر بتلادی اس رذیلہ (عیب) کے نکالنے کی۔ لیکن یہی مقدمات ہیں جن سے آدمی مفید کام بھی لے سکتا ہے اور اچھا اور کارآمد نتیجہ نکال سکتا ہے اور یہی مفید مقدمات ہیں کہ اگر ان کو اس طالب علم کی طرح الٹی ترتیب دے دی جائے تو نتیجہ غیر مفید اور برا نکل سکتا ہے جیسا کہ اس طالب علم نے کہا تھا کہ جیسا مجھے کہا جاتا ہے کہ یوں سمجھو کہ ممکن ہے کہ واقع میں وہ جاہل اچھا ہو۔ ایسے ہی اس جاہل سے بھی کہنا چاہیے کہ یوں سمجھ لو کہ ممکن ہے واقع میں ہر طرح تجھ سے میں بڑھا ہوا ہوں۔ لہٰذا وہ مجھے سلام کرے دیکھئے یہ وہی مقدمات ہیں جن کا حاصل یہ تھا کہ ہر شخص میں خوبیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی ان سے ایک طرح تو مفید اور نہایت کارآمد نتیجہ نکلا تھا اور انہیں سے اسی ترتیب کے ساتھ ایسا برا اور مضر نتیجہ نکلا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طالب علم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔

اپنے کمال اور دوسرے کے عیب پر نگاہ رکھنا

غرض ہم لوگ دوسرے کو اپنے سے کم ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی اس کی برائی کر لیتے ہیں اور اس میں جو بھلائی ہوتی ہے اس پر نظر نہیں کرتے۔ اس کے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے عیبوں پر نظر ڈالو اور دوسروں کے ہنروں پر، اپنے اندر ہزار ہنر ہوں تو ان کو مت دیکھو اور ایک بھی عیب ہو تو اس کو دیکھو اور دوسرے میں ہزار عیب بھی ہوں تو ان کو مت دیکھو اور ایک بھی ہنر ہو تو اس کو دیکھو نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے آپ کو اس سے ہر حال میں کم سمجھو گے اور اس کو خود سلام کرو گے تو تکبر تمہارے پاس بھی نہیں آئے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر تم میں ہزار ہنر ہیں اور ایک عیب ہے تو اس طریقہ سے ایک عیب سے بھی نظر نہ چوکے گی اور کبھی نہ کبھی وہ عیب تم سے نکل جائے گا۔ اور تم سراپا ہنر ہو جاؤ گے۔ یہ طریقہ اچھا ہے یا وہ طریقہ اچھا ہے کہ دوسرے ہی کے عیبوں کو دیکھتے رہو اور اس میں پڑ کر اپنے عیب سے غافل رہو تا کہ دوسرے اور عیب بھی تم میں پیدا ہوتے جائیں اور رفتہ رفتہ سراپا عیب بن جاؤ۔

سمجھدار اور عمل کرنے والے کے لیے ان ہی مقدمات میں سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے اور قیل وقال

کرنے والے اور حجتیں چھانٹنے والے کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہی مقدمات وہ بھی پیش کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس کو خود اصلاح منظور نہ ہو اس کو کیونکر اور کیسے سمجھایا جائے۔ یہ آفت اور کج روی سب میں ہے اہل علم بھی اس سے خالی نہیں بلکہ ان میں یہ مرض عوام سے زیادہ ہے۔ (السوق لاھل الشوق)

اپنے کو بھول کر دوسرے کو الزام دینا

دوسرے کو الزام نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ طریقہ مفید نہیں۔ اگر کسی دوسرے کو الزام دے بھی دیا تو اس کا کیا کام ہوا یعنی تہذیب نفس اور اس کی اصلاح کیا ہوئی۔ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ جیسے ایک شخص بتلائے کہ تمہارے منہ پر کالک لگ گئی ہے اور یہ سننے والا بجائے اپنی کالک چھڑانے کے اس کو الزام دینے لگے کہ تیری بھی تو ناک ٹیڑھی ہے۔ یہ بات اگر واقع میں سچی بھی ہو اور الزام غلط نہ ہو تب بھی دیکھو کہ الزام سے تم کو نفع ہوا؟

جو شخص نفس کی تربیت کرنا چاہتا ہے اسے دوسرے کو الزام دینے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے اگر دوسرا کسی بات میں گھٹا ہوا بھی ہے تب بھی اس کو اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کو بڑھانے سے کیا فائدہ اس صورت میں اپنے نفس کی تربیت نہیں کی بلکہ ایک برائی زیادہ کر لی اور حاصل یہ ہوا کہ پہلے تو شاید اس شخص سے کسی بات میں بڑھا ہوا بھی ہو لیکن اب یعنی جب کہ اپنے نفس کو اس سے بڑا سمجھا یقیناً اس سے گھٹ گیا دوسرے کو الزام دینے کا یہ نتیجہ ہوا۔ اب بتلائیے یہ طریقہ مذکورہ صحیح ثابت ہوا یا یہ طریقہ آئندہ کہ ہر شخص ہر بات کو تحقیق کی نظر سے دیکھے اور دوسرے کو الزام دینے سے قطع نظر کر لے۔ اگر کسی بات میں دوسرے کو گھٹا ہوا دیکھا ہے تو اس وقت یہ سوچے کہ ہم بھی کسی بات میں اس سے گھٹے ہوئے ہیں یا نہیں کیونکہ ہر شخص میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ بُرائیاں بھی اگر اس شخص میں ایک بُرائی ہے تو ممکن ہے کہ ہم میں بہت سی برائیاں ہوں یا ایک ہی برائی ہو لیکن اس کی برائی سے بدتر ہو پھر کس طرح ہم اس کو گھٹا ہوا سمجھتے ہیں۔ (السوق لاھل الشوق)

فصل ۲

حبِ جاہ

افسوس آج کل علماء علم کے بعد بھی عوام کی نظروں میں جاہ اور قدر و منزلت کے طالب ہیں یہی وجہ ہے کہ عوام کی خاطر وہ بعض دفعہ ایسے کاموں میں پڑ جاتے ہیں جن کو اندر سے ان کا دل قبول نہیں کرتا۔ بعض لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں جگہ رہ کر عوام کی نظروں میں ہماری وقعت نہ ہوگی یا کم ہوگی اس جگہ کو چھوڑنا چاہتے ہیں اور ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں ان کی وقعت زیادہ ہو۔

بعض لوگوں کو اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ جب ہم بازاروں میں یا کسی اور جگہ جائیں تو دو چار آدمی ہمارے ساتھ چلنے والے ہوں تنہا چلنا انہیں گوارنہیں ہوتا حالانکہ حضور ﷺ کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے ساتھ راستہ میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم ہو جاتے تو آپ بعض کو آگے کر دیتے اور بعض کو پیچھے آپ سب کے آگے نہ چلتے۔

اسی طرح مجلس میں حضور ﷺ جہاں جگہ پاتے وہیں بیٹھ جاتے آپ کی نشست کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی حتی کہ باہر سے آنے والوں کو بھی نہ معلوم ہوتا کہ محمد ﷺ اس مجمع میں کون ہیں۔

آج کل لوگ خود بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی کوشش نہ کرے تو عوام کے مصافحہ اور ہاتھ، پیر چومنے سے اس کو شبہ ہو جاتا ہے کہ میں ضرور کچھ ہوں۔ جب ہی تو یہ لوگ میری اس قدر تعظیم کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ انسان کو اپنے عیوب خوب معلوم ہوتے ہیں جن کو دوسرے نہیں جانتے مگر یہ شخص ان جاہلوں کی تعظیم و تکریم سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں واقع میں اس قابل ہوں اور جو عیب اسے اپنے اندر معلوم ہوئے ہیں ان سے قطع نظر کر لیتا ہے۔ (التبلیغ۔ص:۲۱/۱۵۲)

عالم کے لیے بڑا فتنہ

فرمایا: جامع صغیر میں ایک حدیث مرفوع نظر سے گزری کہ عالم کے لیے یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ وہ اس کی خواہش رکھے کہ لوگ اس کے پاس آکر بیٹھا کریں۔

بزرگان دین نے حب جاہ کے علاج کے لیے اپنے نفس کے خلاف بڑے بڑے مجاہدے کیے ہیں۔

فرمایا: جاہ کی تحصیل اس قدر کہ لوگوں کے ظلم سے بچ جائے جائز ہے اور اس درجہ سے زائد ہو تو دین کے لیے مضر ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں یہ دعا سکھلائی گئی ہے۔ اللّٰھم اجعل فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا۔ یعنی یا اللہ میری نظروں میں حقیر اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنادے تو یہ دعا طلب جاہ ہی ہے مگر حدیث میں صرف دعاء پر اکتفاء کیا گیا ہے اس کی تحصیل کے لیے کوئی تدبیر نہیں بتلائی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل محض خداداد ہوتا ہے تدبیروں سے حاصل نہیں ہوتا۔

اپنی اصلاح کے بجائے دوسرے کی فکر میں پڑنا

اب میں ایک اور مشغلہ کا بیان کرتا ہوں جو شعبہ اسی عیب گوئی وعیب جوئی کا ہے اور جس میں بہت سے پڑھے لکھے آدمی بھی پڑے ہوئے ہیں اور اس کے مفاسد پر تو نظر کیسی اس کو اچھا کام سمجھے ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنی فکر چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح کے درپے ہوتے ہیں ظاہراً یہ ایک عمل صالح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں ایک شیطانی دھوکہ ہے اس وقت میں اپنا مخاطب ان لوگوں کو بناتا ہوں جو اس کے اہل نہیں ہیں۔ اصلاح فی نفسہ عمل صالح اور مامور بہ ہے لیکن ہر شخص کے لیے نہیں، اس کام کو وہ انجام دے جو پہلے اپنی

اصلاح پر قدرت رکھتا ہو۔

درحقیقت یہ اصلاح نہیں عیب جوئی ہے جس کا بیان یہ ہے کہ بعض لوگ غیبت اور عیب جوئی وغیرہ سے احتراز کرنا چاہتے ہیں اور شیطان ان کو بہت ترکیبوں سے اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ جب کوئی داؤ نہیں چلتا تو یہ سمجھاتا ہے کہ دوسرے کی اصلاح کرو اس دام میں آکر دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کی عادت ہو جاتی ہے اور دل میں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم عیب جوئی تھوڑا ہی کرتے ہیں بلکہ اس کی اصلاح کے درپے ہیں۔ جہاں کہیں بیٹھتے ہیں ان کے عیبوں کو ذکر کرتے ہیں اور اچھی طرح غیبت کر لیتے ہیں۔ ہاں آخر میں دل کو تسلی دینے کے لیے اور اپنی برأت قائم رکھنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی خدا اس کے حال پر رحم کرے یہ عیب اس میں ہیں ان کو دیکھ کر بڑا دل دکھتا ہے۔ ہم بطور غیبت کے نہیں کہتے بلکہ ہم کو ان سے تعلق ہے۔ یہ برائیاں دیکھ کر ہم کو رحم آتا ہے خدا کرے یہ برائیاں کسی طرح چھوٹ جائیں۔ سبحان اللہ! بڑے خیر خواہ ہیں سر سے پیر تک تو اس کا گوشت کھا لیا۔ مجمعوں میں ان کو ذلیل کر لیا اور ایک کلمہ سے بری ہو گئے۔ صاحبو! یہ سب نفس کی چالیں ہیں اس سے آپ کو دو نقصان پہنچتے ہیں ایک اپنی اصلاح سے رہ جانا دوسرے غیبت وغیرہ معاصی میں پڑنا۔

اصلاح کا طریقہ اور خیر خواہی کا تقاضہ

آپ کا کوئی بیٹا نالائق ہو اور برے افعال میں مبتلا ہو آپ کو تنگ کرتا ہو اس کے عیب آپ کی زبان پر ہر جگہ نہ آئیں گے بلکہ ان کے زبان پر آنے سے آپ کا دل دکھے گا اور حتی الامکان یہ چاہیں گے کہ یہ عیب کسی پر ظاہر نہ ہوں اور اس کو مناسب طریقہ سے تنہائی میں آپ سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں چھوڑ دو۔ یہ کبھی نہ ہوگا کہ آپ ان عیبوں کو جگہ جگہ گاتے پھریں اصلاح اس کو کہتے ہیں؟ اگر آپ کو اس شخص کی اصلاح کرنی ہے جس کی غیبت میں آپ مبتلا ہیں تو دوسرے کے سامنے اس کے عیب ظاہر کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کو تنہائی میں سمجھائیں اور اسی طرح سمجھایئے جیسے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں جو اثر آپ کے دس جگہ ان عیبوں کے مجمع میں ذکر کرنے سے ہوتا ہے اس سے زیادہ ایک جگہ علیحدگی میں سمجھانے سے ہوگا۔ اور اگر اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں بلکہ مجمعوں میں اس کے عیب ظاہر کرنے میں لطف آتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ وہی شیطان کا دھوکہ ہے جو زہر آلود مٹھائی کا کام دے گا۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۶۴/۱۷)

عیب گوئی، عیب جوئی

عیب گوئی اور عیب جوئی کا مرض ہم میں نہایت عام ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے چار پیسے دیئے ہیں وہ

خصوصیت کے ساتھ اس میں مبتلا ہیں کیونکہ معاش کی طرف سے فارغ ہوجانے کی وجہ سے کوئی کام تو رہا نہیں اور جو اصلی کام تھا ذکر اللہ اس کو کرتے نہیں اس لیے دن، رات چوبیس گھنٹے پورے ہونے کی اس کے سوا کوئی ترکیب نہیں کہ چند ایسے ہی ایسے لوگوں کا مجمع ہو اور اس میں دنیا بھر کے خرافات ہانکے جائیں بلکہ بعض دیندار بھی جن کو کچھ فراغت ہے اس میں مبتلا ہیں بلکہ عوام سے زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ وہ لوگ تو بسا اوقات شطرنج وغیرہ میں مشغول ہو کر اس سے چھوٹ بھی جاتے ہیں اور دیندار لوگ اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس لیے ان کو سوائے مجلس آرائی وعیب گوئی کے اکثر اور کوئی مشغلہ ہی نہیں ملتا۔

(دعوات عبدیت نسیان النفس۔ ص:۲/۹۸)

دوسروں کے عیوب پر نظر کرنا

جو فہیم اور دیندار ہیں وہ بھی دوسروں کے گناہوں کو شمار کرتے ہیں۔ دوسروں کے عیوب پر ہم لوگوں کی نظر ہوتی ہے کبھی کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اپنے اعمال کو عذاب کا سبب بتلایا ہو حالانکہ زیادہ ضرورت اس کی ہے۔ رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے اور ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ایسا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''کہ اے عزیز تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص پر مکھی بیٹھی ہے تو اس مکھی کو بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے لیکن اپنے سانپ بچھوؤں کی خبر نہیں لیتا''۔

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں: ''کہ ہم لوگوں کو اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کے تنکے کا تذکرہ کر رہے ہیں حالانکہ اول تو یہ دونوں مستقل عیب ہیں کیونکہ اپنے عیبوں کا نہ دیکھنا یہ بھی گناہ ہے اور دوسرے کے عیوب کو بے ضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ ہے اور بے ضرورت کے یہ معنی ہیں کہ اس میں کوئی شرعی ضرورت نہ ہو''۔

ایسے افعال جو شرعاً ضروری اور مفید نہ ہوں عبث اور لایعنی کہلاتے ہیں۔ حدیث پاک میں ان کے ترک کا امر ہے۔

(نسیان نفس دعوات۔ ص:۱۲/۸۷)

ہم لوگوں کی مجالس میں رات دن تمام مخلوق کی غیبتیں شکایتیں ہوتی ہیں کیا ان سے سوائے بدنام کرنے کے اور کچھ مقصود ہوتا ہے کچھ بھی نہیں یہ لوگ ایک تو غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوئے دوسرے ایک لایعنی فعل کے مرتکب ہوئے۔

عیب جوئی اور گوئی سے اگر یہ مقصود ہے کہ اس شخص سے یہ عیب جاتا رہے (اور اس کی اصلاح ہو) تو کیا وجہ ہے کہ کبھی اس کے آثار کیوں نہیں پائے گئے ......؟ کیا کبھی کسی شخص نے صاحب عیب کو خطاب کر کے نہایت شفقت کے ساتھ اس کے عیوب پر مطلع کیا ہے؟ اور اگر نہیں کیا تو کیا محض چار آدمیوں میں کسی کے عیب کا تذکرہ کر دینا اصلاح کہلائے گا؟ ہرگز نہیں۔

حضرت رابعہ بصریہ شیطان کو بھی برا نہ کہتی تھی اور فرمایا کرتی تھیں کہ جتنی دیر اس فضول کام میں صرف کی جائے اتنی دیر تک اگر محبوب کے ذکر میں مشغول رہیں تو کس قدر فائدہ ہے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۲/۱۲)

تجسس اور عیب جوئی کے احکام اور جواز کے مواقع

اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ کریں جائز ہے بلکہ بعض جگہ تو تجسس حرام ہے۔

قول مجمل یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے (عیب جوئی سے) کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو تو وہاں واجب ہے۔ مثلاً سلطان کسی کے ارتداد کی خبر سنے تو چونکہ ارتداد کی صورت میں اس پر واجب ہے کہ اس کو توبہ کرائے ورنہ قتل کرے اس لیے تحقیق واجب ہوگی۔

اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا اور تحقیق کرنے سے اس مبلغ عنہ کا بھی کوئی ضرر نہیں ہوتا وہاں تحقیق جائز ہے۔ جیسے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھ کو مارے گا اور اگر تحقیق کرنے سے اپنی کوئی دفع مضرت نہیں اور اس دوسرے کو ناگواری ہے تو تحقیق حرام ہے۔ جیسے کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں اور تحقیق کرنے سے وہ فضیحت (رسوا) ہوتا ہے۔

(بیان القرآن۔ص:۱/۱۴۳)

حالات کی تفتیش اور عیب جوئی کا کس کو حق ہے

جس کے سپرد خدا تعالیٰ نے اصلاح خلق کا کام کر دیا ہو اس شخص کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے بغیر علم حالات کے اصلاح ممکن نہیں ہے مثلاً حاکم وقت جب تک حالات کی تفتیش نہ کرے گا مجرموں کو سزا نہ دے سکے گا۔ مگر اس کو بھی ایسے امور میں اجازت ہے کہ جن میں تفتیش نہ کرنے سے فساد کا احتمال ہو اور جو امور ایسے نہیں ہیں ان میں حاکم کو بھی تجسس کی اجازت نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگراں ہو تو اس کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح ممکن نہیں۔ مثلاً شوہر کو بیوی کے حالات کی تفتیش کی ضرورت ہے یا کوئی شخص مصلح قوم ہو اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ وعظ و پند کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ مگر مصلح کو بھی اسی وقت تک اجازت ہے کہ تفتیش سے مقصود اصلاح ہو اور اگر تحقیر کے لیے ایسا کرے گا تو اس کو بھی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔

انما الاعمال بالنیات۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۲/۹۲)

چھپ چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا سب تجسس میں داخل ہے۔ اگر کسی

سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس مضرت رساں کی تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ (بیان القرآن۔ص:۴۷/۱۱)

عمومی مرض غیبت

شاید طالب علم سے زیادہ اس میں کوئی شخص مبتلا ہوتا ہو اور یہ گناہ نہایت ہی شدید ہے۔ الغیبة اشد من الزنا۔ اور پھر غیبت بھی دو قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے ایک تو برے کو برا کہنا اور ایک اچھے کو برا کہنا۔ عوام الناس اگر غیبت میں مبتلا ہیں تو وہ اکثر ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں جو کہ واقع میں بھی برے ہیں۔

اور ہم لوگ ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں جو کہ نہایت صالح متقی عالم فاضل ہیں۔ طالب علموں کی زبان سے سنا ہوگا کہ فلاں شخص کو آتا ہی کیا ہے فلاں میں یہ عیب ہے اگر چہ ان فضلاء میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ فضول سے مشتق ہیں اور ان کی غیبت (بعض صورت میں) جائز بھی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کہ خلق اللہ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کی غیبت سے بھی بچا جائے کیونکہ جب غیبت کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی اور حفظ حدود نہیں ہو سکتا۔ یہ حالت ہوتی ہے کہ جس کی طرف سے ذرا بھی کدورت ہوئی فوراً اس کا تذکرہ برائی کے ساتھ شروع کر دیا۔ (دعوات عبدیت۔ص:۲۶/۱۳)

غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی نوبت کم آتی ہے اور یہ (علماء فضلاء، مصلح قوم) مرجع الخلائق ہوتے ہیں اس لیے ان کو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے۔ سینکڑوں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لے کر آتا ہے اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔

(دعوات عبدیت۔ص۱۰۰/۱۲)

احکام الغیبت

غیبت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی کرنا کہ اس کے سامنے کی جائے تو اس کو رنج ہو گو وہ سچی بات ہو۔ غیبت گناہ کبیرہ ہے البتہ جس سے بہت کم تاذی ہو وہ صغیرہ ہو سکتا ہے جیسے کسی کے مکان یا سواری کی مذمت کرنا۔

اور جو سامع (سننے والا) دفع (منع) کرنے پر قادر ہو اس کا سننا بھی تکلم کے حکم میں ہے۔ صبی (بچہ) مجنون اور کافر ذمی کی بھی غیبت حرام ہے کیونکہ اس کی ایذا حرام ہے اور کافر حربی مباح الایذاء کی غیبت بعلت تضیع وقت کے مکروہ ہے، غیبت کبھی فعل سے ہوتی ہے مثلاً کسی لنگڑے کی نقل بنا کر چلنے لگے جس سے اس کی حقارت ہو۔

اگر برائی کرنے کی کوئی ضرورت یا مصلحت ہو جو شرعاً معتبر ہو تو وہ غیبت حرام میں داخل نہیں جیسے خالم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے جو ظلم دفع کر سکے۔ یا مستفتی صورت واقعہ بیان کرنے کی غرض سے کسی کا ذکر کرے یا مسلمانوں کو کسی شر دنیوی یا دینی سے بچانے کے لیے کسی کا حال بتلائے یا کسی معاملہ کے متعلق اس سے مشورہ لینے کے وقت اس کا حال ذکر کر دے اور بلا اضطرار غیبت سننا غیبت کرنے کے مثل ہے۔ (بیان القرآن۔ص:۱/۴۷)

غیبت کی ایک شاخ

ایک شاخ غیبت کی چغلی ہے وہ یہ ہے کہ کسی کی کوئی شکایت آمیز بات دوسرے کو پہنچائی جائے ،غیبت تو مطلق کسی عیب کے نقل کرنے کو کہتے ہیں اور چغلی وہ غیبت ہے جس میں شکایت بھی ملی ہوئی ہو اس کے سننے سے سننے والے کو ضرور غصہ آتا ہے اور وہ دس گنا بدلہ لینے کو تیار ہو جاتا ہے دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو چغلی بھی اکثر بے بنیاد ہوتی ہے سننے والوں سے تعجب کرتا ہوں کہ وہ اس پر کیسے عمل کر لیتے ہیں جس شخص کی چغلی کھانے کی عادت ہے وہ ایک ہی جانب کی چغلی نہیں کھائے گا بلکہ تمہاری بات بھی اس کے سامنے کرے گا اگر اس چغلی کو سچ سمجھا ہے تو اپنے اس عیب کو سچ سمجھنا چاہیے یہ کوئی نہیں کرتا دوسرے کی شکایت تو سمجھ لیتے ہیں کہ ضرور کچھ اصل ہوگی جب تو ہم سے کہا تو اسی طرح اپنی بات کو بھی سمجھو کہ کچھ تو اصل ہوگی جب تو دوسرے تک پہنچی غرض چغلی کھانا اور اس کی بات پر یقین کر لینا دونوں بے عقلی کی بات ہیں اس مرض سے بہت بچنا چاہیے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۷/۶۱)

فضول مضامین اور قلم کی غیبت

خوب یاد رکھو! کہ جو حکم زبان کا ہے وہی قلم کا ہے زبان سے جھوٹ بولنا غیبت کرنا جس طرح جائز نہیں قلم سے بھی جائز نہیں...... ایسے ہی قلم سے فضول مضامین لکھنے کا اثر ہے موٹی سی بات ہے کہ جیسے زبان ترجمان قلب ہے ایسے ہی قلم بھی ہے جو بات زبان سے منع ہوگی قلم سے کیوں نہ منع ہوگی بلکہ قلم کا گناہ زبان سے سخت ہونا چاہیے کیونکہ زبان کی باتوں کو ثبات اور بقاء نہیں زبان کی باتوں کا اثر تھوڑی دور تک پہنچتا ہے۔ یعنی صرف وہاں تک جہاں تک وہ آواز پہنچے گی اگر کسی نے زبان سے غیبت کی تو سننے والے دو چار ہوں گے غیبت کرنے والا اتنے ہی مجمع کے گناہ گار کرنے کا سبب بنا اور اس شخص کی آبروریزی صرف اتنے ہی مجمع میں ہوئی بخلاف قلم کے کہ اس کی آواز مشرق سے مغرب تک پہنچتی ہے۔ جتنے آدمی اس برائی میں شریک ہوں گے ان سب کا سبب یہی شخص ہوگا ہزاروں شخص کے سامنے اس کی آبروریزی ہوگی۔ تنہائی میں کسی کے جوتا مارنا اور اثر رکھتا ہے اور ہزار دو ہزار کے مجمع میں مارنا اور اثر رکھتا ہے اور اہل قلم اپنے آپ کو مرفوع القلم سمجھتے ہیں جیسے آج کل شاعروں نے سمجھ رکھا ہے کہ شعر میں سب روا ہے یہ خیال بالکل غلط ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ بھی غیبت ہے کہ کسی کے مکان میں یا گھوڑے میں یا اولاد میں یا کسی اور چیز میں یا اس کے متعلقات میں سے کسی چیز میں عیب نکالا جائے یہ ایسی باتیں ہیں کہ آج کل محتاط لوگ بھی اس کا کم خیال رکھتے ہیں اور جہاں مجمع ہوتا ہے وہاں کا تو ذکر ہی کیا۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ علاج اس کا یہی ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے جب لوگوں سے میل ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ ان مفاسد کا دخل ہو ہی جاتا ہے۔ میں تحقیق سے کہتا ہوں کہ ان (معاصی) کا بڑا سبب بیکار بیٹھنا ہے اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ چوپالوں اور بیٹھکوں میں جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اس کا نام تفریح طبع اور دل بہلانا رکھا ہے وہاں کوئی دنیا کا کام تو ہوتا نہیں اور نہ دین کا کام ہوتا ہے سوائے ہنسی مذاق اور ان مشغلوں کے جن کا میں بیان کر چکا ہوں۔ وہاں اور کوئی مشغلہ تو ہے نہیں غیبت وغیرہ کی عادت پہلے سے پڑی ہوتی ہے وہاں بیٹھ کر کم از کم یہی ہوتا ہے کہ زائد از کار (فضول) باتیں ہوتی ہیں کہ آم فلاں باغ کے اچھے ہوتے ہیں۔ اب کی بارش اچھی ہو رہی ہے باغوں میں لطف آرہا ہے کھیل کود کا موسم ہے وغیرہ وغیرہ۔ یاد رکھئے، فضول باتیں بھی فی نفسہ بری او رمنکرات اللسان میں داخل ہیں۔ فضول باتیں ایسی ہیں جیسے گولی لگ گئی زبان اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے۔ اس واسطے قدر نہیں اس کی قدر جب ہی سمجھ میں آئے گی جب یہ ہاتھ سے نکل جائے گی پھر چاہیں گے ایک دفعہ موقع مل جائے کہ ایک دو بار اللہ کہہ لیں۔

فضول گوئی، عیب گوئی، عیب جوئی کی مضرت

آج یہ حالت ہے کہ ایک ذرا سی بات کسی کو کہہ دیجئے پھر دیکھئے کیا قیامت قائم ہوتی ہے۔ بلکہ بلا وجہ بھی لوگ سر ہو جاتے ہیں۔ عیب گوئی اور عیب جوئی کی ایک خرابی اور مضرت یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ جس شخص کی برائی کی جا رہی ہے اس کو خبر نہ ہو۔ اور خبر ہونے کے بعد بہت دشوار ہے کہ وہ تم کو برا نہ کہے اور پھر یہ ممکن نہیں کہ اس کے کہنے کی تم کو خبر نہ ہو اور اس تمام الٹ پھیر کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں عداوتیں بڑھیں اور دشمنیاں قائم ہوں اور پھر یہ عداوتیں بعض اوقات ایک زمانہ تک چلتی ہیں اور ان کی بناء محض ذرا سی بات کہ اس نے ہم کو یوں کہہ دیا تھا۔ حالانکہ اگر کہہ بھی دیا ہو تو کیا عزت میں فرق آگیا۔

(دعوات عبدیت ص: ۹۵/۲۹)

آج کل بڑے زور و شور سے کوشش کی جاتی ہے کہ ہم لوگوں میں نا اتفاقی نہ رہے اس کے لیے تقریریں ہوتی ہیں جلسے کیے جاتے ہیں لیکن جو نا اتفاقی کی جڑ ہے یعنی زبان اس کے کاٹنے کی آج تک کسی کو فکر نہیں۔

صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ نا اتفاقی کا سب سے بڑا سبب ہم لوگوں کی زبان ہے۔ جس کو لگام ہی نہیں جو چاہا کہہ دیا، جس کو چاہا کہہ دیا یہ ظالم اس قدر چلتی ہے کہ جس کی حد نہیں غضب یہ ہے کہ کبھی تھکتی نہیں دوسرے اعضاء مثلاً سر آنکھ کان ہاتھ پیر، جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے

ہیں لیکن زبان کسی وقت تھکنے کا نام نہیں لیتی اسی لیے حدیث میں آیا ہے ''کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان سے خوشامد کرتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم بگڑ جائیں گے''۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۲/۹۷)

آرام طلبی و عیش پرستی

جو لوگ محنت کے عادی ہیں ان کی جسمانی صحت دیکھو کیسی اچھی ہے دیہاتیوں کو دیکھو تم سے کہیں زیادہ مضبوط ہیں۔ سردی گرمی کی ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور شہروں میں دیکھو تو مسجد کے مؤذن تک ایسے نازک مزاج ہو گئے ہیں کہ اذان کے لیے مسجد سے باہر نکلنا بھی ان کو مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ شہر والوں کو کوئی اتفاق پڑ جائے تو کیا کریں یہ میں ہی نہیں کہتا سب جانتے ہیں کہ آرام طلبی اچھی چیز نہیں اور محنت اور جفاکشی اچھی چیز ہے مگر رواج اس زمانہ کا ایسا بدلا ہے کہ محنت ہوتی ہی نہیں۔ رواج آپ کے اختیار کی چیز ہے اس رواج کو بدلیے ہمارے یہاں بیکاری اور آرام طلبی کو مایہ ناز سمجھتے ہیں۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۷/۵۱)

اگر دین کے کام میں نہ سہی تو دنیا ہی کے مباح کاموں میں لگے رہو مگر خدا کے واسطے بیکار مت بیٹھو، واللہ میں سچ کہتا ہوں کہ ہندوؤں میں ایسا نہیں وہ دین سے بے خبر مگر اپنی دنیا میں تو مشغول ہیں کسی نہ کسی کام میں لگے ہوئے ہیں بیکار نہیں بیٹھتے اور ہمارے یہاں بیکاری اور آرام طلبی اور لغو مشغلوں ہی کو مایہ ناز سمجھتے ہیں۔ کوئی کام کریں جب تک درمیان میں غیبت نہ کرلیں اس وقت تک وہ کام نہیں ہوتا، اگر کسی نے اور مشغلے چھوڑے تو روم، روس ہی کا قصہ (سیاسی جھگڑے) لے بیٹھے، اخبار دیکھ رہے ہیں اور جنگ میں اپنی اپنی رائے دے رہے ہیں حالانکہ روم، روس تم کو پوچھتا بھی نہیں تمہاری تجویز وہاں پہنچتی بھی نہیں یہ سب بیکاری کے مشغلے ہیں بعض لوگوں کو یہ سوجھتی ہے کہ کوئی خبر معتبر یا غیر معتبر معلوم ہوئی چٹ سے اس پر ایک مضمون لکھا اور کسی اخبار کو روانہ کیا یا کسی سے اپنے خلاف طبع بات دیکھی یا سنی خواہ واقع میں وہ ٹھیک ہو مگر اپنے خلاف طبع ہونے کی وجہ سے اس پر ہجو آمیز بلکہ سب وشتم سے بھرا ہوا مضمون لکھ ڈالا اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کتنا اس میں جھوٹ ہے اور کتنا سچ اور کیا کیا مفاسد شرعی اس میں بھرے ہوئے ہیں۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۷/۵۱)

احمق علماء اور فضول تحقیقات

بعض احمقوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تمام وقت فضولیات ہی میں برباد کرتے ہیں۔ مثلاً اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ جناب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں آپ کی کیا تحقیق ہے کوئی اس عقلمند سے پوچھے کہ تجھ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ کی کیا پڑی تو اپنا معاملہ درست کرلے...... مولانا محمد نعیم لکھنوی

” کے پاس ایک رنگریز آیا کہنے لگا کہ حضرت معاویہ ؓ کے معاملہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ میاں جا کر کپڑے رنگو جب تمہارے پاس حضرت معاویہ ؓ کا مقدمہ آئے گا تو لینے سے انکار کر دینا اور کہہ دینا کہ میں نے اس کی تحقیق کی تھی مگر مجھے کسی نے نہیں بتلائی“۔

ایک اور صاحب ایک مولوی صاحب کے پاس حضور ﷺ کے والدین کی بابت دریافت کرتے ہوئے آئے کہ وہ ایماندار تھے یا نہیں؟ فرمایا کہ تم کو نماز کے فرائض معلوم ہیں؟ کہنے لگا کہ نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ غضب کی بات ہے کہ نماز جس کا سوال سب سے اول قیامت میں ہوگا اس کی تم کو خبر نہیں اور حضور ﷺ کے والدین کا ایمان، جس کی بابت یقیناً ہم سے نہ قیامت میں کوئی سوال ہوگا نہ دنیا کا کوئی کام اس علم پر موقوف ہے تمہیں اپنی اچھائی برائی کی فکر ہونی چاہیے باقی ہر شخص کی خبر رکھنا یا اس کا خیال ہونا یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۲/۹۰)

زیادہ بولنے کے نقصانات

”زیادہ بولنا“ بزرگوں نے اس میں یہ نقصان دیکھا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے گناہوں سے بچنا مشکل ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ زیادہ بک بک کرتے ہیں وہ جھوٹ اور غیبت میں ضرور مبتلا ہو جاتے ہیں اور کثرت کلام کے ساتھ ہر بات سوچ کر کرنا۔ (جو تدبیر ہے زبان کے گناہوں سے بچنے کی) دشوار ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص گناہوں سے بچا بھی رہا تو ایک نقصان سے تو کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا۔ وہ نقصان (یہ ہے کہ) کثرت کلام سے دل مر جاتا ہے ظلمت پیدا ہوتی ہے، قساوت قلب پیدا ہو جاتی ہے اور یہ وہ بلا ہے کہ جس کے بعد کسی گناہ میں مبتلا ہو جانا بھی بعید نہیں۔ ساری طاعت کا مدار حیات قلب پر ہے نیک کاموں کی توفیق نور قلب سے ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشاء قساوت وظلمت قلب ہی ہے، جب قلب میں حیات ونور ہی نہ رہا بلکہ اس کے بجائے قساوت وظلمت پیدا ہوگئی تو اب یہ شخص سب گناہوں کے قابل ہو جاتا ہے پس کثرت کلام کے ساتھ گناہوں سے بچنا چند دن کا ہوتا ہے پھر معاصی کی طرف میلان ہونے لگتا ہے۔ (التبلیغ۔ص:۲۲/۶۳)

زیادہ کھانے میں علاوہ اس نقصان کے کہ وہ گناہوں کا سبب ہوتا ہے اور بھی بہت نقصان ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص ہمت کر کے گناہوں سے بچا رہے تو یہ نقصان تو اسے بھی ہوگا کہ نیند زیادہ آئے گی۔ کم کھانے میں نیند کم آتی ہے۔ پیٹ تن کر جب سوؤ گے تو نیند بھی تن کر آئے گی اور کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ گے تو رات میں دو تین دفعہ خود بخود آنکھ کھل جائے گی۔ کیونکہ نیند سے وہ تھوڑا بہت کھانا بھی جو کھایا تھا جلدی ہضم ہو جائے گا۔ پھر جب پیٹ کمر سے لگ جائے گا تو ایک کروٹ پر لیٹا نہ جائے گا بار بار کروٹیں بدلو گے اور کئی بار آنکھ کھل جائے گی پھر چونکہ یہ مسلمان ہے اس لئے ذکر اللہ میں لگ جائے گا۔ اور یہ سوچے گا کہ یہ وقت

اور کسی کام کا تو نہیں ہے اور صبح ہونے میں دیر ہے تو بیکار کیوں جاگے۔ لاؤ کچھ اللہ اللہ ہی کر لو تو کم کھانے والے کو طاعت کی توفیق زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ کھانے والا تو صبح بھی مشکل سے اٹھے گا اس لیے اس شخص کی طاعات بہت کم ہوں گی۔

اور اگر بہت کھانے والا اتفاق سے کسی رات کو جاگ بھی گیا تو کھانے کا کسل ایسا ہوتا ہے کہ اس کو چارپائی سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر اٹھ بھی گیا اور وضو کر کے نماز یا ذکر میں لگ گیا تو تھوڑی دیر میں نیند کے جھونکے ایسے آئیں گے کہ سجدہ میں پڑ کر بھی خبر نہ رہے گی یا گردن جھکا کر سوتا رہے گا۔

دنیوی نقصانات

زیادہ کھانے میں دین کا نقصان تو ہے ہی دنیا کا بھی نقصان ہے کیونکہ کھانے میں اس شخص کی رقم زیادہ خرچ ہوتی ہے ایک شخص فی وقت دس روٹی کھاتا ہے اور ایک چار روٹی کھاتا ہے دونوں کے خرچ میں آدھے کا تفاوت (فرق) ہوگا۔ پھر بہت کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتی۔ آئے دن بدہضمی کی شکایت رہتی ہے جس سے طرح طرح کی بیماریوں کا شکار رہتا ہے۔ دواؤں میں بہت رقم خرچ ہوتی ہے اور کم کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم ہو جاتی ہے اس کی تندرستی بنی رہتی ہے تو دواؤں میں اس کے روپے نہیں اٹھتے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''ایک نصرانی بادشاہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک طبیب کو بھیجا تھا کہ مدینے والوں کا علاج کیا کرے گا۔ آپ ﷺ نے طبیب کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم لوگ بغیر بھوک کے کھاتے نہیں ہیں اور بھوک رکھ کر کھانا چھوڑ دیتے ہیں اس لیے ہم کو طبیب کی ضرورت نہیں''۔

(قلت کذا فی السیرۃ الحلبیۃ)

واقعی اس دستور العمل پر عمل کر کے دیکھئے سب بیماریاں خود بخود بھاگ جائیں گی کبھی اتفاقی طور پر بیماری آجائے تو اور بات ہے لیکن مجموعہ امراض تو نہ ہوگا۔ مگر آج کل لوگوں کی عادت یہ ہے کہ کھانا کھانے میں بھوک لگنے کا انتظار نہیں کرتے بلکہ اکثر وقت آنے کی رعایت سے کھاتے ہیں۔ کھانا گرم گرم ہے دیر میں کھائیں گے تو ٹھنڈا ہو جائے گا، لاؤ ابھی کھالیں جی ہاں اس وقت کھانا گرم ہے مگر کھانے والا تو سرد (ٹھنڈا) ہی ہو جائے گا کیونکہ بے بھوک کھانے سے حرارت عزیزیہ منطفی (بجھ) ہو جاتی ہے معدہ میں تداخل ہو جاتا ہے پہلا کھانا ابھی ہضم نہیں ہوا تھا کہ دوسرا اور پہنچ گیا اب معدہ پریشان ہوتا ہے کہ کیسے ہضم کروں؟ بچوں کو اصرار کر کے کھلانا تو اور زیادہ برا ہے وہ خود بہت ہی حریص ہوتے ہیں اگر بچہ کبھی انکار کرے تو سمجھ لو کہ یا تو اس نے بہت کھالیا ہے یا کسی مرض کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔

(التبلیغ ص: ۵۰، ۵۲/۲۳)

زیادہ سونے کے نقصانات

زیادہ سونے سے یہ نقصان ہے کہ اس سے بلادت (حماقت وبیوقوفی) بڑھ جاتی ہے جس سے قوت فکر یہ کم ہوجاتی ہے اور قوت فکر یہ کی کمی سے دنیا اور دین دونوں کے کام خراب ہوجاتے ہیں نیز اس سے امور انتظامیہ میں بہت خلل پڑتا ہے۔ ایسے شخص کو پابندی اوقات کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ سوچتا یہ ہے کہ آج سویرے اٹھ کر فلاں فلاں کام کروں گا نیند آئی تو وقت کے بعد آنکھ کھلی اب اس کام کو دوسرے کاموں کے وقت میں کرتا ہے دوسرے کاموں کو کل پر رکھتا ہے پھر دوسرے دن ارادہ کرتا ہے کہ آج دوپہر کو ایک گھنٹہ سوؤں گا پھر کچھ کام کروں گا۔ وہاں ڈھائی گھنٹہ کے بعد آنکھ کھلی تو پھر سارا انتظام درہم برہم ہوگیا۔ روز یہی قصہ رہتا ہے اس لیے یہ شخص کبھی منتظم نہیں ہوسکتا اور بے انتظامی بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے اس سے دین کو بہت ضرر پہنچتا ہے اور دنیا کو بھی۔

علاوہ اس کے سونے میں جس قدر وقت صرف ہوگا اس میں کچھ کام نہ ہوگا نہ دنیا کا نہ دین کا۔ یہ سارا وقت بیکار جاتا ہے بس جتنا وقت طبعی نیند کا ہے (جس کی مقدار اطباء نے ۶ گھنٹے لکھی ہے) وہ تو ضرورت میں صرف ہوا باقی سب رائیگاں گیا۔

ایسے شخص کی اکثر نمازیں بے وقت یا تنگ وقت میں ادا ہوتی ہیں خصوصاً عشاء اور فجر اور تہجد تو اسے کہاں نصیب۔ (التبلیغ۔ص: ۲۲/۶۲)

کثرت اختلاط اور دوستی کے نقصانات

زیادہ ''میل جول'' اس میں یہ نقصان ہے کہ جتنا وقت اختلاط (ملنے جلنے) میں صرف ہوتا ہے اتنی دیر یہ شخص بیکار رہتا ہے۔ دین کا کوئی کام اس سے نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ مسلمانوں سے ملنے میں تو ثواب ہے تو اس سے مراد بقدر ضرورت ملنا ہے اپنے پاس آنے والوں کی تواضع دس پندرہ منٹ میں ہوسکتی ہے اس کے لیے گھنٹے صرف کرنا وقت ضائع کرنا ہے۔ زیادہ میل جول میں معمولات کی پابندی نہیں ہوسکتی ایک کام لے کر بیٹھے تھے کوئی ملنے آگیا تو کام رخصت ہوا۔

اب باتوں میں گھنٹے لگا دیے جاتے ہیں جس سے سارے کاموں کا پڑا ہوجاتا ہے، ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ بے انتظامی دنیا اور دین دونوں کے لیے مضر ہے۔

دوسرے اختلاط میں خاموشی دشوار ہے خواہ مخواہ بولنا ہی پڑتا ہے جس میں اکثر غیبت وشکایات میں بھی ابتلاء ہوجاتا ہے۔

تیسرے کثرت اختلاط سے باہم دوستی ہوجاتی ہے جس میں بعض دفعہ اپنے راز دوسرے پر ظاہر ہو

جاتے ہیں پھر یہ دوست اپنے دوسرے دوستوں پر ان رازوں کو ظاہر کر دیتا ہے کیونکہ اس کو ان پر ویسا ہی اعتماد تھا جیسا کہ تم کو اس پر مگر بعض دفعہ ان میں تمہارا کوئی دشمن ہوتا ہے جو راز کو معلوم کر کے تم کو ضرر (نقصان) پہنچا دیتا ہے۔ نیز بعض دفعہ خود آپ کا دوست ہی بدل جاتا ہے اور دوست جب دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اور دشمنوں سے زیادہ ایذا دیتا ہے اسی لیے عرب کی مثل ہے **اتقوا شر من احسنت الیہ** یعنی ''جس پر تم نے احسان کیا ہو اس کے شر سے بچتے رہو'' اور آج کل یہ کچھ بعید نہیں اس زمانہ میں دوستی اور محبت اکثر اغراض کے لیے ہوتی ہے جب تک غرض پوری ہوتی رہی دوست ہیں اور جس دن اغراض میں کمی آئی اس دن سے دشمن ہیں چنانچہ تجربہ ہو گیا کہ جن لوگوں پر اعتماد تھا کہ یہ دوستی سے کبھی نہ بدلیں گے وہ بھی اپنے اغراض میں کسی وقت نقصان دیکھ کر بالکل بدل گئے اور ایسے بدلے کہ دشمن سے بھی بدتر دشمن بن گئے۔

پھر دشمنی سے دنیا کا تو ضرر ہوتا ہی ہے دین کا بھی نقصان ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں اطمینان قلب فوت ہو جاتا ہے اور اطمینان قلب سب کاموں کی جڑ ہے دین کا کوئی کام بدوں اطمینان قلب کے اچھی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے بغیر دنیا کا بھی کوئی کام نہیں ہوتا تو اختلاط میں یہ کتنا بڑا ضرر ہے۔ ہمارے حاجی صاحبؒ کی وصیت ہے کہ کسی سے نہ دوستی بڑھائیں نہ دشمنی پیدا کریں بس سب سے معمولی سلام رکھیں کیونکہ دشمنی تو قلب کی پریشانی کا سبب ہے اور آج کل دوستی بھی اس کا (پریشانی کا) سبب ہو جاتی ہے۔ (التبلیغ وعظ تقلیل الطعام۔ص:۲۲/۶۵)

طلبہ کی عام غلطی

فرمایا: اکثر طالب علموں کی عادت ہے کہ مسجد یا مدرسہ میں راستے کے موقع پر بیٹھ جاتے ہیں بلکہ راستہ میں سو جاتے ہیں۔ یہ بالکل ناجائز ہے حدیث شعب الایمان میں **ادناھا اماطۃ الاذی** آیا ہے یہ لوگ خود تکلیف دینے والے بنتے ہیں۔ تمام مجاہدہ اور اصلاح اخلاق سے یہ ہے کہ مخلوق کی اذیت سے تحرز ہو کیونکہ تمام بداخلاقیوں کا مآل (انجام) اذیت ہی ہے مثلاً کبر، غضب، حسد، ریا، مکر و فریب، غیبت، حرام خوری اور فحش گوئی ان سب سے لوگوں کو اذیت پہنچتی ہے اور سب سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ علماء نے بھی صرف کتاب کا حل کر لینا اپنا کام سمجھ لیا ہے اعمال کو درست کرنے اور طلبہ کو روک ٹوک کرنے کی ان کو ذرا فکر نہیں بلکہ خود طلبہ سے ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ مدۃ العمر بھی ان کی اصلاح کی امید نہیں رہتی۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۳/۵۷)

طلبہ کی بدحالی و بدشوقی

مدارس میں ایسے طلبہ موجود ہیں جو برائے نام اسباق میں آجاتے ہیں مگر اندرونی طور پر عالم فاضل

کے کورس سے دلچسپی رکھتے ہیں تاکہ سرکاری نوکری مل سکے بھلا یہ لوگ طالب علم کہلانے کے مستحق ہیں؟ ہرگز نہیں۔ (قند دیوبند۔ ص:۱۹)

یہ بھی ایک مرض ہوگیا ہے کہ آج کل طلبہ کتابوں کے ختم کرنے کو اصل کام سمجھتے ہیں اگرچہ سماعت ہی سے ہو اور کتاب کی عبارت ایک دن بھی نہ پڑھنا پڑے اور اب تو بعض طلبہ کی یہ حالت سنی ہے کہ سبق میں شریک بھی ہیں مگر اس کی خبر نہیں کہ سبق کہاں ہو رہا ہے اور کس مسئلہ پر تقریر ہو رہی ہے۔

ناکام طلبہ

طالبان علم کہلانے والوں میں ایک قسم کے وہ لوگ بھی ہیں جو یوں چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا بھی نہ پڑے اور عالم ہو جائیں، اس کی ترکیب انہوں نے یہ نکالی کہ مدرسہ میں داخل ہو کر کسی جماعت میں شریک ہو گئے۔ پھر دس بارہ دن کم وبیش غائب ہو گئے۔ نہ مطالعہ ہے نہ تکرار ہے نہ سبق کے وقت توجہ ہے...... بس جماعت نے کتاب ختم کر لی تو ان کی بھی ختم شمار ہو گئی درسیات سے فارغ ہو گئے۔ تو یاد رکھو! یہ طالب علمی نہیں ہے اس طرح علم نہیں آتا۔ (مواعظ حسنہ۔ ص:۳۱)

طلبہ کو فکر و اہتمام کی ضرورت

طلبہ کے لیے محض کتب بینی کافی نہیں بلکہ فکر کے ساتھ مطالعہ کی سخت ضرورت ہے اور فکر و مطالعہ اختلاط کے ساتھ نہیں ہو سکتا اس کے لیے یکسوئی اور تنہائی کی ضرورت ہے جو لوگ ہر وقت اختلاط میں رہتے ہیں اور باتیں ہی بناتے رہتے ہیں ان کا قلب انوار سے خالی ہو جاتا ہے اور قلب کا خالی ہونا بہت ہی برا ہے۔ (التبلیغ۔ ص:۱۲۵/۲۳)

علوم کے لیے یکسوئی اور اجتماع خیال کی ضرورت ہے اور یہ گوشہ تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ (مظاہر الآمال۔ ص:۲۹)

فضولیات سے احتراز کی ضرورت

فضولیات میں پڑنے سے آدمی کا فہم (سمجھ) مسخ ہو جاتا ہے اور ضروری کاموں سے رہ جاتا ہے کھلی ہوئی بات ہے جب چاہو تجربہ کر لو، ملنا جلنا کم کر دو، بولنا کم کر دو ادھر ادھر فضول دیکھنا بھالنا کم کر دو، معاصی سے اجتناب کر و اس سے خود بخود فہم اور عقل میں نورانیت پیدا ہوگی۔

جو لوگ بک بک بہت کرتے ہیں ان کی فہم (سمجھ) اور عقل برباد ہو جاتی ہے معاصی سے ادھر ادھر دیکھنے سے حواس منتشر ہو کر عقل خراب ہو جاتی ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۲۰۳/۱)

جو شخص فضولیات میں مبتلا ہوگا وہ کبھی ضروریات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا یہ تجربہ کی بات ہے فضول، لغو کلام، عبث کلام سب ایک ہی ہیں اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے نورانیت فنا ہوتی ہے حق کی

استعداد برباد ہوتی ہے۔اس استعداد کے ضعیف ہونے کو حدیث میں ’’موت قلب‘‘ کہا گیا ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب میں ایک نور رہوتا ہے وہ ضعیف ہو جاتا ہے۔ (الافاضات۔ص:۴/۳۷)

عبث (بیکار) کا ایک ضرر تو یہی ہے کہ کثرت عبث سے قلب کا نور بجھ جاتا ہے اور قلب میں قساوت (سختی) پیدا ہوتی ہے۔ (دواء الغفلۃ۔ص:۳۷)

چنانچہ بلاضرورت اگر کوئی کسی سے پوچھ لے کہ کہاں جاؤ گے اس سے بھی قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور قلب مردہ ہو جاتا ہے اگر کسی کو حس ہی نہ ہو تو اس کا کیا علاج ہے۔

اگر آخرت کی فکر ہو تو انسان کبھی فضول اور عبث میں نہیں پڑسکتا، پڑنا تو بڑی بات ہے اس کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

استاد کا سبق یا کوئی بات راز۔لے کر سننا

ایک طالب علم نے دوسرے طالب علم کے ذریعہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا اور خود خفیہ طور سے سننے کے لیے کھڑا ہو گیا اتفاقاً میں نے دیکھ لیا پاس بلا کر دھمکا کر سمجھایا کہ چوروں کی طرح چھپ کر سننے کا کیا مطلب؟ کیا کسی نے یہاں آنے سے منع کیا ہے؟ اگر شرم آتی تھی تو اپنے فرستادہ (بھیجے ہوئے) سے جواب پوچھ لیتے چھپ کر کسی کی بات سننا عیب اور گناہ کی بات ہے کیونکہ ممکن ہے کہ متکلم کوئی ایسی بات کرے جس کو اس (چھپ کر سننے والے) سے پوشیدہ کرنا چاہے۔ (آداب معاشرت)

طلبہ کے لیے چند ہدایات وتنبیہات

(۱) طالب علم اور طالب حق کے لیے لوگوں سے میل جول (فضول اختلاط) سم قاتل ہے۔

(ملفوظات خیرت۔ص:۳/۱۶)

(۲) طالب علموں میں دو مرض (بکثرت) ہیں جاہ اور شہوت ان سے بہت کم خالی ہیں اور یہی دونوں چیزیں دین کو برباد کرنے والی ہیں۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۴۵۸)

(۳) جو طالب علم مدرسہ میں داخل ہونے کے لیے آتا ہے اس کو دو وصیتیں کی جاتی ہیں کہ ایک یہ کہ کسی سے دوستی مت کرو دوسرے یہ کہ کسی سے دشمنی مت کرو۔ (الافاضات۔ص:۴/۱۳۶)

(۴) افسوس اب تو طالب (مدرسہ کے) مہتمم کے کاموں میں دخل دیتا ہے یہ حریت اور آزادی ہے لوگوں کا مزاج ہی بگڑ گیا ہے اور ایسا بگڑا ہے کہ شور وشر کو حیات (زندگی) سمجھتے ہیں اور سکون کو موت یعنی وہ زندہ ہی کیا جو حرکت نہ کرے اور حرکت بھی کرے تو ایسی۔ان کے نزدیک جس طرح سکون حیات کے منافی ہے اسی طرح حرکت مستقیمہ بھی اس لیے حرکت غیر مستقیمہ کو حیات سمجھتے ہیں۔

(الافاضات۔ص:۴/۱۳۶)

بعض لوگ مسجد کا پنکھا (اور لوٹا وغیرہ) حجرہ سے لے جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ کیا چیز ہے ذرا سا پنکھا (یا وہ لوٹا) ہی تو ہے۔ معمولی بات خیال کرتے ہیں حالانکہ بڑی بات ہے یہ حرکت طالب علموں میں بہت ہے۔ بتلاؤ ایسے پڑھنے سے کیا فائدہ؟ (الفصل للوصل۔ص:۲۹۶)

جب دینی مدارس میں رہ کر بھی دین نہ پیدا ہوا تو ایسے پڑھنے سے کیا فائدہ سوائے گمراہی پھیلانے کے اور کیا نتیجہ ہوگا؟ (الافاضات۔ص:۲۱۷/۱۶)

بعض طلبہ کی غلط فہمی

بعض طلبہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی تو ہمارا زمانہ علم حاصل کرنے کا ہے اس زمانے میں عمل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ فارغ ہونے کے بعد عمل کرلیں گے یہ سراسر شیطانی دھوکہ ہے۔

(حقوق العلم۔ص:۳۳)

اہل علم کو (اپنی) اصلاح کی فکر نہیں جس کی بدولت علم کی جگہ جہل ہوگیا، بزرگی کی جگہ فسق ہوگیا مدارس میں جا کر دیکھو طالب علم اور اساتذہ کا کیا رنگ ہے نہ حدود ہیں نہ انسانیت اور نہ آدمیت ہے۔ کہتے ہیں کہ مولوی ہو کر سب درست ہو جائیں گے۔

اے نادانو! اور بگڑ جائیں گے اس وقت (طالب علمی کے زمانہ میں) تو دوسروں کے ماتحت ہیں جب ابھی ٹھیک نہ ہوئے تو آئندہ خود مختار ہو کر کیا امید ہے اس وقت تو کوئی یہ بھی نہ کہہ سکے گا کہ مولانا آپ سے یہ کوتاہی ہوئی یا آپ نے مسئلہ کے خلاف (اور غلط کام) کیا، درست ہونے (اور اصلاح) کا تو یہ طالب علمی ہی کا وقت ہے۔ (الافاضات۔ص:۲۴/۴)

شیطانی دھوکہ اور علماء کی بدنامی کی وجہ

ہمارے بعض طالب علموں کا خیال ہے کہ ابھی تو ہم پڑھ رہے ہیں جب پڑھ لیں گے اس وقت عمل کریں گے یہ خیال بالکل غلط ہے جس گناہ کو تم آج نہیں چھوڑ سکتے اور جس اطاعت کو اس وقت اختیار نہیں کرسکتے اور نفس پر قابو نہیں تو کل بدرجہ اولیٰ تم سے عمل نہ ہو سکے گا بلکہ آج عمل کرنا سہل ہے، جس قدر مدت گزرے گی نفس کے اندر اخلاق رذیلہ راسخ ہوں گے۔

عوام الناس کو جس قدر شکایتیں اور الزامات علماء پر ہیں اس بدعملی ہی کی بدولت ہیں اور عمل سے میری مراد نماز، روزہ اور بہت سے نوافل نہیں وہ تو بفضلہ تعالیٰ آپ کرتے ہی ہیں اس لیے ان سے بحث اور گفتگو نہیں بلکہ میرا روئے سخن اکثر اخلاق کے متعلق ہے تکبر، باہمی حسد، غیبت اور قلب و نگاہ کے تمام گناہ چھوڑ دو اور ان کے علاج کی فکر کرو۔ خدا سے خشیت اور محبت، دین کی محبت اور جن سے تم کو نفع پہنچ رہا ہے ان کی اطاعت اور خدمت کرو اور حرص و طمع کے پاس بھی نہ جاؤ۔

اس سے دنیاداروں کی نظر میں آپ لوگوں کی بڑی رسوائی ہوتی ہے اس لیے جہاں اس کا ادنیٰ احتمال بھی ہو ہرگز وہاں نہ جاؤ اور نہ وہ فعل اختیار کرو اگرچہ تم تنگی کی حالت میں ہو بالکل مستغنی رہو۔

(الافاضات الیومیہ۔ص:۳/۵۲)

چھوٹے مدرسوں سے نکل کر بڑے مدرسوں میں جانے والے آزاد اور برباد طلبہ

جو طلبہ ایک وقت تک کسی کی نگرانی اور ماتحتی میں رہے ہوں وہ جب بڑے مدارس میں جاتے ہیں اور طبیعت میں آزادی رکھتے ہیں وہ ان مدارس میں جا کر مخلی بالطبع (بالکل ہی آزاد) ہو جاتے ہیں چونکہ طبعی قاعدہ ہے کہ جو قوت ایک زمانہ تک بند رہی ہو جب اس کو آزادی ملتی ہے تو ایک دم سے ابل پڑتی ہے اس کی اصلاح کی دو صورتیں ہیں (۱) اس آزادی کی روک تھام جو عقل سے ہوتی ہے۔ عقل مندوں کو یہ بات یاد رہنا چاہیے کہ نفس کو پابند کرنا اور آزادی سے روکنا اور اس میں استقلال اور پختگی پیدا کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ انسان اور جانور میں کیا فرق ہوگا۔ مردانگی اسی میں ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو نفس کا تابع نہ ہو۔

اور جو ایسے لوگ ہیں کہ ان میں عقل نہیں ان کا ناقص العقل ہونا مشاہد ہے ان کے لیے بڑوں کی ماتحتی اور تابع داری ضروری ہے اس کے بغیر تباہی ہے۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:۱/۳۵۹)

بیوقوف (اور کم عقل) کے لیے یہی مصلحت ہے کہ کسی کا تابع ہو کر رہے جیسے اگر چھوٹے بچے کو ماں باپ کے تابع نہ کیا جائے تو وہ یقیناً ہلاک ہوگا کیونکہ اس کو اپنے نفع اور ضرر کی کچھ خبر نہیں تو بیوقوف (اور ناسمجھ) کے لیے کسی کا ماتحت ہونا ہی مصلحت ہے اور اسی میں اس کی حفاظت ہے تاکہ دوسرا اس کو روک ٹوک کر سکے۔ (شعب الایمان۔ص:۵)

زمانہ طالب علمی میں مطیع ہو کر ہی رہنا چاہیے یعنی طالب علم میں خودرائی اور آزادی نہیں بلکہ اس کو اساتذہ اور اپنے بڑوں کا مطیع و فرمانبردار اور تابع ہونا چاہیے۔ (الافاضات الیومیہ۔ص:۳۲۶)

جو مستقل بالذات ہوتا ہے (یعنی جو بڑوں کے تابع نہیں ہوتا) وہ مستقل بدذات ہو جاتا ہے۔

(ملفوظات)

علماء وطلبہ کو اہم نصیحت ووصیت

علماء کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہیں کرنا چاہیے بلکہ جہاں تک ہو اپنے کو گم کرو۔ گمنامی میں رہو کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔

سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹے بن کر رہو اس میں دین کی بھی سلامتی ہے اور دنیا کی بھی اور جس کے سر پر کوئی بڑا نہ ہو اس کے لیے میں دوسرا طریقہ بتلاتا ہوں اور اس کے مستحسن (پسندیدہ) ہونے پر قسم

کھا سکتا ہوں ودیہ کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرے۔ انشاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔

(دعوت تبلیغ۔ص:۳۵۴)

جس طرح کوئی طبیب بیمار ہو جائے تو اپنا علاج خود نہیں کرتا بلکہ دوسرے معالج کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح مشائخ وقت اور مقتداء (علماء) لوگوں کو اگر کسی وقت اپنے نفس میں کوئی روحانی مرض محسوس ہو تو کسی اپنے بڑے سے رجوع کریں اور اگر کسی شخص کا ضابطہ میں کوئی بڑا نہ رہے (ضابطہ اس لیے کہا کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اس کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) تو اس کو چاہیئے کہ اپنے چھوٹوں ہی سے متعدد لوگوں کے سامنے اپنا حال پیش کرے مشورہ کرے توقع ہے کہ صحیح حال سمجھ میں آجائے گا۔

(مجالس حکیم الامت۔ص:۳۰۲)

علماء کے کرنے کے چار کام

اس وقت اس (تعلیم) کے چند افراد میرے ذہن میں ہیں ان کو عرض کرتا ہوں اور وہ استقراء چار ہیں وعظ، تدریس، امر بالمعروف بخطاب خاص، تصنیف علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہیے اس طرح کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں اور عوام کے سامنے واعظ ہوں اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں اور خاص مواقع سے مراد یہ ہے کہ جہاں اپنا اثر ہو وہاں خطاب سے نصیحت کریں کیونکہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے، جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا اور اگر کسی سے تحمل ہو سکے تو سبحان اللہ۔ وہ امر بالمعروف کریں مگر یہ ضروری ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کرے اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے صرف خطاب عام پر اکتفاء کرے۔

تین کام تو یہ ہیں۔ چوتھا کام تصنیف کا ہے علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہیے اس کے یہ معنی نہیں کہ سب مصنف اور واعظ ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت علماء میں کچھ لوگ مصنف اور واعظ بھی ہونے چاہئیں کیونکہ یہ امور فرض کفایہ ہیں، ہر کام کرنے والے ضرورت کے مطابق کافی مقدار میں ہونے چاہیے۔ اگر ایک قصبہ میں بقدر ضرورت واعظ موجود ہوں تو دوسرے علماء پر وعظ کہنا واجب نہیں ان کو درس و تدریس میں مشغول رہنا جائز ہے اور اگر واعظ کوئی نہ ہو تو مولوی صاحب کو اجازت نہیں کہ وہ صرف مدرس ہی بن کر رہیں بلکہ ضرورت کے موقع پر ان کو وعظ بھی کہنا چاہیے۔

(العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض۔ص:۱۴)

وعظ میں خاص اثر ہوتا ہے جس سے عوام کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے نیز عوام کو اس سے وحشت بھی نہیں ہوتی بلکہ دلچسپی ہوتی ہے اور اس کا جلدی اثر ہوتا ہے الغرض تصنیف کا نفع بھی عام نہیں اور [illegible] کا نفع

تو بہت ہی خاص ہے کہ ایک خاص جماعت تک محدود ہوتا ہے سب سے زیادہ نفع عام وعظ کا ہے ایک گھنٹہ میں پانچ ہزار کو نفع ہو جاتا ہے تو واعظ کا نفع اتم واعم واسہل ہے اس لیے اس کو ضرور اختیار کرنا چاہیے۔

(حقوق فرائض۔ ص: ۱۱۵)

فارغ ہونے کے بعد اگر دنیاوی کام میں لگ جائے، پھر بھی چند کام تو ضرور ہی کرنا چاہیے

ایک سبق علماء کو لینا چاہیے کہ علم کو فضل عظیم سمجھ کر حاصل کریں اور اس سے کوئی دینوی غرض نہ رکھیں اور تحصیل (فراغت) کے بعد اس فضل عظیم کی پوری قدر کریں۔ اس کی حفاظت کریں۔ اس کو ضائع نہ کریں۔

آج کل طلباء کی یہ حالت ہے کہ علم حاصل کرنے تک تو نہ کچھ نیت ہوتی ہے نہ توجہ، نہ شغل، اور جب فارغ ہوئے تو بعض اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور بعض طلبہ اس سے تعلق بھی نہیں رکھتے، کہیں کوئی طبیب بن جاتا ہے کوئی تاجر بن گیا۔ کوئی صناع (کاریگر) بن گیا۔

میں کچھ بننے کو منع نہیں کرتا بنو مگر علوم سے تعلق تو رکھو تاکہ اس کا نفع متعدی رہے (سلسلہ باقی رہے) اور اس کی ایک خاص صورت یہ ہے کہ پڑھاتا رہے اور ایک عام صورت ہے وہ یہ کہ وعظ کہتا رہے جس کو آج کل علماء نے بالکل چھوڑ دیا اور اسی لیے اسے جہلاء نے لے لیا۔ اور اگر ان دونوں میں سے کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم مطالعہ ہی کرتا رہے تاکہ ذہول نہ ہو جائے۔

اور اگر اتفاق سے کسی کے لیے کسب (کمائی) کا ذریعہ بھی یہی علم ہو تو وعظ کو ذریعہ معاش نہ بناؤ، بلکہ کوئی کتاب تصنیف کرو، تدریس میں مشغول ہو اور اس سے معاش حاصل کرو۔ (اشرف العلوم۔ ص: ۵۲)

باب نمبر ۸

استغناء غیر، خودداری

فصل ۱

اہل علم کو آج کل لوگ ذلیل سمجھتے ہیں

فرمایا کہ امراء عموماً اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں بجز ان کے جنہوں نے اہل علم کی صحبت اٹھائی ہے، اہل علم خود جا جا کر گھستے ہیں، مجھے تو بڑی غیرت آتی ہے۔

بئس المطاعم حین الذل تکسبها
فالقدر منصب و القدر مخفوض

اپنی پیاز روٹی اس سے اچھی ہے جس میں ذلت ہو۔ (حسن العزیز۔ص:۵۰۸)

ایک جج صاحب پرانی وضع اور پرانی روشنی کے ایک مقام پر آئے انہوں نے چاہا کہ وہاں کے رؤساء سے ملاقات کریں ایک رئیس صاحب کے پاس پہنچے تو وہ دور ہی سے صورت دیکھ کر گھر میں چلے گئے انہوں نے خادم کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ میں فلاں شخص ہوں آپ سے ملنے آیا ہوں نام سن کر وہ رئیس صاحب باہر آئے اور معذرت کر کے کہنے لگے کہ آپ کا عبا دیکھ کر میں یہ سمجھا کہ کوئی مولوی صاحب ہیں چندہ لینے کی غرض سے آئے ہیں یہ خیالات ہیں عوام کے علماء کے متعلق۔ (دعوات عبدیت الرضا بدنیا۔ص:۱۰۱)

جن علماء کا کم و بیش اثر ہے تو وہ ان کی بزرگی اور درویشی کے خیال کی وجہ سے ہے صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا اچھا اثر نہیں بلکہ جو صرف عالم سمجھے جاتے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر عوام اہل دنیا ان کی توہین نہ کریں تو غنیمت ہے یا اگر کسی عالم کی باوجود بزرگ نہ سمجھے جانے کے عزت اور اثر ہو تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا کے اعتبار سے ذی جاہ ہوتا ہے اور علی العموم اہل جاہ کی طرف لوگ اپنے کو منسوب کرتے ہیں غرض صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا کچھ اثر نہیں یا فقیری کی وجہ سے ہے یا جاہ کی وجہ سے اور بلفظ دیگر امیری کی وجہ سے ورنہ اگر صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا اثر ہوتا تو طلبہ کا بھی بہت اثر ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھی تو عالم ہیں اور میں دوسروں کو کیا کہوں خود اپنے اندر بھی یہی حالت دیکھتا ہوں کہ طلبہ کی زیادہ وقعت نظر میں نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی من حیث العلم کچھ وقعت نہیں۔ (دعوات عبدیت انسداد بدعت۔ص:۵/۴۹)

طلبہ و علماء کس طرح باوقعت و عزت دار بن سکتے ہیں

اس کی کوشش کرو کہ تمہارے مدرسے اہل دنیا کی نظر میں باوقعت ہو جائیں جس سے قلوب میں طلبہ کی وقعت ہوگی...... باوقعت بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ علماء استغناء برتیں کیونکہ علماء کی عزت استغناء ہی سے ہوتی ہے عبا و قبا سے نہیں ہوتی نیز آج کل طلبہ کو کھانا لانے کے لیے امراء کے گھروں پر بھیجنا مناسب نہیں کیونکہ اس سے طلبہ عوام کی نظروں میں ذلیل و حقیر ہوتے ہیں اور طلبہ کی حقارت سے علم دین نظروں میں حقیر ہوتا ہے..... اس کی کوشش کرو کہ طلبہ کی وقعت ہو جب طلبہ کی وقعت ہوگی تو اہل دنیا اپنے بچوں کو عالم بنائیں گے۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:۱/۲۲۸)

عزت کا مدار

عزت کا مدار استغناء اور ذلت کا مدار احتیاج ہے لباس و وضع کو اس میں دخل نہیں اگر کپڑے پرانے

ہیں او ہفت اقلیم کا بھی دست نگر نہیں تو وہ معزز ہے اور اگر لباس نوابوں کا سا ہے ہزاروں روپیہ تنخواہ ہے سامان امیرانہ ہے مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ اور مل جائے فلاں معاملہ میں کچھ اور ہاتھ آ جائے تو ایسا شخص بالکل ذلیل ہے۔ (حقوق العلم تجدید تعلیم۔ ص: ۴۴)

علماء کی بے قدری سادگی سے پھٹے ہوئے کرتے پھٹے ہوئے جوتے سے نہیں ہوتی اس کی تو وہ کچھ بھی پرواہ نہ کریں مگر خدا کے لیے مستغنی ہو کر رہیں۔ ایک شخص پھٹے ہوئے لباس میں ہو لیکن عالم ہو، متقی ہو تو ممکن نہیں کہ مسلمانوں کی نظروں میں اس کی عزت نہ ہو برخلاف اس کے جو لوگ عبا اور قبا میں ہوتے ہیں چاہے کیسے ہی مہذب طریقہ سے سوال کریں مگر ذلت ضرور ہوتی ہے خاص کر اس وقت جبکہ سوال بھی اپنی ذات کے لیے ہو سوال ضرور ذلت ہے میں علماء سے کہتا ہوں کھانے کو نہ ملے تم اپنے گھر بیٹھو مزدوری کر کے کھاؤ اسی کونے میں مر جاؤ مگر ہاتھ مت پھیلاؤ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی بحمد اللہ میرے نزدیک کچھ نہیں مجھے فاقہ سے بیٹھا رہنا اور گھر کے اندر مر جانا گوارا ہے مگر کسی کے سامنے اپنی حاجت کا ظاہر کرنا گوارا نہیں۔ اگر کپڑے نہیں تو پھٹے ہوئے پہنیں پیوند لگے ہوئے پہنیں اور امیروں اور نوابوں کی پرواہ نہ کریں اپنے فاقہ ہی میں مست ہوں۔ مر جائیں مگر سوال نہ کریں کسی سے آنکھ ان کی نہ لچے، اپنے خدا سے کام رکھیں جب علماء حق تعالیٰ کا کام کریں گے تو کیا حق تعالیٰ ان کو بھول جائیں گے۔

(التبلیغ۔ ص: ۱۶۸، امید و رحمت کے صحیح معنی)

علماء ہاتھ پھیلانے کی بدولت نظروں میں ذلیل ہو گئے اسی وجہ سے امراء اپنے بچوں کو عربی نہیں پڑھاتے اور بعض تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو اپنی اولاد کو گدا (فقیر) بنانا منظور نہیں۔

(التبلیغ نمبر ا، امید رحمت کے صحیح معنی)

کسی کا احسان نہ لادے

میرا جی یوں چاہتا ہے کہ کسی کا احسان نہ لیا جائے بات یہ ہے کہ جب آدمی لاگ لپیٹ رکھے گا تب ہی اس کو لچنا پڑتا ہے اور جب لاگ لپیٹ نہ ہو تو پھر لچنے کی کیا ضرورت ہے بلا ضرورت آدمی کو کسی کا احسان نہ لینا چاہیے ورنہ دینا ضرور پڑتا ہے۔ ہمارے اکابر کا یہی اصول رہا ہے کہ بات صاف رکھے چھوٹا ہو یا بڑا کسی کا احسان بلا وجہ نہ لیتے۔ (حسن العزیز۔ ص: ۲/۷۱۶)

اہل علم کو استغناء کی ضرورت

وہ دنیا کو لے کر تم سے مستغنی ہو گئے تم دین لے کر ان سے مستغنی ہو جاؤ میں خدا کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم دنیا سے مستغنی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ ان کی غیب سے مدد کریں اور بلکہ خود یہی اہل دنیا جو

آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگیں گے اور ان کے محتاج ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے جس طرح اپنی ضروریات کے لیے کم وبیش دنیا کی ضرورت ہے دین کی اس سے زیادہ ضرورت ہے خواہ عالم ہو یا جاہل رئیس ہو یا غریب اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے پاس بقدر ضرورت دنیا موجود ہے اور اہل دنیا کے پاس دین کچھ بھی نہیں تو ان کو ہر امر میں موت میں حیات میں نماز میں روزے میں سب میں علماء کی احتیاج ہوگی۔ اور اگر کوئی کہے کہ مجھے دین کی ضرورت نہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں غرض ایک ایسا وقت آئے گا کہ اہل دنیا خود علماء کے پاس آئیں گے پس علماء کو بالکل استغناء کرنا چاہیے اور خدا تعالیٰ کے دین میں مشغول ہونا چاہئے ہم لوگوں میں بڑی کمی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتے اگر خدا تعالیٰ سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پرواہ نہ رہے...... بعض عالموں نے اپنا طرز عمل ایسا کر دیا کہ اہل دنیا کو ان کی بدولت خود علم سے نفرت ہوگئی یعنی بعض علماء نے امراء سے ملنا اور اختلاط کرنا اس قدر بڑھا دیا اور اس کی وجہ سے ان امراء کی ہاں میں ہاں ملانے لگے کہ ان کو دیکھ کر اہل دنیا نے سمجھا کہ سب عالم ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۴۷/۵)

علم کے لیے استغناء کیوں لازم ہے

کیونکہ علم کمال ہے اور کمال کا خاصہ ہے استغناء، دیکھئے بڑھئی لوہار جب اپنے فن کے کامل ہو جاتے ہیں تو کیسے مستغنی ہو جاتے ہیں تو کیا علم ان ذلیل کاموں کے برابر بھی اثر نہیں رکھتا، ضرور رکھتا ہے اور بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ جس میں استغناء نہیں اس کے کمال ہی میں کمی ہے...... جن لوگوں کو آپ عالم کہتے ہیں یہ واعظ ہیں جنہوں نے چند اردو فارسی کے رسالے یاد کر لیے ہیں (یا مدرسہ میں خانہ پری کر کے وقت گزار دیا ہے) ان کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی یہ لوگ اپنے کو علماء کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۴۹/۵)

ریاکاری اور دکھلانے کے لیے استغناء ہو تو فائدہ اور ثواب سے خالی نہیں

فرمایا مالداروں سے علماء صلحاء کا اظہار استغناء دین کی اہم ضرورت ہے اس کے نہ ہونے کے سبب عام لوگوں میں نہ علماء کی بات کا کوئی اثر رہتا ہے نہ وہ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنا محتاج سمجھتے ہیں اس لیے اگر کسی شخص کے دل میں اخلاص نہ ہو محض دکھلاوے اور ریا کی وجہ سے اگر چہ اس کو عمل کا ثواب نہ ملے گا لیکن یہ عمل سبب اور ذریعہ ہوگا اعزاز دین کا اس کا ثواب اس کو پھر بھی ملے گا کیونکہ کسی عمل صالح کا تسبب اگر بلانیت یا نیت فاسدہ سے بھی ہو تو تسبب کا ثواب ضائع نہیں ہوتا وہ پھر بھی ملتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کوئی درخت پھلدار لگایا اور پھر اس کا پھل جانوروں نے کھایا تو اس کا ثواب بھی درخت لگانے والے کو ملے گا حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ درخت لگانے کے وقت اس کی یہ نیت نہ تھی

کہ جانور اس کا پھل کھائیں گے بلکہ اس کے خلاف کی نیت کی تھی کہ جانور پھل کھانے آئے گا تو اس کو مار بھگائے گا۔ مگر چونکہ یہ شخص جانوروں کے فائدہ کا سبب بہر حال بن گیا تو اس کو اس کا ثواب ملتا ہے اسی طرح ریاکاری سے استغناء کرنے والے کو بھی اعزاز دین کا ثواب بطور تسبب کے ملے گا۔

(مجالس حکیم الامت۔ص:۳۱۵)

فصل ۲

اہل علم کی شان

اہل علم کی شان تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی فاقہ مستی پر نازاں اور خوش ہوں اور کسی اہل دنیا کی طرف ہاتھ نہ پھیلائیں بلکہ منہ بھی نہ لگائیں اہل علم کو تو دنیا اور دنیا والوں پر نظر بھی نہ کرنا چاہیے۔

(الافاضات۔ص:۲/۸۰)

عوام کے تابع بن کر نہ رہنا چاہیے

علماء کو عوام اور جہلاء کے تابع بن کر نہیں رہنا چاہیے اس سے دین کی عظمت واحترام ان لوگوں کے قلوب سے نکل جانے کا اندیشہ ہے آج جو عوام کی ہمت اور جرأت بڑھ گئی ہے کہ وہ اہل علم کو حقیر سمجھتے ہیں اس کا سبب یہ اہل علم ہی ہوتے ہیں یہ سب علماء کے ڈھیلے پن ہونے کی بدولت ہے۔

(القول الجلیل۔ص:۸۳)

علماء کو دعوتوں میں شریک نہ ہونا چاہیے

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ فقہاء وعلماء کسی کی دعوت نہ کھائیں اس کا راز یہ ہے کہ آج کل اس میں ذلت ہے واقعی یہ حضرات فقہاء حقیقت کو سمجھتے ہیں، فقہاء وعلماء کو کسی کی شہادت بھی نہ دینی چاہیے اس کا راز یہ ہے کہ ان کو سب مسلمانوں سے یکساں تعلق رکھنا چاہیے اور شہادت میں ایک فریق شمار کیا جائے گا۔

(الافاضات۔ص:۲/۱۱۴)

علماء کو ضروری تنبیہ

فرمایا کہ علماء کو اموال کے لینے میں بہت احتیاط کرنا چاہیے۔ آج کل اس کی پرواہ نہیں کی جاتی اس بات میں بہت تسامح ہے اس کا ضرر بہت زیادہ ہے دین کی سخت بے وقعتی اور ذلت ہوتی ہے امراء کی طرف اگر خود التفات کیا جائے خواہ کیسے ہی خلوص سے ہو لیکن ان کو پھر بھی گمان ہوتا ہے کہ ان کی کچھ غرض ہے برخلاف غرباء کے ان سے ذرا شیریں کلام کیا جائے تو پانی پانی ہو جاتے ہیں۔

دین کی وقعت محفوظ رکھنے کے لیے میں امراء سے از خود کبھی تعلق پیدا نہیں کرتا ہاں وہ خود ہی تعلق پیدا

کرنا چاہیں تو انکار بھی نہیں کرتا حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب امیر تمہارے پاس دین کی وجہ سے آیا تو وہ امیر نہیں وہ نعم الامیر ہو گیا۔ دنیادار سمجھ کر ہرگز اس سے بے التفاتی نہیں کرنا چاہیے۔

(حسن العزیز۔ص:۲۶۲/۱)

فرمایا علما کو بحیثیت امارت امراء سے خود ان کے پاس جا کر نہ ملنا چاہیے البتہ اگر ان سے کوئی دوسرا تعلق ہو مثلاً کسی امیر سے پہلے سے دوستی ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ (القول الجلیل۔ص:۸۳)

امراء سے چاپلوسی اور مخالطت کی مذمت اور اس کا انجام

زیادہ تر گنجائشیں امراء کے واسطے نکالی جاتی ہیں۔ اسی واسطے حدیث میں بڑی مذمت آئی ہے اس عالم کی جو امراء میں گھسا رہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسائل کے اظہار سے تساہل ہو جاتا ہے جہاں پلاؤ قورے اور عمدہ مال کھانے کو ملے تو وہاں کیا پرواہ ہو سکتی ہے دین کی۔ وہاں تو یہ ڈر ہوگا کہ اگر حق بات کہیں گے تو پلاؤ قورے جاتے رہیں گے ایسی جگہ امید نہیں کہ صاف بات کہیں بلکہ کیفیت یہ ہوگی کہ اگر امراء ناجائز فعل پوچھیں گے تو تاویل کر کے جائز بتلا دیں گے چنانچہ امراء کے یہاں شطرنج کا مشغلہ عموماً ہوتا ہے اب جو ان کے یہاں حاضر باش علماء ہیں وہ تاویل کر کے جائز بتلا دیتے ہیں مثلاً یہی کہہ دیتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے اور ان کے نزدیک بھی جو شرطیں ہیں ان کا نام تک نہیں لیتے سو امراء کی مخالطت سے یہ حالت ہو جاتی ہے اس واسطے حدیث میں آتا ہے۔ "العلماء امناء الدین مالم یخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فهم لصوص الدین فاحذروهم." یعنی علماء دین کے امین ہیں جب تک کہ وہ امراء سے مخالطت نہ کریں اور جب امراء میں گھسنے لگیں تو وہ دین کے ڈاکو ہیں۔ ان سے لوگوں کو بچنا چاہیے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جو علماء امیروں سے مخالطت رکھتے ہیں ان کی کیسی خراب حالت ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ طبائع میں عموماً طمع (لالچ) غالب ہے اس لیے امراء سے جب مخالطت ہوتی ہے تو اظہار حق سے طمع مانع ہو جاتی ہے تو یہ ساری خرابی طمع کی ہے اور علماء کو اس سے دنیوی ضرر بھی پہنچتا ہے کہ ان کی عظمت امراء کے قلب میں بالکل نہیں رہتی، دل میں وہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہماری خاطر ایسا فتویٰ دے رہے ہیں بس وہ ایک آڑ بنا لیتے ہیں ان کو ورنہ حقیقت وہ بھی جانتے ہیں سو جب یہ حالت ہے تو پھر ان علماء سے کیا امید ہے اصلاح کی۔ (التبلیغ۔ص:۱۵)

اہل دنیا خصوصاً اہل مال دین اور اہل علم کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں اس لیے اہل علم کو ہرگز ان کی چاپلوسی نہیں کرنی چاہیے منہ بھی نہ لگانا چاہیے اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت۔ص:۲/۹ قسط نمبر۱)

امراء سے اختلاط ذلت کا باعث ہے

بعضے علماء اس لیے امراء سے ملتے ہیں کہ لوگوں میں عزت وقعت بڑھے گی حالانکہ عام مسلمان اس کو

اہل علم کے لیے عیب سمجھتے ہیں۔ واقع میں بھی علماء کی عزت وشان کے یہی مناسب ہے کہ دین کی خدمت کریں امراء سے مستغنی رہیں، غرباء کے ساتھ خوش خلقی کریں اور امراء کی نظر میں تو اس سے اچھی خاصی ذلت ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ خوشامد کے لیے ہیں اور ایک اثر امراء وغرباء دونوں پر ایسا ہوتا ہے کہ تحقیق دین اور فتویٰ کے باب میں اعتبار اٹھ جاتا ہے ان کے وعظ فتویٰ اور تقریر پر وثوق نہیں رہتا خیال ہوتا ہے کہ شاید دنیاداروں کی خوشامد میں ایسا کرتے ہیں۔

بعضے علماء امراء واہل اموال سے اختلاط اس غرض سے رکھتے ہیں کہ ان سے وقتاً فوقتاً کچھ حاصل ہوتا رہے اس میں گاہے یہاں تک نوبت آئی ہے کہ ان کی غرض سے مسئلہ بتادیتے یا بنالیتے ہیں جس سے سردست خوش خوش ہوجاتے ہیں لیکن بہت جلد ہی ایسے علماء ان کی نظر سے گر جاتے ہیں اور پھر وہ ان تمام علماء پر قیاس کرکے پوری جماعت سے متنفر ہوجاتے ہیں۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ۔ص:۴۹۔۵۲)

امراء کی چاپلوسی کے متعلق ایک مولوی صاحب کو تنبیہ

ایک نئے آدمی کلکتہ سے دیو بند اور دیو بند سے ایک مولوی صاحب کو ہمراہ لے کر تھانہ بھون حاضر ہوئے مولوی صاحب موصوف نے ان صاحب کی غیوبت میں حضرت والا سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ یہ مالداری کے اعتبار سے بہت بڑے شخص ہیں کلکتہ میں مسلمانوں کے اندر ان کی ایک ممتاز ہستی ہے...... حضرت والا سے بعض ضروری باتوں کے متعلق بغرض مشورہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اگر حضرت والا اجازت فرمائیں اور کوئی وقت متعین فرمادیں تو میں ان سے کہہ دوں حضرت نے فرمایا ان سے جب گفتگو ہوگی ان کو مشورہ دیا ہی جائے گا مگر ان سے پہلے خیر خواہی کی غرض سے آپ کو مشورہ دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو ان کے ساتھ آنے کی کون سی ضرورت تھی جب کلکتہ سے دیو بند تک خود آگئے، تھانہ بھون آنا کون سا مشکل تھا میں اہل علم کے لیے ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا یہ اہل دنیا خصوصاً مال والے اہل علم اور اہل دین کو حقیر نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے اہل علم کو ہرگز ان کی چاپلوسی نہیں کرنی چاہیے منہ بھی نہیں لگانا چاہیے۔

اب آپ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مجھ کو ان کی بھی بعض رعایتیں کرنی پڑیں گی آپ ساتھ نہ ہوتے تو جو وقت کی مصلحت اور ضرورت سمجھتا وہ ان کے ساتھ برتاؤ کرتا آئندہ ایسی باتوں کا آپ کو خیال رکھنا چاہیے میں جو آپ کو مشورہ دے رہا ہوں اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے عرض کیا کہ میں سمجھ چکا ہوں ان شاء اللہ آئندہ ایسا کبھی نہ ہوگا، میری کم فہمی اور غلطی کو معاف فرمائیں۔ فرمایا خدا نہ کرے آپ کم فہم ہوں نہ میرا یہ مطلب ہے بلکہ بے فکری اس کا سبب ہے اگر کسی کام کے کرنے سے پہلے اس میں غور وفکر کرلیا جائے تو غلطیوں کا صادر ہونا گو پھر بھی ممکن ہے مگر شاذ ونادر اور بغیر غور وفکر بکثرت غلطیوں کا صدور ہوتا ہے۔ (الافاضات۔ص:۲/۸)

امراء سے ملنے میں مداہنت پیدا ہو جاتی ہے

جس سے علماء کے اندر مداہنت پیدا ہو جاتی ہے اور صحبت کی ترقی سے اس میں ترقی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ قلب سے اس کا اثر زبان پر آتا ہے یعنی پہلے قلب میں حق کی عظمت اور باطل سے نفرت کم ہو جاتی ہے پھر زبان سے اظہار حق کی ہمت گھٹتی ہے پھر باطل کا اظہار خفیف معلوم ہونے لگتا ہے پھر اس کا صدور ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ ان امراء کو اس کا احساس ہو کر اتنا حوصلہ ہو جاتا ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں کے موافق ان علماء سے توجیہات کی فرمائش کرنے لگتے ہیں اور یہ ان کو پورا کرنے لگتے ہیں۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ۔ ص:۲/۵۲)

اس مقام پر آ کر ان کا قلب مسخ ہو جاتا ہے اور حق بینی کی استعداد ہی ضائع ہو جاتی ہے پھر ان کی اصلاح کی کوئی توقع نہیں رہتی اور امت محمدیہ کے لیے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہو جاتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اگر شیطان فارغ ہو بیٹھے تو بھی بعید نہیں میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے ہی طالب دنیا کو دیکھا ہے کہ ایک ہزار روپیہ لے کر اور ایک ترکیب تراش حقیقی ساس کے ساتھ حلت نکاح کا فتویٰ لکھ دیا حدیث میں اسی طرح کے مسخ قلب کا ذکر ہے لیکن یہ سب خرابیاں اسی وقت ہیں جب امراء کو مطلوب بنا کر لے جائیں اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض وہ علماء ہیں جو امراء سے ملتے ہیں۔ (تجدید تعلیم۔ ص:۵۳)

امراء سے اختلاط کی صورت اور اس کی شرائط

البتہ اگر امراء طالب ہو کر حاضر ہوں یا کسی ضرورت سے خود علماء کو مدعو کریں تو اس معاہدہ کے بعد کہ ہم آزادی سے جو چاہیں. گے اور نذرانہ وغیرہ قبول نہ کریں گے تو ایسی مخالطت دین کی محافظت ہے کیونکہ اگر علماء اس طرح بھی ان سے نہ ملیں گے تو ان کو دین کیونکر پہنچے گا۔ مگر اس طرح کا اختلاط فرض عین نہیں کہ سب پر ضروری ہو فرض کفایہ ہے اور اس کے لیے ایسا شخص موزوں ہے جو قوی القلب اور غنی النفس ہو ورنہ ضعیف کے لیے سلامتی اسی میں ہے کہ امراء سے بالکل نہ ملے، تبلیغ کے لیے دوسرے لوگ یا رسائل اور کتابیں کافی ہیں۔ (تجدید۔ ص:۵۴)

اگر اس اختلاط سے امراء کی اصلاح ہو کہ ان کو احکام دینیہ بتائے جائیں خصوصاً جبکہ وہ خواہش کریں اور ان کو حاضر ہونے کی مہلت نہ ہو تو ایسا اختلاط نہ مضر ہے نہ موجب ذلت مگر جب قرائن یا شرائط سے یہ معلوم ہو کہ آزادی کے ساتھ حق ظاہر کیا جا سکے گا۔ اور ایسی حالت میں اگر وہ کچھ خدمت کریں تو لینے میں کچھ مضائقہ نہیں مگر احقر کا مشورہ یہی ہے کہ ہرگز قبول نہ کرے بلکہ جانے سے قبل شرط کر لے کہ لینے دینے کا کچھ قصہ نہ ہو گا اس صورت میں امراء کا حوصلہ نہیں ہوتا کہ علماء کو اپنا تابع بنانے کا وسوسہ بھی لائیں بلکہ انہی کو تابع ہونا پڑتا ہے۔ اور اگر خود امراء آئیں تو یہ اختلاط منع نہیں عین مطلوب ہے ان سے بے رخی نہ کرے اخلاق سے پیش آئے۔ مگر استغناء کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دے۔ (تجدید۔ ص:۵۰)

امراء سے تعلق رکھنے کی ممانعت نہیں تملق کی ممانعت ہے

فرمایا میں امراء سے تعلق رکھنے کی ممانعت نہیں کرتا تملق (چاپلوسی) کو منع کرتا ہوں علماء کو خصوصیت کے ساتھ اس سے اجتناب کی ضرورت ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ دین اور اہل دین کی تحقیر نہ ہو۔

(افاضات الیومیہ۔ص:۲۱۶/۶)

امراء وحکام سے بوقت ملاقات ان کا ادب ضروری ہے

میں تو خود حکام سے میل جول بڑھانے کا مخالف ہوں خصوصاً علماء کے لیے یہ ان کی وضع کے بالکل خلاف ہے علماء کو تو گوشہ نشین ہونا چاہیے لیکن اگر ملنا ہو یا کوئی کام پڑ جائے تو ادب کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور بے ادبی اور منہ زوری کو شرارت نفس سمجھتا ہوں ترک ادب کوئی کام کی بات نہیں بلکہ اس میں شرارت نفس یعنی شیخی ہے کہ ہم ایسے ہیں کہ حاکم سے بھی نہیں دبتے نہ دبنا کیا چیز یعنی جب اس کو خدا تعالیٰ نے حاکم بنایا ہے یوں نہ دبو گے تو دبائے جاؤ گے۔ (حسن العزیز۔ص:۱۹۱/۴)

تحقیر جائز نہیں

امراء سے اجتناب کرنے میں ان کو حقیر اور اپنے کو مقدس نہ سمجھے بلکہ ان کو مبتلا دنیا و جہل سمجھ کر رحم اور دعا کرے اور اپنے کو ضعف دین کا مریض جان کر اجتناب کو ایسا سمجھے جیسا کمزور طبیعت والے کو جس میں تاثر کا مادہ زیادہ ہو اس کو متعدی مرض کے مریض سے بچاتے ہیں اور ساتھ ہی غصہ بھی نہیں کرتے بلکہ رحم کھاتے ہیں۔

بعضے دنیاداروں کو دھتکار دیتے ہیں سخت سست کہتے ہیں حتی کہ بعضے پہرا بٹھا دیتے ہیں اگرچہ یہ لوگ متکبر کا پورا علاج کرتے ہیں لیکن یہ تکوینی علاج ہے تشریعی نہیں اور ایسا برتاؤ یا اخلاق شرع کے بالکل خلاف ہے پھر بعضے ایسے بھی ہیں کہ ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے امراء میں شہرت ہوتی ہے لوگ بڑا بزرگ سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کو ریاکار کہنا زیادہ زیبا ہے اور بعض لوگ واقع میں اپنے کو مقدس اور دوسروں کو گناہ گار سمجھتے ہیں اس لیے ان سے نفرت کرتے ہیں ایسوں کو متکبر کہنا بجا ہے۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ۔ص:۵۴،۵۵)

فصل ۳

طلبہ کو استغناء کی تعلیم

فرمایا آج ایک صاحب نے کہا کہ جو کام طالب علموں کے متعلق ہو تو مجھے اطلاع دے دی جایا کرے حضرت نے فرمایا کہ طالب علموں کا کام خدا کے فضل و کرم سے چل ہی جاتا ہے دوسرے موقع پر

فرمایا کہ خدا نہ کرے جو طالب علموں کی حاجت ان کے سامنے پیش کی جائے شرم آتی ہے طالب علموں کی بابت کسی سے کہتے ہوئے، یوں دل چاہتا ہے کہ طالب علم بادشاہ بن کر رہیں تاکہ ان میں استغناء کی شان پیدا ہو دوسرے لوگ بھی اس استغناء کو دیکھ کر سبق حاصل کریں۔ (حسن العزیز۔ص:۲/۲۱۲)

طلبہ کو ذلت اور بدنامی سے بچانے کا اہتمام

فرمایا ایک مرتبہ کانپور میں سب طالب علم ایک جگہ دعوت میں جا رہے تھے میں نے خود اپنے کانوں سے بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ خدا خیر کرے دیکھئے کس کے گھر چڑھائی ہوئی ہے فرمایا کہ بس جب ہی سے یہ سن کر طالب علموں کا کسی کے مکان پر دعوت کھانے کے لیے جانا بالکل بند کر دیا۔

(حسن العزیز۔ص:۲/۲۳)

طلباء کو گھروں میں کھانا لینے یا دعوت کھانے جانا

اکثر جگہ جہاں طلبہ کو لوگ ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں طلبہ کے لیے معیوب ہے کہ کسی کے گھر پر کھانا لینے جائیں اس میں علم اور اہل علم کی سخت تحقیر واہانت ہے نیز اس میں ایک اخلاقی خرابی ہے وہ یہ کہ دوسرے سے مانگنے میں انقباض طبعی یعنی جھجک نہیں رہتی، دل کھل جاتا ہے اور یہی انقباض طبعی حیاء کی ایک بڑی فرد ہے جو انسان کو ذلت کے سوال سے روکتی ہے جب وہ نہ رہی تو اس شخص کو جب موقع ہوگا بے تکلف لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا گویا عمر بھر کے لیے اس کا ایک فطری کمال برباد ہوگیا۔اسی طرح دعوت میں بھی طلبہ کو نہ بھیجا جائے جس شخص کو کھانا کھلانا ہو مدرسہ میں لا کر کھلائے اس سے ان کی عزت بھی محفوظ رہے گی اور خود ان میں بھی ایک شان استغناء واولوالعزمی وحیاء پیدا ہوگی جس کا اثر لوگوں پر اچھا ہوگا پہلے بزرگوں نے طلبہ کے لیے اس کو گوارا رکھا ہے لیکن اس وقت دنیا دار اہل علم کو ذلیل نہ سمجھتے تھے بلکہ وہ لوگ ان حضرات طلبہ کے آنے کو اپنے گھر کے لیے موجب برکت سمجھتے تھے......اور اب عوام کے حالات خیالات اکثر بدل گئے اس لیے یہ مفسدہ حادث ہوگیا اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس امر میں مفسدہ و مصلحت دونوں ہوں وہ واجب الترک ہوتا ہے البتہ اگر کوئی ایسا مقام ہو جہاں یہ مفسدہ تحقیر کا نہ ہو مستثنیٰ ہے۔

(حقوق العلم۔ص:۸۹)

اور اسی کی فرع ہے طلبہ کے لیے فراہمی چندہ کے لیے سفر کرنا اس کے بھی وہی آثار ہیں جو گھروں پر کھانا لینے جانے کے ہیں۔

طلبہ کی دعوت اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

طالب علموں کو میں کسی کے یہاں جانے نہیں دیتا اگر کوئی دعوت کرتا ہے تو اگر کھانا یہیں پہنچا

دے تو لے لیا جاتا ہے ورنہ دروازہ پر جا کر کھانے میں طالب علموں کی ذلت ہوتی ہے اگر عزت کے ساتھ خود کھانا یہاں بھیج دیا جاتا ہے لوگوں کو طلبہ سے محبت نہیں ہے صرف اس نیت سے طلبہ کو ایسے موقعوں پر کھلاتے ہیں کہ کوئی الا بلا ہو تو دور ہو جائے وجہ یہی ہے کہ ان کو فضول اور بیکار سمجھا گیا ہے سو ہمارے یہاں کے طلبہ گو غریب ہیں لیکن ایسے گرے پڑے نہیں، یہی وجہ ہے کہ میں نے یہاں قانون مقرر کیا ہے کہ کسی کے دروازہ پر طالب علم کھانے نہیں جائیں گے جسے کھلانا ہو کھانا بھیج دے قانون مقرر کرنا اس لیے ہوا کہ لوگ طالب علموں کو ذلیل سمجھتے ہیں یہی باتیں افسوس کے قابل ہیں طالب علموں نے کیا قصور کیا ہے یہ لوگ نائب رسول ﷺ ہیں کیا رسول اللہ ﷺ کی یہی قدر ہوتی ہے؟ جب رسول اللہ ﷺ کی قدر نہیں تو نائب کی یہ قدر ہے لوگ انہیں حقیر سمجھتے ہیں ہم بادشاہ سمجھتے ہیں آخر انہوں نے کیا جرم کیا ہے۔ یہ لوگ وہ کام کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا اس کا یہی انعام اور قدر ہے کہ ان کو ذلیل سمجھا جائے۔ مجھے واللہ بڑی غیرت آتی ہے۔

آپ ہی انصاف کیجئے یہ وقت دعوت کا اور کیا کھانے کے وقت دعوت کو کہا کرتے ہیں یہ ان کے ذلیل سمجھنے کی نشانی ہے بس یہ سمجھا گیا کہ غریب ہیں جس وقت کہا جائے گا فوراً آمادہ ہو جائیں گے زیادہ افسوس یہ ہے کہ بعض اہل علم نے بھی اپنی قدر اپنے ہاتھوں سے ضائع کر رکھی ہے میرٹھ میں ایسا ناگوار قصہ ہوا کہ ایک رئیس نے طلبہ کی دعوت کی طلبہ کی تعداد معین کر دی لیکن عدد سے زیادہ جا پہنچے دیکھئے جب ہم اپنے ہاتھوں ذلیل ہوں گے تو لوگ کیوں نہ ذلیل سمجھیں گے وہ لکھے پڑھے رئیس تھے مگر کم ہمتی کی باضابطہ پابندی کی انہوں نے زیادہ دیکھ کر سب طلبہ کو واپس کر دیا خیر اچھا کیا اپنی حرکت کی سزا بھگتی بعد میں لوگوں نے رئیس کو ملامت کی کہ تم نے یہ کیا کیا اس نے پھر آدمی بلانے کے لیے بھیجا، بے شرمی دیکھئے کہ وہ لوگ پھر آگئے ڈوب مرنے کی بات ہے عزت سے روکھی روٹی کھانا اس سے اچھا ہے کہ بریانی اور تنجن کھائیں مگر ذلت ہو۔ (حسن العزیز۔ ص:۵۷۵ ج۲)

یہاں تک انتظام کیا ہے کہ طلبہ کی دعوت بھی جس میں کسی کے گھر جانا پڑے قبول نہیں کی جاتی اگرچہ دعوت کا کھانا لینا بھیک نہیں مگر چونکہ آج کل طلبہ کی دعوت اکثر لوگ ان کو ذلیل سمجھ کر کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس کو بھی قبول نہیں کیا اور میں دینے والوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ اگر وہ طلبہ کو کچھ دیں تو عزت کے ساتھ دینا چاہیے۔ وہ آپ کے مہمان ہیں دیکھئے اگر آپ کا کوئی مہمان مسجد میں آکر ٹھہرے اور کھانے کے وقت گھر جانے سے انکار کر دے تو آپ کیا کریں گے آیا اس مہمان سے کہیں گے کہ دروازہ پر جا کر کھانا لے آؤ یا مسجد میں جا کر خود اس کو کھانا دیں گے؟ پھر طلبہ کے ساتھ یہ کیوں نہیں کیا جاتا۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۶)

اگر واقعی اکرام کے ساتھ طلبہ کی دعوت کی جائے تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں

میں نے مدرسہ کانپور میں ایک قانون مقرر کر دیا تھا کہ طلبہ دعوت کھانے کہیں نہیں جائیں گے جس کو

کھلانا ہو یہیں لاکر کھلاجائے لوگ کہتے ہیں کہ بڑے متکبر ہیں اچھا صاحب متکبر ہی سہی کیا کیا جائے جب لو گ طلبہ کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ (تو ایسا کرنا ہی پڑتا ہے)

ہاں اگر کوئی اکرام کرے تو وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں مگر اب تو کچھ پوچھو نہیں کہ لوگ کیسا سمجھتے ہیں (لیکن پھر بھی) اگر کہیں عزت ہوتی ہو اور اہانت نہ ہوتی ہو تو جاؤ کچھ حرج نہیں بلکہ وہاں نہ جانا تو ایک قسم کا تکبر ہے۔ (دعوت تبلیغ وعظ وشبیر۔ص:۳۷)

اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں بھی طلبہ کو دعوت میں نہ بھیجا جائے

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت آج میرے گھر طلبہ کی دعوت ہے ان کو بھیج دیجئے فرمایا یہ کہیں نہیں جاتے اگر تم کو کھلانا ہوتا تو یہیں لے آتے اور میں ان کو کسی کے گھر نہیں جانے دیتا خود میرے بھائی کے یہاں شادی تھی اور انہوں نے گھر بلا کر کھلانے کو کہا مگر میں نے اجازت نہیں دی حالانکہ ماشاء اللہ عقلمند ہیں بہت تعظیم سے کھلاتے ہیں مگر میں نے بھائی سے کہا کہ اگر آج تمہارے گھر جائیں گے تو کل دوسرا شخص بھی تقاضہ کرے گا وہ شخص کچھ دیر بعد بولا کہ اچھا میں یہاں لے آؤں (حضرت نے) ایک شخص سے فرمایا کہ ان کو سمجھا دو کہ تم مجبوری سے کہہ رہے ہو ورنہ جی تمہارا یہی چاہتا ہے کہ گھر چلیں اور جس دعوت میں مجبوری ہو وہ بھی قبول نہیں کی جاتی رمضان کے بعد اگر تم نے اسی طریقہ سے کہا تو منظور کرلیں گے۔

طلبہ کو لوگ ذلیل سمجھتے ہیں اس واسطے میں ان کو کسی کے گھر نہیں جانے دیتا مگر معلوم نہیں ان میں اس کے علاوہ کیا عیب ہے کہ یہ اللہ کی راہ میں لگ رہے ہیں۔ ''وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا''۔

(کلمۃ الحق۔ص:۴۰)

شروع شروع میں یہاں کے قصبہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم طلبہ کو کھانا دیں گے میں نے کہا جیسے مہمانوں کے پاس سینی بھیجتے ہو اگر اسی طرح یہاں لاکر دینا منظور ہو تو بہتر ہے ورنہ منظور نہیں چونکہ درخواست ان کی طرف سے تھی اس واسطے ہم کو شرط لگانے کا حق تھا اور اگر درخواست ہماری طرف سے ہوتی تو ان کو شرط لگانے کا حق تھا۔ (کلمۃ الحق۔ص:۴۵)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استغناء

ہارون رشید نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی تھی کہ شہزادوں کو حدیث شریف پڑھا جایا کیجئے انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی کے خاندان سے علم دین کی عزت ہوئی ہے اور آپ ہی بے عزتی کرتے ہیں ہارون نے کہا کہ اچھا شہزادے وہاں ہی حاضر ہوں گے مگر اس وقت عام رعایا الگ کردیئے جایا کریں۔ ہارون رشید کو یہ خیال ہوا کہ اگر شہزادے سب سے الگ پڑھیں گے تو ان کا رعب باقی رہے گا اس لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ شہزادوں کے ساتھ کسی کو نہ بٹھائیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا کہ یہ بھی نہیں ہوسکتا غرض بالآخر شہزادے ہی حاضر ہوا کرتے اور حدیث شریف سنا کرتے تو اس وقت بادشاہ ایسے تھے کہ ایک عالم نے ٹکا سا جواب دے دیا اور اس کو بادشاہ نے قبول کرلیا اس وقت بھی علماء کو چاہیے کہ اپنے کو ذلیل نہ کریں لیکن بہت زیادہ اجتناب بھی نہ کریں کہ اس میں اہل دنیا بالکل ہی محروم رہیں گے یعنی اگر کوئی شخص انتفاع دین کے لیے اہل علم کو قدر کے ساتھ بلائے تو چلا جانا مناسب ہے۔

(دعوات عبدیت ضرورۃ العلماء۔ ص:۶۷/۱۱)

حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا استغناء

حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ پیر پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے کہ بادشاہ مع وزیر کے آیا بادشاہ کو دیکھ کر آپ اسی طرح بیٹھے رہے وزیر کو آپ کا یہ انداز گراں گزرا، اس نے کہا کہ حضرت پیر پھیلا کر بیٹھنا کب سے سیکھ لیا، فرمایا کہ جب سے ہاتھ سمیٹ لیا ہے اس کے بعد وزیر نے کہا کہ بادشاہ اولی الامر میں داخل ہے اس کی تعظیم آپ کو کرنی چاہیے فرمایا تمہارے اولی الامر میں داخل ہوگا میرے تو غلام کا غلام ہے وزیر نے کہا کہ حضرت یہ کیسے؟ فرمایا کہ خواہشات نفس میرے غلام ہیں اور بادشاہ خواہشات نفس کا غلام ہے لہٰذا میرے غلام کا غلام ہوا۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۸۳/۱۰)

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب آپ لکھنؤ تشریف لائے تو ایک شہزادہ خدمت میں حاضر ہوا اور زمین بوس سلام کیا آپ نے اس سلام کے جواب میں اس کو انگوٹھا دکھلا دیا آخر یہ کیا بات تھی آج تو اگر کوئی معمولی زمیندار مرید ہو جائے تو غنیمت سمجھا جاتا ہے بات یہی تھی کہ ان حضرات کے دل میں دنیا کی کوئی وقعت تھی نہ محبت۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۸۳/۱۰)

ایک بزرگ کا استغناء

ایک بزرگ کے پاس ایک بادشاہ گئے وہاں خدام کا پہرہ تھا بادشاہ نے اندر جانے کی اجازت چاہی خادم نے اجازت نہ دی اور کہا کہ شیخ سے دریافت کرلوں اگر وہاں سے اجازت ہوگئی تو اجازت دے دوں گا چنانچہ شیخ سے جا کر عرض کیا اور شیخ کے اجازت دینے پر بادشاہ کو اجازت دے دی بادشاہ کو چونکہ اس قسم کی روک ٹوک کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی اس لیے سخت ناگوار ہوا اور شیخ کے روبرو کہنے لگا۔

در درویش را درباں نباشد

اس کو سن کر شیخ نے اس کے تکبر کے مقابلہ میں نہایت بے باکانہ انداز سے فرمایا:

بباید تا سگ دنیا نیاید

اور وجہ اس بے پرواہی اور استغناء کی یہ ہوتی ہے کہ:

طمع بگسل و ہر چہ خواہی بگو

یعنی حرص اور لالچ چھوڑ کر پھر جو جی میں آئے کہو۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۰/۸۳)

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا استغناء

ایک دفعہ رام پور گئے نواب صاحب کو خبر ہوئی تو مولانا کو بلایا مگر مولانا نہیں گئے اور یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں آداب شاہی سے واقف نہیں خدا جانے کیا بے ادبی ہو جائے نواب صاحب نے کہلا کہ آپ کو آداب وغیرہ سب معاف ہیں آپ تشریف لائیے ہم کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے کہ ملنے کا اشتیاق تو آپ کو ہو اور آؤں، میں غرض نہ گئے باوجود ایسی آزادی کے، روڑکی میں مجسٹریٹ سے ملنے سے انکار نہ کیا کیونکہ اس سے ملنے میں دینی مصلحت تھی۔

(حسن العزیز۔ص:۴/۱۷۳)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا استغناء

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ڈیڑھ سو کا پوستین ایک جگہ سے آیا ایک نواب آپ کے یہاں آئے ہوئے تھے آپ نے ان کو دے دیا اور فرمایا کہ یہ میرے کام کا تو ہے نہیں اور آپ کے کام آجائے گا۔ مولانا اس طرح نہ رہتے تھے کہ کسی نواب یا امیر سے گردن نیچی کرنی پڑے بلکہ ایسا برتاؤ کرتے تھے کہ ان کو ہی گردن نیچی کرنی پڑتی تھی اور کبھی آپ لباس بھی عمدہ پہنتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نواب اور والی ملک ہیں ہزاروں روپیہ بھی نہ لیتے تھے اور ویسے روپیہ دو روپیہ بھی قبول فرما لیتے ایک بادشاہ نے ایک دفعہ شاید دس ہزار روپیہ بھیجے تھے آپ نے واپس کر دیئے اور فرمایا کہ ضرورت کے لائق میرے پاس روپیہ موجود ہے میں اس قدر روپیہ لے کر کیا کروں گا۔ سو امیروں کے ساتھ تو یہ برتاؤ تھا اور غریبوں سے ایک دو روپیہ بھی لے لیتے تھے۔ (التبلیغ۔ص:۱۵/۱۰۹)

صاحب ملفوظ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا استغناء

(۱)..........ایک رئیس نے میرے پاس دو سو روپے مدرسہ کے لیے بھیجے اور لکھا کہ میرا ارادہ ہے کہ آپ کو یہاں بلانے کی تحریک کروں۔ اگر یہ جملہ نہ ہوتا تو میں لے لیتا میں نے لکھ دیا کہ روپوں کے ساتھ بلانے کی درخواست کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روپے بھیجنے سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ میں ان سے متاثر ہو کر آپ کی درخواست منظور کر لوں اس لیے میں نے وہ روپے نہیں لیے، ڈاکخانہ میں جمع کر دیئے ہیں اگر آپ کے جواب سے یہ شبہ رفع ہو گیا تو لے لوں گا۔ ورنہ واپس کر دوں گا آخر ان کا خط آیا کہ مجھ سے بدتمیزی ہوئی آپ سے یہ درخواست نہیں کرتا میرا یوں جی چاہتا ہے کہ کسی کا احسان رکھ کر نہ لیا جائے۔

(التبلیغ۔ص:۱۵/۱۱۰)

(۲)..........ایک مرتبہ مجھے بھوسہ کی ضرورت تھی اور میرے بھائی کے یہاں بھوسہ تھا کیونکہ الحمد للہ وہ زمیندار ہیں میں نے ان کے یہاں سے بھوسہ تک بھی نہیں منگایا بعض لوگوں نے اس کی مصلحت پوچھی میں نے کہا کہ یہ انتظام کے بالکل خلاف ہے ان کا کام ملازموں کے ہاتھ رہتا ہے میری وجہ سے دو نقصان ہوں گے ایک تو ان کو خیانت کا موقع ملے گا دوسرے ان کو ان سے محاسبہ پر قدرت نہ ہوگی کیونکہ انہیں یہ بہت اچھا موقع ملے گا کہ آپ کے بھائی کے یہاں جایا کرتا ہے۔ (مزید المجید۔ص:۷۱)

(۳)..........میرے بھائی نے ایک دفعہ مجھ سے کہا آپ کی خدمت کے لیے کچھ مقرر کرنا چاہتا ہوں میں نے انکار کر دیا اس میں کئی مفسدے ہیں ایک تو یہ کہ مجھے ہمیشہ تاریخیں شمار کرنی پڑیں گی اور یہ خیال رہے گا کہ آج کل آئے اور دوسرے یہ کہ آپ نے اگر کوئی تنخواہ مقرر کر دی تو ممکن ہے کہ کبھی آپ کو ایسی ضرورت پیش آئے کہ اس میں خرچ کرنا ضروری ہو مثلاً کبھی ایسا موقع ہوا کہ جائیداد خریدنی ہو تو ایک حصہ تنخواہ کا میرے لیے نکال دیا تو اس وقت ممکن ہے کہ یہ خیال ہو کہ اتنے روپے وہاں نہ جاتے تو کام آسانی سے ہو جاتا بھائی نے کہا آپ آخر اوروں کی خدمت تو قبول کر لیتے ہیں میں نے کہا، بیشک مگر اتنا فرق ہے کہ مقرر نہیں ہوتی نہ مجھے انتظار ہوتا ہے نہ انہیں بار ہوتا ہے اس طرح آپ بھی دے دیا کیجئے میں ضرور لے لوں گا چنانچہ وہ کبھی مجھے بیس کبھی تیس کبھی پچاس روپے دیتے ہیں، میں لے لیتا ہوں۔

(مزید المجید۔ص:۷۱)

(۴)..........میاں مظہر جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی تھے اور ان کے پاس ایک سواری تھی کبھی کبھی میں بھی اس میں سوار ہوتا تھا مگر ان کو کرایہ دیا کرتا تھا اور میاں مظہر انکار کرتے تھے میں نے کہا کہ نہیں بھائی اس میں میرا بھی نقصان ہے اور تمہارا بھی۔ میرا تو یہ نقصان ہے کہ جب مجھے ضرورت ہوئی بے تکلف نہ منگا سکوں گا اور تم کو یہ ضرر ہوگا کہ اگر تمہیں بھی اس وقت ضرورت ہوئی تو خود یا تو کرایہ دے کر سواری کرو گے باوجود اپنی چیز کے ہوتے ہوئے کرایہ دینا بار ہوتا تو وہ بے دھڑک کہہ دیتے کہ کرایہ لاؤ اور لے جاؤ۔ فقط

باب نمبر۹

صیانۃ العلماء

﴿فصل ۱﴾

طلبہ وعلماء میدان میں کیوں نہیں آتے

فرمایا اب تو یہ حالت ہے اور اسی کی فکر ہے میدان میں آنا چاہیے میدان میں آنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حجرہ بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور میدان بھی ہاتھ نہیں آتا پھر ان لوگوں کے نزدیک میدان میں آنے نہ

کچھ شرائط ہیں نہ حدود ہیں یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ زبانوں پر یہ آتا ہے کہ مسائل کا وقت نہیں کام کا وقت ہے کام کرنا چاہیے۔ (الافاضات۔ص:۱۳۰/۱)

سخت افسوس ہے بعضوں کی تو یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ علمِ دین میں مشغول ہونے کو فضول او ربیکار سمجھتے ہیں، نہ معلوم یہ سبق کہاں سے حاصل کیا ہے۔ یورپ میں بھی تو یہ طریقہ نہیں وہاں بھی بعض اوقات اس قسم کی تحریکات ہوتی ہیں مگر جو جماعت علم کی تحصیل میں مشغول ہے اس کو ان تحریکات میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی، ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے جوش سے اول تو کام نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت۔ص:۱۵/۲)

اگر حدود سے گزر کر ترقی کی جائے تو وہ ایسی ہوگی جیسے فرعون نے ترقی کی تھی تو ایسی ترقی سے ایک مسلمان ایمان والے کو کیا فائدہ، ایسی ترقی مسلمانوں کی ترقی کہلانے کے قابل کب ہوگی یقیناً کفار کی ترقی کہلائے گی مسلمانوں کے لیے ایسی ترقی میں کون سی خوبی ہوگی ان کی خوبی تو اسی ترقی میں ہے کہ حدود کا تحفظ ہو اور پھر ترقی ہو یہ خوبی کی بات ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت۔ص:۱۴/۲)

بعض لوگ کہتے ہیں یہ حجروں میں رہنے اور بیٹھنے کا وقت نہیں میدان میں آنے کا وقت ہے مگر بے طریقہ کام کرنے سے حجرہ بھی ہاتھ سے جائے گا اور میدان بھی نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے اور حدود شرعیہ کے تحفظ کے بغیر اگر کامیابی ہو بھی گئی تو یہ خود ایک مسلمان کے لیے نہایت ناکامی ہے۔

میں میدان میں آنے کا مخالف نہیں

میں علماء کے میدان میں آنے کا من کل وجہ مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ سب کو میدان میں نکلنا جائز ہے۔ ہاں جب علماء علم دین کو اچھی طرح حاصل کرلیں تو جن کو میدان میں نکلنے کا شوق ہو وہ آئیں۔

مگر کچھ لوگ حجرہ نشین بھی ہونے چاہئیں جن کا کام سوائے قال اللّٰہ و قال الرسول اور سوائے کتابیں پڑھنے پڑھانے کے کچھ نہ ہو کیونکہ تجربہ ہے کہ کتابی استعداد اور فتویٰ دینے کی قابلیت بدوں اس کے کامل نہیں ہوتی جو علماء میدان میں آئے ہوتے ہیں ان میں اکثر تو وہ ہیں جن کی کتابی استعداد بالکل نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی کو یہ قابلیت حاصل ہے تو یہ حجرہ نشینی ہی کی برکت ہے کہ وہ ایک مدت تک حجرہ نشین ہوکر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا ہے مگر آپ اس حجرہ ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند روز میں قرآن وحدیث وفقہ کو سمجھنے والے اور ان کو صحیح طور پر حل کرنے والے دنیا سے ناپید ہوجائیں گے اگر اس کی ضرورت کو آپ محسوس کرتے ہیں اور یقیناً ہر شخص اس کی ضرورت کو تسلیم کرے گا تو ضروری ہے کہ سب علماء میدان میں نہ آئیں کچھ میدان میں آئیں کچھ مناظرہ کریں، کچھ تبلیغ کریں۔ (التبلیغ غایۃ النجاح۔ص:۷۰/۲)

اور ایک جماعت ایسی ہو کہ جو ان سب کاموں سے الگ رہ کر قرآن وحدیث وفقہ اور ضروریات کی تعلیم دیں۔ ان کو سوائے تعلیم وتعلم کے کچھ نہ کرنا چاہئے ورنہ قابل علماء ہرگز نہ پیدا ہوں گے، تقسیم خدمات بہت ضروری ہے اور تمام عقلاء اور متمدن اقوام اس کی ضرورت پر متفق ہیں پھر حیرت ہے کہ ہمارے بھائی اس کو نظر انداز کر کے سب کو ایک کام میں کیوں لگانا چاہتے ہیں بس یہ کہنا غلط ہے کہ علماء کام نہیں کرتے علماء کا جو کام جس کا انہوں نے بیڑہ اٹھایا ہے وہ اس کو بحمد اللہ بخوبی کر رہے ہیں آپ کو ان کے کام میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ (التبلیغ غایۃ النجاح۔ص:۱۲/۱۷)

علماء کا کام

میں نے بتلادیا کہ جو خدمت مولویوں کے ذمہ ہے یعنی قرآن وحدیث کے معانی کا حل کرنا، احکام شرعیہ بیان کرنا وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں علماء کا کام صرف یہی ہے کہ وہ قانون شرعی کے موافق آپ کو تدبیر اور جواز یا عدم جواز کا طریقہ بتلادیں اس سے زائد علماء کا کچھ کام نہیں اور بتلایئے اس کام سے علماء نے کب پہلوتہی کی ہے۔ (التبلیغ الحدود والقیود۔ص:۱۵/۲۴)

سب کو مل کر کام کرنے کا مطلب

بعض لوگ علماء کو یہ رائے دیتے ہیں کہ ان کو لیڈروں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے کیونکہ مل کر کام کرنے سے قوت ہوتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ انہوں نے مل کر کام کرنے کا مطلب ہی نہیں سمجھا سب کو مل کر کام کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ سب ایک ہی کام میں لگ جائیں یا ایک کا کام دوسرا کرنے لگے جیسے ایک مکان تیار کیا جائے اس کی تیاری کے لیے معمار کی بھی ضرورت ہے، بڑھئی کی بھی ضرورت ہے مزدور کی بھی ضرورت ہے اب بتلاؤ سب مل کر جو تعمیر کا کام کر رہے ہیں اس کا کیا طریقہ ہے؟ یہی کہو گے کہ معمار اینٹ لگائے بڑھئی آرہ چلائے مزدور گارا اینٹ پہنچائے اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سب مل کر اینٹ ہی لگانے لگیں یا سب کے سب آرہ ہی چلانے لگیں یا سب کے سب گارا پکڑنے لگیں کیا مکان تیار ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے نہیں۔ اسی طرح یہاں ہونا چاہیے کہ علماء الگ اپنا کام کریں اور لیڈر الگ اور پھر دونوں کام جمع ہو جائیں مل کر کام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تجربہ کا کام تو لیڈر کریں اور احکام بتلانے کا کام علماء کریں اس طرح ہر ہر شخص اپنے فرض منصبی کو انجام دے۔ (التبلیغ الحدود والقیود۔ص:۱۵/۲۴۲۔ الافاضات۔ص:۱/۱۳)

کام کی تقسیم

ہر قوم کے لیے تقسیم خدمات ضروری ہے اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا، تمام اہل تمدن اس کی ضرورت پر متفق ہیں چنانچہ جنگ میں فوج جاتی ہے فوجی افسر جاتے ہیں، منشی محرر کلکٹر اور جج وغیرہ نہیں جاتے پھر نہ

معلوم مولویوں کے ذمہ سارا کام کیوں رکھا جاتا ہے کہ وہ حدیث فقہ وتفسیر کا علم بھی حاصل کریں فتویٰ بھی دیں وعظ بھی کہیں درس وتدریس بھی کریں، مدرسے بھی قائم کریں، اور لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لے کر سیاسیات میں بھی شریک ہوں۔

ہم کو لیڈروں سے یہ شکایت نہیں کہ انہوں نے قومی سیاست کو اپنے ہاتھ میں کیوں لیا بلکہ شکایت اس کی ہے کہ وہ اس کام میں دخل دینے لگے جو مولویوں کا تھا۔ وہ یہ کہ لوگ احکام شرعیہ کا فیصلہ بھی اپنی رائے سے کرتے ہیں ان کو لازم تھا کہ یہ جو کچھ قومی ترقی کے طریقے سوچیں ان کو پہلے مولویوں کے سامنے پیش کر کے شرعی فتویٰ حاصل کرلیا کریں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز جب علماء فتویٰ دے دیں اس کے بعد ان سیاسی تدابیر پر عمل کیا جائے لیڈر علماء سے استفتاء کر کے کام کریں۔ تجربہ کا کام لیڈر کریں اور کام کرنے سے قبل علماء سے جائز ناجائز معلوم کرلیا کریں اور احکام بتلانے کا کام علماء کریں یہ نہیں کہ مولوی صاحب بھی لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لے کر پہنچ جائیں تقسیم خدمات بہت ضروری ہیں قومی ترقی کے اسباب ووسائل لیڈروں کو سوچنے چاہئیں اور ہر تدبیر کے جواز وعدم جواز کو اپنی رائے سے طے نہ کریں بلکہ علماء سے استفتاء کرلیا کریں ورنہ محض ترجمہ پڑھنے سے قرآن حل نہیں ہوسکتا۔ علماء کا کام مسائل بتانا ہے۔

(التبلیغ نمبر ۱۵، الحدود والقیود، الافاضات۔ص:۱/۱۴)

سیاست اور تحریکات میں طلبہ کی شرکت

میری رائے ہے کہ کسی تحریک میں بھی طالب علموں کو شرکت کی اجازت نہ ہونی چاہیے آئندہ کے لیے اس میں سخت مضرت ہے جو اس وقت محسوس نہیں ہو رہی آخر میں پوچھتا ہوں کہ پڑھنے پڑھانے میں جب کوئی مشغول نہ رہے گا تو پھر کام کرنے والی یہ علماء کی جماعت کہاں سے پیدا ہوگی تم سب کچھ علماء ہو، مقتداء ہو، پیشوا ہو، جو کرنا ہے تم ہی کرو مگر طلبہ کو تو اپنے کام میں لگا رہنے دو تاکہ آئندہ دین کے احکام بتلانے والی جماعت کا سلسلہ جاری رہے۔ کیا یہ خیال ہے کہ آئندہ دین کی ضرورت ہی نہیں رہے گی جیسا کہ کہتے ہیں کہ مسائل کا وقت نہیں کام کا وقت ہے کوئی ان حضرات سے پوچھے کہ آپ جو مقتدا پیشوا بنے وہ لکھنے پڑھنے ہی کی بدولت ہے اور اب اس کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ (الافاضات۔ص:۱/۱۳)

طلبہ کو اس قسم کی کمیٹیوں اور جلسوں میں شرکت کی اجازت ہرگز ہرگز نہ دینا چاہیے سخت مضر ہے کیا ان کاموں کے لیے طلبہ ہی رہ گئے ہیں اور مسلمان کچھ کم ہیں ان سے کام لو۔ (الافاضات۔ص:۱/۹۹)

علماء سیاست میں کیوں نہیں حصہ لیتے؟

اگر تم یہ چاہو کہ وہ اس سے آگے بڑھ کر سیاسیات میں عملاً بھی حصہ لیں اور تمہارے سیاسی جلسوں اور مظاہروں میں شریک ہوا کریں تو یہ کام ان کا نہیں اور نہ تم کو اس پر انہیں مجبور کرنے کا حق ہے تم نے

مولویوں کو سمجھا کیا ہے علماء جس کام کو کر رہے ہیں وہ اس قدر اہم وضروری ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہو اور جہاد شروع ہو جائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں کیونکہ علماء اگر مر جائیں گے تو علم دین کو کون سنبھالے گا؟ اسی لیے ہمارے حاجی صاحب علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے کہ اگر تم ہندوستان کو چھوڑ دو گے تو ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوگا؟

اب لوگ اس کو تو دیکھتے نہیں کہ علماء کو سیاسیات میں پڑنے سے خود فقہاء اسلام نے منع کیا ہے۔ بس ان کو تو الزام دینے سے کام ہے مسلمانوں پر جو بھی مصیبت آئے اس کا الزام سب سے پہلے علماء پر ہے۔

(التبلیغ الحدود والقیود۔ص:۲۳۱،۱۵)

جو کام علماء کا ہے وہ کریں، علماء سے دوسرے کام کی توقع ایسے ہے جیسے کوئی شخص حکیم محمود خان کے پاس جا کر ٹوٹے ہوئے جوتے کے سینے کی ترکیب پوچھے وہ کہیں گے کہ دہلیز پر چمار بیٹھا ہے یہ کام اس کے سپرد کرو ہمارا یہ کام نہیں، ایسے ہی یہاں سمجھو علماء سے مسائل پوچھو، دنیا کے حصول کی تدبیر انہیں کیا معلوم؟

(ملفوظات حکیم الامت۔ص:۲/۱۵)

سیاست کے دو حصے ہیں ایک سیاست کے احکام شرعیہ، یہ بے شک شریعت کا جز ہے اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہیں چنانچہ ابواب فقہیہ میں سے کتاب السیر ایک مستقل جزء ہے جس کی درس وتدریس پر دوام والتزام ہے، اور دوسرا حصۂ سیاست اس کی تدابیر تجربیہ ہیں جو ہر زمانہ میں حالات و واقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر وتبدل سے بدلتی رہتی ہیں اور یہ حصہ شریعت کا جزء نہیں اور علماء کا اس میں ماہر ہونا ضروری نہیں اس کی مہارت کے دوسرے ذرائع ہیں جن کا حاصل تجربہ ومناسبت خاصہ ہے لیکن اوپر جو عرض کیا گیا کہ سیاست کا یہ حصہ یعنی تدابیر تجربیہ شریعت کا جزء نہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حصہ شریعت سے مستغنی ہے اور اس کے استعمال کرنے والوں کو علماء کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں کوئی واقعہ اور کوئی عمل اور کوئی تجویز ورائے دنیا میں ایسی نہیں جس کے جواز وعدم جواز میں شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو گو وہ شریعت کا جز نہ ہو جز نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

شرعی دلیل

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ" الخ ان آیتوں سے اثبات مدعا کی تقریر یہ ہے کہ قرآن مجید میں نص ہے کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے ان نبی سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے قائد بنئے بلکہ اس مقصود کے لیے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی سو اگر نبی کافی سمجھے جاتے تو ایسی درخواست کیوں کی جاتی اور اگر یہ شبہ ہو کہ یہ بنی اسرائیل کی غلطی تھی تو اس غلطی پر ان کے نبی نے متنبہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں کافی ہوں بلکہ بادشاہ مقرر کرنے کا انتظام شروع فرما دیا اور اگر کوئی جسارت کر کے یہ کہنے لگے کہ ان نبی سے بھی لغزش ہو گئی تو پھر اللہ تعالی نے اس

غلطی پر تنبیہ کیوں نہ فرمائی بلکہ اس درخواست کو بلانکیر قبول فرمالیا اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہر نبی کے لیے بھی سیاسیات میں تجربہ ومناسبت لوازم میں سے نہیں تا بہ دیگراں از علماء ومشائخ چہ رسد (چہ جائیکہ علماء و مشائخ کے لیے لازم ہو) بلکہ مفسرین کی نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے سنۃ اللہ زیادہ یہی رہی کہ وہاں کے سیاسی معاملات بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے اور بادشاہ انبیاء کے حکم اور مشورہ کے مطابق چلتے تھے چنانچہ تفسیر مظہری نے بھی ''ابعث لنا ملکاً'' کے تحت یہی لکھا ہے۔

(البدائع۔ص:۲۵،افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ۔ص:۹۱)

علماء کو مستقل وعلیحدہ سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت

البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی نہ ہو جو علماء سے احکام پوچھ کر عمل کیا کریں جیسا کہ اس وقت غالب ہے تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہیں ورنہ محبان دنیا دینی مقاصد کو تباہ کردیں گے بلکہ وہ خود اپنے میں سے ایسی جماعت بنائیں جو علماً وعملاً سیاست وشریعت کے جامع ہوں مگر یہ حکم کچھ سیاست مدنیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سیاست بدنیہ یعنی اسباب معاش میں سے جتنے فرض کفایہ ہیں مثل تجارت وزراعت سب کا یہی حکم ہوگا۔ البتہ جس چیز کا ضرر دین میں قریب ہو اس میں دخل اصلاحی کا وجوب اقوی وآکد ہوگا۔ اور ان سب مفاسد کی اصلاح کے لیے جماعت کا انتظام کرنا ہر حال میں استطاعت کے ساتھ مشروط ہوگا یہ ایک تحقیق کلی ہے اس سے آگے کچھ جزئیات ہیں۔

(البدائع۔ص:۲۴۔افادات اشرفیہ۔ص:۹۵)

علماء کی سیاسی جماعت کی نوعیت

مضمون بالا میں جو بعض حالات میں علماء کو سیاست میں حصہ لینے کا مشورہ دیا گیا ہے اس سے مراد وہ صورت نہ سمجھی جائے جو اس وقت بعض علماء نے اختیار کی ہے اس سے دین کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصول شرعیہ وتجربیہ سے اس کا بھی ایک خاص طریقہ ہے جس کے نافع ہونے کی امید غالب ہے اور وہ خاص طریقہ ایک عزیز کی تحریر میں نظر پڑا، مفید سمجھ کر اس کو بالفاظہ نقل کرتا ہوں وھو ہذا ''اس وقت طریق کار یہ مفید ہوسکتا ہے کہ سیاسی جماعت علیحدہ ہو اور مذہبی علیحدہ اور مذہبی جماعت اپنا اصلی کام تبلیغ اس طرح انجام دے کہ مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی نگرانی کرے کہ یہ سیاسی جماعت مسلمانوں کے حقوق کا گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے وقت شریعت کے خلاف عمل نہ کر بیٹھے (اور ان کو مفید مشورے دے) اور چونکہ موجودہ زمانے میں سیاسی جماعت مذہبی جماعت سے پوچھ کر عمل کرنے کی عادی نہیں رہی اس لیے علماء کے ذمہ تھا کہ خود اس جماعت کے پاس پہنچتے اور احسن طریقہ سے تبلیغ کرتے اگر علماء اپنا اصلی کام تبلیغ رکھتے (اور اصل سیاست یہی تھی کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنادیا جائے) تو عظمت ووقار میں چار چاند لگ جاتے اور تبلیغ کا ثواب مزید براں ...... اس زمانہ میں موجودہ طریقہ پر علماء کا سیاسی لیڈر کی حیثیت سے

شریک ہونا میرے نزدیک سخت مضر ہو رہا ہے..... اگر یہ حضرات تبلیغ فرما کر لیڈروں کو سنبھالتے (اور ان کو مفید مشورے اور طریق کار سے رہنمائی کرتے) تو اس طرز میں شرعی طریقہ پر مسلمانوں کے حقوق کی محافظت بھی ہوتی اور علماء کی عظمت بھی بڑھتی۔ (افادات اشرفیہ۔ص:۹۴)

سیاسی لیڈر اور علماء

شاید کوئی یہ کہے کہ مولوی خود تو سیاست میں پڑتے نہیں اور کام کرتے نہیں اور دوسروں کو بھی کرنے نہیں دیتے کہ ان کو برا بھلا کہتے ہیں اس شبہ کا جواب میں نے میرٹھ کے ایک جلسہ وعظ میں دیا تھا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ مسائل سیاسیہ میں یہ لال ٹوپی والے ہمارے امام ہیں۔ ان مسائل میں ہم ان کو امام تسلیم کرتے ہیں مگر امام کو قرآن صحیح یاد نہیں اس لیے مقتدی کو لقمہ دینا واجب ہے ورنہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی پس امام کو چاہیے کہ یا تو نماز سے پہلے ہی ہمارے پاس آ کر قرآن صحیح کرے ورنہ جب غلطی کرے گا تو ہم نماز ہی میں لقمہ دیں گے اور اس کو غلطی پر ٹوکیں گے مثلاً اگر تم چندہ بلقان کے لیے یہ تجویز کرو کہ مسلمان قربانی کو ترک کر دیں اور اس کی قیمت چندہ میں دے دیں تو ہم اس کا رد کریں گے یا تم زکوٰۃ کا روپیہ بدوں تملیک بھیجنے لگے تو اس کی بھی ہم مخالفت کریں گے تم کو چاہیے کہ ہم سے مل کر کام کرو اور مل کر کام کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جیسے بڑھئی اور لوہار و معمار مل کر مکان بناتے ہیں جس کی یہ صورت نہیں ہوتی کہ سب کے سب ایک ہی کام کو لپٹ جائیں بلکہ ایک لکڑی کا کام کرتا ہے اور ایک اینٹ گارے کا اسی طرح یہاں مل کر کام کرنے کے یہ معنی نہیں کہ مولوی صاحبان بھی جھنڈا لے کر سیاست کے میدان میں کود پڑیں بلکہ صورت یہ ہے کہ جھنڈا تو لال ٹوپی والے اپنے ہاتھ میں رکھیں مگر جو کام کرنا چاہیں اور جو تجویز پاس کریں اس کو شائع کرنے سے پہلے علماء سے پوچھ لیں کہ یہ شریعت کے خلاف تو نہیں پس آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا ہم لیڈروں کو کام کرنے سے منع نہیں کرتے ہاں تنہا کام کرنے سے منع کرتے ہیں اگر وہ ہم سے قرآن وحدیث کو پوچھ کر امامت کریں تو ہم ان کے مقتدی بننے کو تیار ہیں لیکن غلط قرآن پڑھ کر امامت کریں گے تو بے شک ہم ان کی نماز فاسد ہونے کو ظاہر کر دیں گے، میں بقسم کہتا ہوں کہ جو کام مولوی کرتے ہیں وہ تم نہیں کر سکتے یعنی احکام کا سمجھنا اور جو کام تم کرتے ہو وہ مولوی بھی کر سکتے ہیں بلکہ تم سے اچھا کر سکتے ہیں چنانچہ جو مولوی جھنڈا لے کر سیاست کے میدان میں کودے وہ تم سے کچھ کم نہیں رہے بلکہ آگے ہی بڑھ گئے گو انہوں نے اس طرح اپنی علمی شان کو برباد کر دیا، الا ماشاء اللہ۔ (التبلیغ۔ص:۵/۱۶۷)

﴿فصل ۲﴾

مولوی لوگ عموماً لالچی اور پست حوصلہ کیوں ہوتے ہیں

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل مولوی لالچی کیوں زیادہ ہونے لگے؟ فرمایا

سب تو نہیں عرض کیا کہ اکثر فرمایا اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ عربی پڑھنے والے زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو پہلے سے طماع مفلس ہیں پڑھ لینے کے بعد بھی ان کی وہی عادت رہتی ہے طبیعت سے وہ بات جاتی نہیں۔ اگر عالی خاندان کے لوگ امراء حکام نواب رئیس اپنے بچوں کو عربی پڑھائیں اور پھر وہ لوگ تبلیغ کریں دیکھئے تو کیا اثر ہوتا ہے۔

میں جس وقت ڈھاکہ گیا تھا وہاں کے ایک مدرسہ کے پرنسپل نے مدرسہ میں مدعو کیا انہوں نے مجھ سے یہی شبہ کیا کہ اکثر علماء میں یہ مرض ہے میں نے کہا اس کی جڑ انتخاب کی غلطی ہے اکثر غرباء کے بچے علم دین پڑھتے ہیں ان کا حوصلہ ان کا ظرف ویسا ہی ہوگا اگر امراء کے بچے علم دین پڑھیں ان کا حوصلہ ان کا ظرف ویسا ہوگا پرنسپل صاحب نے کہا کہ حضرت آج میرا ایمان محفوظ ہوا ورنہ مجھ کو اپنے ایمان کا اندیشہ ہو گیا تھا میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ علم دین کا تو اثر نہیں ہے؟ میں نے کہا توبہ کیجئے کیا علم دین ایسی چیز ہے۔

میں نے کہا یہ امراء کے بچے انگریزی کے اثر سے بگڑ گئے۔ اگر انگریزی نہ پڑھتے تو ان کے اخلاق اس حالت کی نسبت اور اچھے رہتے اور غرباء کے بچے علم دین پڑھ کر کسی قدر سنور گئے اگر عربی نہ پڑھتے تو ان کے اخلاق اس حالت کی نسبت اور زیادہ خراب ہوتے مطلب میرا کہنے کا یہ تھا کہ غرباء کے بچے جتنے خراب ہونے چاہیئے تھے عربی کی بدولت اتنے خراب نہیں رہے اور امراء کے بچے جس قدر اچھے ہونے چاہیے تھے انگریزی کی بدولت اتنے اچھے نہیں رہے اور یہ انتخاب کی غلطی مشاہدہ میں آرہی ہے خود ایک ہی شخص کے بچوں میں جو سب سے زیادہ بے وقوف، کند ذہن، بدفہم، کم عقل، بدصورت ہو اس کو عربی پڑھنے کے لیے تجویز کیا جاتا ہے اور جو سمجھدار، عقلمند، ذہین، خوبصورت ہو اس کو انگریزی کے لیے تجویز کیا جاتا ہے اس گفتگو کے بعد پرنسپل صاحب کہنے لگے واقعی آپ نے سچ فرمایا اس وقت میں مدرسہ کے رجسٹر کی جانچ کرتا ہوں تو قریب قریب ڈھائی سو طلبہ ہیں مگر جو عربی پڑھتے ہیں ان میں اکثر گاؤں کے اور کم درجہ کے لوگوں کے بچے ہیں اور انگریزی خواں عالی خاندان اور امیروں کے بچے ہیں میں نے کہا اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ایسے لوگوں میں بلند حوصلہ، ذی لیاقت غیر طماع کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟

(الافاضات۔ ص:۲۴۴/۲)

بعض اہل علم کی بدنیتی، پست حوصلگی اور بداخلاقی کی وجہ

بلند حوصلگی وغیرہ جس قدر اوصاف ہیں یہ علو خاندان پر موقوف ہیں یعنی جو عالی خاندان ہوگا اس میں یہ صفات ہوں گے وہ خواہ عربی پڑھے یا انگریزی اور جو عالی خاندان نہ ہوگا اس میں یہ صفات نہ ہوں گے اگرچہ وہ انگریزی کے اعلیٰ پایہ کی ڈگری حاصل کر لے بلکہ اکثر واقعات اور مشاہدات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پست خاندان آدمی اگر عربی پڑھ لیں تو کم وبیش ان کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اگر انگریزی پڑھیں تو بالکل ہی برباد ہو جائیں۔

عربی انگریزی کے آثار کا پورا مقابلہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ ایک خاندان کے ایک طبیعت کے دو بچے لیے جائیں ایک کو انگریزی شروع کرائی جائے اور دوسرے کو عربی اور دس برس کے بعد دونوں کا موازنہ کیا جائے اور جب انتخاب ہی ایسا پاکیزہ ہو کہ عربی کے لیے گھٹیا قسم کے لوگ اور انگریزی کے لیے شرفاء تو عربی کہاں تک اپنا اثر کرے اور کس حد تک ان کی پستی کو مٹائے اور اگر شرفاء میں سے کوئی بچہ عربی کے لیے دیا بھی جاتا ہے تو ایسا جو بالکل ہی کودن، بیوقوف، ہو تو جب عربی میں سارے کودن ہی کودن منتخب ہوں گے پھر ان سے علو حوصلگی کی کیا امید ہوگی؟ (دعوات عبدیت۔ص:۵/۵۳)

(۲) فرمایا کہ یہ سب کچھ خرابی نااہلوں کے علم پڑھ لینے کی بدولت ہو رہی ہے ان میں اکثر طماع ہیں اور بعض جگہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ امراء نے اپنے بچوں کو علم دین پڑھانا چھوڑ دیا غرباء علم دین پڑھتے ہیں تو وہ کہاں سے بلند حوصلہ لائیں سو یہ انتخاب کی غلطی ہے جس کی ذمہ دار عوام ہے۔ (الافاضات۔ص:۲/۸۰)

(۳) ہم نے دین کی بے وقعتی کر رکھی ہے کہ ان کی تنخواہیں بہت قلیل مقرر کی جاتی ہیں اور مردوں کے کھانے کپڑے سے ان کی امداد کرتے ہیں ان کے واسطے کفن کی چادر اور جانماز اور تیجہ دسویں کا کھانا مقرر کر لیا ہے اس لیے ان کی نیتیں بگڑ گئیں، لالچ اور حرص پیدا ہوگئی اب وہ کسی کے اچھا ہونے سے اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا کسی کے مرنے سے خوش ہوتے ہیں اس میں جس طرح ان کا قصور ہے خود قوم کا بھی قصور ہے کہ ان کو ایسا تنگ کیوں رکھا ہے جس سے ان کی نیت بگڑ گئی۔ (التبلیغ اسباب الفتنہ۔ص:۱۰/۸۰)

علم دین کے لیے عالی دماغ ہونے کی ضرورت ہے

آج کل معیار انتخاب یہ ہے کہ جو بہت زیادہ غبی اور کم عقل ہو اس کو عربی کے لیے تجویز کیا جاتا ہے حالانکہ دنیا کمانے کے لیے بڑے عالی دماغ ہونے کی ضرورت نہیں یہ تو چکی پیسنا ہے جس کو تھوڑی سی بھی مناسبت ہوگئی وہ بھی اس کام کو بخوبی کر سکتا ہے۔ دماغ کی زیادہ ضرورت اس کام کے لیے ہے۔

جس کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے۔ اللہ اکبر! کتنا قلب موضوع ہوگیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء کرام کیا چیز ہیں دنیا کی عقل بھی ان کے برابر کسی کو نہیں ہوتی ان حضرات کو ہر قسم کا شرف عطا فرمایا جاتا ہے جو کام نیابت انبیاء کا ہے اس کے لیے بھی اس ہی عقل کامل کی ضرورت ہے اب بتلائیے کہ اولاد کا انتخاب کس قاعدے پر ہونا چاہیے اور بنیاد اس کی یہ ہے کہ سمجھتے ہیں کہ عربی پڑھ کر لڑکا کھانے کمانے کے قابل نہیں رہے گا۔ (دعوات عبدیت ضرورۃ العلماء۔ص:۱۱/۸۹)

موجودہ صورت حال

آج کل روساء اول تو اپنی اولاد کو عربی پڑھاتے ہی نہیں اور جو کوئی پڑھاتا بھی ہے تو لڑکوں میں جو سب سے زیادہ نکما بیوقوف ہو اسے عربی کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے اور ہوشیار لڑکوں کو انگریزی پڑھائی

جاتی ہے جب کوئی دوست ان کے گھر آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ آپ کے لڑکے کیا کیا پڑھتے ہیں تو سب سے پہلے انگریزی پڑھنے والوں کو پیش کیا جاتا ہے کہ یہ بی اے پڑھتا ہے، یہ انٹرنس کے درجہ میں ہے یہ مڈل پاس کرنے والا ہے آخر میں عربی کو پیش کیا جاتا ہے کہ یہ ذرا ملانی طبیعت کا احمق سا ہے اس کو عربی پڑھادی ہے۔ سبحان اللہ! آپ نے دین کی خوب قدر کی۔ کیا رسول اللہ ﷺ کے علوم کی یہی قدر ہے خدا تعالیٰ کے کلام کی یہی عظمت ہے؟ بھلا خدا اور رسول کے علم کو سمجھنے والے یہی بیوقوف ہوسکتے ہیں جن کا آپ انتخاب کرتے ہیں اسی کا تو نتیجہ ہے کہ علماء کے اندر وہ بات آج نہیں ہے جو ان میں ہونی چاہیے اس پر لوگ کہتے ہیں کہ آج کل رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے میں کہتا ہوں کہ تم یہ الزام کس کو دیتے ہو ان بیوقوفوں کو رازی اور غزالی کون بنادے ذہین لڑکوں کو عربی پڑھاؤ دیکھو وہ غزالی رازی بنتے ہیں یا نہیں؟

(التبلیغ۔ص: ۲۱/۱۸۴)

ایک شخص کہنے لگے آپ نے اپنے بھتیجے کے لیے کیا تجویز کیا میں نے کہا عربی پڑھتا ہے تاکہ دین کی خدمت کرے کہنے لگے کہ مدرسہ دیوبند میں ڈیڑھ سو آدمی فارغ ہوتے ہیں وہ دین کی خدمت کے لیے کافی ہیں آپ نے ان کے لیے انگریزی کیوں نہ تجویز کی تاکہ دنیوی ترقی کرتا میں نے کہا جناب خادم دین ہونا اگر خسارہ کی بات ہے تو کیا وجہ ہے کہ دیوبند کے طلبہ کے لیے یہ پست حالت پسند کی جائے بلکہ چلو اور یہ مشورہ دو کہ سب چھوڑ کر انگریزی میں مشغول ہوجاؤ آخر وہ بھی قوم ہی کے بچے ہیں اور اگر خادم دین ہونا کوئی نافع امر ہے تو کیا وجہ ہے کہ میرے بھتیجے کے لیے اس کو تجویز نہ کیا آخر خاموش ہوگئے افسوس کہ دیوبند کے طالب علم ایسے ذلیل کہ جس شغل کو آپ بیکار سمجھ رہے ہیں وہ ان کے لیے تجویز کیا جائے اور آپ کی اولاد ایسی محبوب و معزز کہ اس کے لیے ڈپٹی کلکٹری تجویز کی جائے۔ (دعوات عبدیت۔ص: ۱۱/۵۷)

اصل ذمہ داری مالداروں سرمایہ داروں کی ہے

البتہ جو طبقہ متمول مالداروں کا ہے جن کو خدا نے ہر طرح سے دنیا کی فراغت عطا کی ہے کہ نہ ان کو ملازمت کی ضرورت ہے نہ کھانے پینے کی فکر ہے خدا کا دیا ہوا ان کے پاس سب کچھ ہے اور اتنا ہے کہ کئی پشتوں کے لیے کافی ہے ان کے ذمہ ضرور یہ حق ہے کہ یہ لوگ متبحر عالم بنیں کیونکہ آج کل لوگ علم حاصل کرتے ہیں ان کو بہت جلد اہل وعیال کے نفقہ کی فکر ہوجاتی ہے اس لیے وہ کمال تبحر حاصل نہیں کرسکتے مگر نہایت افسوس ہے کہ ان لوگوں کو کچھ بھی فکر نہیں یہ تو اگر ساری عمر علم میں گزاردیں تو ان کو بہت آسان ہے اور سب سے زیادہ بے توجہ یہی طبقہ ہے ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ جب خدا نے ان کو فراغت دی تھی تو بے فکر ہوکر دین کی خدمت میں لگتے اور ساری عمر اسی میں ختم کردیتے پھر آپ دیکھتے کہ علماء میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ علم میں مشغول ہوکر ان کو وہ لذت آتی کہ کبھی سیری نہ ہوتی یہ خدا کا راستہ ہے کہ قطع کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے۔

افسوس کہ سب سے زیادہ بے علم بے فکر بڑے طبقہ کے لوگ ہیں حالانکہ خدا نے جوان کو نعمتیں دی ہیں اس کا شکر یہی تھا کہ یہ لوگ فارغ ہو کر علم دین میں تبحر حاصل کرتے اور اپنی اولاد کو عربی پڑھاتے۔

(التبلیغ ۔ص:۱۸۲/۲۱ ۔ وص:۱۷۵)

اولاد کی زکوٰۃ

جس طرح مال میں زکوٰۃ ہے اسی طرح اولاد میں بھی زکوٰۃ ہے پس اولاد کی بھی زکوٰۃ نکالو مگر یہاں چالیس کا عدد نہیں ہے آپ زکوٰۃ کا نام سن کر خوش ہوئے ہوں گے کہ بس جب چالیس لڑکے ہو جائیں گے اس وقت زکوٰۃ نکال دیں گے نہیں یہاں دو میں سے ایک زکوٰۃ میں نکالو اسے عربی پڑھاؤ مگر نہایت التجاء کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ خدا کے لیے چھانٹ چھانٹ کر بیوقوفوں کو عربی کے لیے انتخاب نہ کرنا۔

(التبلیغ تعیم التعلیم ۔ص:۱۸۳/۲۱)

مولوی امیر اور مالدار کیسے بنیں؟

بعض لوگ اپنی اولاد کو علم دین اس لیے نہیں پڑھاتے کہ مولوی غریب ہوتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم دین غریب ہی پڑھتے ہیں اگر امراء کے بچے علم دین پڑھنے لگیں تو مولوی امیر ہونے لگیں تو تم اس کا اہتمام کیوں نہیں کرتے پھر تم امیر ہی مولویوں سے وعظ کہلایا کرنا ان ہی سے مسائل دریافت کرنا پھر غریب مولویوں کا تعلق صرف غریبوں ہی سے رہ جائے گا۔

(التبلیغ الھدی والمغر ۔ص:۲۲۰/۱۰)

علم دین اور اہل علم کے معزز اور قابل قدر ہونے کا طریقہ

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جو کام معزز طبقہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے وہ عام نظروں میں بھی معزز اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا امراء کے ذمہ بنسبت غرباء کے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اس خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ پھر اولاد میں بھی جو ذہین و فطین وسلیم وفہیم ہوں جو لوگ دینی مکتب اور مدارس قائم کرتے ہیں اسلامی قومی خیر خواہی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر اس کام کے لیے اپنی اولاد کو کبھی نہیں تجویز کرتے اولاد کے لیے ڈپٹی کلکٹری منصفی و بیرسٹری ہی تجویز ہوتی ہے اور مولویت کے لیے جس کو بزعم خود ذلیل کام سمجھتے ہیں ذلیل لوگوں کو منتخب کیا جاتا ہے، غور کا مقام ہے کہ جس کام کے لیے غریب لوگ منتخب کیے جائیں اس کی وقعت ان کے قلب میں کیا ہوگی، اگر یہ کام ضروری اور باوقعت ہے اور اس کا اہتمام کرنا قومی و اسلامی خیر خواہی ہے تو اس شرف کے لیے خود اپنی اولاد کو کیوں نہیں تجویز فرمایا جاتا۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ ۔ص:۲۴)

اس الزام کا زیادہ مورد معزز طبقہ ہے جس کے علم دین سے اعراض کرنے کی بدولت ادنیٰ خاندان کے لوگ اہل علم میں زیادہ پائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر با قاعدہ ''للاکثر حکم الکل'' سب پر یہی گمان

کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر خاندانی لوگ اپنی اولاد کو علم دین میں کامل بناتے تو ان میں کثرت سے علماء پائے جاتے اور عالی خاندان ہونے کی وجہ سے ان میں فضائل طبعیہ زیادہ ہوتے جب اکثر علماء ایسے نظر آتے تو عام طور پر علماء کو فضائل واخلاق کا جامع سمجھا جاتا اور علم دین سے بدگمانی نہ ہوتی۔ (تجدید تعلیم۔ص:۳۳)

آج کل رازی غزالی کیوں نہیں پیدا ہوتے؟

اعتراض کر دینا کون سا مشکل کام ہے زبان ہی ہلانی پڑتی ہے حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ نہ معلوم آج کل رازی غزالی جیسے کیوں نہیں پیدا ہوتے میں نے کہا کہاں سے پیدا ہوں کم حوصلہ لوگ تو علم دین پڑھنے لگے اور جو لوگ خاندانی بلند حوصلہ عالی دماغ تھے انہوں نے علم دین پڑھنا چھوڑ دیا۔

انتخاب کا اختیار ہم کو دو، انتخاب ہم سے کراؤ پھر دیکھو ہم غزالی اور رازی پیدا کر کے دکھلا دیں۔

(الافاضات۔ص:۲۲۵/۴)

مگر جب تم احمقوں کو دین کے واسطے منتخب کرو گے تو ظاہر ہے کہ تمہارے مقتدا یہی احمق بنیں گے ان میں عقل ہم کہاں سے پیدا کر دیں مگر ان احمقوں کو تو ان کی حماقت مبارک ہوگئی، خدا کو راضی کرنے کا طریقہ ان کو معلوم ہو گیا اور ان شاء اللہ وہ جنت کے مالک ہوں گے قیامت کے دن ان کی حماقت ان کے کام آئے گی اور دنیا میں وہ بھی علم دین کی برکت سے تمہارے مقتدا ہو گئے۔ (التبلیغ۔ص:۱۸۵/۲۱)

مولوی منفعت علی صاحب سے ایک شخص نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ علماء میں اب رازی، غزالی پیدا نہیں ہوتے انہوں نے کہا اس وقت انتخاب کا قاعدہ یہ تھا کہ قوم میں جو سب سے ذہین اور ذکی ہو وہ علوم دین کے لیے منتخب ہوتا تھا اور اب انتخاب کا قاعدہ یہ ہے کہ جو سب سے احمق اور غبی ہو وہ اس کے لیے تجویز ہوتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اب بھی جو ذہین وذکی پڑھتے ہیں وہ غزالی ورازی سے کم نہیں ہوتے میرے ساتھ چلو اور علماء کی حالت دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت بھی غزالی ورازی موجود ہیں اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں لیکن عدد میں کم ضرور ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ جو لوگ قابل ہیں وہ تو ادھر متوجہ نہیں ہوتے ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر بیس آدمی ایسے پڑھیں تو ان میں پندرہ غزالی اور رازی ضرور نکلیں گے اب بیچارے غریب غرباء جولاہے، دھنیے پڑھتے ہیں ان کی جیسی سمجھ ہوتی ہے ویسے ہی نکلتے ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ غریب غرباء کے بچوں کو نہ پڑھایا جائے کیونکہ امراء نے خود چھوڑا اور ان سے ہم چھڑا دیں تو پھر علم کس کو پڑھائیں غریب غرباء کیا کریں انگریزی تو پڑھ نہیں سکتے کیونکہ اس کی تعلیم نہایت گراں ہے اور عربی ہم نہ پڑھائیں تو یہ بیچارے بالکل کورے ہی کے کورے رہیں اور واقعی علم دین ایسی چیز ہے کہ اس میں محنت بھی کم اور خرچ بھی کم بخلاف انگریزی کے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۹۰/۶)

علم دین کی ارزانی دیکھئے کہ اگر کوئی شخص میزان سے اخیر تک ایک کتاب بھی نہ خریدے تو ہر کتاب

اس کو میسر آسکتی ہے اور آپ ایک شخص کو بھی نہیں بتلا سکتے کہ اس نے بی اے تک پڑھا ہو اور اس کو قریب قریب کل کتابیں نہ خریدنی پڑی ہوں اس سے معلوم ہوا دینی تعلیم نہایت ارزاں اور دنیوی تعلیم نہایت گراں ہے اور یہی دلیل ہے اس کے معزز ہونے کی کیونکہ فطرت کا قاعدہ ہے کہ جتنی ضرورت کی چیز ہوتی ہے اسی قدر سستی ہوتی ہے۔ (جیسے ہوا، پانی) اور جس قدر بیکار ہوتی ہے اسی قدر گراں اور کمیاب ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۶/۹۰)

رازی، غزالی ہر زمانہ میں ہوتے ہیں

اس وقت بھی رازی، غزالی موجود ہیں اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہے تو یہ بے ادبی مگر میں بے ادبی نہیں سمجھتا اس لیے کہ یہ عرفاً بے ادبی سمجھی جاتی ہے حقیقت میں بے ادبی نہیں وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام غزالی اور رازی سے افضل موجود ہیں دیکھ لیجئے امام غزالی اور رازی کی بھی مصنفات موجود ہیں اور اس وقت کے بعض بزرگوں کی موجود ہیں موازنہ کر لیا جائے۔ حضرت! نبوت ختم ہوئی ہے اور ولایت ختم نہیں ہوئی۔ (الافاضات۔ ص:۲/۳۳۵)

خدا کی قسم! غزالی اور رازی اب بھی ہو سکتے ہیں کیا مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ غزالی اور رازی سے کچھ کم تھے واللہ! بعض تحقیقات میں یہ حضرات ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ (التبلیغ۔ ص:۲۱/۱۸۴)

اہل علم کے سامنے انگریزی پڑھے لکھے

حقیقت میں علماء کے سامنے انگریزی منطق پڑھے ہوئے خاک بھی وقعت نہیں رکھتے اور استحالہ و استبعاد، امتناع و تعذر میں ثبوت اور نظیر تک میں (گو اپنی اصطلاحی زبان میں) فرق نہیں کر سکتے مگر علماء ان میں فرق کرتے ہیں اور ہر ایک کی حقیقت کو الگ الگ جانتے ہیں۔ (التبلیغ۔ ص:۱۲/۱۸۶)

میں ترقی کر کے کہتا ہوں...... کہ میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ ایم۔ اے ہیں مگر عربی کی استعداد نہیں رکھتے ان سے لیاقت (صلاحیت) میں عربی خواں جو انٹر بھی نہیں پڑھے، بڑھے ہوتے ہیں۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۱۱/۷۰)

علوم عربیہ کے پڑھنے سے استعداد میں ترقی ہوتی ہے اور اس استعداد سے انگریزی تعلیم میں بہت مدد ملتی ہے...... کیونکہ اس میں احتمال آفرینی کی استعداد ہو جاتی ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۶/۹۳)

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ

فرمایا جو لوگ عربی پڑھنے والوں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ عمر ضائع کرتے ہیں اس

سے کوئی دنیاوی ترقی نہیں ہوتی میں کہتا ہوں کہ انگریزی والے زیادہ مارے مارے پھرتے ہیں ہم نے بہت سے بی۔ اے والوں کو دیکھا ہے کہ کوئی پوچھتا نہیں یہ نوبت عربی پڑھنے والوں کی نہیں آتی دیکھئے سب سے کم تعلیم اذان کا سیکھ لینا ہے اگر وہی آجاوے تو پھر روٹیوں کی کمی نہیں روٹیاں دونوں وقت مل جاتی ہیں ایک انگریزی کا طالب علم بی اے کے امتحان میں فیل ہوگیا تو شرم کی وجہ سے ریل کی پٹڑی پر لیٹ گیا خاتمہ ہوگیا، لوگ شکایت کرتے ہیں کہ عربی والوں کو انگریزی والے ذلیل سمجھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ تم بھی ان کو ذلیل سمجھنے لگو یہ نوح علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے فرمایا: ''اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ''.

میرے برادرزادہ کی بچپن میں ایک انگریزی داں پولیس کے افسر سے ملاقات ہوئی اس زمانہ میں یہ عربی پڑھتے تھے اور سر منڈا ہوا تھا کیونکہ میرا معمول ہے کہ امردوں کے سر منڈوادیا کرتا ہوں انہوں نے ان سے کہا کہ کیوں جی یہ کیا بات ہے کہ جتنے عربی والے دیکھے سر منڈاتے ہیں انہوں نے کہا کیوں جی یہ کیا بات ہے کہ جتنے انگریزی والے ہیں سب داڑھی منڈاتے ہیں بس یہ جواب سن کر چپ ہوگئے۔

(ملفوظات جدید۔ص ۷)

فصل ۳

اہل علم، علماء پر اعتراضات اور ان کے جوابات

دنیا میں ترقی نہ کرنے کو پست خیالی اور اس ترقی کی فکر نہ کرنے کو جو کہ واقعۃً قناعت ہے کم ہمتی اور اخلاق میں جاہ وکبر حاصل نہ کرنے کو اور وضع میں سادگی اختیار کرنے کو ذلت پسندی اور اسراف نہ کرنے کو دناءت (بخل) اور دنیوی فضولیات میں انہماک نہ ہونے کے سبب اپنے مصالح میں فروگزاشت کو قوت انتظامیہ کی کمی کا نام رکھا ہے۔

سو اکثر اہل علم میں ان امور کا ہونا مسلم مگر یہ رذائل ہیں یا فضائل۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس فیصلے کے لیے قرآن مجید وحدیث کافی ہے آیات وروایات میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ صفات مذکورہ جو اہل علم میں پائے جاتے ہیں...... فضائل میں معترضین نے ان کا نام رذائل رکھ کر اعتراض شروع کردیا...... اور بعض محصلین علم میں اگر رذائل پائے بھی جاتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا علم دین کا خدانخواستہ اثر ہے یا کسی اور چیز کا، اس کا فیصلہ نہایت آسان ہے کہ یہ اخلاق رذیلہ سب اہل علم میں پائے جاتے ہیں یا بعض میں پائے جاتے ہیں اور بعض میں نہیں، شق اولیٰ مشاہدہ سے غلط اور دوسری شق سے اتنا تو ثابت ہوگیا کہ یہ علم دین کا اثر نہیں ورنہ سب میں ہوتا۔ تو ضرور یہ کسی دوسری چیز کا اثر ہے جو میری تحقیق میں خاندان وصحبت کی

کمی ہے یعنی بعضے خاندانی حیثیت سے پست ودنی ہوتے ہیں اب اگر صحبت بھی نصیب نہ ہوگی تو محض تعلیم کافی نہ ہوگی لامحالہ ان میں خاندانی رذائل موجود اور ظاہر ہوتے رہیں گے لیکن ان کے مقابل میں ان اہل علم کو کیوں نہیں دیکھتے جو عالی خاندان یا فطرۃ سلیم ہیں یا صحبت نے ان کو درست کر دیا۔

(تجدید تعلیم۔ص:۳۲)

اہل علم کی خستہ حالی اور بدوضعی پر تذلل کا شبہ اور اس کا جواب

اہل علم کی وضع ولباس اکثر سادہ کبھی اپنے گھر کا دھلا ہوا، کبھی پیوند لگا ہوا، کبھی بند یا بٹن کھلا ہوا دیکھا جاتا ہے اس سے ان پر تذلل کا شبہ کیا جاتا ہے حالانکہ یہ تواضع ہے یہ شخص تو قومی انجن کا ڈرائیور ہے ڈرائیور کو غسل اور صابن ملنے اور کوئلوں کے جھاڑنے کی فرصت کہاں، اگر فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے متنعم اس پر اعتراض کردیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم ولایت اسی کی بدولت پہنچے ہیں اور وہاں سے ڈگریاں حاصل کر کے فرسٹ وسیکنڈ میں سفر کر رہے ہیں تو نادانی کے سوا کیا ہے؟ (تجدید تعلیم۔ص:۳۴-۳۵۔حقوق العلم۔ص:۳۱)

عزت وذلت کا معیار

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عزت کا مدار استغناء پر ہے اور تذلل کا احتیاج پر ہے لباس ووضع کو اس میں دخل نہیں اگر کپڑے پرانے ہیں اور ہفت اقلیم کا بھی دست نگر نہیں تو وہ معزز ہے اور اگر لباس ووضع نوابوں کا سا ہے ہزاروں روپیہ تنخواہ ہے ہزاروں روپیہ جائیداد کی آمدنی ہے سامان امیرانہ ہے مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ اور مل جائے فلاں معاملہ میں کچھ اور ہاتھ آجائے تو ایسا شخص بالکل ذلیل ہے۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ۔ص:۳۴۔حقوق العلم۔ص:۲۹)

پس اہل علم کی یہ وضع تواضع کے سبب سے ہے کہ اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے اور کبھی غایت مشغولی مہمات اس کا سبب ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ اور امر طبعی ہے کہ جو شخص کسی مہتم بالشان اور جلیل القدر کام میں منہمک و مستغرق ہوگا اس کو اپنی تن آرائی اور شکم پری کی فرصت بھی نہ ملے گی۔ چنانچہ تقریبات کے مہتممین اور سرکاری وقتی خدمات کے منتظمین کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ وقت پر کھانا بھی یاد نہیں رہتا کئی کئی روز کپڑے بھی بدلنے میں نہیں آتے کیا یہ تذلل ہے غایت عزت ہے کہ اپنے فرض منصبی کو کس اہتمام سے انجام دے رہا ہے۔ (حقوق العلم۔ص:۳۰)

بدتہذیبی کا شبہ اور اس کا جواب

ایک شبہ یہ تھا کہ اہل علم میں تہذیب کم ہوتی ہے پہلے تہذیب کا کوئی معیار مقرر کیجئے تہذیب کا معیار آج کل یورپ کا رسم ورواج سمجھا گیا ہے سو خود اس معیار کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے کیا اہل یورپ کی کوئی رسم تہذیب سے گری ہوئی نہیں...... معیار دو ہی چیزیں ہو سکتی ہیں عقل سلیم یا مذہب صحیح مگر سلیم ہونے

کے لیے پھر بھی کسی معیار کی ضرورت ہوگی کیونکہ عقلیں متفاوت ہیں بس معیار ہونے کی صلاحیت صرف مذہب صحیح میں ہوسکتی ہے جب تہذیب کا معیار مذہب صحیح اور دین الٰہی قرار دیا گیا تو خلاف تہذیب کا مصداق ''خلاف دین'' ہوا تو اب دیکھ لیجئے کہ دین کے خلاف علماء میں زیادہ افعال پائے جاتے ہیں یا غیر علماء میں اس سے معلوم ہو جائے گا کہ بے تہذیب کہلانے کا کون مستحق زیادہ ہے اور اگر کسی میں کوئی امر خلاف تہذیب واقعی پایا جاتا ہے تو اس کا سبب قلت تربیت ہے۔ (حقوق العلم۔ص:۳۸۔تجدید تعلیم۔ص:۳۸)

بخل ودناءت طبع کا شبہ اور اس کا جواب

مثلاً بعض علماء وطلبہ کو دیکھا جاتا ہے کہ لکھے ہوئے لفافے دوسری طرف سے الٹ کر گوند سے جوڑ کر کام میں لے آتے ہیں لوگ اس کو دناءت سمجھتے ہیں حالانکہ غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی حقیقت مال کو ضائع ہونے سے بچانا ہے گو اس درجہ کی حفاظت واجب نہ ہو لیکن محمود اور اولیٰ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔ متمدن اقوام کی مدح کی جاتی ہے کہ کوئی چیز بیکار نہیں چھوڑتے حتی کہ چیتھڑے گودڑوں کا کاغذ بنتے ہوئے خود احقر نے دیکھا ہے تعجب ہے! کہ اس پر تو مدح ہو اور اس کی نظیر پر خردہ گیری کی جائے نہایت بے انصافی ہے مثلاً بعض اہل علم پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں بے دریغ نہیں خرچ کرتے ہر چیز کم خرچ کرتے ہیں اس سے بخیل مشہور کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر اس کو بخل سمجھنے والوں کی حالت اس مصرعہ کی مصداق ہے۔

حفظت شیئا و غابت عنک اشیاء

جہاں اپنے پیسہ پیسہ کی حفاظت کرتے ہیں وہاں کسی کی ایک کوڑی اپنے پاس رہ جانا گوارہ نہیں کرتے۔ (حقوق العلم۔ص:۴۵)

معاملات میں گڑبڑی اور بیوفائی کا شبہ

بعض اہل علم پرائے مال میں ذرا احتیاط نہیں کرتے دوسرے کے حقوق ٹالتے ہیں کسی کی کتاب لے کر نہیں دیتے یا بے پروائی سے ضائع کر دیتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ سب اقتضاء علم کے خلاف ہے ایسا شخص ہمارے نزدیک علماء میں داخل نہیں۔ (حقوق العلم۔ص:۴۷)

کم عقلی کا شبہ

ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ طالب علموں کو عقل کم ہوتی ہے معاملات کو نہیں سمجھتے اکثر دنیا کے قصوں سے بے خبر ہوتے ہیں اگر ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس کا تعلق کسی معاملہ سے ہو تو اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر کوئی انتظامی کام ان کے سپرد کیا جائے تو اس کو کر نہیں سکتے۔

اس شبہ میں نہایت عدم تدبر سے کام لیا گیا ہے اس معترض نے عقل وتجربہ کو ایک قرار دیا ہے حالانکہ ان دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ کیا اگر کسی بڑے عاقل فاضل شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ فلاں کارخانہ میں

فلاں نمبر کا جوتہ کس قیمت کا ہے تو کیا اس کو اتنی بات پر بیوقوف کہہ دیں گے؟ اگر کوئی اس طرح کہے تو وہ خود اس لقب کے قابل ہوگا۔ اسی طرح اہل علم کو جن معاملات سے سابقہ کم پڑتا ہے یا نہیں پڑتا ان کے متعلق ان کی معلومات کم ہوتی ہیں یا نہیں ہوتیں اگر اہل علم کسی طرف ادنیٰ توجہ کرتے ہیں تو وہ ان دنیا کے کاموں کو بھی ایسا اچھا کرتے ہیں کہ بڑے بڑے تجربہ کار دنگ رہ جاتے ہیں۔ (حقوق العلم۔ص:۵۴)

کیا مولوی لوگ بڑے بے حیاء و بے شرم ہوتے ہیں

لوگ آج کل علماء کی بے حیائی اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات شرمناک مسائل فقہیہ کھلے کھلے لکھ دیتے ہیں اس کا الزامی جواب یہ ہے کہ میڈیکل کالج میں عورتوں کو تشریح کی تعلیم دینے میں کتنی بے حجابی ہوتی ہے یہاں تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں یہاں تو صرف الفاظ ہیں اور وہاں ان الفاظ کے معانی کا مصداق۔ تعجب ہے کہ یہ تو بے حیائی ہو اور گوارہ نہ کیا جائے اور وہ بے حیائی نہ ہو اور گوارہ کیا جائے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ اگر معترض صاحب ان مسائل کو دین سمجھنے یا دین کے محفوظ رہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تب تو پہلے اسی کو ثابت کیا جائے گا اور اگر اس کو دین جانتے ہیں اور دین کی بقاء کو بھی ضروری جانتے ہیں تو ان سے درخواست ہے پھر اور کوئی طریقہ ان مسائل کے محفوظ رہنے کا ارشاد فرمائیں تاکہ اس کو اختیار کیا جائے۔
(حقوق العلم۔ص:۴۱)

باہمی اختلافات اور ردوقدح کا شبہ

ایک شبہ یہ کہ مولویوں میں اکثر مسئلوں میں اختلاف ہوتا ہے جس سے لوگوں کو عمل کرنے میں سخت حیرت ہوتی ہے کہ کس پر عمل کریں؟ جواب یہ ہے کہ اطباء میں باہم تشخیص و تجویز میں اختلاف نہیں ہوتا؟ اور کیا کوئی شخص اپنے مریض کو بلا علاج ہی چھوڑ دیتا ہے، محض اس وجہ سے کہ اختلاف کی حالت میں کس کا علاج کریں لاؤ سب ہی کو چھوڑ دیں بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون طبیب زیادہ تجربہ کار اور ماہر فن ہے اور کس کے ہاتھ سے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جس امر کو ضروری سمجھتا ہے اس میں ایسے اختلافات سنگ راہ نہیں ہوتے۔ (تجدید تعلیم ص:۳۹، حقوق العلم۔ص:۴۶)

اہل علم کا باہمی حسد و بغض

ایک شبہ یہ ہے کہ اہل علم میں باہمی تحاسد و تنافس دیکھا جاتا ہے اگر سب علماء کو کہا جائے تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے اور بعض کی نسبت کہا جائے تو ہم بھی متفق ہیں مگر اس کا سبب قلت تربیت ہے میں تو کہتا ہوں اگر تحصیل معاش کے لیے کوئی شخص اپنے بیٹے کے لیے طبیب بننے کو ضروری قرار دے اور شہر کے اطباء میں (آپس میں) تحاسد و تنافس بھی دیکھے تو کیا محض اس سبب سے وہ اپنی رائے بدل دے گا یا رائے کو بحال رکھ کر اس کی کوشش کرے گا کہ میرے بیٹے کے ایسے اخلاق نہ ہوں اس طرح یہاں بھی چاہیے کہ علم دین کا اہتمام کرو اور اخلاق کو درست کرو۔

بعض اہل علم بڑے بدعمل ہوتے ہیں

اگر ایسا عالم کوئی ہو بھی تب بھی وہ اپنے لیے ضرر رساں ہے یا دوسرے کم فہموں کے لیے اس عالم کی مثال بد پرہیز طبیب کی سی ہے کیا اس کی بد پرہیزی ان نسخوں کو بھی غیر مفید کر دے گی جو اس نے اپنی حذاقت و مہارت فن سے کسی مریض کے لیے تجویز کیے ہیں کیا اس حالت میں اس سے نسخہ نہ پوچھا جائے گا وہ اگر ماہر ہے تو نسخہ تو مفید ہی بتلائے گا۔ اسی طرح اگر خدانخواستہ کوئی عالم حسد و عناد کی بلا میں مبتلا ہو مگر تم کو صحیح مسئلہ بتائے گا۔ (حقوق العلم۔ ص: ۴۵)

مولوی کنجوس مشہور ہوتے ہیں

فرمایا کہ مولوی بیچارے کنجوس اسی وجہ سے مشہور ہیں کہ ان بیچاروں کی نظر کارروائی پر ہے بعض مرتبہ میں نے سینک سے خط لکھ لیا ہے اسی طرح مولوی کاغذ بھی ذرا سا ہی لے کر اس سے کام چلا لیتے ہیں۔

(حسن العزیز۔ ص: ۲/۱۴۸)

باب نمبر ۱۰

دینی مدارس میں دستار بندی کے سالانہ جلسوں کا ثبوت اور فضیلت

سنئے! حق تعالیٰ فرماتے ہیں "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ " اس آیت میں اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے اور دعوت دینے کا امر ہے اور تعلیم و تعلم قرآن کا خیر الاعمال ہونا ثابت ہو چکا تو اس کی ترغیب دینا بھی ضروری ٹھہرا اور ترغیب کی دو صورتیں ہیں: ایک تو ان کی اعانت کرنا، ان کی خدمت کرنا، ان کی عزت و عظمت کرنا اور ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کی دستار بندی کی جائے اس سے بھی فارغین کو مسرت ہونے کے سبب قرآن کی تعلیم کی طرف اور ان کے سرپرستوں کو تعلیم قرآن کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے اور تعلیم کا سبب بن جاتا ہے یہ بھی ایک تعلیم کا مصداق ہے پس یہ عمل خلاف سنت نہیں ہے کیونکہ اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے اور یہ بھی اسباب رغبت میں سے ہے پس صراحۃً تو نہیں مگر دلالۃً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔ غرض اس دستار بندی سے خود لڑکوں کو بھی رغبت ہوتی ہے کہ اگر اچھی طرح یاد کریں گے تو ہماری دستار بندی ہوگی نیز والدین کو بھی اس سے خوشی ہوتی ہے نیز اگر لڑکوں میں صلاحیت ہوئی تو ان کو خیال ہوگا کہ اب ہم بڑے بنا دیئے گئے اب ہم کو تقویٰ و طہارت اختیار کرنا چاہیے یہ قرآن سے دستار بندی کا ثبوت اور فضیلت معلوم ہوئی۔

حدیث سے ثبوت

اب حدیث سے بھی اس کا ثبوت بیان کرتا ہوں ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص طہارت قلب سے قرآن پڑھے تو اس کے والدین کو قیامت میں ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی کے سامنے چاند سورج بھی ماند پڑ جائیں گے۔ یہ حدیث صحاح میں موجود ہے گو اس میں حافظ کے لیے کسی بات کی تصریح نہیں بلکہ اس کے والدین کا اجر مذکور ہے مگر جب حافظ کی بدولت والدین کا یہ حال ہوگا تو اس کے لیے یہ فضیلت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ تاج کو خصوصیت ہے اور عمامہ بھی تاج ہے اس لیے اشارۃً اس عمل کا مستحسن ہونا حدیث سے بھی ثابت ہو گیا۔

اور طبرانی کی ایک روایت تو اس مضمون میں بہت ہی صریح ہے کہ جب حضور ﷺ کسی کو حاکم بناتے تو اس کے سر پر اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھ دیا کرتے تھے...... اور ظاہر ہے کہ حافظ و عالم بھی قوم کا مقتدا ہونے کی وجہ سے حاکم کے مثل ہے تو فراغت کی سند کے ساتھ ان کی دستار بندی بھی اس حدیث کے موافق ہے مگر چونکہ مجھے اس حدیث کی سند کا حال معلوم نہیں اسی لیے میں نے اس کو سب کے بعد میں بیان کیا اگر یہ حدیث صحیح ہو تب تو دلیل اس فعل کے مقبول ہونے کی بہت صریح ہے اور اگر صحیح نہ ہو تو گذشتہ دلائل بھی مدعیٰ کے اثبات میں کافی ہیں غرض یہ عمل خلاف سنت نہیں۔ (التبلیغ۔ص: ۲۴۵/ ۲۱)

مدارس کے متعارفہ جلسوں کے بعض شرعی منکرات و مفاسد

موانع شرعیہ کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک غور کرکے اور تجربہ کی شہادت سے دیکھا جاتا ہے تو ان جلسوں کے انعقاد کی بڑی غرض دو معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) فراہمی چندہ اور اپنی کارگزاری کی شہرت یا یوں کہیے کہ مدرسہ کی وقعت و رفعت جس کا حاصل حب جاہ اور حب مال نکلتا ہے جس سے نصوص کثیرہ میں نہی فرمائی گئی ہے اگرچہ مال و جاہ اگر دین کے لیے مقصود ہوں تو مذموم نہیں مگر کلام اس میں ہے کہ ایسے مواقع پر یہ امور دین کے لیے مقصود ہیں یا دنیا کے لیے۔ سو گو نفس تاویل کرکے دین ہی کے لیے بتلاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قصد کے لیے ایک خاص معیار بنایا ہے جس سے صحت یا فساد قصد معلوم ہو جاتا ہے سو ان مواقع میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے طلب دنیا کی علامت غالب معلوم ہوتی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر دین مقصود ہوتا تو اس کے اسباب و طرق میں کوئی امر خلاف رضاء حق تعالیٰ اختیار نہ کیا جاتا اور جب کہ ایسے امور اختیار کیے جاتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مقصود ہے ان امور میں سے بعضے بطور نمونہ کے درج ہیں۔ (امداد الفتاویٰ۔ص: ۶۵/ ۴)

بعض مفاسد کی تفصیل

(۱) اپنے مدرسہ کو اصلی حالت سے اکثر زیادہ ظاہر کیا جاتا ہے تصریحاً یا ایہاماً جس کا حاصل کذب و خداع ہے۔

(۲) تکثیر سواد طلبہ ومصلین کے دکھلانے کو نا اہلوں کو اہل دکھلایا جاتا ہے۔

(۳) کاروائی میں کارگزاری کا اظہار، اپنی مدح، اپنے کام کی ترجیح، اپنے کام کی خوبی وکثرت دکھلانا اور اس کی وجہ سے تعلیم کی کمیت کا کیفیت سے زیادہ اہتمام کرنا اور کتابیں بلا استعداد گھسیٹنا کہ کاروائی دکھلا سکیں خواہ طالب علموں کو آئے یا نہ آئے یہ سب حب جاہ اور حب مال کی علامتیں ہیں۔

(۴) حکم شرعی ہے کہ ریا حرام ہے اور اکثر ایسے موقعوں پر دینے والوں کے دل میں ریا ہوتی ہے اور ریا کا سبب بن جانا بھی معصیت ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص مدرسہ پر کسی قسم کا اعتراض کرے اور وہ حق بھی ہو تو ہرگز اس کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے درپے ہو کر رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے گو دل میں اس کو حق سمجھتے ہیں جس کا حاصل بطر حق ہے۔

(۶) اگر اور کوئی مدرسہ مقابلہ میں ہو جائے گو اس کی حالت واقع میں اچھی ہو مگر ہمیشہ وہ مثل خار نظر آتا ہے اور دل سے اس کے انعدام (نیست ونابود ہو جانے) کے متمنی رہتے ہیں ورنہ خوش ہونے کی بات تھی کہ دین کا کام کئی جگہ ہو رہا ہے لیکن محض اس وجہ سے کہ اس کی شہرت نہ ہو جائے اور اس میں کمی نہ ہو جائے ناگواری ہوتی ہے۔

(۷) اکثر ایسے جلسوں میں اسراف ہوتا ہے جن لوگوں کے بلانے کی کوئی ضرورت نہیں ان کے اور ان کے رفقاء وخدام کے کرایہ میں بہت سے روپے جاتے ہیں بعض اوقات طعام وغیرہ کا بھی مدرسہ سے اہتمام ہوتا ہے جس میں تکلفات ہوتے ہیں اور ساتھ میں غیر مہمان بھی کھاتے ہیں اور غالباً بلکہ یقیناً روپے دینے والوں سے اذن نہیں لیا جاتا اور دلالت اذن کا دعویٰ بھی مشکل ہے کیونکہ اہل عطاء (دینے والے حضرات) خود ایسے مصارف کی خدمت کرتے ہیں۔

(۸) بعض جگہ مسجد میں ایسے جلسے ہوتے ہیں اور مسجد کے ساتھ بیٹھک کا سا برتاؤ ہوتا ہے۔ شور و شغب دنیا کی باتیں اشعار مذمومہ اور بہت سے منکرات جو مشاہدہ سے متعلق ہیں۔ (پیش آتے ہیں)۔

(۹) چندہ کے حاصل کرنے میں قواعد شرعیہ کی رعایت نہیں کی جاتی کیونکہ حکم شرعی ہے لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ۔ چندہ میں سوچ سوچ کر وہ طریق اختیار کیجاتے ہیں جس سے مخاطب پر اثر پڑے گو وہ اثر قلب پر دباؤ یا شرم کے لحاظ سے کیوں نہ ہو شرکت جلسہ میں اصرار کیا جاتا ہے اور یقیناً معلوم ہے کہ بڑے آدمیوں کو خالی ہاتھ آنے میں بکی وکم وقعتی کا اندیشہ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

(امداد الفتاویٰ۔ ص:۶۶ ؍۴)

غلط مشورہ

فرمایا ایک اضرار دین یہ ہے کہ جس میں اہل مدارس مبتلا ہیں کہ کسی طالب علم نے کسی سے مشورہ لیا

کہ میں کون سے مدرسہ میں پڑھوں اور ہر مدرسہ والا اپنے ہی مدرسہ کا مشورہ دیتا ہے گو جانتے ہیں کہ اس کا نفع دوسرے مدرسہ میں زیادہ ہے افسوس! آج کل اہل علم بھی غلط مشورہ دینے لگے ہیں اور پہلے زمانہ میں کفار بھی غلط مشورہ نہ دیتے تھے۔ (خیر الارشاد۔ص:۱۲۹)

مسجد دار العمل ہے اور مدرسہ دار العلم ہے سو جس طرح مساجد متعدد (کئی ایک) ہونے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح مدارس کے متعدد ہونے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے مگر حالت یہ ہے کہ مدرسوں کے متعدد (زیادہ) ہونے سے گرانی ہوتی ہے سو ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ خوشی ہونی چاہیے کہ کام کرنے والے بہت ہوگئے مگر چونکہ مدارس میں اکثر غلبہ امراض نفسانیہ کو ہوتا ہے اس لیے ان کے تعدد سے گرانی ہوتی ہے۔

(الکلام الحسن۔ص:۵۴)

باب نمبر۱۱

چندہ کا بیان

فصل ۱

میں چندہ کی تحریک کا مخالف نہیں ہوں

فرمایا میں چندہ کی تحریک کا مخالف نہیں ہوں مگر طریقہ کار کا مخالف ہوں میرے نزدیک طریقہ یہ ہے کہ اس کی تحریک رؤساء کریں مولوی نہ کریں کیونکہ رؤساء خود بھی دیتے ہیں اور ان کی تحریک سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔ اور مولوی چونکہ نہیں دیتے اس لیے شبہ ہوتا ہے کہ اپنے کھانے کے واسطے کر رہے ہیں۔

(کلمۃ الحق۔ص:۴۶)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ الخ'' اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت اور بھلی باتوں کا حکم کرے اس لیے چندہ کی ترغیب کا مضائقہ نہیں کیونکہ حفاظت دین ضروری امر ہے اور وہ بغیر تعلیم و تعلم کے سلسلہ کے ممکن نہیں اور یہ سلسلہ اس وقت عادۃً بدوں اعانت کے چل نہیں سکتا پس اعانت کرنا ایک امر خیر کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہے لہٰذا خیر ہے بلکہ ضروری امر کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے۔ (دعوات عبدیت ص:۲۲/۵ مقالات حکمت)

اس کے متعلق اس آیت میں کافی فیصلہ موجود ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ''هَاأَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ الخ'' دیکھئے

!سوال کی تو نفی کرتے ہیں زیادہ مذمت نہیں فرماتے اور دعوت الی الانفاق کا اثبات فرماتے ہیں اور سوال کرنے پر بخل کرنے میں زیادہ مذمت نہیں فرماتے اور دعوت الی الانفاق میں بخل کرنے کی مذمت فرماتے ہیں۔ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ...... وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ الخ اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے بجائے دوسری کسی قوم کو پیدا کردے گا جو تمہاری طرح بخیل اور جان چرانے والے نہ ہوں گے۔ دیکھئے! ترغیب پر بخل کرنے سے کس قدر دھمکایا ہے۔

(تجارت آخرت۔ص:۶۵)

عوام کو اہل مدارس کی اعانت کرنا اور چندہ دینا ضروری ہے

دین کی خدمت کرنا قوم ہی کی تو خدمت کرنا ہے کیونکہ دین سب مسلمانوں کی مشترک چیز ہے۔ جس کی خدمت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے۔ جس کو طلبہ (وعلماء) آپ کی طرف سے ادا کر رہے ہیں اگر قرآن و حدیث سے یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو دوسری قوموں کی شہادت سے سہی کیونکہ آج کل دوسری قوموں کی تقلید کی عادت ہو گئی ہے۔ دیکھئے غیر قومیں بھی اپنی مذہبی جماعت کی دینی خدمت کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مذہبی جماعت ساری قوم کی طرف سے ایک اہم اور ضروری کام کو انجام دے رہی ہے اس لیے مشنریوں کی خدمت تمام عیسائی اور گروکل کی خدمت تمام ہندو سب چھوٹے بڑے کرتے ہیں ہر ہر شخص اپنا کام سمجھ کر اس میں حصہ کچھ نہ کچھ ضرور لیتا ہے افسوس ہے کہ مسلمان اس بات میں دوسروں کی بھی تقلید نہیں کرتے پھر چندہ میں بھی فراخ دلی سے حصہ نہیں لیتے۔ حالت یہ ہے کہ جب کوئی چندہ مانگتا ہے تو رئیس صاحب یہ کہہ کر چل دیتے ہیں کہ میں ذرا گھر جاتا ہوں پھر جب تک مولوی صاحب کے بیٹھے رہنے کا احتمال رہے گا نکلتے ہی نہیں۔ (التبلیغ۔ص:۱/۱۵۰)

عوام پر اعانت کرنا کیوں ضروری ہے

دیکھئے! اگر ایک جائیداد کئی آدمیوں میں مشترک ہو کہ ایک کے اس میں آٹھ آنے ہوں دوسرے کے چار آنے ہوں، تیسرے کے دو آنے ہوں، چوتھے کا ایک آنہ ہو اور کوئی ظالم اس جائیداد پر دستبرد کرے تو کیا ایک آنہ کا شریک خاموش ہو کر بیٹھے گا ہرگز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ مشترک چیز کی حفاظت تمام شرکاء کو کرنا چاہیے۔ اسی طرح قرآن شریف مسلمانوں کی مشترک جائیداد ہے اس لیے اس کی بھی حفاظت کرنی چاہیے اور اگر آپ کہئے کہ مشترک نہیں تو مہربانی کر کے یہ لکھ کر دے دیجئے تا کہ ہم اس کو شائع کر دیں پھر ان لوگوں سے ہم ہرگز اس کی حفاظت کا خطاب نہ کریں گے اور ان شاء اللہ کوئی بھی نہ کرے گا اور جب یہ گوارہ نہیں تو معلوم ہوا آپ کے ذمہ بھی ضروری ہے اور دوسروں کو بھی اس کا حق ہے کہ وہ آپ سے جبراً اس کی حفاظت کرائیں خواہ مال لے کر یا دوسرے طریقے سے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۶/۸۸)

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب کے سب دیندار ہوں اور چونکہ معاش کی بھی ضرورت ہے اس لیے کچھ افراد اس میں بھی لگیں اور کچھ افراد ایسے بھی ہونے چاہیں کہ وہ محض خادم قوم ہوں کیونکہ اگر سب کے سب تحصیل معاش میں ہی پڑ جائیں تو دین کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا مثلاً سر رشتہ تعلیم ہی کو لیا جائے کہ اگر اس میں کوئی نہ جائے تو ساری نوکریاں بند ہو جائیں گی اسی طرح دین کے کام میں بھی اگر کوئی نہ لگے تو یہ کام بند ہو جائے گا لہٰذا ضروری ہے کہ ایک جماعت محض خادمان دین کی ہو کہ یہ لوگ اس کے سوا اور کوئی کام نہ کریں۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۲۹/۶)

خادمان دین اہل مدارس کی مالی اعانت کرنے کی شرعی دلیل

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ نفقہ احتباس کی جزا بھی ہوتا ہے یعنی جو شخص کسی کی مصلحت یا خدمت کے لیے محبوس ومقید ہو اور اس احتباس کے سبب وہ اپنی معیشت کا انتظام نہ کر سکتا ہو تو اس شخص کا نفقہ اس پر واجب ہوگا جس کی مصلحت ومنفعت کے لیے محبوس ہوا چنانچہ اس کی مشہور مثال جو فقہاء نے ذکر کی ہے قاضی کا رزق ہے چونکہ عام مسلمین کے لیے قضاء کی خدمت میں محبوس ہے اس لیے اس کا رزق عام مسلمین پر واجب ہے جس کی شکل یہ ہے کہ بیت المال میں سے دیا جاتا ہے جس کی حقیقت مسلمانوں سے جمع کیا ہوا مال ہے اور فقہاء نے زوجہ کے نفقہ کو بھی جزاء احتباس ہی کہا ہے۔

علماء طلبہ مشائخ حضرات قوم کی دینی خدمت میں محبوس ہیں کیونکہ علوم دینیہ میں تبحر تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، جب یہ مصلحت عام قوم کی ہے تو ان صاحبوں کے نفقات مجموعہ قوم کے ذمہ واجب ہوں گے پھر جس وقت تک بیت المال سے وصول ہو جانا عام مسلمانوں سے وصول ہو جانے کی صورت تھی اور جب سے بیت المال نہیں رہا اب اس کی صورت صرف یہی ہے کہ مسلمان متفق ومجتمع ہو کر ان حضرات کی خدمت بقدر کفایت کریں۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۱۹۲/۲)

اگر مسلمان اہل مدارس کی مالی اعانت نہ کریں اور چندہ نہ دیں

جب اس کا انتظام قوم پر واجب ہے تو اگر ان کی خدمت میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۱۹۲/۲)

لیکن یاد رکھو! اگر تم کفالت نہ بھی کرو گے بلکہ تمام لوگ اس جماعت کے مخالف ہو جائیں اور سب لوگ ان کو دینا اور مدد کرنا بند کر دیں تب بھی یہ جماعت قائم رہے گی اور مولوی کھاتے ہی رہیں گے اگر کہیے کیونکر اور کہاں سے کھاتے رہیں اور کہاں سے ان کو ملے گا تو لیجیے میں بتلاتا ہوں، قرآن شریف میں ارشاد ہے "هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" [الآیۃ] حاصل ترجمہ یہ ہے: کہ تم کو انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے) بلایا جاتا ہے مگر بعضے بخل کرتے ہیں اور اس بخل سے اپنا ہی

نقصان کو رہے ہو ورنہ حق تعالیٰ غنی اور تم محتاج ہو۔ اگر تم اس سے بے توجہی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دیں گے اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ تو حاصل جواب کا یہ ہوا کہ اگر تم نہ دو گے تو خدا تعالیٰ دوسری قوم کو پیدا کر دیں گے جو کہ دین کی خدمت کرے گی۔

اب اگر کسی کو شبہ ہو کہ قوم کہاں سے پیدا ہو گی......؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ روزانہ یہ سلسلہ خلق جاری ہے دوسرا جواب یہ کہ اس وقت جو لوگ مسلمان ہیں وہ اسلام کے احکام اور تعلیمات چھوڑ چھوڑ کر دور ہو رہے ہیں اور غیر مسلم لوگ اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتے چلے جا رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہید ہے اس دن کی جس دن کہ عجب نہیں کہ ایسے مسلمان خارج از اسلام ہو جائیں اور ایسے غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور اگر مسلمانوں کو اس کا خیال ہے کہ یہ روز بد نہ دیکھنا پڑے تو سنبھلو اور کام میں مشغول ہو جاؤ۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۸۴/۶)

لوگوں کو چندہ کا ذکر ناگوار ہونے اور چندہ مانگنے والوں سے بدگمانی کی معقول وجہ اور اس کا شرعی حل

میں چندہ کا ذکر وعظ میں کبھی نہیں کیا کرتا اور یہ میرے اندر کمی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے کلام پاک میں جا بجا انفاق فی الخیر یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب فرمائی ہے تو میں اس میں رکنے والا کیوں ہوں؟

مگر اس کمی میں منفرد نہیں بلکہ سامعین بھی شریک ہیں۔ اور ان کی شرکت اس بناء پر ہے کہ ان لوگوں کو انفاق کا ذکر ناگوار ہوتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو میری کمی کا سبب بھی یہی ہے اگر لوگوں کو چندہ کا ذکر ناگوار نہ ہوا کرتا تو میرے رکنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لیے میں اس کا بیان بہت کم کرتا ہوں مگر جب کرتا ہوں تو صاف صاف کرتا ہوں، واعظوں کی طرح ہیر پھیر نہیں کرتا، میں ایسا نہیں کرتا کہ چندہ کے ذکر کا کسی مضمون پر جوڑ لگاؤں۔

اب میں یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو چندہ کا بیان کیوں ناگوار ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ چندہ دینے میں ہندوستان کے مسلمان بخیل ہیں نیز تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا افلاس (تنگدستی و غربت) بھی چندہ دینے میں مانع نہیں۔ بلکہ باوجود افلاس (غربت) کے ہندوستان کے مسلمان دیگر ممالک کے مسلمانوں سے بہت زیادہ چندہ دینے والے ہیں پس جب نہ بخل (کنجوسی) مانع ہے اور نہ افلاس (تنگدستی) مانع ہے تو پھر ناگواری کا کیا سبب ہے سو ناگواری کا سبب یہ ہے کہ ہم واعظوں اور مولویوں اور لیڈروں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے چندہ مانگا اور لوگوں کی جیب سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ غریب مسلمان تو اپنا پیٹ کاٹ کر چندہ دیں اور یہ اپنے پیٹ کو دوزخ سے بھریں۔ چنانچہ ہر طرف

سے چندہ کے متعلق اس قسم کی شکایتیں سننے میں آتی ہیں پھر اب لوگوں کو چندہ کا بیان ناگوار کیوں نہ ہو۔

مگر اس ناگواری کا علاج مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہ خود اس کا علاج کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ ہر شخص کو (ہر مدرسہ اور محصل چندہ کو) روپیہ نہ دیں بلکہ ایسے ہاتھوں کو (اور ایسے مدرسہ والوں اور محصلین چندہ کو) دیں جن میں احتیاط کا مادہ ہو (خلاصہ کلام یہ کہ جتنا ہم سے ہو سکے ہم ان کی) مال سے اعانت کرتے رہیں اگر اس کے کارکن خیانت کریں گے خدا کے یہاں بھگتیں گے مگر جس کی خیانت کا علم ہو جائے اس کو پھر چندہ نہ دیں بلکہ اب اس کو دیں جس کی خیانت کا ابھی علم نہیں ہوا۔ (بہتر یہ ہے کہ مدرسہ واہل مدرسہ کے حالات کی خود تحقیق کر لیا کریں اور اطمینان ہو جانے کی صورت میں مالی اعانت میں دریغ نہ کریں) اور جو لوگ مالی اعانت نہ کر سکیں وہ دعاء کرتے رہیں یہ بھی بڑی امداد ہے اور جس سے دعا بھی نہ ہو سکے تو خدا کے واسطے اس کام میں روڑے تو نہ اٹکائیں۔

بچوں سے یا ان کے مال سے چندہ

فرمایا کہ اس وقت چندہ جمع کرنے والے نابالغ بچوں سے بھی چندہ لے لیتے ہیں یہ بالکل جائز نہیں جو مال بچہ کی ملک ہے وہ اگر کسی کو خوشی سے بھی دینا چاہے تو نہیں دے سکتا اور نہ اس کا ولی دے سکتا ہے۔

البتہ اگر ماں باپ اپنی طرف سے روپے دیں اور بچہ کی ملک نہ کریں مگر اس کے ہاتھ سے دلوائیں اس میں مضائقہ نہیں لیکن اس کی ملک ہو جانے کے بعد کسی کو بھی نہ دینا جائز ہے نہ لینا۔

(کمالات اشرفیہ۔ص:۱۰۱)

چندہ وصول کرنے کی شرائط

(۱) اسی موقع پر ایک اور امر جو کہ ہدیہ صدقہ وغیرہ میں مشترک ہے سمجھ لینا چاہیے کہ ہدیہ صدقہ چندہ قرض وغیرہ حرام مال میں سے نہ ہونا چاہیے اگر کوئی حرام مال سے دینا چاہے تو صاف انکار کر دے۔

(۲) دوسرا امر یہ ضروری ہے کہ وسعت سے زیادہ نہ لے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے وسعت سے زیادہ نہیں لیا سوائے ان لوگوں کے جن پر حضور ﷺ کو پورا اطمینان تھا کہ ان کی قوت توکل کامل ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ حضور ﷺ نے ان کا کل سرمایہ قبول فرما لیا۔

(۳) ایک شرط یہ کہ چندہ دینے والے کی طبیعت پر گرانی نہ ہو یعنی اس طریقے سے بچے جن میں دینے والے کی طبیعت پر بار پڑنے کا احتمال ہو کیونکہ حدیث میں ہے "**الا لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه**" (دلی رضا مندی کے بغیر کسی کا مال حلال نہیں)

(۴) ایک شرط یہ کہ (چندہ لینے میں) اپنی ذلت نہ ہو کیونکہ بعض طریقے ایسے بھی چندہ لینے کے ہیں کہ ان میں دینے والے پر تو بار نہیں ہوتا مگر لینے والا نظروں سے گر جاتا ہے حدیث شریف میں جو سوال کی ممانعت آئی ہے وہ اسی بناء پر ہے اور اسی وجہ سے جہاں نہ گرانی ہو اور نہ ذلت ہو وہاں حاجت کے وقت

طلب کرنا درست ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر مانگو تو صلحاء سے مانگو یا بادشاہ سے مانگو۔ خلاصہ یہ کہ یا تو اہل اللہ سے مانگو یا بہت بڑے امیر سے مانگو۔ (تجارت آخرت۔ ص:۵۹)

حرمت کی دو وجہ

اس کا راز یہ ہے کہ سوال کی حرمت کی دو وجہ ہیں ایک ذلت دوسرے مخاطب کی طبعی گرانی کا احتمال اور جب علت مرتفع ہوگی معلول بھی مرتفع ہوگا تو جب بادشاہ سے مانگا نہ تو ذلت ہوئی نہ گرانی۔ گرانی تو اس لیے نہ ہوگی کہ جس کے پاس کروڑوں موجود ہیں وہ اگر پانچ دس دے دے تو اس کے خزانہ میں کیا کمی آتی ہے اور ذلت اس لیے نہیں کہ یہ اس کی نظر میں چڑھا ہی کب تھا کہ آج نظروں سے گر گیا۔

اور بزرگوں سے مانگنے کی اجازت بھی اس لیے ہے کہ ان سے مانگنے میں ذلت تو اس لیے نہیں ہو سکتی کہ وہ سب سے کم اپنے کو سمجھتے ہیں ہر ایک پر ان کو ترحم ہوتا ہے اور وہ کسی کو کیوں ذلیل سمجھنے لگے اور گرانی اس لیے نہیں ہوگی کہ وہ ہر چیز سے بالکل آزاد ہیں اگر ان کو نہ کرنا ہوگی وہ آزادی سے جواب دے دیں گے، کسی سے وہ کیوں دبیں گے اس لیے گرانی ان کے پاس بھی نہیں آتی۔

چندہ کے حلال ہونے کی اصل شرط

فرمایا اگر کسی قسم کا بھی دباؤ ہو تو میں اس چندہ کو حلال نہیں سمجھتا کیونکہ حدیث شریف میں یہ حکم صاف موجود ہے کہ ''الا لایحل مال امریء مسلم الا بطیب نفسمنه'' (مسند) (یعنی کسی انسان کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے حلال نہیں)

دیکھیے! حضور ﷺ ''لا یحل'' فرما رہے ہیں پھر ایسا چندہ کیسے حلال ہو سکتا ہے پھر فرمایا: کہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ چندہ دینا ناگوار نہ ہونا چاہیے گو ریا کے طور سے ہی دینا ہو کیونکہ ریا کی صورت میں طیب خاطر (دلی رضامندی) تو ہوتی ہے جس سے وہ رقم حلال ہو جاتی ہے لیکن ریا کی وجہ سے عمل مقبول نہیں ہوتا۔ (الافاضات الیومیہ۔ ص:۱۸۳/۱)

فصل ۲

چندہ کی جائز اور ناجائز صورتیں

(چندہ کی ترغیب کرنا جائز اور زور دباؤ اور اصرار کے ساتھ مانگنا ناجائز ہے) فرمایا مدارس کے چندوں کے متعلق ہمیشہ سے میری رائے یہ ہے کہ زور دے کر اور دباؤ ڈال کر وصول نہ کیے جائیں اور اس طرز کو میں ابتداء سے ناجائز کہتا تھا لیکن اب اس کے متعلق ایک عجیب تائید تفصیل کے ساتھ قرآن شریف کی آیت سے مل گئی جس پر اس کے قبل کبھی نظر نہ ہوئی تھی وہ یہ ہے کہ اصرار کے ساتھ چندہ لینے میں ایک

سوال کا مرتبہ ہے اور وہ ناجائز ہے اور ایک ترغیب کا مرتبہ ہے وہ جائز ہے۔ اور اس کی دلیل کلام مجید کی اس آیت سے ملتی ہے خدا تعالیٰ سے عفت کی بابت فرماتے ہیں ''لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا'' (لوگوں سے لپٹ کر اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے) اس سے معلوم ہوا کہ سوال (بالاصرار والجبر) نہ کرنا چاہیے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ'' چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دے اور بھلی باتوں کا حکم کرے اس لیے چندے میں ترغیب کا مضائقہ نہیں کیونکہ دین کی حفاظت ضروری امر ہے اور وہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ قائم کیے بغیر ممکن نہیں اور یہ سلسلہ اس وقت عادۃ بدوں اعانت کے چل نہیں سکتا پس اعانت کرنا ایک امر خیر کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہے لہٰذا وہ بھی خیر بلکہ امر ضروری کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے۔

پھر فرمایا جس طرح علماء کو دباؤ ڈال کر سوال نہ کرنا چاہیے اسی طرح اہل دنیا کو ترغیب پر انکار بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا'' [الآية] اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر اڑ کر سوال کرنے پر انکار کیا جائے تو کچھ عیب نہیں کیونکہ یہ انسان کا طبعی خاصہ ہے لیکن اگر محض ترغیب پر انکار کیا جائے تو سخت وبال کا اندیشہ ہے اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سوال والحاف (یعنی اصرار کے ساتھ اڑ کر چندہ کرنا) برا ہے (اور محض) دعوت اور چندہ کی ترغیب حسن ہے۔

(دعوات عبدیت مقالات حکمت۔ ص: ۵/۱۲۳)

حرام چندہ

محصلین کی حالت تو یہ ہے کہ ایک محصل چندہ صاحب ایک رئیس کے یہاں آئے جہاں میں مقیم تھا تو انہوں نے دس روپے دے دیے تو محصل صاحب کہتے ہیں کہ جناب آپ تو ہر سال بیس روپیہ دیا کرتے تھے اب دس کیوں دیے؟ یہ طریقہ تھا ان کے چندہ کرنے کا جس میں سب کے سامنے وہ دینے والے کو ذلیل کرتے تھے چندہ کا یہ طریقہ بالکل خلاف شریعت اور حرام ہے۔ اور آج کل زیادہ تر چندہ کے طریقے حرام ہی ہیں مگر محصلین چندہ اس کو دین سمجھتے ہیں کچھ نہیں اس کا نام تو بے حسی ہے کہ مال کے واسطے نہ آبرو کی پرواہ ہے نہ دین کی۔ (التبلیغ۔ ص: ۴/۱۲۵۔ خیر الارشاد)

زبردستی چندہ

فرمایا بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مساجد اور مدارس کے لیے زبردستی چندہ وصول کرتے ہیں یہ اس سے بھی بدتر ہے اس واسطے کہ اگر اپنے نفس کے لیے کرتا تو اپنے کو دنیوی نفع پہنچتا اور جب حق تعالیٰ کے لیے ایسا کیا تو خدا تعالیٰ بھی راضی نہ ہوئے اور اپنے پاس بھی نہ رہا پس خسر الدنیا والآخرۃ ہوگیا کہ نہ خود منتفع ہوا اور نہ خدا راضی ہوا اور یہ حرام اس لیے ہے کہ حدیث میں ہے کہ'' الا لا یحل مال امرئ

مسلم الا بطیب نفس منه" بعض لوگ کہتے ہیں کہ لا یحل اس جگہ مرتبہ حرمت میں مستعمل نہیں لیکن اس دعویٰ کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۴/۳۹)

جبر کے ساتھ دیئے ہوئے چندہ کا حکم اور جبر کے ساتھ چندہ وصول کرنے یا دینے کا حکم

عرض کیا گیا کہ اگر باوجود ناگواری کے کسی کے جبر سے نیک کام سمجھ کر کسی امر خیر میں کوئی چندہ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

فرمایا کہ دینے والے کو تو ثواب ملے گا لیکن اگر لینے والے کو یہ علم ہو جائے کہ یہ رقم میرے جبر سے دی جارہی ہے تو اس رقم کا لینا بھی جائز نہ ہوگا۔

عرض کیا گیا کہ اگر یہ صورت ہو کہ دینا ناگوار تو ہوا لیکن اس خیال سے دے دیا کہ نیک نامی (شہرت) ہوگی اس صورت کا کیا حکم ہے؟

فرمایا اس صورت میں ریا اور جبر دونوں جمع ہیں اس لیے اس رقم کا لینا بھی جائز نہ ہوگا جبر کی وجہ سے نہ کہ ریا کی وجہ سے۔

عرض کیا گیا کہ چندہ وغیرہ مروۃً باوجود ناگواری کے جیسا جبر کرنے والے کو لینا جائز نہیں کیا دینا بھی ناجائز ہے؟

فرمایا کہ جی ہاں ناجائز ہے کیونکہ جب لینے والے کو یہ رقم لینا جائز نہیں تو اس کا دینا بھی ناجائز ہوگا کیونکہ یہ اعانت علی المعصیت ہے جو ناجائز ہے۔ (افاضات الیومیہ۔ص:۹/۱۸۳)

شرماضوری اور رواجی چندہ

جبکہ چندہ طلب کرنے میں شرمانے سے دباؤ ڈالنے سے بھی کام لیتا ہو اس وقت مضاعف (دوگنا) گناہ ہوگا۔ بدلیل حدیث بیہقی ودارقطنی "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفس منه" بعض کو اس میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہماری کیا وجاہت اور دباؤ ہے جو شخص دے گا خوشی ہی سے دے گا حالانکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے اس کا حال دینے والے سے معلوم ہو سکتا ہے کوئی تیسرا آدمی جو اس سے بے تکلف ہو اس سے قسم دے کر پوچھے کہ تو نے خوشی سے دیا ہے یا ناخوشی سے؟ بہت آسانی سے اس کا فیصلہ ہو جائے گا اسی سے حکم معلوم ہو جائے گا۔ ان رقوم (چندوں) کا جوڑ کی والے یا مساجد و مدارس والے شادی کے موقع پر لڑکے والے سے فرمائش کر کے لیتے ہیں وہ لوگ خواہ رسم کی پابندی سے یا مجمع کے شرم یا محرک کے لحاظ سے دیتے بعض بلاتحریک (ازخود) دیتے لیکن دینے کی بناء وہی رسم ہے کہ جانتے ہیں کہ نہ دینے سے یا مانگا جائے گا یا بدنام کیا جائے گا سو اس قسم کی رقمیں شرعاً حلال نہیں ہوئیں اور اس طرح سے مانگنا اور لینا درست نہیں ہوتا

اور یہ رقوم سب واجب الرد ہیں۔ (ان کا واپس کرنا ضروری ہے)۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے لیے تو نہیں مانگتے اللہ کے واسطے مانگتے ہیں لیکن یہ عذر باطل ہے اس لیے کہ معصیت ہر حال میں معصیت ہے دین کے واسطے بھی معصیت حلال نہیں ہو جاتی بلکہ اس کی برائی زیادہ سخت ہے عقلاً بھی، نقلاً بھی، نقلاً تو اس لیے کہ یہ شخص معصیت کو ذریعہ ثواب بنا رہا ہے تو حرام کو دین کا آلہ کار بنانا اور ثواب کا اعتقاد رکھنا اشد معصیت ہے فقہاء نے حرام میں ثواب کی توقع کو کفر تک کہہ دیا ہے اور عقلاً اس لیے کہ جب اس کو خلاف شرع طریقہ سے کیا تو رضائے حق بھی نصیب نہ ہوئی تو ''خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ'' کا مصداق ہوا۔ (حقوق العلم۔ص:۶۰)

جوش میں دیا ہوا چندہ

جب یہ بات ہے کہ لوگ جوش میں آکر ایسا کر گزرتے ہیں تو اگر کوئی شخص لیکچر دے یا وعظ کہے اور کسی کے پاس صرف دس ہی روپیہ ہیں اور اس نے جوش میں آکر دس کے دس دے دیے، اس کا چندہ لینا درست نہیں اس کے ہوش ہونے دو اس کے بعد اس سے کہو تمہاری آمدنی ایک مہینہ کی دس روپیہ ہے ابھی ایک مہینہ پڑا ہے تمہارے اہل وعیال ہیں ان کو خرچ چاہیے وہ اس سے مقدم ہیں اگر چندہ دینے کا شوق ہے تو ایک روپیہ کر دو، قومی ہمدردی بھی کوئی چیز ہے آج کل تو قومی ہمدردی کو ذبح کیا جاتا ہے چکی پیسنے والے تک چندہ سے نہیں چھوڑے جاتے بعض نے سل بٹہ بیچ کر چندہ دیا ایسی بے جا رقموں میں کیا برکت ہوگی۔ آج ایسے شخص کا چندہ فخر کے ساتھ لیا جاتا ہے جو یوں کہے کہ میں نے اپنے پاس کچھ نہیں چھوڑا اور اس پر کہتے ہیں کہ ان میں ایسی حمیت قومی ہے کہ سارا گھر لاکر رکھ دیا میں تو ایسے چندہ دینے والوں کو کہا کرتا ہوں کہ کام ہوش سے کرو جوش سے مت کرو۔ (التبلیغ۔ص:۴۴،۱۵؍احکام المال)

عمل اور توجہ کے اثر سے چندہ

بعض لوگ اس توجہ سے ایسے کام لیتے ہیں جو ظاہراً خیر ہیں مگر خود ان کے جواز میں بھی تردد ہے مثلاً کسی کی طرف مسجد یا مدرسہ کی اعانت کے خیال سے متوجہ ہوئے اس پر اثر پڑتا ہے اور وہ اعانت پر مجبور ہو جاتا ہے بعض اوقات بعد میں پچھتاتا بھی ہے وہ شخص اس وقت مغلوب ہو کر حقیقت کو نہیں سمجھتا بس مجبور ہو جاتا ہے بس یہ لینا ایسا ہے جیسے غصب کر لیا شراب پلا کر دستاویز لکھوالی۔ (حسن العزیز۔ص:۳۰۴؍۲)

چندہ کی مخصوص صورت اس کا شرعی حکم

سوال: پانی پت کے کمبلیوں نے (یعنی کمبل بیچنے اور بنانے والوں نے) اپنی برادری میں پنچایت کر کے مسجد کے لیے چندہ کی ایک صورت یہ نکالی ہے کہ فی کمبل ایک پیسہ لیا جائے اور وہ اس طرح وصول کیا جاتا ہے کہ جب کسی کے یہاں کمبل بکے تو محصل چندہ مسجد کی صندوقچی لیے ہوئے موجود ہو اور فی کمبل

حساب کر کے بیچنے والے سے وصول کرے۔ لیکن اس میں جبر (زبردستی واکراہ نہیں کیا جاتا) حتیٰ کہ اگر کوئی بالکل نہ دے تو اس پر کسی قسم کی ملامت نہیں کی جاتی۔

فرمایا یہ صورت بھی جبر کی ہے۔ (اس لیے ناجائز ہے)

یوں کرنا چاہیے کہ خریدنے والا یا محصل کوئی اپنی زبان سے کچھ نہ کہے جس کو جو دینا ہو وہ خود ڈالدے کیونکہ مانگنے سے گو اس میں یہ تصریح بھی کردی جائے کہ جبر نہیں ہے تاہم یہ اثر ضروری ہوتا ہے کہ بعض طبیعتیں شرما جاتی ہیں اور انکار نہیں کرسکتیں۔ حالانکہ رضا قلبی (دل سے رضامندی) نہیں ہوتی یہی جبر ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۳/۲۷)

عورتوں کو اپنے شوہروں کے مال سے چندہ دینے کا حکم

عورتوں کو جائز نہیں ہے کہ شوہر کی چیز شوہر کی بلا اجازت کے چندہ میں دے دیں اور جو چیز ان کی ملک ہو اگرچہ بلا اجازت اس کا دینا جائز ہے مگر حضور ﷺ نے فرمایا: کہ شوہر سے مشورہ کر کے دے۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ۔ ص:۱۰۳)

عورتوں کے مجمع میں بیان کر کے ان سے چندہ وصول کرنا

بعض چندہ وصول کرنے والے قصداً عورتوں کے مجمع میں بیان کرتے ہیں تا کہ چندہ زیادہ وصول ہو چنانچہ ان پر واقعی بڑا اثر ہوتا ہے اور چندہ خوب ہو جاتا ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ چندہ دینے میں عورتوں کو کیا لگتا ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ خاوند کا مال ہے اور مال مفت دل بے رحم، دوسرے یہ کہ ان بیچاریوں میں جو عقل کم ہوتی ہے موقع ومحل کو نہیں سمجھتیں جوش میں جو کچھ ہاتھ میں آیا دے ڈالا اور ایک تیسری وجہ یہ کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں ذرا کوئی رقت آمیز قصہ سنایا اور یہ پانی پانی ہوگئیں...... حضرات واعظین کو حدیث بھی ایک یاد ہے ''یا معشر النساء تصدقن ولو من حلیکن الخ'' جس کا ترجمہ یہ ہے: کہ اے عورتو! خیرات کرو اگرچہ اپنے زیور ہی میں سے ہو کیونکہ مجھ کو دکھلایا گیا ہے کہ زیادہ تر اہل دوزخ عورتیں ہیں یہ بات مسلم ہے کہ کوتاہیوں کے سبب عورتیں دوزخ میں زیادہ جائیں گی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورتیں اپنی نجات سے مایوس ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوتاہیوں کو دور کیا جائے اعمال صالحہ زیادہ کیے جائیں اعمال صالحہ میں ایک خیرات بھی ہے یہ نہیں کہ بس خیرات ہی علاج ہے حدیث مذکور میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ''من حلیکن'' فرمایا ''من حلی الزوج'' نہیں فرمایا مطلب یہ ہوا کہ خیرات کی ترغیب اپنے مملوک زیور میں ہے نہ کہ خاوند کے مملوک میں۔ (التبلیغ کساء النساء۔ ص:۳۸)

انفرادی چندہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل چندہ کے بارے میں بہت ہی کم احتیاط ہے حتیٰ کہ قریب قریب

تمام مدارس میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا اور زیادہ بے احتیاطی یہ ہے کہ جو فرداً فرداً چندہ کی تحریک کی جاتی ہے اس سے دوسرے مسلمان پر بار ہوتا ہے گرانی ہوتی ہے نیز نہ دینے پر بخل بھی ثابت ہوتا ہے جس کا حاصل ایک مسلمان کو متہم کرنا ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں۔ میں جو تحریک عام اور تحریک خاص میں امتیاز کرتا ہوں اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک مسلمان پر بار نہ ہو، گرانی نہ ہو اور وہ بدنام نہ ہو، دعوت عام اور چیز ہے اور انفرادی صورت میں کسی سے سوال کرنا اور چیز ہے مجھ کو تجربہ ہے لوگوں کی حالت معلوم ہے اس تحریک خاص کا اثر ظہور بخل قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ ”اِنْ یَّسْئَلْکُمُوْهَا فَیُحْفِکُمْ تَبْخَلُوْا“ [الآیۃ] کیونکہ احفاء والحاف خطاب خاص ہی میں ہو سکتا ہے اور اس کے بعد خطاب عام کا اس عنوان سے ذکر ہے ”هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ“ یہ دعوت خطاب عام ہے اور اسی فرق کی وجہ سے احفاء پر جو بخل ہوا اس میں نکیر نہیں فرمائی گئی اور دعوت عام پر جو بخل ہوا اس پر نکیر فرمائی گئی ہے۔ ”فَمِنْکُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ الی ان قال وَاِنْ تَتَوَلَّوْا“ [الآیۃ]۔ (ملفوظات حکیم الامت۔ ص:۲/۵۱)

(ممنوع) سوال یہ ہے کہ جس میں احفاء ہو...... غرض جس (صورت) میں ایلام قلب ہو وہ احفاء ہے اور اس پر تبخلوا کا ترتب کچھ بعید نہیں، احفاء دو قسم کا ہوتا ہے ایک صوری دوسرا معنوی جیسے وجاہت سے وصول کرنا یہ بھی احفاء کا ایک فرد ہے غرض جس میں ایلام قلب ہو وہ احفاء ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو صورتیں غیر مشروع ہیں وہ تو سوال میں داخل ہیں اور جو مشروع ہیں وہ ترغیب ہیں۔ ترغیب میں بخل کرنا مذموم ہے۔ (تجارت آخرت ص:۶۴)

ایک بہت بڑے علامہ سے میری گفتگو ہوئی تحریک خاص پر کہ یہ جائز نہیں پوچھا کہ کیا دلیل ہے میں نے حدیث پڑھی ”الالا یحل مال امری ء مسلم الا بطیب نفس منه“ تو کہتے ہیں کہ ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر اس درجہ کا حرام نہیں، میں نے دل میں کہا کہ کل کو یہ کہے گا کہ گو ماں حرام ہے مگر اس درجہ کی حرام نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت۔ ص:۲/۵۳)

پالیسی اور سازش کے تحت چندہ

چندہ میں بعض ناجائز صورتیں تجارت کی اختیار کر رکھی ہیں جو شریعت میں حرام ہیں مثلاً کسی غریب سے ایک روپیہ چندہ میں لے لیا جب اس نے ایک روپیہ دے دیا اب اس روپیہ کی بولی بولی گئی کہ اس متبرک روپیہ کو نہایت جوش وخلوص سے اپنی حیثیت سے زیادہ دیا گیا ہے اس لیے متبرک ہے کون باہمت خریدتا ہے اب کسی نے اس کے دس لگائے اور کسی نے سو اور کسی نے ہزار لوگ جوش میں آکر بڑی بڑی رقمیں بولتے ہیں تو یہ ربوا ہونے کی وجہ سے بالکل حرام ہے نیز اس لیے بھی کہ یہ پالیسی ہے۔ چندہ وصول کرنے والے کسی غریب کو خود کھڑا کر دیتے ہیں اور اس پالیسی سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے

ہیں۔ شریعت پالیسی کو جائز نہیں کہتی شریعت گندہ سمجھتی ہے ان حرکتوں کو وہاں تو دارومدار صدق وخلوص اور سادگی پر ہے کہ بات سچی ہو اور یہ چندہ خلوص سے نہیں دیا جاتا ہے بلکہ محض نمائش وسازش سے دیا جاتا ہے ۔یادرکھو! کہ ایسے جوش کی حالت میں جس میں آدمی مغلوب العقل ہو جائے اور بعد میں پچھتائے خود چندہ لینا ہی ناجائز ہے۔ جوش سے جب کوئی دے مت لو، ہاں جب ہوش درست ہو جائے اس وقت لو۔

(تجارت آخرت۔ ص:۴۴)

چندہ کے بعض منکرات

بعض جگہ دوامی چندہ کا وعدہ کرنے والے کی موت کے بعد وارث اس چندہ کو جاری رکھتے ہیں اور اہل مدارس اس کی تحقیق نہیں کرتے کہ ان لوگوں نے اپنی ملک خاص سے جاری رکھا ہے یا ترکہ مشترکہ سے اور اس ترکہ مشترکہ میں کوئی یتیم یا غائب یا غیر راضی کی ملک تو نہیں شریک ہے اسی طرح میت کے کپڑوں کو مدرسہ میں لیتے وقت میت کے ورثاء اور ان کے بلوغ ورضا کی تحقیق نہیں کی جاتی۔

دوامی چندہ میں جو آخر سال بقایا واجب رہ جاتا ہے اس کے بقایا کا طبع کرنا امر منکر معلوم ہوتا ہے اس سے صاحب چندہ کی نادہندی اور خلاف وعدگی کا اظہار (اور غیبت) ہے۔ مدرسہ کانپور میں اس کی اصلاح اس طرح کی گئی تھی کہ روئیداد میں صرف وصول شدہ چندہ لکھا جاتا تھا اور بقایا کو مدرسہ کے خاص رجسٹر میں رکھ کر بذریعہ خط یاددہانی کردی جاتی تھی اور یاددہانی میں میرے نزدیک ضروری ہے کہ لزوم وتاکید کے الفاظ نہ ہوں بلکہ تصریح کردی جائے کہ اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر رغبت ہو تو بھیج دیجئے ورنہ آپ آزاد ہیں۔

(التبلیغ احکام ایمان۔ ص:۱۵/۴۵)

آج کل اکثر چندہ میں بھی فہرست پیش کر کے لکھ دیتے ہیں کہ اگر گراں نہ ہو تو دے دیجئے کون سا ایسا شریف ہے جو کہہ دے گا کہ صاحب مجھے گراں ہے کوئی شاذ ونادر ہی ہوگا جو ایسا کہہ دے۔

(حقوق العلم تجدید تعلیم۔ ص:۶۸)

چندہ کرنے میں خطاب عام وخطاب خاص کی تفصیل

(۱) فرمایا: کہ مدارس کا وجود ضروری ہے اور ان کی بقاء چندہ پر موقوف ہے مگر چندہ جمع کرنے میں آج کل بے شمار خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جن میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ چندہ جمع کرنے والے علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے جو عوام کے لیے زہر ہے اور پھر چندہ کرنے والے حضرات بھی اکثر محتاط نہیں ہوتے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں کہ دینے والا شرما شرمی کچھ دے ہی دے ایسا (شرما شرمی) چندہ لینا جائز نہیں۔

اس لیے مناسب صورت یہ ہے کہ چندہ کی تحریک عام کی جائے خطاب خاص سے پرہیز کیا جائے

اور خطاب خاص صرف اس صورت سے جائز ہے کہ خطاب کرنے والا کوئی باا ثر شخصیت کا مالک نہ ہو، جس کے اثر سے مغلوب ہو کر لوگ چندہ دینے پر مجبور ہو جائیں۔

(۲)...... چندہ مانگنے والوں کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ دبانے اور شرمانے سے کام نہ لیں محض ترغیب دینے کا مضائقہ نہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں (خطاب عام اور خطاب خاص) خطاب خاص یا تو ہو ہی نہیں اور اگر خاص خطاب ہو تو ایسے بے تکلف دوست سے ہو جو بلا تکلف تم سے انکار بھی کر سکے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۹/۷۷)

(۳)...... خطاب عام سے ترغیب دینے میں مضائقہ نہیں اور اگر کوئی راغب الی الخیر میسر ہو جائے جو مصارف خیر کا جویاں رہتا ہے اور پورا یقین ہو کہ خطاب خاص سے اس کی آزادی میں ذرا اختلال نہ ہوگا اور جو کچھ کرے گا بطیب خاطر کرے گا تو ان قیود کے ساتھ خطاب خاص کا بھی مضائقہ نہیں۔

(۴)...... چندہ کی تحریک خطاب عام سے مناسب ہے لیکن اگر خطاب عام میں بھی وجاہت سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت چندہ نہ لے بلکہ کہہ دے کہ جلسہ کے بعد کسی کے پاس جمع کر دینا۔

چندہ کی جائز صورتیں

(۱) ہاں چندہ کا ایک طریقہ جائز بھی ہے کہ مسلمانوں کو اطلاع کر دو کہ فلاں جگہ مدرسہ اور فلاں شخص کے پاس اس کے لیے چندہ جمع ہو رہا ہے جس کا جی چاہے وہاں اپنی رقم جمع کر دے۔

(۲) مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کا قصہ ہے کہ میں نے مدرسہ کے لیے چندہ اس طرح مقرر کرایا تھا کہ ایک کاغذ پر یہ لکھ دیا کہ مدرسہ کے اخراجات کے لیے چندہ کی ضرورت ہے جو صاحب اس میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنا نام اور رقم خود اپنے قلم سے لکھ دیں اس کاغذ پر کسی معین چندہ دہندہ کا نام نہیں لکھا گیا اور ایک لڑکے عبد الکریم کو وہ کاغذ دے دیا اور کہہ دیا کہ اس کاغذ کو فلاں جگہ لے جاؤ کسی سے کچھ کہنا مت صرف دے دینا اگر وہ کچھ لکھیں تب اور نہ لکھیں تب واپس لے کر چلے آنا۔ یہ چندہ بالکل حلال تھا جو مولوی وعظ کہہ کر نذرانہ قبول کرتے ہیں یا چندہ وصول کرتے ہیں ان کے وعظ و نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

(حسن العزیز۔ص:۲/۵)

(۳) جس کام کے لیے چندہ کی ضرورت ہو صرف اس کام کی عام اطلاع کر دینا کافی ہے اس پر اگر کوئی اعانت کرے قبول کرے ورنہ علماء کو امراء کے دروازوں پر جا کر ان سے سوال کرنا نہایت ناپسندیدہ بات ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت۔ص:۲/۲۳)

اور یہ کبھی نہ خیال کیا جائے کہ اس طرح کون دیتا ہے یہ خیال غلط ہے جتنا آنا ہوتا ہے آتا ہے اس کا کامل تجربہ ہو چکا ہے ہرگز وسوسہ نہ کیا جائے۔

(تجدید تعلیم تبلیغ۔ص ۲۸)

چندہ دینے والوں کو دعا کی درخواست بھی نہ کرنا چاہیے البتہ چندہ لینے والوں کو از خود دعا دینا چاہیے

بس ادب یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے وہ یہ کہ دینے والا تو جزاء کا منتظر نہ رہے لیکن لینے والا خود شکریہ ادا کرے۔ میں کہتا ہوں کہ دینے والے کو اس کی فرمائش ہی نہیں کرنا چاہیے ہاں لینے والے کا کام ہے کہ خود ہی دعا کرے گا تمہاری طرف سے خواہش کیوں ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا" حق تعالیٰ نے جزا اور شکور کی نفی فرمائی ہے اور دعا بھی ایک قسم کی جزا یا شکور ہے کیونکہ دعا سے مکافات کرنا یہ عوض ہے پس یہ حکماً جزا ہے اور "لا شکورا" سے معلوم ہوا کہ شکریہ بھی نہیں چاہیے ہاں لینے والے کو دعا کرنے کا حکم ہے وہ خود دعا کرے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ الٰی أن قال...... وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" [الآیۃ پ ۱۰]

(حسن العزیز۔ ص: ۳/۳۰)

ا۔ جو لوگ مقتدا کہلائیں (علماء) ان کے لیے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ وہ نظروں سے نہ گریں اور یہ امر حاصل ہوتا ہے استغناء سے۔ البتہ جب کبھی چندہ کی ضرورت ہو تو تحریک عام کا مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی ذلت نہیں ہے رہی تحریک خاص اس میں اگر یہ یقین ہو کہ نہ میں ذلیل ہوں گا اور نہ مخاطب پر گرانی ہوگی تب تو جائز ہے اور اگر ان میں سے ایک کا بھی احتمال ہو تو نا جائز۔

اور جو میں ہمیشہ ممانعت کیا کرتا ہوں وہ اسی تحریک خاص کی بعض صورتوں میں یہ تو تحقیق ہے اس کی جو میں سمجھتا ہوں۔ رہا عمل تو عمل کرنے میں اپنی اپنی رائے ہے میں نے اپنے لیے یہ تجویز کرلیا ہے کہ تحریک عام میں تو کبھی رکا نہ جائے اور تحریک خاص کو مع دونوں قسموں کے ترک کر دیا جائے۔ اس وقت میں تحریک عام کر رہا ہوں اس میں بحمد اللہ کوئی مضائقہ نہیں اور نہ یہ سوال ہے۔ بلکہ دعوت الی الدین ہے۔

(تجارت آخرت۔ ص: ۸۸)

علماء کے چندہ کرنے کا طریقہ

پس اول تو یہ چاہیے کہ علماء چندہ کا کام ہی نہ کریں اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو کم از کم چندہ میں استغناء ہی کا طریقہ اختیار کریں کسی کی خوشامد اور للو پتو نہ کیا کریں۔ (انفاس عیسیٰ۔ ص: ۱/۲۸۸)

اہل علم کے چندہ کرنے کی بابت بعض اکابر کا ارشاد

فرمایا مولانا مملوک علی صاحب (سابق نائب مہتمم دار العلوم دیوبند) سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ اشکال پیش کیا کہ مدارس اسلامیہ کے لیے چندہ جمع کرنے میں بہت سے منکرات پیش آتے ہیں لوگوں میں علم و علماء کی تحقیر پیدا ہوتی

ہے اور چندہ نہ کریں تو ان مدارس کا کام کیسے چلے۔ حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ چندہ کرو مگر غریبوں سے۔

حضرت نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح علاج ہے وجہ یہ ہے کہ غریب لوگ چندہ جمع کرنے والے علماء کو حقیر نہیں سمجھتے تعظیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور جو کچھ دیتے ہیں خوش دلی کے ساتھ دیتے ہیں جس میں برکت ہی برکت ہوتی ہے مگر اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غریبوں سے چندہ ملے ہی گا کتنا مگر یہ خیال اولا تو یوں غلط ہے کہ دنیا میں ہمیشہ غریبوں کی تعداد مالداروں سے زیادہ رہی ہے اگر سب غریب آدمی ایک ایک آنہ دینے لگیں تو لاکھوں کی رقم جمع ہو جائے گی دوسری بات یہ کہ اگر فی الواقع چندہ کم وصول ہو تو کام کو اسی پیمانہ پر کرو، زیادہ نہ بڑھاؤ کیا ضروری ہے کہ قدرت سے زیادہ بار اٹھایا جائے۔

(تجارت آخرت۔ص:۸۸)

چندہ صرف غرباء سے کیا جائے غرباء سے مراد

ایک شخص کہنے لگے کہ امراء سے تعلق رکھے بغیر مدارس وغیرہ کا کام نہیں چلتا میں نے کہا "انا عند ظن عبدی بی" (میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں) چونکہ تمہارا یہی خیال ہے تو تمہارا کام نہ چلتا ہوگا۔

اگر اہل علم استغناء اختیار کرلیں تو تمام امراء ان کے دروازوں پر آنا شروع ہو جائیں میں اہل مدارس کو چندہ کرنے سے منع نہیں کرتا لیکن دو چیزیں ضروری قابل التزام سمجھتا ہوں ایک تو یہ کہ چندہ کا خطاب عام ہو کسی خاص تحریک سے نہ کیا جائے دوسرے یہ کہ (چندہ کی تحریک) صرف غرباء سے لی جائے اور غرباء سے مراد مفلس (غریب) نہیں بلکہ مخلص امراء بھی ان میں داخل ہیں امراء (مالداروں) میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود ہیں اہل دنیا بھی اور اہل دین بھی سو یہ مسکنت مال کی نہیں بلکہ وہ مسکنت تواضع اور خلوص کی ہے اور ایک مسکنت "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ" کا مصداق ہے تو یہ مسکنت عتاب ہے۔

اسی طرح فقر دو طرح کا ہے ایک فقر اختیاری جس کی حقیقت زہد ہے اور ایک فقر اضطراری یہ عذاب ہے۔

(افاضات الیومیہ۔ص:۶/۳۱۸)

علماء کرام کے چندہ کرنے کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی رائے

مولویوں کے چندہ سے تو دین کی بڑی بے وقعتی ہو رہی ہے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا دھندہ اپنے پیٹ کے واسطے کیا جارہا ہے اس لیے میری رائے یہ ہے کہ علماء کو چندہ کا کام ہرگز نہ کرنا چاہیے بلکہ جو کام دین کا کرنا ہو اس کے لیے قوم کے معزز آدمیوں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ صاحبو! دین کی حفاظت کے لیے اس کام کی ضرورت ہے آپ بھی غور کرلیں کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں اگر وہ ضرورت کو تسلیم کرلیں تو ان سے کہا جائے کہ سب مل کر اس کا انتظام کریں اور روپیہ بھی جمع کریں اور اگر وہ یہ کہیں کہ یہ کام

ضروری نہیں فضول ہے تو علماء کو چندہ لینے کی ضرورت نہیں بس وہ کام بند کر کے اپنے گھر پر رہیں اور تجارت وزراعت یا کسی اور شغل میں لگیں اور فرصت کے وقت میں جتنا ہو سکے دین کا کام کریں اس صورت میں قیامت کے دن ان پر مواخذہ نہ ہوگا یہ صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے مسلمانوں کے سامنے دینی خدمت کی ضرورت ظاہر کر دی تھی انہوں نے اس کو فضول بتلایا اور روپیہ کا انتظام نہ کیا اور ہمارے چندہ کرنے سے دین کی بے وقعتی ہوتی تھی اس لیے ہم نے چندہ نہ کیا معاش کے ساتھ جتنا ہم سے ہو سکا اس قدر دین کی خدمت کرتے رہے اس کے بعد ان لوگوں کی گردنیں نہیں گی جو دین کی خدمت کو فضول بتلاتے تھے۔ ذرا علماء اس طرح کر کے تو دیکھیں ان شاء اللہ عوام سب سیدھے ہو جائیں گے اور خود چندہ کر کے روپے لا لا کر دیا کریں گے۔

میری رائے یہ ہے کہ علماء سے چندہ کی تحریک بھی مت کراؤ انہیں چندہ وصول کرنے کے لیے مت مقرر کرو اس میں بھی ان کا اعتبار جاتا رہتا ہے میری رائے یہ ہے کہ چندہ کی تحریک رؤساء کریں ان کی تحریک کا اثر زیادہ ہوگا کیونکہ وہ خود بھی دیں گے علماء کی طرف تو یہ خیال ہوگا کہ وہ دوسروں ہی سے کہتے ہیں خود کچھ بھی نہیں دیتے رؤساء پر یہ بدگمانی نہیں ہو سکتی کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص پچاس روپیہ اپنی جیب سے دے گا تو وہ اوروں سے پچیس لے سکتا ہے اور یہ رؤساء کر سکتے ہیں اس لیے علماء کو چاہیے کہ وہ اس کام کو نہ کریں پھر یہ تحریک علماء کے فرض منصبی میں بھی مخل ہوتی ہے۔

علماء سے وہی کام لو جس کام کے لیے وہ ہیں یعنی ان سے دین سیکھو مگر آج کل علماء سے وہ کام لیا جاتا ہے جو ان کا نہیں ہے۔ کانفرنسوں میں لوگ علماء کو صرف اس لیے بلاتے ہیں کہ ان کے "قال اللّٰہ و قال الرسول" کے ذریعہ خوب چندہ ہوگا سبحان اللہ مولوی کیا ہوئے بھاڑہ کے ٹٹو ہوئے، علماء کو بھی چاہیے کہ وہ ان امور سے احتراز کریں۔ (التبلیغ۔ص:۷۰/۲، وعظ خیر المال)

خدام دین اور چندہ سے متعلق چند فوائد

"لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ" اس آیت سے اور بھی چند فوائد معلوم ہوئے ایک یہ کہ کیسے لوگوں کو (یعنی جو جماعت خدمت دین کے لیے محبوس ہے) جو مدلول ہے "اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" کا ایسے لوگوں کو کسی دنیادار کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرنا چاہیے بلکہ اغنیاء کی طرح مستغنی رہیں "یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ" اس پر دال ہے۔

ایک یہ اموال کا سوال (چندہ) کسی سے نہ کرے یدل علیہ قولہ تعالٰی "لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا" چندہ کی ترغیب کرنا اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ دعوت الی الخیر ہے اس میں اور سوال میں یہ آیت فرق بتلا رہی ہے۔ "لَا یَسْئَلْکُمْ اَمْوَالَکُمْ الی قولہ ھٰۤاَنْتُمْ ھٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ"

ایک یہ کہ گو وہ سوال نہ کریں مگر دوسروں کو چاہیے کہ اس کا تجسس رکھیں اور فراست وقرائن سے پہچان کر ان کی خدمت کریں۔ یدل علیہ قولہ تعالیٰ "تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ "۔

ایک یہ کہ اہل چندہ ان کی خدمت کر کے احسان نہ رکھیں کیونکہ وہ اپنے نفع کے لیے ہے۔ یدل علیہ قولہ تعالیٰ "وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ"۔ (حقوق العلم۔ص:۱۶)

مسلمانوں کے لیے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ مقتداء دین اور علماء بھیک مانگیں

مگر اب تو غضب یہ ہے کہ مسلمان یوں چاہتے ہیں کہ علماء خود ہی روپیہ جمع کریں، آپ کو شرم نہیں آتی کہ جن علماء کو مقتداء سمجھتے ہو ان ہی سے بھیک منگوانا چاہتے ہو آپ کو لازم ہے کہ رقم کا انتظام خود کرو اور کام کے لیے علماء سے عرض کرو۔ (التبلیغ۔ص:۱۶/۹۷)

آج کل اہل علم کو چندہ سے روکنا تو مشکل ہے اور یہ سوال کی رسم دنیا سے اٹھنا دشوار ہے مگر قوم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے دین کی بے عزتی کیوں کرتے ہو علماء کے سپرد تم نے یہ خدمت کیوں کی کہ جس سے وہ ذلیل ہوئے اور ان کے ساتھ علم اور دین بھی ذلیل ہوا غیرت قومی کیسے گوارہ کرتی ہے کہ اپنے علماء کو لوگوں کی نظروں میں بے وقعت دیکھا جائے۔ (التبلیغ۔ص:۱۵۴/۱۰)

اہل مدارس چندہ لے لیتے ہیں یہ ان کا احسان ہے

فرمایا مدارس کے لیے عادۃً چندہ ضروری ہے مگر ہم آپ سے مانگتے نہیں اور بے مانگے اگر ہم لے لیں تو اس میں عامل لغیرہ ہیں عامل لنفسہ نہیں (اپنی ذات کے واسطے نہیں لیتے) ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خوانخواہ جھگڑے میں پڑیں آپ سے مانگیں وصول کریں پھر اس کی حفاظت کریں حساب وکتاب لکھیں پھر سب سے زیادہ مشکل ہے کہ اس کے مصرف میں اس کو صرف کریں اور غیر مصرف میں اس کو صرف نہ ہونے دیں یہ سب کام تمہارے ہیں ہمارا احسان ہے کہ تمہاری طرف سے ہم کر دیتے ہیں اگر ہم پر بدگمانی ہے تو ہم کو ایک پیسہ مت دو ہمیں اور سینکڑوں کام ہیں اس کو اگر ثواب کی بات سمجھتے ہو خود کرو ہم ہی کیوں کریں۔

(القول الجلیل۔ص:۴۴)

چندہ دینے والوں کا ہم پر کوئی احسان نہیں

دینی کاموں میں چندہ دینے والوں کے لیے ہمارے منہ سے قیامت تک یہ پانچ حرف نہیں نکل سکتے یعنی لفظ "شکریہ" کیونکہ ہمارے اوپر چندہ دینے والوں کا کیا احسان ہے کیونکہ دین کی امداد ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے تو آپ جلسہ میں اپنے کام کے لیے آئے اور امداد اپنے فرض کو ادا کرنے کے لیے کی جس سے مقصود ثواب اور رضاء الٰہی ہے ہمارے اوپر کون سا احسان ہے جو ہم اس کا شکریہ ادا کریں بلکہ انصاف

یہ ہے کہ پہلے تم کو ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ جلسہ تمام قوم کا ہے اس کے انتظام کا بار جو ہم نے اٹھایا ہے اس کا احسان آپ پر ہے یا نہیں اور یہ کام ہم نے پہلے کیا اس لیے ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہیے اس کے بعد ذرا دیر کے لیے آپ بھی جلسے میں آگئے اور کچھ رقم دے گئے اور بس فارغ ہو گئے ہم نے انتظام میں بہت وقت خرچ کیا اور اب تک ہمارا کام ختم نہیں ہوا ہے آپ کا کام تو گھنٹہ کا ہے اور ہمارے ذمہ یہ بلا مہینوں برسوں بلکہ تمام عمر کے لیے لگ گئی ہے اب بتائیے قوم کا کام ہم نے زیادہ کیا یا تم نے اور شکریہ آپ کے ذمہ زیادہ واجب ہے یا ہمارے ذمہ؟

مدرسہ والے شکریہ کے مستحق ہیں

جو مدارس قرآن پاک کی اشاعت کے لیے قائم ہیں ان کی امداد کرو لوگوں کو ایسے مدارس کے مہتممین کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انہوں نے اس فرض کفایہ سے سبکدوش کر رکھا ہے۔

(التبلیغ۔ ص: ۲۱/۲۲۷، تعیم التعمیم)

علماء عوام کے محتاج نہیں عوام علماء کے محتاج ہیں

آپ اپنے کو کنواں اور ہم کو پیاسا سمجھتے ہیں حالانکہ واقع میں اس کا عکس ہے دلیل یہ ہے کہ ہمارے پاس دین ہے جس کی تم کو بھی حاجت ہے اور تمہارے پاس دنیا ہے جس کی ہم کو حاجت ہے مگر اتنا فرق ہے کہ ہمارے پاس بقدرِ ضرورت دنیا موجود ہے جس سے ہم تمام عمر تم سے مستغنی رہ سکتے ہیں اور تمہارے پاس دین بقدر ضرورت بھی موجود نہیں ہے اس لیے تم ہم سے کسی طرح مستغنی نہیں رہ سکتے اور یہ آپ کی بے حسی ہوگی اگر دین کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ (حسن العزیز۔ ص: ۱۷۱)

عوام ہی مدارس کے محتاج ہیں

میں نے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ تم اگر علماء کو اپنا محتاج سمجھتے ہو تو ان کو دینا بند کر دو سب لوگ اتفاق کر کے اپنی امداد روک لو الحمد للہ ہم کو کچھ پرواہ نہیں ہے ہم میں سے کچھ چاول کی دکان کر لیں گے کچھ آٹا دال کی کچھ چیزوں کی مگر اس حالت میں تم اپنی اولاد کی فکر کرو پچاس سال بعد تمہاری اولاد کا کیا حشر ہوگا کچھ یہودی ہوگی کچھ نصرانی کچھ آریہ معاذ اللہ! کیونکہ ان آفات سے مانع تعلیم ہے اور اس صورت میں علماء تعلیم کے لیے فارغ نہ ہوں گے۔ (کلمۃ الحق۔ ص: ۳۶)

علماء و عوام کا تقسیم کار

چندہ کا کام تو تم خود کرو اور علماء سے وہ کام لو جوان کے کرنے کا ہے یعنی تعلیم و تبلیغ اور تعلیم و تبلیغ کے متعلق جو نظم و نسق ہو اس میں دخل مت دو اور مالی انتظامات اپنے ہاتھ میں رکھو اس میں علماء کچھ دخل نہ دیں اور دینے والوں کو اور وصول کرنے والوں کو سب کو چاہیے کہ اس کام کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ سوال سے علماء کی تو

تحقیر ہوتی ہے اور قوم کی تحقیر نہیں ہوتی کیونکہ علماء کے مانگنے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اپنے پیٹ کے واسطے مانگتے ہیں اور قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے مانگنے میں یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ اپنے پیٹ کے واسطے مانگتے ہیں اسی واسطے مولویوں کو چندہ نہیں ملتا اور ایسے لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں تو فوراً ملتا ہے مولویوں کی تو صورت دیکھ کر لوگ چھپ جاتے ہیں، بھک منگوں کا نام مولوی؟ حیرت کی بات ہے۔ (التبلیغ۔ص:۱۵۵/۱)

ہمارے ذمہ تمہارے دین کی خدمت ہے اور تمہارے ذمہ ہماری خدمت ہے انصاف کی بات تو یہ ہے لیکن اب انصاف نہیں رہا مگر میں علماء سے کہتا ہوں کہ اس کا استغاثہ کسی انسان کے پاس نہ لے جاؤ بلکہ حق تعالیٰ کے پاس لے جاؤ اور اپنا کام کیے جاؤ حق تعالیٰ خود ہی سنیں گے۔ میں نے تو اپنا طرز عمل یہی رکھا ہے۔ (التبلیغ۔ص:۱۵۸/۱)

چندہ کرنا علماء کا کام نہیں، روساء کا کام ہے

چندہ کرنا علماء کا کام نہیں ہے یہ کام دنیا والوں کا ہے علماء اس طرح نہیں کرسکتے اور جو ایسا کرتے ہیں اچھا نہیں کرتے اس کا انتظام سب مسلمانوں کے ذمہ ہے ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کام بھی کریں اور بھیک بھی مانگیں۔

اگر بدوں مانگے ہمارے پاس مسلمان روپیہ بھیج دیں گے اس سے ہم کام چلاتے رہیں گے اور نہ بھیجیں گے تو خدا تعالیٰ سے عرض کردیں گے اس کام کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی مسلمانوں نے مالی اعانت پر توجہ نہ کی اور ہم نے بھیک مانگنے میں دین کی ذلت سمجھی اس لیے ہم تو اس جواب سے سبکدوش ہو جائیں گے اس کے بعد عام مسلمانوں سے مواخذہ ہوگا کہ تم نے مالی اعانت کیوں نہیں کی۔

(التبلیغ۔ص:۱۵۸/۱)

۲۔ فرمایا موٹی سی بات ہے کہ جس سے دین کا علاقہ ہو اس سے دنیا کا کام لینا ہی نہیں چاہیے۔

(حسن العزیز۔ص:۲۵۸/۱)

۳۔ فرمایا چندہ مانگنے کا کام علماء کے ذمہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس میں ان کی ذلت ہے اور امراء کے لیے ذلت نہیں۔ (القول الجلیل۔ص:۸۳)

۴۔ میں تو چندوں کی بابت علماء کا زبان سے کہنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ لوگ بڑی تہمتیں لگاتے ہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کمانے کے لیے مولویوں نے مدرسے کھول رکھے ہیں ان کے دروازہ پر چندہ کے لیے کبھی نہ جائے۔ (حسن العزیز۔ص:۵۰۹)

علماء کے ذمہ چندہ کرنا لازم نہیں اور نہ ہی ان کی شان کے مناسب ہے، شرعی دلیل

علماء کا طرز تو وہ ہونا چاہیے جو رسول کریم ﷺ کا طرز تھا۔ حضور کریم ﷺ کو تو یہ حکم تھا کہ ''وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ'' یہی ان کا بھی طرز ہونا چاہیے اور حضور کریم ﷺ کو ارشاد خداوندی ہے ''أَمْ تَسْئَلُهُمْ

خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ خَیْرٌ" [الآیة] یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔ سو مانگنا علماء کا کام نہیں ان نصوص کی بناء پر ان کی شان کے بھی خلاف ہے اور ان پر بدگمانی بھی ہوتی ہے۔ (التبلیغ خیر المال۔ص:۷۰/۲)

علماء کا کام صرف یہی ہے یعنی قرآن وحدیث کے معانی حل کرنا، احکام شرعیہ بیان کرنا وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ (التبلیغ۔ص:۲۳۳/۱۵)

علماء کرام کے چندہ کرنے میں خرابیاں

اگر سوال کسی کار خیر کے لیے ہو تب بھی کچھ نہ کچھ ذلت ضرور ہوتی ہے۔ لوگ اس کو کار خیر سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو یہ کار شر ہے اس سوال میں طرح طرح کی خرابیاں ہیں مشترک خرابی تو یہ کہ دین کی ذلت ہے۔ اور ان علماء کے لیے جو سوال کرتے ہیں یہ خرابی ہے کہ ذلیل ہوتے ہیں اور چند روز میں حیا جاتی رہتی ہے، مشاہدہ ہے کہ اکثر سائلوں کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں اور علم کے آثار مٹ جاتے ہیں، ہاتھ پھیلانے کی بدولت علماء لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو گئے اسی وجہ سے ان کی بات میں اثر نہیں رہا۔ اور اسی وجہ سے امراء اپنے بچوں کو عربی نہیں پڑھاتے بعض تو صاف کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی اولاد کو گداگر بنانا منظور نہیں یہ عذر گوان کا کافی نہ ہو مگر کچھ اصلیت تو رکھتا ہے اس واسطے علماء اس اعتراض سے بالکل نہیں بچ سکتے اور یہ طریقہ فی نفسہ برا ہونے کے علاوہ اس مفسدہ کو بھی مستلزم ہے کہ لوگوں کو مانع عن تعلیم الدین ہے غرض دونوں طرف خرابی ہے مگر زیادہ الزام قوم پر ہے۔ (التبلیغ وعظ امید راحت۔ص:۱۷۱)

علماء کیوں ذلیل ہوئے، زیادہ قصور کس کا ہے؟

مگر اس میں زیادہ قصور ان عوام کا نہیں بلکہ ایسے مولویوں کا ہے کہ ان ہی نے اپنے افعال سے عوام کے خیال کو خراب کیا۔ اگر علماء اس سے پرہیز کرتے تو عوام کو بھی ایسی جرأت نہ ہو سکتی یہ تو اہل علم کی غلطی تھی۔ (دعوات عبدیت الرضا بالدنیا۔ص:۱۰۱/۹)

فرمایا کہ امراء کی کیا خطا ہم لوگوں نے خود اپنی حالت ایسی کر لی امراء جو اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان امراء کو ایسے ہی اہل علم ملے تھے جو قابل ذلت تھے اس لیے میں امراء کو معذور سمجھتا ہوں چونکہ ان میں نسبت مع اللہ راسخ نہیں ہوتی اس لیے اس کے آثار وخواص سے بھی خالی ہوتے ہیں اور اس سبب سے ایک گونہ مال کی محبت ان کو ہو جاتی ہے اور اس محبت مال کے سبب ایسے لوگ اہل دنیا کے پاس جا کر اپنی حالت ظاہر کرتے ہیں اور ان کی نظروں میں ذلیل ہوتے ہیں اور ان کی ذلت کی وجہ سے علم دین کی ذلت ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے۔ "بئس الفقیر علی باب الامیر"۔

(حسن العزیز۔ص:۵۰۸/۱۔ دعوات عبدیت العاجلہ۔ص:۸۳/۱۰)

واللہ! اگر علماء آج دست کش ہو جائیں جیسا کہ اہل حق بحمد اللہ ہیں تو یہ بڑے بڑے متکبرین ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں بلکہ علماء کے لیے تو یہ مناسب ہے کہ اگر کوئی دنیادار ان کے سامنے کوئی چیز پیش بھی کرنے تو لینے سے انکار کر دیں علماء کا وجود فی نفسہ ایسا محبوب تھا کہ اگر یہ کسی کے گھر چلے جاتے تو اس دن عید ہونی چاہیے تھی حالانکہ آج وہ دن یوم الوعید ہو جاتا ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان طماعوں کی بدولت ہر عالم کی صورت دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کچھ مانگنے آئے ہوں گے۔ علماء کی تو وہ حالت ہونا چاہیے کہ مال اور جاہ دونوں کو آگ لگا دو۔ اگر تم ان امراء کے دروازے پر جانا چھوڑ دو تو یہ خود تمہارے دروازے پر آئیں گے۔ (دعوات عبدیت طریق النجاۃ۔ ص: ۱۲/۴۵)

ایک ذی استعداد عالم کا واقعہ بیان کیا کہ دنیادار فاسق فاجر شرابی کے یہاں کسی کی سفارش کے لیے پہنچے تو وہ ہواخوری کے لیے ٹم ٹم پر جا رہا تھا کہا اس وقت فرصت نہیں پھر آئیے گا، مولوی صاحب پھر پہنچے۔

(حسن العزیز۔ ص: ۱/۵۰۸)

یہی وہ جماعت ہے جن کو دیکھ کر اہل دنیا علم دین سے متنفر ہو گئے علم دین کو ہم نے خود ذلیل کیا ہے ورنہ وہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں، دربار دہلی میں جب بادشاہ کے سامنے علماء گئے تو ان کو دیکھ کر بادشاہ خود جھک گئے۔ اب بتلایئے کہ ان کے پاس کیا چیز تھی کون سا ملک تھا صرف یہ بات تھی کہ یہ عالم ہیں دین کے پیشوا ہیں لیکن اگر ہم خود ہی بے قدری کرائیں تو اس میں کسی کا کیا قصور؟ (دعوات عبدیت۔ ص: ۹/۱۰۰)

اگر چندہ نہ کیا جائے تو مدرسے کیسے چلیں؟

اہل مدارس کہہ دیتے ہیں کہ اگر اس طرح سے نہ کیا جائے تو کام کیسے چلے میں کہتا ہوں تحریک عام کا مضائقہ نہیں اگر خلوص سے کام لیا گیا ہے تو اس تحریک کا بھی اثر ضرور ہوگا اور اگر اثر نہ ہو تو نہ سہی ہر شخص اتنے کام کا مکلف ہے جو اس کے بس کا ہو آپ اپنا کام کر چکے کوئی نہیں دیتا، مت دینے دو رہا یہ کہ کام بند ہو گیا تو میں کہتا ہوں کہ جتنا تھوڑا بہت ہو سکے کرو اور جو بدوں بڑی رقموں کے نہ ہو سکے اس کو چھوڑ دو اگر مدرسے مٹ بھی جائیں تو مٹ جانے دو میں علماء سے کہتا ہوں کہ اس حالت میں اپنے گھر بیٹھو مزدوری کر کے کھاؤ کوئی آئے تو پڑھا دو کھانے کو نہ ملے تو اسی کونے میں مرجاؤ مگر ہاتھ مت پھیلاؤ اور خدا تعالیٰ کے سامنے کہہ دینا کہ جتنا ہم سے ہو سکا اتنا ہم نے کیا اس سے زیادہ کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی جو ہمارے پاس نہیں تھا جن کے پاس تھا انہوں نے دیا نہیں اس وقت ساری قوم کی گردنیں نپ جائیں گی۔

(التبلیغ۔ ص: ۱/۱۵۳)

اپنے اختیار و قدرت میں جتنا ہو سکے اتنا ہی کام کرو

ان صاحب کو یہی حسرت ہے کہ مدرسہ کا کام گھٹ گیا۔ اہل مدارس کہتے ہیں کہ اگر سوال نہ کیا جائے تو کام کیسے چلے؟ ارے ہم کہتے ہیں کہ کام سے مقصود کیا ہے؟ رضا، وہ تو نہیں گھٹی، جب سو طالب علموں کی خدمت اختیار میں ہے پانچ کی کریں گے کام ہلکا اور ثواب وہی پھر غم کس چیز کا؟

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ بیمار پڑ جاتا ہے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ میرا بندہ معذور ہو گیا ہے جو نیک عمل یہ صحت کی حالت میں کرتا تھا اب بھی تم وہی لکھتے رہو دیکھئے ثواب وہی لکھا جاتا ہے حالانکہ عمل نہیں اگر ہم پانچ (طلبہ) ہی کی خدمت کی قدرت رکھتے ہیں لیکن نیت یہ ہے کہ اگر قدرت ہوتی تو سو کی خدمت کرتے تو ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ سو کی خدمت کرنے میں ملتا ہے بلکہ یہ تو اور بھی اچھا ہے دماغ بھی ہلکا رہا اور ثواب پورا ملا۔ (حسن العزیز۔ ص:۱/۱۸۳)

اہل مدارس کو چاہیے کہ بس خدا ہی پر نظر رکھ کر کام کریں

آج کل کے ہدایا اور چندے کسی نہ کسی خرابی کو ضرور مستلزم ہوتے ہیں۔ اگر آبرو بگڑے یا دینے والے لینے والے کو ایذا ہو تو وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھائی جائے اگر علماء زبان کو چندہ سے روک لیں تو اس طرح حق تعالیٰ بے گمان پہنچا دیں کہ انسان کی عقل حیران رہ جائے جس کا جی چاہے آزما لے مجھے تو ہر روز تجربہ ہوتا ہے جب علماء حق تعالیٰ کا کام کریں گے تو کیا حق تعالیٰ ان کو بھول جائیں گے وہ تو سرکاری ملازم ہوں گے تو کیا سرکاری ملازم کو کفایت کا سامان نہ ملے گا۔

انسان کو استغناء کی حقیقت اختیار کرنا چاہیے اس میں خود یہ اثر ہے کہ دنیا کھنچتی چلی آئے گی مگر خدارا محض اس نیت سے استغناء نہ کرنا محض اللہ کے واسطے مستغنی بننا چاہیے اور کسی کے سامنے سوائے حق تعالیٰ کے ہاتھ نہ پھیلانا چاہیے یہ طریقہ علماء نے چھوڑ دیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی بات میں اثر نہیں رہا۔

(التبلیغ۔ ص:۱/۱۶۸)

بس خدا ہی پر نظر رکھیں حق تعالیٰ آپ اپنا کام کریں گے۔

بس خدا پر توکل کر کے کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ فاقہ کی نوبت آئے گی ہی نہیں کام کیجئے کام خود لوگوں کو متوجہ کر لیتا ہے مگر اللہ کے واسطے کیجئے یہ بھی نیت نہ رکھئے کہ لوگ رجوع ہوں۔ (التبلیغ۔ ص:۱/۱۵۴)

فرمایا کہ اپنی ذات سے دین کی جو خدمت ہو سکے وہ کرے اگر چندہ نہ آئے نہ سہی اگر ہم لوگوں کے قلوب درست ہو جائیں تو سلف صالحین کے طرز پر دین کی خدمت کریں ان کو بڑے بڑے مکانوں کی ضرورت نہ تھی ہر عالم اپنے اپنے گھر پر درس دیتا تھا لیکن میں یہ رائے نہیں دوں گا کہ مدرسے موقوف کر دیئے جائیں مدرسوں کا وجود خیر عظیم ہے یہ موقوف نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے مگر اعتدال سے تو نہ گزرے۔ (حسن العزیز۔ ص:۱/۵۰۹)

استغناء کے ساتھ مدرسہ چلانے کا طریقہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر لوگ خالص نیت کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں تو اپنے آپ ہی لوگ آ کر خدمت کریں گے...... کانپور میں جب میں پڑھاتا تھا تو مدرسہ کی مسجد میں طلبہ کے لیے ایک حوض تیار کرانے کی ضرورت ہوئی اور روپیہ تھا نہیں اور کسی سے چندہ مانگنے کو طبیعت نے گوارہ نہ کیا بس میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ تم اپنے اختیار کا کام کر دو اور ایک جگہ متعین کر کے گڑھا کھدوا دیا گیا اور چھوڑ دیا گیا لوگ دریافت کرتے کہ یہ کیا ہے؟ ہم کہتے کہ حوض ہے جتنی ہمارے اندر طاقت تھی اور جتنا سامان ہمارے پاس تھا اتنا ہم نے کر لیا آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے، دو ایک دن تو یوں ہی پڑا رہا اس کے بعد ایک دن محلّہ میں ایک بڑی بی نے مجھ کو اپنے گھر بلایا جو پہلے بھی کبھی بلایا کرتی تھیں اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حوض تجویز ہوا ہے اس کا کیا انتظام کیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ جتنا کام ہمارے اختیار میں تھا اتنا کرا دیا ہے کہنے لگیں کیا تخمینہ ہے میں نے کہا پانچ سو روپے کہنے لگیں میں دوں گی میرے سوا کسی اور کی رقم نہ لگے اب اور لوگ آنے شروع ہو گئے کہ صاحب ہمارے پانچ روپے قبول کر لیجئے ہمارے دس روپے قبول فرمایئے میں نے کہہ دیا کہ ایک بی بی نے ایسا کہہ دیا ہے ہاں ایک سائبان کی تجویز ہے کہ اس کے اوپر ڈالا جائے کہنے لگے تو پھر ہم اسی کے لیے دیتے ہیں چنانچہ اسی طرح حوض بھی تیار ہو گیا اور سائبان بھی تیار ہو گیا تھوڑا سا کام شروع کر دینے سے کام قابو میں رہتا ہے۔

ہم نے اپنے وطن میں ایک مدرسہ شروع کر رکھا ہے مگر اس انداز سے کہ نہ کسی سے چندہ مانگا جاتا ہے نہ کسی کو ترغیب دی جاتی ہے طلبہ سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر توکل کر کے رہیں تو رہیں ہم ذمہ داری نہیں لیتے خدا تعالیٰ نے دیا تو ہم دیں گے مگر باوجود اس استغناء کے مدرسہ اچھی خاصی طرح چل رہا ہے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۶۱/۷)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حدیث کے دورہ میں ستر ستر طالب علم ہوتے تھے ان کا کھانا بھی کپڑا بھی ہوتا تھا مگر کچھ فکر ہی نہیں نہ (چندہ کی) تحریک کی، نہ کبھی کسی سے فرمایا ایک کمرہ بھی نہیں بنوایا نہ وہاں چندہ تھا، نہ کچھ تھا پھر ہر وقت خندہ ہی خندہ تھا۔ مولانا کے یہاں لوگوں نے مسجد بنوانا چاہی صاف فرما دیا کہ میرے بھروسے پر نہ بنوانا میں کسی سے نہ کہوں گا جب وہاں کی جامع مسجد تیار ہوئی ہے مولانا کو اس کا بڑا اہتمام تھا مگر اس کے باوجود کسی کو بھی نہیں کہا نواب محمود علی خان نے عریضہ بھیجا کہ تخمینہ کر کے بھجوا دیجئے مولانا نے صاف جواب دے دیا کہ مجھے تخمینہ کرانے کی فرصت نہیں نہ میرے پاس آدمی ہیں اگر آپ کا دل چاہے خود اپنے آدمی سے تخمینہ کرا لیجئے۔ لوگ ایسے موقعوں کو غنیمت سمجھتے ہیں لیکن وہ کیوں

غنیمت سمجھتے ہیں جس کے پاس اس سے زیادہ غنیمت یعنی حق تعالیٰ موجود ہوں مولانا نے صاف جواب دے دیا علماء کی یہ شان ہونا چاہیے۔ اگر قلب میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو بادشاہ کی بھی حقیقت نہیں۔

اللہ کی نصرت وحمایت

ایک مرتبہ ایک ڈپٹی صاحب نے اطلاع بھیجی کہ ہم مدرسہ کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں حضرت (مولانا یعقوب صاحب) نے ان کی نشست کا انتظام کرسیوں پر مدرسہ کے باہر ایک مکان میں کر دیا اور ان کی مہمانی کا بھی وہیں انتظام کیا اور خود قصبہ رامپور تشریف لے گئے یہاں لوگوں سے فرما دیا کہ آئیں تو مہمان کے اکرام کا لحاظ رکھ کر مدرسہ کا معائنہ کرا دیں کوئی بات خلاف تہذیب نہ ہو مگر حضرت کا دل چاہتا تھا کہ وہ نہ آویں اور دعا بھی کی، خدا کی قدرت وہ ڈپٹی صاحب آئے تھانہ بھون پہنچے اور مدرسہ تک بھی آئے دروازہ پر کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر واپس چل دیئے۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص:۳۲۸)

اسی طرح ایک مرتبہ مظفر نگر کا کلکٹر بلا اطلاع آیا حضرت اٹھ کر دروازہ پر تشریف لے گئے کھڑے کھڑے بات کی، مدرسہ کا مختصر حال پوچھا وہ بتلا دیا حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ بیٹھیں کرسی منگا دوں اس نے کہا فرصت نہیں پھر دروازہ سے واپس ہو گیا اور اپنے ساتھ کے لوگوں سے کہا واقعی بزرگ آدمی ہیں مجھ پر ان کی خاص ہیبت اور رعب طاری ہو گیا۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص:۳۲۷)

مسجد کی تعمیر کا واقعہ

تھانہ بھون کے اسٹیشن پر ایک مسجد بنی ہے جب اس کا کام شروع ہوا تو ہمارے پاس کل آٹھ روپے تھے وہاں ایک مولوی صاحب پرانی روش کے تھے انہوں نے پوچھا کہ مسجد کے لیے کتنے روپے جمع ہوئے لوگوں نے کہا کہ آٹھ روپے کہنے لگے آٹھ روپے؟ اور مسجد کا کام شروع کرا دیا؟ انہوں نے بڑا تعجب کیا اور یہ کہا کہ جب تک دو ہزار جمع نہ ہوں تعمیر کو ہاتھ نہ لگانا۔ آٹھ روپے سے بھی بھلا کہیں مسجد تیار ہوا کرتی ہے۔ مجھے یہ قصہ معلوم ہوا تو میں نے کہا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا ہے خدا کے پاس تو سارے خزانے ہیں اس کے یہاں روپے کی کیا کمی ہے۔ "وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" میں نے ناظم تعمیر سے کہا کہ تم بنیاد کھدواؤ اور کسی کا کہنا مت مانو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھدواؤ اللہ تعالیٰ ہی اس کو غیبی سامان سے بھر دیں گے ان مولوی صاحب نے کہا کہ میاں لڑکے ہو کچھ سمجھتے نہیں میں نے کہا کہ جب لڑکوں سے کام چل جائے تو بڈھوں کو بولنے کی ضرورت نہیں اور واقعی ان کے اعتبار سے تو ہم لڑکے ہی تھے۔ جب یہ آٹھ روپے خرچ ہو گئے اور روپیہ نہ رہا تو میں نے ناظم تعمیرات سے کہہ دیا تھا کہ کسی سے چندہ مت مانگنا وہ کہتے تھے کہ یہ حال ہو گیا کہ میں بازار کسی کام کے لیے جا رہا ہوں اور لوگ پکار رہے ہیں کہ میاں فلاں صاحب ذرا ادھر آیئے میں کہتا ہوں کہ بھائی مجھے کام کو جانا ہے وہ کہتے ہیں کہ اجی ذرا ٹھہرو تو پھر وہ خود آتے اور کوئی دو روپیہ اور کوئی چار روپیہ دے جاتا غرض لوگ بلا بلا کر روپیہ دیتے تھے۔

اس زمانہ میں بیگم بھوپال کے صاحبزادے بیمار تھے وہ اس قدر پریشان تھیں کہ ڈاک تک نہ دیکھتی تھیں اس حالت میں میں نے ناظم تعمیرات سے کہہ دیا تھا کہ تم ان کے پاس لکھ دو کہ یہاں ایک مسجد بن رہی ہے ایک کار خیر ہے اگر اس میں آپ حصہ لینا چاہیں تو حصہ لے سکتی ہیں میں آپ سے چندہ نہیں مانگتا صرف اس لیے اطلاع کردی کہ شاید علم ہونے پر پھر آپ کو خیال ہو کہ مجھے کیوں نہ اطلاع کی گئی، اس کار خیر میں مجھے کیوں نہ شریک کیا گیا۔

انہوں نے فوراً جواب دیا کہ تعمیر مسجد میں کتنے روپے خرچ ہوں گے تخمینہ کر کے اطلاع کیجئے ہمارے دوستوں نے کہا کہ کچھ زیادہ لکھ دیجئے کیونکہ خرچ اگر کہیں زیادہ ہو گیا تو زیادہ روپے کی ضرورت ہوگی اور خیر کا کام ایسا ہی ہے کہ کبھی بڑھ جاتا ہے میں نے کہا نہیں جی اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔ اگر بعد میں ضرورت ہوگی تو پھر دوسرا انتظام کردیں گے غرض ان کو صحیح تخمینہ کی بلا کم و بیش اطلاع کی گئی روپیہ آ گیا اتفاق سے کام بڑھ گیا اور روپے کی اور ضرورت پڑی میں نے ناظم سے کہا کہ ایک خط اور لکھ دو بیگم صاحبہ کو اور اس کا مضمون ہو کہ جو روپیہ آپ نے بھیجا تھا وہ تو سب لگ گیا اور اتفاق سے کام بڑھ گیا ہے آپ کو یہ اطلاع اس لیے نہیں کی جاتی ہے کہ آپ خواہ مخواہ اس کی تکمیل ہی کریں بلکہ اس لیے کی جاتی ہے کہ بعد میں آپ کو ناگواری نہ ہو کہ مجھے کیوں نہیں اطلاع کی آپ سے چندہ کی درخواست نہیں کی جاتی۔ آپ اگر آزادی سے دینا چاہیں تو دے دیں چنانچہ خط پہنچتے ہی فوراً روپیہ آ گیا اس واقعہ سے لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ ایسے استغناء کے ساتھ لکھا گیا تھا اور پھر بھی جلد کامیابی ہو گئی میں نے کہا کہ میاں یہ سنت انبیاء کی برکت ہے وہ بھی کسی سے چندہ نہیں مانگتے تھے ہم نے اس پر ہی عمل کیا ہے اس کی برکت سے خدا نے کام پورا کر دیا۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام ملحقہ محاسن الاسلام۔ ص:۶۴)

مدرسہ کی رقم باوجود حفاظت کے اگر گم ہو جائے یا چوری ہو جائے

فرمایا مولوی محمد منیر صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم بھی رہے ہیں ایک مرتبہ مدرسہ کی روئیداد چھپانے کے لیے دہلی گئے راستہ میں ڈیڑھ سو روپیہ کے نوٹ گم ہو گئے تو مدرسہ کے سب اراکین نے کہا کہ چونکہ امانت تھی اس لیے مدرسہ تاوان نہیں لے سکتا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں دوں گا اس میں مولوی صاحب اور اراکین میں اختلاف ہوا آخر فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا جائے جو وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ لکھا گیا مولانا نے جواب تحریر فرمایا کہ مولوی صاحب پر ضمان نہیں ہے، مولوی محمد منیر صاحب اس پر بہت متغیر ہوئے اور کہا کہ مولانا رشید احمد صاحب نے یہ ساری فقہ میرے ہی واسطے پڑھی تھی میں تو تب جانوں کہ اگر یہ روپیہ ان سے ضائع ہو جاتا تو اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لیں کہ وہ کیا کرتے مدرسہ میں داخل کرتے یا نہ کرتے، یقیناً کرتے پھر مجھ کو کیوں روکتے ہیں؟ سبحان اللہ یہ ایسے مخلص (اور متقی) حضرات تھے۔

(کلمۃ الحق۔ ص:۶۷)

﴿فصل ۴﴾

چندہ کے احکام

امدادی چندہ وقف نہیں بلکہ معطین کی ملک ہے

چندہ وقف نہیں معطین کا مملوک ہے چندہ اہل چندہ کی ملک سے خارج نہیں ہوا۔

(امداد الفتاویٰ۔ص:۵۹۳۔ص:۲/۶۱۷ کتاب الوقف)

چندہ مدرسہ میں اگر وقف کیا جائے تو وقف ہوگا یا نہیں

احقر نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ نقد رقم کا وقف یا اوقاف کی حاصل شدہ نقد آمدنی وقف کے حکم میں ہے یا نہیں اس میں ایک زمانے تک مجھے بہت تردد رہا کیونکہ نقود سے انتفاع بغیر ان کے استھلاک کے نہیں ہوتا اور وقف کے لیے تابید اور بقاء عین شرط ہے اور پھر جب اس پر وقف کی تعریف صادق نہ آئی تو اس سے لازم آیا کہ یہ واقف کی ملک ہوا اور واقف مرجائے تو اس کے وارثوں میں تقسیم ہو۔ مگر فتاویٰ عالمگیری کی ایک عبارت نے یہ مسئلہ الحمدللہ حل کر دیا۔

(عالمگیری کتاب الوقف مصطفائی۔ص:۳/۲۴۰)

باب الحادی عشر فصل ثانی میں یہ عبارت مذکور ہے''ان کان یمکن تصحیحہٗ وقفاً یجوز تصحیحہ ملکا للمسجد ھبۃ علی المسجد'' (اگر چہ نقود کے وقف کو وقف صحیح کہنا مشکل ہے مگر اس کو اس حیثیت سے صحیح کہا جا سکتا ہے) حضرت نے فرمایا کہ میرے نزدیک ملک مسجد تعبیر ہے ایک خاص صورت کی جو وقف اور ہبہ کے بین بین ہے اس کو ملک مسجد سے تعبیر کر دیا گیا۔''فللّٰہ الحمد'' بہرحال اس عبارت سے اتنا معلوم ہو گیا کہ یہ اوقاف کی نقد رقوم ملک واقف سے نکل گئی ہے ورنہ ان کا امانت رکھنا ہی مشکل ہو جاتا۔ (مجالس حکیم الامت۔ص:۱۹۲)

مہتمم اور اہل مدرسہ چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں

مہتمم و اہل شوریٰ وکیل ہیں اہل چندہ کے، مہتمم مدرسہ معطین کا وکیل ہوتا ہے۔

(امداد الفتاویٰ۔ص:۳/۳۴۷، اجارہ)

اہل مدرسہ پر زکوٰۃ کی رقم کی تملیک فوراً لازم ہے ورنہ اس میں میراث جاری ہوگی، زکوٰۃ بھی واجب ہوگی

فرمایا اہل علم کو چاہیے خصوصاً اہل مدارس کو کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ جو مدرسہ میں دیا جاتا ہے اس کو فوراً تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرنا چاہیے ورنہ بصورت عدم تملیک اگر مزکی (زکوٰۃ دینے والا) مر گیا تو اس

مال زکوٰۃ میں میت کے ورثاء کا حق متعلق ہو جائے گا نیز حولان حول کے بعد اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی اگر وہ بقدر نصاب ہو۔ (الافاضات الیومیہ۔ص:۳/۲۸۸)

مروجہ حیلہ تملیک شریعت کی روشنی میں

زکوٰۃ کا مصرف فقراء مسلمین ہیں اس میں تملیک واجب ہے لیکن ایک بات اور ہے، جس کے بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا مگر ضرورت کی وجہ سے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض مولوی لوگ زکوٰۃ وعشر کے مصرف میں ایک حیلہ کرتے ہیں مثلاً ان کو زکوٰۃ کا روپیہ یا عشر کا غلہ مدرسہ کی عمارت میں یا مدرسین کی تنخواہ میں لگانا ہے تو ایک غریب طالب علم کو بلاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ ہم تم کو کچھ روپیہ زکوٰۃ کا دیں گے تم اس کو لے کر مدرسہ میں ہبہ کر دینا وہ کہتا ہے بہت اچھا اب انہوں نے اس کو روپیہ دے دیا اور اس نے مدرسہ میں دے دیا مولوی صاحب خوش ہیں کہ زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی اور رقم مدرسہ کی عمارت میں یا تنخواہوں میں بھی لگ گئی مگر یاد رکھو! یہ حیلہ محض لغو ہے اہل علم وہ گناہ تو نہیں کرتے جو عوام کرتے ہیں مگر علم کے پردہ میں یہ بھی گناہ کرتے ہیں مولویوں کا گناہ بھی مولوی ہوتا ہے۔

اس تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ بعض اہل علم جو عشر وزکوٰۃ کے مال میں یہ حیلہ کرتے ہیں یہ بالکل واہیات ہے اور اس سے کچھ تبدیل کا حکم نہیں ہوتا ان اللہ کے بندوں سے کوئی پوچھے کہ یہ تملیک ہے یا ہیرا پھیری کیا خدا کو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال کو خوب جانتے ہیں ان سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں بھلا تم ہی انصاف کرو کہ جب تم نے غریب طالب علم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم کو زکوٰۃ کا روپیہ دیں گے اس کو مدرسہ میں دے دینا تو یقیناً وہ روپیہ ہاتھ میں لینے کے بعد اپنے کو اس کے رکھنے کا مجاز (یا اختیار) نہیں سمجھتا بلکہ اپنے اوپر واپسی کو لازم سمجھتا ہے پھر تملیک کیا خاک ہوئی۔

واقعی جب تک لینے والا اپنے کو مالک نہ سمجھ لے اس وقت تک تملیک کا تحقق ہی کہاں ہو سکتا ہے مگر جو لوگ تملیک کے لیے یہ حیلہ کرتے ہیں ان کے ذہن میں تملیک کی حقیقت نہیں ہوتی وہ محض ہیرا پھیری ہی سمجھ کر ایسا کرتے ہیں اگر ان کے ذہن میں تملیک کی حقیقت ہوتی تو لینے والا اگر آزادی کے ساتھ عمل کرے اور اس رقم کو اپنے خرچ میں لائے تو اس سے ان کو رنج وملال نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ جب مالک بن گیا تو شرعاً اس کو پورا اختیار ہے کہ وہ اس رقم کو جو چاہے کرے خواہ مدرسہ میں دے یا نہ دے، مسجد میں لگائے یا نہ لگائے یہ رنج کرنے والے کون ہیں مگر مشاہدہ یہ ہے کہ لینے والا غریب اگر اس رقم کو معطی (دینے والے) کی مرضی کے خلاف اپنے خرچ میں لے آئے تو ان کو رنج ہوتا ہے اور اس شخص کو برا بھلا، دغاباز، فریبی (دھوکہ دینے والا) کہنے لگتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصود صرف ہیرا پھیری ہے تملیک اور لینے والا اگر ان کی مرضی کے موافق رقم لے کر مسجد یا مدرسہ کے لیے واپس دے دے تو غالب یہ ہے کہ وہ محض شرم ولحاظ سے یا بدنامی کے اندیشہ سے دیتا ہے اگر اس کا اطمینان ہو جائے کہ میں

اس کا مالک بن چکا ہوں اور اپنے خرچ میں لانے سے بدنام نہ ہوں گا، نہ مولوی صاحب کا منہ چڑھے گا تو یقیناً بہت سے غریب واپس دینے پر راضی نہ ہوں گے۔ کیونکہ غریب آدمی کو سب سے پہلے اپنی اور اپنی اولاد کی راحت کا خیال ہوتا ہے جس کے گھر میں فاقہ ہوتا ہو وہ بیچارہ مدرسہ یا مسجد میں روپیہ دینے کی کیا ہمت کرسکتا ہے اور اگر ہمت بھی کرے گا تو دو چار روپیہ دے گا یا پانچ روپیہ، اس سے زیادہ دینے کی غریب آدمی کو ہمت نہیں ہوسکتی جبکہ وہ سمجھ جائے کہ میں اس رقم کا مالک بن گیا ہوں اور جو کوئی ہمت کرے گا سمجھ لو کہ اس نے اپنے کو رقم کا مالک نہیں سمجھا بلکہ وہ اپنے اوپر اس رقم کا واپس کرنا ضروری سمجھتا ہے اس لیے دے رہا ہے اب بتاؤ یہ تملیک کدھر سے ہوئی اس لیے یہ حیلہ محض لغو اور بے ہودہ ہے اور اس سے زکوۃ کا ادا ہونا میری سمجھ سے باہر ہے۔ (حقوق وفرائض۔ص:۵۹۴)

حیلہ تملیک کی تردید

بعض لوگ جو مدارس یا مساجد کے مصارف عامہ میں صرف کرنے کے لیے ایک حیلہ کیا کرتے ہیں کہ اول کسی مسکین مصرف زکوۃ کو سمجھا دیا کہ ہم تم کو سو روپیہ دیں گے پھر تم مسجد یا مدرسہ میں دے دینا اور پھر اس کو دیتے ہیں۔ اور وہ مسجد وغیرہ میں دے دیتا ہے اس کو حیلہ تملیک کہا جاتا ہے کیونکہ یقینی بات ہے کہ اس میں دینے والا حقیقۃً اس مسکین کو مالک نہیں بناتا محض صورت تملیک کی ہے اس طور سے زکوۃ ادا کرنے کا حکم مشکل ہے۔

اور ایک خرابی اس میں یہ ہے کہ وہ مجبور ہو کر پھر واپس کر دیتا ہے تو وہ دینا اس کا بطیب خاطر (دلی رضامندی کے ساتھ) نہیں ہوتا جو کہ حلت مال کی شرط ہے غرض لینا دینا دونوں قواعد کے خلاف ہیں۔

بعضوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شریعت کا حکم تو ظاہر پر ہوتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی تفتیش مت کرو لیکن اگر بلا تفتیش باطن کی اطلاع ہو کہ یہاں تملیک کی نیت نہیں اور طیب خاطر نہیں تو شرع نے یہ کب کہا ہے کہ اب بھی باطن کا اعتبار مت کرو۔ اگر یہ نہ ہوتا تو بعض حدیث میں جو حلت مال کے لیے طیب نفس (دلی رضامندی) شرط لگایا گیا ہے جو کہ امر باطن ہے یہ بے معنی ہوتا ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۱/۱۵۰)

میرے نزدیک قاعدہ فقہیہ کی رو سے بھی یہ زکوۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ تملیک رکن زکوۃ ہے اور تملیک میں جب عاقدین ہازل ہوں تملیک نہیں ہوتی اور صورت متعارفہ میں دونوں بشہادت قرائن تو یہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں۔ (امداد الفتاوی۔ص:۲/۱۴)

باطل حیلہ

مسجد بن رہی تھی اس کے لیے چندہ جمع ہو رہا تھا وہاں کے ایک واعظ صاحب دہلی سے پانچ سو روپے زکوۃ کا لائے اور غریب مؤذن سے کہا کہ میاں تم مسجد میں کچھ نہیں دیتے اس نے کہا کہ حضرت میں

غریب آدمی ہوں میرے پاس کیا ہے کہا اگر اللہ تجھے دس روپیہ دے تو مسجد میں دو گے؟ کہا جی ہاں دے دوں گا پھر بیس پوچھا اس کا بھی یہی جواب دیا اسی طرح پچاس کو سو کو یہاں تک کہ پانچ سو کو پوچھا وہ سب پر یہی کہتا رہا خالی بات ہی تو تھی کہہ دینا کیا مشکل تھا آخر میں اس کو پانچ سو روپیہ دے کر کہا لے یہ اللہ نے تجھے دیا ہے اس کو مسجد میں دے دے اس نے لے کر مجبور ہو کر دے دیا مگر بیچارے کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ کیا اس نے آزادی سے دیا یا طیب خاطر (دلی رضامندی) سے دیا؟

(الافاضات الیومیہ۔ص:۱۶۹/۸)

جائز اور ناجائز حیلہ کا معیار

جس حیلہ سے مقصود کسی مقصود شرعی کا ابطال ہو وہ مذموم ہوتا ہے جس سے مقصود کسی مقصود شرعی کی تحصیل ہو وہ محمود ہے مثلاً ربوٰ کو شرع نے حرام کہا ہے اس کے لیے تدبیر استعمال کرنا گناہ ہے اور جس جگہ ربوٰ مقصود نہ ہو مگر خود اجناس ہی قیمت میں متفاوت ہوں لیکن اتحاد بدلین کے سبب تفاضل ممنوع ہو اس جگہ حدیث مذکور "بع الجمع بالدرھم ثم ابتع بالدراھم الخ" کے موافق تصحیح کر لینا جائز اور مشروع ہے۔

(حقوق العلم۔ص:۶۶)

حیلہ تملیک کی جائز اور آسان صورت

فرمایا کہ تملیک زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب آدمی سے کہو کہ مفت کا ثواب لینا چاہو تو تم کسی سے روپے قرض لے کر فلاں نیک کام میں چندہ دے دو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے جب وہ قرض لے کر چندہ میں روپیہ دے دے تو پھر تم اس کو اپنی زکوٰۃ یا قربانی کی کھال کا روپیہ دے دو کہ لو اس سے قرض ادا کر دو۔ (ملفوظات اشرفیہ۔ص:۱۰۱)

مزید تفصیل

میں جانتا ہوں کہ لوگ حیلہ سے باز نہ آئیں گے اسی لیے میں ایک اور تدبیر بتلاتا ہوں جو حقیقت میں حیلہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور اس سے وہی مقصود حاصل ہو جاتا ہے جو حیلہ مذکور سے مقصود ہوتا ہے۔

اس تدبیر کو ہم نے چندہ بلقان میں استعمال بھی کیا ہے۔عوام تو تقلیداً مان لیں کہ یہ حیلہ نہیں اور علماء کو جو کچھ شبہ ہو وہ (استفسار کر کے) تسلی کر لیں۔

اب سنو! اگر کوئی ایسی ضرورت ہو کہ زکوٰۃ یا عشر کی رقم ایسے مصرف میں لگانا ہو جہاں تملیک کا تحقق نہیں ہو سکتا مثلاً مسجد میں لگانا ہے یا تملیک کا تحقق تو ہو سکتا ہے مگر جہاں رقم بھیجنا ہے ان لوگوں پر اطمینان نہیں کہ وہ مصرف میں صحیح طور پر استعمال کریں گے یا نہیں وہاں پہلی مذکورہ ترکیب نہ کرو بلکہ یوں کرنا چاہیے کہ مسکین سے کہا جائے کہ اگر تم ثواب چاہتے ہو تو کسی شخص سے اتنی رقم قرض لا کر اس کام میں دے دو

اور ہم اس قرض کے ادا کرنے میں تمہاری امداد کریں گے جب وہ کسی سے یا تم ہی سے رقم قرض لے کر چندہ میں دے دے اب تم ان کو زکوٰۃ کی رقم دے دو کہ اس سے تم خواہ اپنا قرضہ ادا کرو یا جو چاہے کرو۔

اس صورت میں مسکین سے وہی رقم واپس نہیں لی جاتی جو اس کی زکوٰۃ میں دی گئی ہے کیونکہ زکوٰۃ کی رقم سے تو وہ اپنا قرض ادا کرے گا جو اس کا ذاتی خرچ ہے تو اس صورت میں تملیک کا تحقق پوری طرح ہو گیا کہ زکوٰۃ لے کر مسکین اپنے خرچ میں بھی لے آیا۔ البتہ جو رقم اس نے کسی سے قرض لے کر چندہ میں دی ہے وہ خرچ ہونے سے پہلے مسکین کی ملک سے خارج نہیں ہوتی قبل از خرچ وہ اس کو واپس لینے کا اختیار رکھتا ہے مگر یہ اختیار تو اس حیلہ میں بھی رہتا ہے جو عام طور سے کیا جاتا ہے اس لیے یہ نقص اسی تدبیر کے ساتھ خاص نہیں اور اس کا تدارک یوں ہو سکتا ہے کہ جب مسکین قرض کی رقم لا کر چندہ میں دے دے اس کو اس وقت مدرسہ یا مسجد کے فنڈ میں خرچ کر دیا جائے اور ادائے قرض کے لیے اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو اب واپسی کا حق اس کو نہ رہے گا۔ اور متعارف تدبیر میں کوئی تدارک نہیں۔

(وعظ العشر ملحقہ حقوق و فرائض۔ ص:۵۹۶)

تملیک صحیح ہونے کی ایک شرط

فرمایا کہ جب تک لینے والا اپنے کو مالک نہ سمجھ لے اس وقت تک تملیک کا تحقق نہیں ہوا۔

(ملفوظات اشرفیہ۔ ص:۴۹)

"اذن بطیب النفس" (دلی رضامندی) کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کو عدم (اجازت نہ دینے) پر بھی قدرت ہو۔

(انفاس عیسیٰ۔ ص:۳۱۵)

حیلہ تملیک میں لینے دینے والے دونوں ثواب کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟

فرمایا کہ صورت بالا مذکورہ میں ایک شبہ بعض پڑھے لکھوں کو یہ ہوا کرتا ہے کہ اس صورت (حیلہ والی صورت) میں چندہ کا ثواب تو اس مسکین ہی کو ہوگا اور دینے والے کو قرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔ تو سمجھو کہ چندہ میں روپیہ تو اسی نے دیا مگر چونکہ اس کے دینے کا سبب تم ہوئے ورنہ اس غریب کی کیا ہمت تھی کہ چندہ میں روپیہ دیتا اس لیے تم کو بھی اس چندہ کا ثواب اسی کے برابر ملے گا۔ خدا تعالیٰ کے یہاں اس قدر رحمت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر تم اپنے خزانچی کو کہو کہ ہمارے روپیہ میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دو تو مالک کے برابر خزانچی کو بھی ثواب ملے گا۔ (ملفوظات اشرفیہ۔ ص:۱۰۲)

صحیح بدل اور جائز حیلہ

اگر کہیں زکوٰۃ سے امداد کرنے کی ضرورت ہو اس کی ایک اور تدبیر ہے جو کہ بالکل قواعد کے مطابق ہے گو وہ بھی خلوص کے خلاف ہے مگر قواعد کے خلاف نہیں وہ یہ کہ کسی مسکین (مصرف زکوٰۃ) کو مشورہ دیا جائے کہ تم دس روپیہ مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں سید کو دے دو یا فلاں مسجد اور مدرسہ میں دے دو ہم

ادائیگی قرض میں تمہاری اعانت کریں گے۔

جب وہ مسکین وہاں دے دے تو تم اس مسکین کو دس روپیہ زکوۃ میں دے دو پھر اس سے اس کا قرض خواہ وصول کرے گا۔اور اگر نہ دے تو اس سے چھین لینا جائز ہے۔

اس میں مسکین کو دینا بھی حقیقۃً ہوا اور اس مسکین پر صدقہ دینے میں جبر بھی نہ ہوا کیونکہ وہ آزاد ہے خواہ قبول کرے یا نہ کرے۔

بخلاف مروجہ حیلہ تملیک کے کہ اگر وہ مسکین کی تعلیم کے موافق نہ دے تو کدورت بلکہ نزاع واقع ہو جائے اور اگر چہ اس روپیہ کے مل جانے کے بعد قرض خواہ اس سے جبراً لے سکتا ہے مگر قرض تو حق واجب ہے اس میں جبر جائز ہے اور چونکہ وہ روپیہ حقیقۃً اس مسکین کا ہو گیا اس لیے اس کو جبراً اپنے قبضہ میں لے لینا سہل ہے جیسے اس مسکین کے پاس خاص اس کا کمایا ہوا مال ہوتا اور اس کو جبراً لینا جائز تھا۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۱۵۱/۱)

دوسرے مدرسہ والوں کی تملیک کرانے کا انتظام اور حضرت تھانویؒ کا معمول

جو لوگ زکوۃ یا چرم قربانی کا روپیہ ایسے مواقع (مدارس وغیرہ) میں دینا چاہیں ان کے لیے خاص تدبیر ہے۔اور جو لوگ اسے نہ سمجھ سکیں وہ میرے پاس روپیہ بھیج دیں میں درست کر کے بھیج دوں گا۔مگر وہ طریقہ بتلائے بھی دیتا ہوں تا کہ سمجھدار لوگ اس پر عمل کر لیں۔ وہ تدبیر یہ ہے کہ اول کسی غریب آدمی کو ترغیب اور مشورہ دو کہ اگر مفت کا ثواب لینا چاہتے ہو تو دس روپے مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں چندہ میں دے دو پھر ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے جب وہ غریب کسی سے قرض لے کر چندہ میں دے دے تم اس غریب کو زکوۃ کا وہ روپیہ دے دو کہ اس کو اپنے قرضہ میں ادا کر دے تو سارا کام ہو گیا چندہ بھی جمع ہو گیا اور چرم قربانی کی قیمت بھی جائز طور پر ادا ہو گئی یہ نہایت آسان ترکیب ہے مگر کسی کی سمجھ میں اگر اب بھی نہ آئی ہو تو زکوۃ اور قربانی کا روپیہ میرے پاس بھیج دیں۔ میں اسی ترکیب سے درست کروں گا۔

(مفاسد گناہ۔ص:۱۷۲)

زکوۃ کے روپے اور چرم قربانی کی قیمت میں شرط یہ ہے کہ جس کو دیا جائے اس کی ملک کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ اس کا انتظام کوئی بھی نہیں کرتا تا کہ اس روپیہ کی تملیک کرائے اس لیے ضروری بات ہے کہ تملیک کرا کے بھیجا جائے ورنہ دینے والوں کے ذمہ سے واجب ساقط نہ ہوگا۔

خوب سن لو اور سمجھ لو میں نے اشتہار میں بھی اس کو لکھ دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اگر طریقہ تملیک سمجھ میں نہ آئے تو روپیہ میرے پاس بھیج دیں یہاں شرعی تملیک کرا دی جائے گی گو میں مالی کاموں میں کبھی نہیں پڑتا لیکن اس خیال سے کہ مسلمانوں کا مال ضائع نہ ہو جائے اس کام کو اپنی طبیعت کے خلاف گوارہ کرتا ہوں اور وہ صورت تملیک کی یہ ہے کہ کسی غریب آدمی سے کہو کہ تم کسی سے روپے قرض لے کر اپنی

طرف سے اس چندہ میں دے دو ہم تمہارا قرضہ ادا کر دیں گے جب وہ قرض لے کر روپیہ چندہ میں دے دے تو پھر تم اس کو اپنی زکوۃ یا قربانی کی کھال کا روپیہ دے دو کہ لو اس کا قرضہ ادا کر دو۔

ایک شبہ بعض پڑھے لکھے لوگوں کو یہاں یہ ہوا کرتا ہے کہ اس صورت میں چندہ کا ثواب تو اس مسکین ہی کو ملے گا دینے والے کو تو قرضہ ادا کرنے کا ثواب ملے گا تو سمجھو کہ چندہ میں روپیہ تو اسی نے دیا مگر چونکہ اس کے دینے کا سبب تم ہوئے ورنہ اس غریب کی کیا ہمت تھی جو چندہ میں روپیہ دیتا اس لیے تم کو بھی اس چندہ کا ثواب اسی کے برابر ملے گا خدا تعالیٰ کے یہاں تو اس قدر رحمت ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم اپنے خزانچی کو کہو کہ ہمارے روپے میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دو تو مالک کے برابر خزانچی کو بھی ملے گا۔

(وعظ مواساۃ المصابین ملحقہ آداب انسانیت۔ ص:۳۸۴)

مدرسہ کی رقم میں بے احتیاطی

بعض لوگ چندہ کی رقوم میں اس طرح بے جا اخراجات اور خلاف اذن تصرفات کرتے ہیں جیسے گویا ان کی ملک ہیں اس میں بہت احتیاط کرنا چاہیے اس کی تفصیل خود واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ (حقوق العلم۔ ص:۸۷)

مہتمم و اہل مدرسہ کیسے امور میں چندہ صرف کر سکتے ہیں (ضابطہ)

اصل یہ ہے کہ ایسے اموال میں کسی تصرف کا جواز عدم جواز معطین اموال (چندہ دینے والوں) کی اذن و رضا پر موقوف ہے اور مہتمم مدرسہ ان معطین کا وکیل ہوتا ہے پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف اس وکیل کو جائز ہے......... اگر بتصریح یا بقرائن اس قانون پر اہل چندہ کو اطلاع اور ان کی رضا ثابت ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ (امداد الفتاویٰ۔ ص:۳۴۹۔ ۳/ ص:۳۴۷)

اور زکوۃ (وغیرہ) کا روپیہ جو دیا جاتا ہے اس کو فوراً تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرنا چاہیے۔

(الافاضات الیومیہ۔ ص:۲۸۸/۲)

مدرسہ کی رقم سے طلبہ و مدرسین کو مزید انعام دے سکتے ہیں یا نہیں؟

اگر اہل چندہ صراحۃً یا دلالۃً انعام دینے پر رضا مند ہوں تو درست ہے ورنہ نہیں کیونکہ چندہ وقف نہیں معطین کا مملوک ہے۔ (امداد الفتاویٰ۔ ص:۵۹۳/۲ کتاب الوقف)

چندہ کی رقم سے مدرسہ کا سائن بورڈ بنوانا درست ہے یا نہیں؟

اگر اس تختہ کی تعلیق (سائن بورڈ لگانے) سے مدرسہ کا کوئی بین (ظاہری) نفع ہو تو مال مدرسہ کا اس میں لگانا جائز ہے اور اگر کوئی معتدبہ مصلحت نہیں ہے محض احتمال ہی کا درجہ ہے تو اپنے پاس سے اس کے دام

دینا چاہیے۔ فقہاء نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ مسجد کا نقش ونگار وقف کے مال سے جائز نہیں لیکن استحکام جائز ہے۔ اسی نظیر پر صورت مسئولہ کا یہ حکم ہے۔ (امداد الفتاویٰ۔ ص:۶۳۴/۲ کتاب الوقف)

چندہ کی رقم بطور قرض کے اپنے کام میں لانا

سوال: زید خزانچی ہے اگر چندہ کا روپیہ وہ اپنے کام میں صرف کردے اور اس کے بجائے دوسرے وقت میں اپنے پاس سے اس کو پورا کردے تو وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں......؟

جواب: اپنے کام میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اپنے صرف میں لانا بلا اذن معطین ہے۔

(امداد الفتاویٰ۔ ص:۶۴۹/۲)

اہل مدارس کو مدرسہ سے قرض لینے کی جائز آسان صورت

عام طور سے مدارس اسلامیہ کے منتظمین ان کی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہو جاتے ہیں اور خزانہ وقف سے قرض دینا درست نہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیوبند کے ارباب انتظام کو یہ مشورہ دیا کہ اس کام کے لیے الگ چندہ کر کے ایک قرضہ فنڈ قائم کیا جائے اور اسی میں سے قرض دیا جائے اور پیش قدمی کر کے اپنی طرف سے پانچ سو روپیہ اس مد کے لیے دیئے۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص:۱۱۵)

مدرسہ کی امدادی رقم سے مدرسہ کے لیے تجارت کرنا درست ہے یا نہیں؟

باذن معطین درست است (چندہ دینے والوں کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت سے جائز ہے)

(امداد الفتاویٰ۔ ص:۵۷۵/۲ کتاب الوقف)

مدرسہ ومسجد کا حساب علیحدہ علیحدہ ہونا چاہیے

فرمایا میں مدرسہ اور مسجد کی املاک تو الگ الگ رکھنے کی فکر کرتا ہوں جو بہت ضروری ہے اسی لیے مسجد کے پنکھوں پر نشان ڈال دیئے ہیں تاکہ ان کو کوئی اٹھا کر میرے بیٹھنے کی سہ دری میں یا اپنی جائے قیام میں لے جا کر استعمال نہ کرے۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص:۷۴)

مسجد کا چندہ اور مسجد کا سامان مدرسہ میں نہیں استعمال کر سکتے

سوال: مسجد کا روپیہ مسجد کی حاجت سے بہت زائد ہے یہ خوف ہے کہ روپیہ ضائع نہ ہو جائے ......اس روپیہ سے کسی دینی مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں کہ وہ مدرسہ مسجد سے علیحدہ ہو، طلبہ وہاں نماز کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

جواب: مدرسہ مسجد کی جنس سے نہیں ایک مصرف سے استغناء کے وقت اسی مصرف کے مماثل میں صرف کرنا چاہیے جیسے مسجد مسجد، مدرسہ مدرسہ ونحو ذلک اس لیے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہیے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے۔ (امداد الفتاویٰ۔ ص:۶۶۰/۲)

فی الدر المختار مع الشامی و کذا الرباط و البئر اذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد و الرباط و الحوض الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوضالیہ.

(شامی۔ص:۳/۵۷۴)

ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض شبہات محتملۃ الوقوع کو رفع کر دیا جائے، شبہ فی الد ر المختار مع الشامی و یبدأ من غلۃ بعمارتہ ما ھو اقرب بعمارتہ کامام مسجد و مدرس مدرسۃ یعطون بقدر کفایتھم ثم السراج و البساط کذلک الی اخر المصالح .

(ص۸۲ ج ۲)

(اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ مسجد کے مصالح میں سے ہے لہٰذا مسجد کی رقم اور سامان مدرسہ میں صرف کر سکتے ہیں)

اس کا حل یہ ہے کہ اس عبارت کی مراد یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے اور یہ مراد نہیں کہ وقف علی المسجد میں یہ سب مصارف ہیں بلکہ دو ورق بعد ایک جزئی میں مصرح ہے کہ اگر مسجد کے وقف میں مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو وہ خود مصارف لازمہ سے نہیں وہ جزئی یہ ہے۔ قلت انما یکون المدرس من الشعائر او مدرس المدرسۃ کما مر اما مدرس الجامع فلا لانہ لا یتعطل لغیبۃ بخلاف المدرسہ الخ (امداد الفتاویٰ۔ص:۲/۶۲۰)

مدرسہ و مسجد میں غیر مسلم کا چندہ

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر کوئی ہندو مسجد میں بطور امداد رقم دے دے تو لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: فرمایا جائز ہے پھر فرمایا کہ اگر لیا جائے تو دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ وہ دینے والے ایسے نہ ہوں کہ دے کر احسان جتلا دیں دوسرا یہ کہ اس سے مسلمان متاثر ہو کر ان کے مذہبی چندہ میں شریک نہ ہونے لگیں اس خیال سے کہ انہوں نے ہمارے یہاں چندہ دیا تھا ہم کو بھی دینا چاہیے ممکن ہے کہ وہ مندر بنانے لگیں تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے مسجد میں دیا تھا تم مندر میں دو تو ایسی جگہ چندہ لینا بھی جائز نہیں اور اگر ان باتوں کا اندیشہ نہ ہو تو لے لیا جائے کوئی حرج نہیں۔ اور یہ قرائن سے معلوم ہو سکتا ہے عرض کیا گیا کہ اس کا تو احتمال ہے کہ شاید ایسا ہو کہ وہ اپنے مذہبی چندہ میں شریک کریں۔ فرمایا تو ایسی صورت میں لینا جائز نہیں۔ (الافاضات الیومیہ۔ص:۲/۹۸)

مدرسہ میں کلکٹر وغیرہ کا چندہ

فرمایا میری طالب علمی کے زمانے میں ایک کلکٹر مدرسہ دیوبند آنے والا تھا میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اگر وہ چندہ دیں تو آپ قبول کرلیں گے؟ فرمایا...... ہاں...... میں نے عرض کیا کہ پھر اس کو کہاں صرف کریں گے فرمایا ہمارے پاس بہت سے ایسے مصارف ہیں ہم بھنگیوں کو تنخواہ میں دیں گے میں نے پھر عرض کیا کہ اگر وہ کوئی مشورہ دیں تو کیا آپ قبول کریں گے؟ فرمایا نہیں ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ہمارا تمام کام مجلس شوریٰ کی رائے سے ہوتا ہے ہم آپ کا مشورہ اس مجلس میں پیش کردیں گے۔ (مجالس حکیم الامت۔ص:۱۳۹)

مدارس میں سرکاری امداد لینا

اگر سرکار وعدہ کرے کہ ہم اعانت کرکے (کسی طرح کا مدرسہ میں) دخل نہ دیں گے تب اعانت لینا درست ہے۔ ورنہ نہیں (امداد الفتاویٰ۔ص:۹۷/۴)

مدرسہ سے مہمانوں کو کھانا کھلانا

فرمایا میری ہمیشہ سے یہی رائے ہے کہ اول تو مہمانوں کو مدرسہ کی طرف سے کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں یہ کسی کے بیٹے کی تقریب تھوڑی ہے جو آنے والوں کو کھانا دے دیا جائے یہ ایک قومی اور دینی کام ہے جو آئے اس کو اپنے پاس سے خرچ کرکے بازار میں کھانا چاہیے جیسے عام قومی جلسوں میں کھانے پینے کا خرچ ہر شخص خود برداشت کرتا ہے۔

اور اگر یہ ہو کہ مہمانوں کو کھانا کھلایا ہی جاوے تو اس کے لیے خاص چندہ کرنا چاہیے جس میں سب شریک ہونے والوں کو اس بات کی صریحاً اطلاع ہو کہ یہ رقم مہمانوں کے کھانے وغیرہ میں صرف ہوگی عام چندہ سے یہ اخراجات نہ کرنے چاہئیں کیونکہ عام چندہ دینے والے زیادہ تر یہ سمجھ کر مدارس میں چندہ دیتے ہیں کہ ہماری رقم تعلیمی کام میں صرف ہوگی اس سے طلبہ کو کھانا کپڑا دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور اگر ان کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا کھلا دیا جائے گا جن میں بہت سے امراء اور خوشحال بھی ہوتے ہیں تو شاید بعض لوگ اس اطلاع کے بعد چندہ نہ دیتے اس لیے میرے نزدیک عام چندہ رقوم سے جلسہ کے اخراجات میں صرف کرنا شبہ سے خالی نہیں اور شبہ بھی قوی پس یا تو اس کے لیے خاص چندہ کیا جائے یا کم از کم جلسہ میں جب چندہ جمع کیا اسی وقت اعلان کردیا جائے کہ اس جلسہ کا خرچ اس چندہ سے نکالا جائے گا جو صاحب اس میں متفق نہ ہوں اس وقت مطلع فرمادیں تا کہ ان کا چندہ علیحدہ رکھا جائے، اس طرح بھی شبہ سے بچاؤ ہوسکتا ہے۔ مگر اہل مدارس اتنی سہل صورت سے بھی تساہل کرتے ہیں۔ (التبلیغ الہدیٰ والمغفرۃ۔ص:۲۲۶/۱۰)

جلسہ کا چندہ مہمان نوازی میں

پھر ذکر ہوا کہ جلسہ کے مہمان کا خرچ کہاں سے ہوتا ہے۔ خود ہی فرمایا کہ خدام خدمت کرتے ہوں گے مفتی محمد یوسف صاحب نے پوچھا کہ جلسے کی آمدنی کو مہمان کے لیے صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ لوگ مدرسہ کے لیے دیتے ہیں فرمایا اذن پر موقوف ہے مگر اذن عام کیسے معلوم ہو، یہ گڑبڑی ہاں مدات علیحدہ ہوں اور چندہ دیتے وقت اور لیتے وقت الگ رقمیں رکھی جائیں تو احتیاط ہوسکتی ہے۔

(حسن العزیز۔ص:۲/۲۶)

کمیشن پر چندہ

سوال: اگر کسی محصل چندہ کو اہل مدرسہ چندہ وصول کرنے کے لیے اس شرط پر مقرر کریں کہ جو آمدنی ہوگی اس کا چوتھائی پانچواں حصہ دیں گے تو زمانہ کی موجودہ حالت اور ضرورتوں کے لحاظ سے ایسا کرنا شرعاً مباح ہے یا نہیں؟

جواب: حنفیہ کے اصول پر یہ اجارہ فاسد ہے اور دوسرے مذاہب کی تحقیق نہیں۔

محصل چندہ نے کام نہیں کیا تو تنخواہ کا استحقاق ہوگا یا نہیں

سوال: مہتمم نے ایک ساعی چندہ کے لیے مقرر کیا اور اس کی تنخواہ مقرر کی۔ اب جیسا کہ وہ پہلے سعی کرتا تھا نہیں کرتا بلکہ محرر وغیرہ کی نگرانی کرتا ہے پس اس صورت میں وہ سعی چندہ کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں۔

جواب: جب عمل نہیں استحقاق اجرت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ (امداد الفتاوئی۔ص:۳/۳۶۲)

مدرس کی فقہی حیثیت اور اس کی تنخواہ کا مسئلہ

مدرس اجیر خاص ہے تسلیم نفس سے اجر کا استحقاق ہوجائے گا پس اگر یہ وقت میں حاضر رہا تو مستحق ہے ورنہ نہیں۔ (امداد الفتاوئی۔ص:۳/۳۶۱)

مدرسہ کے اوقات میں ذاتی کام کرنے اور مدرسہ کا خارج میں کرنے سے تنخواہ کا استحقاق ہوگا یا نہیں

سوال: مدرسہ کے وقت میں مدرس نے اپنا کام کیا اور خارج از وقت اسی نے اس کے عوض تعلیم دی تو اس صورت میں وہ کل تنخواہ کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مدرسی عقد اجارہ ہے اگر باہم معاہدہ اجارہ کے وقت کی تخصیص ہوئی ہے کہ فلاں وقت میں کام کرنا ہوگا تو دوسرے وقت کام کرنے سے اجر کا مستحق نہیں رہے گا۔ اور اگر صرف مقدار معین ہوئی ہے اور تخصیص نہیں ہوئی تو اجر کا مستحق ہے۔ (امداد الفتاوئی۔ص:۳/۳۵۶)

مدرسہ کے اوقات میں خالی گھنٹوں میں ذاتی کام کرنا

اگر نوکری کے اوقات معین ہیں تو دوسرے اوقات میں ملازم کو اپنا کام کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ کام آقا کے کام میں مخل نہ ہو اور اگر نوکری کے اوقات متعین نہیں ہیں تو بلا آقا کی اجازت کے اپنا کام یا دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں۔ (امداد الفتاویٰ۔ص:۲۵۶، ۳/۳)

بیماری اور چھٹی کے ایام کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں

اگر بتصریح یا بقرائن اس قانون پر اہل چندہ کو اطلاع ہو اور ان کی رضا ثابت ہو تو (بیماری اور چھٹی کے ایام کی تنخواہ) چندے سے دینا جائز ہے ورنہ ناجائز۔ اگر رضا نہ ہو اور مہتمم اور مدرس میں بیماری اور چھٹی کے ایام کی تنخواہ دینا شرط ہو تو جس نے مدرس کو نوکر رکھا ہے وہ اپنے پاس سے دے جس مہتمم نے مدرسین کو مقرر کیا ہے اگر اس مہتمم کو معطین نے کچھ اختیارات (صراحۃً یا دلالۃً) دیئے ہیں اور مہتمم نے ان مدرسین سے اس اختیار کے موافق کچھ شرائط کر لیے ہیں تو ان شرائط کے موافق تنخواہ لینا جائز ہے۔ اور اگر شرائط طے نہیں ہوئے لیکن مدرسہ کے قواعد مدون و معروف ہیں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہوں گے اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف ہیں تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جائے گا۔ اور اگر یہ آمدنی کسی وقف جائیداد کی ہے تو اس کا دوسرا حکم ہے۔ (امداد الفتاویٰ۔ص:۳۴۸۔ص:۳۴۹، ۳/۳)

ایام تعطیل کی تنخواہ کا مسئلہ

عربی مدارس میں رمضان شریف کی تعطیل ہوتی ہے تو اس کی تنخواہ کا بلا معاوضہ کام ہونا تو ظاہر ہے باقی وقت بھی مدرس اپنا وقت مدرسہ میں محبوس نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ سے لے سکے اب تنخواہ لینا اس کو کیسے درست ہے...... اگر مدرسہ کے مہتمم کسی مدرس کو شعبان کی ۲۹ تاریخ کو مدرسہ کی ملازمت سے علیحدہ کر دے تو یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں، مدرس مدرسہ میں بحال رہتے ہوئے رمضان کی تعطیل میں رمضان کی تنخواہ کا کب مستحق ہوگا جب سب رمضان ختم ہو جائے یا ختم شعبان ہو؟

الجواب: تنخواہ تو ایام عمل ہی کی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایام عمل کے ساتھ ملحق ہے تاکہ استراحت (آرام) کر کے ایام عمل میں کر سکے اس سے سب اجزاء کا وجوب نکل آیا۔

اول کا یہ کہ حکماً بلا معاوضہ کام کے نہیں دوسرے کا یہ کہ شعبان کے ختم پر معزول ہو جانے سے تنخواہ نہ ملے گی اور عدم عزل (معزول نہ ہونے) میں رمضان کے ختم پر تنخواہ ملے گی۔ بشرطیکہ شوال میں بھی کام کیا ہو۔ (امداد الفتاویٰ۔ص:۳۴۸ سوال نمبر ۳۰۴)

رخصت کی تنخواہ دینا جبکہ کوئی شرط نہ ٹھہری ہو تبرع اور احسان ہے البتہ کچھ شرط ٹھہر جائے یا ایسا عرف

عام ہو کہ سب اس میں متفق ہوں کہ وہ بھی بمنزلہ شرط کے ہے تو اس وقت اس شرط پر عمل کرنا واجب ہے
طلبہ سے یا مہتمم سے تعطیل کا مشاہرہ لینا ''المعروف کالمشروط'' کے قاعدہ سے جائز ہے۔

(ص:۳۴۹)

مدارس کی اشیاء بطور عاریت کے دینے کا حکم

حافظ صاحب نے آکر دریافت کیا کہ سیڑھی کی ضرورت ہے مدرسہ کی سیڑھی لے لی جائے؟ فرمایا کہ مکان سے کرایہ لیا جائے مدرسہ کی چیز وقف ہے حافظ صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ کے کام کے لیے بھی تو اور جگہ سے ایسی چیزیں بطور عاریت کے لے لی جاتی ہیں فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا تبرع ہے ان کو اختیار ہے وہ نہ دیا کریں لیکن مدرسہ کی چیزیں وقف ہیں ان کا اس طرح استعمال ناجائز سمجھتا ہوں۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۹۰)

اہل علم، علماء وطلبہ کے لیے مفید اور کارآمد باتیں کچھ نصیحتیں اور کچھ مشورے

(۱) فرمایا ایک بات اہل علم کے کام کی بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لیے حتی الامکان ان پر اعتراض وتنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہیے۔ (الافاضات۔ص:۲/۲۶۵)

(۲) مولوی ہونا کوئی خوشی کی بات نہیں دین دار ہونا خوشی کی بات ہے۔ (مزید المجید۔ص:۹۱)

(۳) زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے مگر قلب کو تازگی ہوتی ہے۔ (مزید المجید۔ص:۹۱)

(۴) علم اور اس کے ساتھ صحبت کی بڑی ضرورت ہے صحبت سے واقفیت بھی ہوتی ہے بڑی ضرورت ہے، شیخ کی نری کتابیں ہی کافی نہیں۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۸۹)

(۵) مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے سے زیادہ گننا (سمجھنا) چاہیے ایک شخص پڑھا ہوا ہے اور ایک گنا (سمجھا) ہوا دونوں میں بڑا فرق ہے گننا صحبت سے آتا ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۸۹)

(۶) علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے جس قوم اور جس مذہب کے علماء امیر ہوئے وہ مذہب برباد ہو گیا۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۹۰)

(۷) آدمی قناعت اور اکتفاء کرے اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ادا کر سکتا ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۲۲۰)

(۸) دو چیزیں اہل علم کے واسطے بہت بری معلوم ہوتی ہیں حرص اور کبر، یہ ان میں نہیں ہونا چاہیے۔
(حسن العزیز۔ص:۳/۱۵۹)

(۹) مناسب ہے کہ پنسل اور کاغذ جیب میں پڑا رہے جس وقت جو مضمون ذہن میں آئے اس کا

اشارہ لکھ لیا جائے پھر دوسرے وقت ان میں ترتیب دے دی جائے چنانچہ میری جیب میں پنسل اور کاغذ پڑا ہے ورنہ بعض مضامین ذہن میں آتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں۔ (حسن العزیز۔ ص:۱۰/۳)

(۱۰) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بزرگ نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں بزرگوں کی کیا یہی شان ہوتی ہے؟ حدیثیں موجود تھیں اگر چاہتے تو ثابت کر دیتے مگر یہ فرمایا "نعم نفعل و نستغفر" یعنی ہم کرتے ہیں اور اپنے کو گناہ گار سمجھ کر استغفار کرتے ہیں کوئی تاویل نہیں کی۔ (حسن العزیز۔ ص:۱۰/۳)

(۱۱) کثیر الاشغال شخص کو زبانی یاد پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے بلکہ ضروری کاموں کو لکھ لینا چاہیے۔

(حسن العزیز۔ ص:۱۳۶/۳)

(۱۲) تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لو۔ (حسن العزیز۔ ص:۵۹۲)

(۱۳) بیکار وقت کھونا نہایت برا ہے اگر کچھ کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے گھر کے کام میں لگنے سے دل بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے۔ مجمعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں کسی کی حکایت سے بعض مرتبہ غیبت کی نوبت آجاتی ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۳۷۹/۱)

(۱۴) ملنے جلنے میں ہزار ہا مفاسد ہیں اختلاط سے سینکڑوں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیے۔ (الافاضات۔ ص:۲۶۷/۸)

(۱۵) آدمی سب کو خوش رکھے یہ ہو نہیں سکتا جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے تو پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرط اذن شرعی وہی کرے کسی کی بھلائی برائی کا خیال نہ کرے مخلوق کے برا کہنے کا خیال نہ کرے حق تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھنا چاہیے۔

(حسن العزیز۔ ص:۳۳۰/۱)

(۱۶) فرمایا: دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں ایک تو تقریر میں لغت بولنا، دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا کیونکہ تحریر و تقریر سے مقصود افہام ہوتا ہے اور یہاں ابہام ہو جاتا ہے۔

(حسن العزیز۔ ص:۱۳۵، ص:۳۲۸/۱)

(۱۷) جس کے معتقد ہو اس کے کہنے کا برا نہ مانو تھوڑی دیر کے لیے صبر کرلو شاید یہ امتحان ہی لیتے ہوں۔ اگر وہ اس کا امتحان ہونا پہلے ہی سے بتلا دیں تو پھر امتحان ہی کیا ہوا۔ (حسن العزیز۔ ص:۵۸/۱)

(۱۸) مشغولی بڑی سلامتی کی چیز ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھیں بس خدا جس سے کام لینا چاہے وہی کام کر سکتا ہے خود کچھ نہیں کر سکتا۔ (حسن العزیز۔ ص:۱۳۵/۱)

(۱۹) آدمی کو اپنی کسی چیز پر ناز نہ کرنا چاہیے نہ علم و فضل پر، نہ عقل و فہم پر، نہ زہد و تقویٰ پر، نہ عبادات و اعمال پر، نہ شجاعت و قوت پر، نہ حسن اور جمال پر، یہ سب حق تعالیٰ کی عطا ہیں پھر ناز کس پر؟ ناز تو اپنے

کمال پر ہوتا ہے اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں تو پھر نیاز کی ضرورت ہے اگر ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں۔
(الافاضات۔ص:۱۷/۸)

(۲۰) جس کے سر پر کوئی بڑا ہو اس سے پوچھ کر سب باتیں کرنی چاہیے یہ تاکید لڑکوں کو خاص طور پر رکھنا چاہیے۔
(ملفوظات اشرفیہ۔ص:۲۱۳)

(۲۱) بڑوں سے اگر کسی امر میں اختلاف کیا جائے تو وہ علی الاطلاق مذموم نہیں اگر نیت اچھی ہو تو اس کا مضائقہ نہیں ہاں اگر بڑے اس سے بھی روک دیں تو پھر کچھ نہ بولو۔ اور جب تک ان کی اجازت ہو خوب بولو۔
(الافاضات۔ص:۳۰۹/۹)

(۲۲) اگر غلطی بھی (اپنے کسی بڑے مثلاً) پیر سے ہو تو مرید کو اعتراض نہ کرنا چاہیے ہاں باادب متنبہ کر دے جب دیکھے کہ خود متنبہ نہ ہوگا۔ اگر یہ امید ہو کہ متنبہ ہو جائے گا تو پھر سکوت کرے۔ اعتراض کرنا بے جا حرکت ہے۔
(حسن العزیز۔ص:۱۰۳/۳)

(۲۳) جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں دوستی ہوگی تو حدود سے باہر دشمنی ہوگی تو حدود سے باہر ایسا شخص سخت خطرناک ہوگا۔ ہر چیز کو اپنے درجہ میں رکھنا بڑا کمال ہے آج کل اکثر علماء و مشائخ میں اسی کی کمی ہے کوئی چیز ان کے یہاں اپنے درجہ پر نہیں۔
(الافاضات۔ص:۲۰۴/۸ نمبر ۱)

(۲۴) ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں کہ وہ نہایت نافع اور مؤثر ہے کہ کسی چیز کے درپے نہ ہونا چاہیے اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے کہ اس قدر کاوش کیوں ہے اس میں ضرور کوئی اس کی ذاتی غرض ہے۔

دوسرے یہ کہ اس صورت میں پھر فریق بندی ہو جاتی ہے پھر کوئی کام نہیں ہوتا۔

تیسرے ایک اور خرابی ہے وہ یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے پھر جب بات کی پچ ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آجاتی ہے پھر ثواب بھی نہیں ہوتا اس پر لوگوں کی نظر کم ہو جاتی ہے یہ ہے باریک بات اور حکم بھی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى''۔
(الافاضات۔ص:۲۷۰/۸)

(۲۵) ایک مرض اپنی جماعت میں اور پیدا ہو گیا ہے کہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلانے پڑھے ہوئے ہیں اور فلاں کم ہیں ایک دوسرے کو فضیلت دے کر دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہیں اپنے حضرات کو دیکھا کہ مجمع میں بکثرت لوگ ہوتے ہیں مگر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون کس سے بیعت ہے۔
(حسن العزیز۔ص:۳۱/۳)

(۲۶) میں تو اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس و

تدریس کا موقع نصیب فرمائیں تو انتظام و اہتمام کو اپنے لیے قبول نہ کریں کیونکہ دونوں میں تضاد ہے مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کے لیے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں رہیں مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔ (مجالس حکیم الامت۔ص:۸۵)

(۲۷) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ علماء صوفیاء طلبہ سب کو یہ وصیت فرماتے تھے کہ جس کام میں لگے ہو وہ عبادت نماز دعا کی ہو یا کتابوں کا مطالعہ یا درس وتدریس یا وعظ پند سب میں اس کا اہتمام رکھیں کہ اس کام کا جتنا شوق و رغبت دل میں ہے اس کو ختم تک نہ پہنچنے دیں بلکہ کچھ شوق و رغبت باقی ہو اس وقت چھوڑ دیں اس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر از سر نو شوق رغبت جلد پیدا ہوگی اور کام زیادہ ہوگا۔ اور اگر کام کو شوق رغبت پورا کرنے اور تھکنے کے بعد چھوڑا تو دوبارہ اس کام کی رغبت وہمت بہت دیر کے بعد عود کرے گی۔ اس طرح کام میں نقصان آئے گا۔ (مزید المجید۔ص:۱۷۔مجالس حکیم الامت۔ص:۳۱۵)

(۲۸) جس شخص کی طبیعت میں تنعم زیادہ ہوتا ہے اس سے کوئی کام نہیں ہوتا۔

(ملفوظات۔ص:۲/۱۶)

فرمایا چھوٹی جگہ میں رہ کر کام زیادہ ہو سکتا ہے کیونکہ وقت فراغت زیادہ ملتا ہے اور بڑی جگہ میں رہ کر چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ زیادہ وقت لوگوں کی دلجوئی میں گزرتا ہے اس وقت تک جو کام ہوا ہے یہ سب اسی جگہ کی برکت ہے کام تو گمنامی ہی میں ہوتا ہے۔ (التبلیغ۔ص:۱۲۹/۱۴خیر الارشاد)

ضمیمہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کا نظام عمل

چندہ

۱۔ چندہ نہ کسی سے مانگا جاتا ہے اور نہ تحریک صراحۃً یا کنایۃً کی جاتی ہے نہ کرائی جاتی ہے اور اگر کوئی بطیب خاطر بھیجتا ہے یا دیتا ہے تو جس مد کی وہ تعیین کرتا ہے تو اس میں خرچ کر دیا جاتا ہے اور تعیین نہ کرے تو جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں صرف کیا جاتا ہے۔

۲۔ چندہ کی کوئی باضابطہ رسید نہیں دی جاتی۔

۳۔ آمد و خرچ کی کوئی کیفیت سالانہ یا ماہواری طبع نہیں ہوتی۔ ہاں جو رقم فوراً خرچ نہ کر دی جاوے اس کی یادداشت اپنے اطمینان کے لیے رکھ لی جاتی ہے۔

۴۔ کوئی رقم یا جنس و پارچہ خلاف شرع نہیں لیا جاتا بالخصوص تقریبات میں جو رقم موافق رسوم کے ہوں وہ بالکل واپس کر دی جاتی ہیں۔

کتب خانہ

۱۔ الحمد للہ بقدر ضرورت یہاں کتب موجود ہیں۔
۲۔ جو کتب موجودہ ہیں وہ دیسی اور پردیسی حاجت مند طلبہ کو پڑھنے کے لیے دے دی جاتی ہیں۔
۳۔ جو کتاب موجود نہیں یا موجود ہے لیکن کسی وجہ سے دینا مناسب نہیں ہے تو وہ نہ دی جاوے گی۔ طالب علم خود خریدے۔

طعام طلبہ

۱۔ طعام کی ذمہ داری نہیں ہے۔
۲۔ اگر کہیں سے آمدنی ہوگئی تو بقدر ضرورت بلا قید مقدار وظیفہ بطور کفاف نادار طلبہ کو دیا جاتا ہے۔
۳۔ بشرط آمدنی جو روپیہ طلبہ کو دیا جاتا ہے اس کا اس کو اختیار ہے خواہ خود مدرسہ میں پکائے (چنانچہ کئی طالب علم پکاتے ہیں) یا کہیں پکوائے (چنانچہ بہت سے پکواتے ہیں) اور ایک آدمی جا کر لے آتا ہے اور اس کو تقسیم کر دیتا ہے جس کی تنخواہ بھی طلبہ دیتے ہیں۔
۴۔ اگر کوئی صاحب شہری طالب علم کا کھانا مقرر کریں تو مدرسہ میں کھانا پہنچا دیں۔ طالب علم دروازہ پر کھانا لینے نہ جاوے گا۔
۵۔ اگر طلبہ کی کوئی دعوت کرے تو طلبہ داعی کے مکان پر کھانا کھانے نہیں جاتے بلکہ کھانا مدرسہ میں آجاتا ہے اگر کوئی یہ شرط قبول نہ کرے تو دعوت قبول نہیں کی جاتی۔
۶۔ جو طالب علم مزدوری کے قابل ہیں ان کو مزدوری کرنے کی بھی اجازت ہے۔
۷۔ براہ راست کسی مہمان وغیرہ سے کچھ لینے کی کسی طالب علم کو اجازت نہیں حضرت سرپرست مدظلہ کا اتباع بہت ضروری ہے۔
۸۔ ایک جدید معمول یہ مقرر کیا گیا ہے کہ طلبہ مسجد میں اقامت نہ کریں۔

لباس طلبہ

۱۔ لباس کی بھی ذمہ داری نہیں ہے اگر کہیں سے جوڑے بنے بنائے آئے یا کپڑا آیا تو بعد تحقیق اس امر کے کہ دائرہ شریعت میں داخل ہے لے لیے جاتے ہیں اور ضرورت مند طلبہ کو تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے موافق شرع کے نہ نکلے تو واپس کر دیئے جاتے ہیں خصوص حصص میراث کی سخت تحقیق ہوتی ہے اگر کوئی وارث میت کے جوڑے دینے پر رضامند نہ ہو یا ورثہ میں نابالغ ہوں تو بھی واپس کر دیئے جاتے ہیں۔
۲۔ گاہ گاہ سخت حاجت کے وقت جبکہ نقد میں گنجائش ہو پارچہ کے لیے نقد بھی دیا جاتا ہے۔

۳۔ لحاف توشک دلائی دوہرے روئی دار انگرکھے جو آتے ہیں یا بنوائے جاتے ہیں تو وہ بعینہ مدرسہ میں محفوظ رہتے ہیں موسم سرما میں طلبہ کو استعمال کے لیے دے دیئے جاتے ہیں اور موسم سرما گزرنے کے بعد واپس لے کر رکھ لیے جاتے ہیں۔

۴۔ کپڑے ورضائی جیسے کہ ضرورت مند طلبہ کو دیئے جاتے ہیں اسی طرح جماعت ذاکرین کو بھی دیئے جاتے ہیں اسی طرح نقد سے خدمت کیے جانے میں بھی وہ شریک ہیں۔

داخلہ طلبہ

۱۔ داخلہ کے لیے کسی خاص کتاب تک امتحان دینے کی شرط نہیں قواعد بغدادی والے اور مشکوٰۃ شریف والے برابر ہیں۔

۲۔ داخلہ کے لیے نیک چلن سلیم الطبع ہونا شرط ہے۔

۳۔ یہ ضروری نہیں کہ جو طالب علم آوے اس کو داخل ہی کرلیا جاوے بلکہ اگر مدرس کے پاس وقت خالی ہو یا کسی بڑے طالب علم کے متعلق سب کا انتظام ہو جاوے تو داخل کرلیا جاتا ہے ورنہ صاف جواب دے دیا جاتا ہے۔

۴۔ داخلہ میں بیرونی طلبہ اور شہری سب برابر ہیں۔

۵۔ جو شخص بیرونی کم سن بچوں کو داخل کرنا چاہے وہ ان بچوں کے لیے اگر کوئی نگران تنخواہ دار بلا تنخواہ مقرر کردے تو داخل کرلیے جاتے ہیں ورنہ داخل نہیں کیے جاتے۔

امتحان

۱۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو گذشتہ ماہ کی خواندگی میں تمام طلبہ کا قرآن شریف وفارسی وعربی کا امتحان ہوتا ہے۔

۲۔ ادنیٰ درجہ کی کامیابی کے نمبر ۱۵ ہیں اور اعلیٰ درجہ ۲۰ ہیں۔

۳۔ جو طالب علم یکے بعد دیگرے تین ماہ نمبر کامیابی سے حاصل نہ کرے وہ مدرسہ سے علیحدہ کردیا جاوے گا۔

۴۔ جو طالب علم اکثر غیر حاضر رہتا ہو یا کوئی بدچلنی ثابت ہو وہ بھی خارج کردیا جاوے گا۔

۵۔ امتحان سالانہ نہیں ہوتا۔

۶۔ سالانہ یا ششماہی کوئی جلسہ نہیں ہوتا ہے لیکن طلبہ قرآن کے لیے ایسا ہوتا ہے کہ جو ان میں فارغ ہو جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد اس سے کچھ سن کر تطییب قلب کے لیے اس کو ایک دستار دی جاتی ہے جو طلبہ درس عربی سے فارغ ہوں گے ان کے لیے بھی انشاء اللہ یہی معمول جاری رہے گا۔

تعطیل رخصت مدرسین ودیگر امور

ا۔ تدریس کے لیے کوئی مدرس خاص لزوم کے درجہ میں نہیں بلکہ جو علماء فارغین یہاں بغرض ذکر و شغل مقیم ہیں وہ بھی درس دیتے ہیں لیکن چونکہ وہ علماء مقیمین التزام سے مقیم نہیں رہتے اور اس صورت میں طلبہ کا خصوصا مبتدیوں کا زیادہ حرج ہے اس لیے ایک مدرس عربی وفارسی اور ایک مدرس قرآن توکلا علی اللہ بھی مقرر ہیں اور ایک قاری مجود کی تجویز ہے۔

۲۔ مدرسین کی تنخواہ کی ذمہ داری نہیں ہے اگر خرچ آتا رہے گا تو تنخواہ ملتی رہے گی ورنہ نہیں۔ غرض طلبہ کی طرح مدرسین بھی متوکل ہیں۔

۳۔ کل وقت درس دن بھر میں چھ گھنٹہ معمول ہے اس کی ابتداء وانتہاء حسب اختلاف موسم بدلتی رہتی ہے۔

۴۔ جمعہ کو ہمیشہ اور سال بھر میں ۲۰ رمضان سے یکم شوال تک اور ۹/ ذی الحجہ سے ۱۳/ ذی الحجہ تک تعطیل رہتی ہے۔

۵۔ یکم رمضان سے ۲۰ رمضان تک اول وقت یعنی صبح کو مدرس قرآن، طلبہ کا قرآن مجید سنتا ہے اور مدرس عربی کے یہاں اگر مبتدی بچے ہوں تو وہ بھی ۲۰ رمضان تک اول وقت پڑھاتا ہے اور دوسرے وقت دونوں درجوں کی تعطیل رہتی ہے۔

۶۔ اگر مدرسین استدعاء کریں تو سال بھر میں پندرہ یوم کی رخصت متفرق طور سے دے دی جاتی ہے اور اس سے زائد کے لیے تنخواہ (جو توکل کے طور پر ملتی ہے) وضع کی جاتی ہے۔

۷۔ بیماری کی وجہ سے پندرہ یوم کی رخصت متفرقا یا مجتمعا دے دی جاتی ہے اور اس سے زائد کی صورت میں تنخواہ وضع کی جاتی ہے ان سب معمولات میں ہمیشہ باقتضاء وقت و مصلحت تغیر وتبدل ہوسکتا ہے مگر ہر حالت میں یہ امر ملحوظ رہے گا کہ سادگی وتوکل کی شان سے نہ نکلے۔

تربیت اخلاق

ا۔ اس مدرسہ کا مہتم بالشان جزو اصلاح نفس وتہذیب اخلاق ہے۔

۲۔ جو طلبہ مدرسہ کے احاطہ میں مقیم ہوں ان پر لازم کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اختلاط نہ کریں اور اس کی سخت نگرانی کی جاتی ہے۔

۳۔ آپس میں ایک دوسرے کے حجرہ میں جانے کی اجازت نہیں ہے اور سوائے وقت درس کے ایک جگہ بیٹھنے کی باتیں کرنے کی ممانعت کی جاتی ہے۔

۴۔ وضع بالکل سادہ رکھیں خلاف شرع اور زیب وزینت سے قطعا روکا جاتا ہے۔

۵۔ بچے بال نہیں بڑھانے پاتے اکثر سر منڈایا جاتا ہے۔

۶۔ بلا اجازت اپنے نگران یا استاذ کے بازار وغیرہ جانے سے روکے جاتے ہیں۔
۷۔ شہر کے لڑکوں سے ارتباط واختلاط کی بالکل اجازت نہیں ہے۔
۸۔ بار بار وطن جانے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔

<u>بعض قواعد ضروریہ متعلقہ</u>

۱۔ مدرسہ وخانقاہ کی کسی مد کی رقم سے کوئی قرض نہ دیا جاوے، نہ طالب علم کو، نہ مدرس کو، نہ مہتمم کو، نہ شیخ کو، اور نہ کسی معین وملازم کو، تا بدیگرے چہ رسد۔ اور اگر متولی ایسی غلطی کرے ضمان داخل کرے، گو وہ رقم ایسی ہی ہو جو نہ مدرسہ کے نامزد ہو نہ خانقاہ کے بلکہ اس کو صرف کرنا بالکل مولی یا متولی کے اختیار میں دیا گیا ہو کہ جس مصرف خیر میں چاہے صرف کرے کیونکہ آخر امانت تو وہ بھی ہے۔

۲۔ تحویل ہمیشہ اپنے صندوق میں رہنا چاہیے جس میں کم از کم دو مختلف کنجیوں کے قفل لگائے جایا کریں ان میں سے ایک کنجی متولی کے پاس اور دوسری مولی یعنی متولی مقرر کرنے والے کے پاس اور در صورت اس کی موت یا بعد وغیبت کے شیوخ حاضرین خانقاہ ہی سے کسی شیخ کے پاس اور در صورت عدم حضور کسی شیخ کے خود متولی اپنے تدین سے کسی ایسے شخص کو تجویز کرے جو تدین کے ساتھ متولی سے مغلوب نہ ہو اور جب کوئی رقم تحویل سے لی جائے تو ان دونوں شخصوں کے اجتماع اور مشاہدہ سے لی جاوے۔ اور دوسری کنجی بردار کا تبدل مولی کے زندہ ہونے پر اس کے مشورہ پر موقوف ہے اور اس کے زندہ نہ ہونے پر مستقلاً متولی کی رائے پر ہے۔

<u>تنبیہ</u>

۱۔ اگر صندوق میں بہت ہی قلیل رقم ہو یا کسی وقت نہ ہو تب بھی اس قاعدے کی پابندی بمصلحت انتظام بہت ضروری ہے۔

۲۔ متولی کو ایک ماہ کے اوسط خرچ سے زیادہ رقم نکال کر اپنے پاس رکھنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۳۔ ہر ماہ کے اخیر پر جمع وخرچ وبقایا کو درج کر کے دوسرا کنجی بردار حساب کو جانچ کر بقایا موجودہ کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر رجسٹر پر دستخط کیا کرے۔

۴۔ ضرورت شدیدہ کے وقت ایک مد سے دوسری مد کے لیے قرض لیا جا سکتا ہے۔ مگر رقم واجب التملیک اس سے مستثنیٰ ہے۔

ضمیمہ ثالث (تنبیہات وصیت)

بابت ۱۳۳۹ھ

استاد اور شاگرد کے حقوق اور تعلیم و تربیت کے طریقے

درس و تدریس، مطالعہ و مذاکرہ، معلم و متعلم کی ذمہ داریاں اور باہمی حقوق، اصلاح تربیت نیز جسمانی حقوق کے سلسلہ میں مربی کامل کے ارشادات کا مجموعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از مرتب

''موت العالم موت العالم'' عالم دین کی موت عالم کی موت ہے ہر زمانہ میں امت کی اصلاح و خیریت فلاح و بہبود علماء ہی کے ساتھ وابستہ رہی ہے جب بھی امت کے علماء قائدین نے اپنے عمل و کردار کا اچھا نمونہ پیش کیا اور اصلاح و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا ہے امت کے اندر خیریت و عافیت امن و سلامتی کے بادل چھا گئے اور باران رحمت کا سکینہ ان پر نازل ہونے لگا۔

اور جب بھی امت کے رہنما نام نہاد علماء غفلت کی نیند سوئے، شہرت و جاہ کے طالب ہو کر اپنے منصب کو بھول بیٹھے اور امت کے سامنے برا نمونہ پیش کیا اسی وقت سے امت میں گمراہی عام ہو گئی فتنہ و فساد کی آگ سلگنے لگی لڑائی جھگڑے کے شعلے بھڑکنے لگے اور ان سب کی ذمہ دار یہی جماعت علماء ہے۔

اور یہی علماء اگر علماء خیر و علماء حق ہیں تو ''العلماء ورثة الانبياء'' ''کا مصداق ہیں' اور یہی علماء اگر علماء سوء و علماء شر ہیں تو صادق المصدوق نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق ساری مخلوق سے بدتر اور ''ضلوا فاضلوا'' کا مصداق ہیں۔

اس وقت دینی مدارس بے شمار ہیں اور ہر مدرسہ سے فارغ ہونے والے علماء کی تعداد نا معلوم کتنی ہوتی ہو گی جس کے نتیجہ میں تو دنیا کے کسی کونے میں جہالت کا نام و نشان اور ضلالت و گمراہی کا وجود بھی نہ ہونا چاہیے تھا لیکن افسوس صد افسوس کہ اس وقت نام نہاد رہنماؤں کی حیثیت ''غثاء کغثاء السیل'' سے زیادہ نہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ تعلیم و تعلم ایک رسم سی بن گئی ہے، دینی مدارس میں اصلاح و تربیت کوئی شعبہ نہیں دوسری طرف افراط کا یہ عالم کہ دینی مکاتب میں بچوں کی تربیت و تعلیم کے نام پر بری طرح جانوروں کی طرح ڈنڈے برسا کر کمر توڑ دی جاتی ہے پڑھنے والے تلامذہ اپنے اساتذہ سے بدگمان اور ان کے مخالف ہوتے ہیں مدرسین صرف درس دینے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں طلبہ و مدرس میں باہم ربط کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کسی کو کسی کے حقوق سے نہ تو پوری واقفیت اور نہ اس کا پاس لحاظ۔

تعلیم و تدریس میں کہیں افراط تو کہیں تفریط، لمبی چوڑی تقریر کرنا کسی مسئلہ میں مختلف اقوال بیان کرنا

ایک فیشن بن گیا ہے اور دوسری طرف تفریط کا یہ عالم کہ کتابوں کا صرف ترجمہ کر دینا بعض مدرسین کی عادت بن گئی ہے۔

طلبہ کا حال یہ ہے کہ نہ تو مطالعہ کا اہتمام، نہ تکرار کی رغبت، درجہ میں بیٹھنا اور امتحان کی تیاری کر کے امتحان دینا، سند حاصل کر لینا ان کے لیے آسان مسئلہ ہے قطع نظر اس سے کہ آیا علمی وعملی استعداد و صلاحیت کس درجہ کی ہے لیکن اہل مدارس کو قرأت وعالمیت وفضیلت کی سند بہر حال دینا ہے دوسری جانب بعض طلبہ کو محنت کا اتنا جوش اٹھتا ہے کہ کتابیں زبانی یاد کرنے کی سوجھتی ہے نہ صحت وتندرستی کا خیال، نہ آنکھوں کی روشنی کی فکر یہ سب ایسی خامیاں ہیں جس کی وجہ سے یہ امت کام کے علماء کی پیاسی اور پیاس میں تڑپ رہی ہے اور اس کی پیاس بجھانے والے یہی علماء اور دینی مدارس ہیں۔

دینی مدارس اور مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کی اگر آج بھی صحیح تعلیم وتربیت کا معقول انتظام کیا جائے تو آج بھی یہ پیاسی امت سیراب ہو کر سرسبز وشاداب ہو سکتی ہے اساتذہ وطلبہ کے حقوق تعلیم و تدریس کے آداب مطالعہ کی اہمیت وغیرہ جیسے موضوع پر بہت سے علماء نے کتابیں لکھی ہیں، سیدی و مرشدی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب دامت برکاتہم کی کتاب آداب المعلمین والمتعلمین بڑی مفید کتاب ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اصلاح انقلاب جلد اول ایک باب اسی سے متعلق ہے۔

اس رسالہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ ملفوظات ومواعظ اور تصانیف کو سامنے رکھتے ہوئے استاد شاگردوں کے حقوق طلبہ کی محرومی کے اسباب ساتھیوں کے حقوق اور درجہ میں بیٹھنے کے آداب خدمت کرنے اور لینے کے طریقے اور اس کے شرائط تعلیم وتدریس کے طریقے اور درس کی ناکامی کے اسباب، محنت کرنے کے حدود، مطالعہ کی اہمیت اور زیادہ محنت کرنے سے احتراز، صحت وتندرستی کی اہمیت اور اس کے اصول اور کمزوریوں وبیماریوں کے اسباب اس کے علاوہ متفرق نصیحتیں اور مختلف ابواب اس رسالہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر معلم ومتعلم کو اس رسالہ سے مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائے

محمد زید

۱ر رجب ۱۴۱۰ھ

(جامعہ عربیہ ہتورا............باندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر ۱

استاذوں کے حقوق

﴿فصل ۱﴾

استاذ شاگرد کے حقوق کی اہمیت

علوم دینیہ کا جس طرح تعلیم و تعلم (سیکھنا سکھانا) ضروری ہے اسی طرح اس تعلیم و تعلم کے سبب جن لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں ان تعلقات کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے اور یہ حقوق جس طرح فی نفسہا دلائل سے ضروری ہیں اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوا کہ برکات علمیہ کے موقوف علیہ ہونے کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور جن سے یہ تعلقات ہوتے ہیں وہ تین جماعتیں ہیں اول معلمین یعنی اساتذہ ، دوم متعلمین یعنی تلامذہ ، سوم شرکاء فی التعلم یعنی ہم درس و ہم سبق۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۷۴/۱)

ہم لوگوں نے تاکد حق (حقوق کے لازم ہونے کا) سبب محض عظمت کو سمجھ لیا ہے۔ اور یہ مرض دیندار میں بھی ہے کہ وہ بھی (صرف) اہلِ عظمت ہی کے زیادہ حقوق ادا کرتے ہیں۔ (التبلیغ۔ ص:۲۶/۱۴)

استاذ اور شاگرد کی تعریف

جاننا چاہیے کہ استاذ عام ہے سبق پڑھانے والے اور پوچھنے پر مسئلہ بتانے والے اور ابتداء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے اور اصلاح نفس کے طریقے بتلانے والے یعنی پیر کو ان سب کو استاذ کہتے ہیں۔

اسی طرح شاگرد عام ہے تلمیذ متعارف اور دینی سوال کرنے والے اور مرید (کو بھی شاگرد کہتے ہیں) اسی طرح ہم درس عام ہے متعارف ہم سبق (ساتھیوں) اور کسی عالم کی مجلس میں شرکت کرنے والوں اور پیر بھائیوں کو۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۷۶)

طلبہ اور اساتذہ میں باہم ربط کی ضرورت

فرمایا: کہ ہمارے زمانے میں طلبہ پر اپنے اساتذہ کے سوا کسی کا رنگ و اثر نہ جمتا تھا طلبہ کو اپنے اساتذہ سے خاص محبت و عقیدت اور اساتذہ کو ان پر خاص شفقت ہوتی تھی۔ اب مزاج و مذاق بدل گئے طلبہ و اساتذہ میں وہ تعلق قائم نہیں رہا اس لیے علمی ذوق اور علمی رنگ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا اور کسی رنگ میں بھی پختہ نہیں ہوتے۔ علمی استعداد اور علمی تربیت سب ہی کمزور ہو گئیں اس لیے مدارس میں طلبہ کی

تربیت اور اساتذہ کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے طریقہ اختیار کرنا بہت ضروری ہیں کہ طلبہ اساتذہ میں باہم ربط و مناسبت پیدا ہو۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص:۱۶۲)

استاذ بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر و عظمت لازم ہے

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰی...... قَوْلِهٖ تَعَالٰی يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"۔

اس آیت کریمہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی نعمت بعثت پر منت (احسان) ہونے کی علت میں تعلیم کتاب وحکمت کو ذکر فرمانا صاف دلیل ہے کہ جو شخص کسی کو دین کی تعلیم کرے وہ اس شخص کے حق میں نعمت الٰہی ہے اور اس کی قدر و تعظیم اس پر لازم ہے اور اس تعلیم میں سبق پڑھانا اور مسئلہ بتلانا وغیرہ سب داخل ہیں۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۶/۲۷۱)

استاذ بہت بڑا سخی ہے اس کا حق ادا کرنا ضروری ہے

ایک حدیث میں انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جانتے ہو سب سے زیادہ سخی کون ہے انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ دانائے حال ہے تو آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں۔ اور پھر وہ جس نے علم دین سکھلایا اور اس کو پھیلایا، یہ شخص قیامت میں تنہا ایک امیر کے آئے گا۔ (بیہقی)

اس حدیث میں اللہ ورسول کے بعد سب سے زیادہ صاحب جود (سخاوت کرنے والا) اس عالم کو فرمایا جو علم کو شائع کرے جس طریقہ سے بھی ہو خواہ تدریس سے یا وعظ وتلقین سے خواہ تصنیف سے۔

اس حدیث میں تمام وہ لوگ داخل ہیں جو کسی طرح بھی دین کی تعلیم واشاعت کرتے ہوں اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کے ساتھ سخاوت کرے اس کا کتنا حق ہوتا ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ۔ ص:۱۲۱)

استاذ بہت بڑا محسن ہے اس کی مکافات ضروری ہے مکافات کے طریقے

"عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه من صنع اليكم معروفا فكافئوه فان لم تجدوا ماتكافئونه فادعوا له حتى تروا انكم قد كافأتموه" (رواہ احمد وابوداؤد)

ترجمہ: جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کی مکافات کر سکتے ہو تو کرو ورنہ اس کے لیے دعا کرو یہاں تک کہ تم نے اس کی مکافات کر دی۔

کیا کوئی شخص تعلیم دین کے معروف یعنی احسان ہونے سے انکار کر سکتا ہے؟ جب احسان ہونا مسلم ہو گیا تو اس کے مکافات میں اس کی ہر قسم کی خدمت مال سے جان سے داخل ہو گئی جو حدیث ہذا میں مذکور ہے۔

اور جب کسی قسم کی استطاعت نہ رہے تو اس وقت اقل درجہ میں دعا ہی سے یاد رکھنا ضروری ہے۔

”عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ“
(رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: جس نے آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا۔ اس حدیث کے عموم میں استاذ بدرجہ اولیٰ داخل ہے کیونکہ بہت بڑی نعمت یعنی علم دین کا واسطہ ہے اس کی حق شناسی میں کوتاہی کرنا بنص حدیث حق تعالیٰ کی ناشکری ہے جس کا محل وعید ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ قال تعالیٰ ”لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ“

اگر تم شکر کرو گے تو ہم اور زیادہ دیں گے۔ اگر تم کفران نعمت کرو گے تو یاد رکھو! ہمارا عذاب شدید ہے۔ (اصلاحِ انقلاب۔ ص: ۱/۲۷۸)

اساتذہ وعلماء کے ادب کی ضرورت واہمیت

یہ اساتذہ عالم ہیں اور بڑے ہیں ان کا ادب اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ وارثان رسول ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ“ نیز ارشاد ہے ”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ“ نیز ارشاد ہے ”لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا“ اور ارشاد ہے ”وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ“۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش قدمی نہ کرو اور آپ ﷺ کے سامنے زور سے چلا چلا کر باتیں نہ کرو اور رسول اللہ ﷺ کو اس طرح نہ پکارو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو (بلکہ ادب سے بات کرو) اور آپ ﷺ کے پاس مجمع میں بیٹھے ہوئے ہو تو بغیر اجازت کے وہاں سے نہ اٹھو...... ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے جو حقوق بیان کیے گئے ہیں حضور ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء اور وارثان علم کے بھی وہی حقوق ہیں۔

کیونکہ تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ جس حدیث میں تبجیل علماء کی تاکید ہے وہ ان احکام کے عموم پر دال ہے اسی واسطے سلف نے وارثان رسول کا وہی ادب کیا ہے جو ان آیات میں حضور ﷺ کے لیے مذکور ہے۔ (التبلیغ کوثر العلوم۔ ص: ۱۲/۱۴۱)

علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات دین کی بزرگی رکھتے ہیں ان کے ساتھ بھی یہی ادب برتنا چاہیے گو سوءِ ادب کا وبال اس درجہ کا نہ ہو لیکن تاذی بلا ضرورت میں حرمت ہے۔

(بیان القرآن سورۂ حجرات۔ ص: ۱/۱۴۱)

علماء کا ادب بہت ضروری ہے حدیث میں ہے "من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ولم یجل عالمنا فلیس منا" یعنی جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کی تعظیم نہ کرے اور عالم کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں یہ کس قدر سخت وعید ہے مگر افسوس طلبہ اس پر عمل نہیں کرتے۔

(التبلیغ۔ص:۲/۱۴۰)

عام گفتگو میں اور ظاہری ادب

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا" [الآیۃ]

ترجمہ:۔اے لوگو! جو ایمان لائے ہو راعنا مت کہو اور کہو انتظار کرو ہمارا اور سنو۔اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استاذ کے ساتھ گفتگو میں بھی ادب ملحوظ رکھے۔تا بمعاملات چہ رسد۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۷۷)

آخر ادب بھی کوئی چیز ہے یا نہیں، شریعت میں تو ادب کلام کی اس قدر رعایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں جس نے سوال کیا تھا "من اعلم الناس الیوم" آج کل سب سے بڑا عالم کون ہے۔ بلا قید کے یہ فرمادیا تھا "انا علم" کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں تو اس لفظ پر عتاب ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا حالانکہ بظاہر موسیٰ علیہ السلام کا کلام بالکل صحیح تھا کیونکہ مقصود ان کا یہی تھا کہ علم شرائع واحکام میں سب سے زیادہ اس وقت عالم میں ہوں اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑا نبی اس وقت کوئی نہ تھا جتنے انبیاء اس وقت تھے سب ان کے تابع تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا مرتبہ علم باطن میں بھی موسیٰ علیہ السلام سے بڑھا ہوا نہ تھا کیونکہ علم باطن بھی علم شریعت کا ایک جزء ہے کیونکہ شریعت نام ہے احکام ظاہرہ و باطنہ کے مجموعہ کا اور علم باطن کی حقیقت احکام باطنہ ہے اور جب یہ بھی علم شریعت کا جزو ہے تو یقیناً موسیٰ علیہ السلام اس میں بھی خضر علیہ السلام سے اکمل تھے۔ یہ میں نے اس واسطے بیان کردیا کہ اس میں بہت لوگوں کو دھوکہ ہوگیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب علم خضر میں جو علم موسیٰ کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اس قدر شرائط وآداب ہیں تو علم باطن میں جو اس سے افضل ہے ضرور ان آداب کی رعایت کرنا چاہیے۔ مگر آج کل لوگ ذرا ادب نہیں کرتے۔ (التبلیغ۔ص:۱۵/۱۹۵۔ص:۱۷۱،الحدود والقیود)

شاگرد کتنا ہی بڑا ہو جائے استاذ سے کم درجہ کا ہوگا

اگر تم سارے عالم کو عالم بنادو گے جب بھی تم ہی بڑے رہو گے کیونکہ پھر بھی استاذ ہو گے اور سب لوگ تمہارے شاگرد ہوں گے۔اور شاگرد چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے آخر رتبہ میں تو استاذ سے کم ہی ہے گو ظاہر میں بڑا معلوم ہو جیسے کوئی شخص اپنے چھوٹے بھائی کو خوب دودھ گھی کھلادے تاکہ موٹا تازہ ہو

جائے اور چند سال میں وہ ایسا ہو جائے کہ بڑا بھائی اس سے چھوٹا معلوم ہونے لگے تو کیا رتبہ میں بھی وہ چھوٹا ہو جائے گا ہرگز نہیں، بڑا بھائی پھر بھی بڑا ہی رہے گا۔ (التبلیغ۔ص:۱۶۰/۲۱)

ایک حکایت

ایک بادشاہ کی حکایت لکھی ہے کہ اس نے اپنے لڑکے کو کسی معلم کے سپرد کیا ایک روز دیکھا کہ معلم صاحب گھوڑے پر سوار ہیں شہزادہ پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہے بادشاہ کو یہ دیکھ کر سخت ناگوار ہوا۔ لیکن ضبط کر کے معلم سے پوچھا معلم نے کہا حضور چند روز میں یہ بادشاہ ہوگا مخلوق اس کی رعایا ہوگی اگر اس وقت پیدل نہ دوڑے گا تو اس وقت خبر نہ ہوگی کہ پیدل دوڑنے والوں پر کیا گزر رہی ہے۔ اس لیے میں نے اس کو دوڑایا کہ یہ اپنی حالت کو یاد کر کے دوسروں پر رحم کرے یہ برتاؤ باپ نہیں کر سکتا استاذ ہی کر سکتا ہے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۳۷/۶)

استاذوں کا ادب تقویٰ میں داخل ہے بے ادب متقی نہیں ہو سکتا

استاذوں کا ادب بھی تقویٰ میں داخل ہے جو اس میں کوتاہی کرے گا وہ متقی نہ ہوگا اور اس میں کوتاہی کا بڑا سبب یہی ہے کہ طلبہ کو تقویٰ کا اہتمام نہیں اور تقویٰ زیادت علم کا سبب ہے تقویٰ کے لیے تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مامورات کو بھی بجالایا جائے۔

(التبلیغ۔ص:۱۴۰ کوثر العلوم)

علم میں خیر و برکت کیسے ہو؟

جس قدر استاذ سے محبت ہوگی اسی قدر علم میں برکت ہوگی عادۃ اللہ یہ ہے کہ استاذ خوش اور راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:۴۴۲۔تجدید تعلیم۔ص:۱۲۷)

تجربہ سے معلوم ہوا کہ استاذ کا دل جس قدر خوش رکھا جائے گا اس قدر علم میں برکت ہوگی۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۴)

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے کیسے بن گئے

مولانا محمد یعقوب صاحب سے کسی نے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ پر علم کہاں سے کھلا مولانا نے فرمایا کہ اس کے اسباب متعدد ہیں ایک تو سبب یہ ہے کہ مولانا فطری طور پر معتدل القویٰ اور معتدل المزاج تھے پھر ان کے استاذ بے مثل تھے پھر پیر کامل ملے جن کی نظیر نہیں ان کی وجہ سے فن کی حقیقت منکشف ہو گئی۔ اساتذہ کا ادب بہت کرتے تھے اور متقی بہت تھے جب اتنی چیزیں جمع ہوں پھر کیوں نہ کامل ہوں۔ (حسن العزیز۔ص:۳۱۸/۴)

مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کا حال

مولانا یعقوب صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کے تفوق علمی کے بہت سے اسباب ہیں منجملہ ان کے ایک سبب یہ ہے کہ وہ اپنے استاذوں کا ادب بہت کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون کا ایک گندی (بھنگی) مولانا سے ملنے گیا اور کہا کہ میں تھانہ بھون کا رہنے والا ہوں بس یہ سن کر مولانا پر بے حد اثر ہوا اس کی خاطر و مدارات میں بچھے جاتے تھے محض اس لیے کہ وہ تھانہ بھون کا رہنے والا تھا جو وطن تھا اپنے مرشد کا افسوس ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اکابر کے جاہل ہم وطنوں کا اتنا ادب کرتے تھے اور آج کل خود اکابر کا بھی ادب نہیں کیا جاتا۔ (التبلیغ۔ص:۱۲/۱۳۹ کوثر العلوم)

حاجی امداد اللہ صاحب کے کمال ادب کا حال

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایک شخص نے سیاہ رنگ کا جوتا بھیجا تو حضرت نے اس کو پہنا نہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت لوگ تو آپ کے واسطے بھیجتے ہیں کہ آپ اس کو استعمال فرمائیں۔ فرمایا اس کا رنگ سیاہ ہے اور جب سے مجھ کو خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ ہونا معلوم ہوا ہے تب سے میں نے سیاہ رنگ کا جوتا نہیں پہنا۔ اس لیے کہ خلاف ادب معلوم ہوتا ہے۔ (دعوات عبدیت)

فصل ۲

استاذ کا ادب ولحاظ استاذ ہونے کی حیثیت سے ضروری ہے

طلبہ میں استاذوں کا ادب نہیں ہے اور جن استاذوں کا ادب کرتے ہیں وہ استاذی کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ بزرگی اور شہرت کی وجہ سے ہے۔ استاذ کا ادب ہوتا تو جو استاذ مشہور بزرگ اور مقتدا نہیں ہیں ان کا بھی ادب کیا جاتا کیونکہ استاذی کا حق ان کو بھی حاصل ہے۔ (التبلیغ۔ص:۱۲/۱۳۷ کوثر العلوم)

بعض شاگرد استاذ کی تعظیم وتکریم اس کی کسی دنیوی وجاہت وعظمت کی وجہ سے کرتے ہیں وہ بھی شاگردی کی خوبی نہیں چنانچہ اگر استاذ جاہ شہرت میں شاگرد سے کم ہو تو بعض ناخلف اپنے کو اس کی طرف منسوب کرنے میں بھی عار کرتے ہیں مبارک ہے وہ جو اپنے استاذ کا بھی حق استاذی ادا کرے۔

(تجدید تعلیم۔ص:۱۴۴)

میں نے ایک دفعہ دیوبند کے مدرسہ میں طلبہ سے کہا تھا کہ تم لوگ اساتذہ کی عظمت نہیں کرتے نہ ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہو پھر میں نے کہا کہ شاید آپ اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ ہم تو حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کی بہت عظمت کرتے ہیں اور ان کی خدمت بھی کرتے ہیں تو ذرا دل میں غور کرلو کہ مولانا کی یہ عظمت وخدمت محض استاذ ہونے کی وجہ سے ہے یا ان کی شہرت وعظمت کی وجہ سے ہے ظاہر

ہے کہ محض استاذی کی وجہ سے مولانا کی عظمت و وقعت نہیں کی جاتی آخر اور بھی تو استاذ ہیں معلوم ہوا کہ مولانا کی عظمت بوجہ شہرت کے کرتے ہو کہ وہ سب سے زیادہ بزرگی وغیرہ میں مشہور ہیں۔ جب اہل علم میں بھی یہ مرض ہے کہ وہ مشاہیر اہل عظمت کے حقوق ادا کرتے ہیں تو پھر دوسروں کا کیا کہنا۔

(التبلیغ۔ص:۱۴/۲۷ خیر الارشاد)

کافر استاذ بھی قابل احترام ہے

اگر استاذ ہندو ہو تو اس کا بھی ادب کرنا چاہیے استاذ بڑی چیز ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۶۳۲)

خلاف شرع امور کرنے والا استاذ بھی قابل ادب ہے

استاذ تو وہ چیز ہے کہ اگر بضرورت دینیہ بھی اس کے خلاف کرنا پڑے تب بھی کافر باپ کی طرح دین کے باپ میں تو اسکی موافقت نہ کرے لیکن ادب اور احترام اس کا ترک نہ کرے کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا روحانی باپ ہے گو تعارض حقوق کے وقت باپ سے یہ مرجوع ہو مگر حقوق غیر متعارضہ میں تو اس کا بھی وہی حکم ہے آخر جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں اسی تربیت روحانیت و تعلیم دینی ہی کے سبب تو یہ ارشاد ہوا ہے۔

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ"

پس استاذ بھی آپ کا وارث اور نائب ہے گو اس درجہ میں نہ سہی۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۷)

اگر استاذ تنخواہ دار ہے تب بھی واجب الاحترام ہے محض تنخواہ کی وجہ سے اس کے حق میں کوئی کمی نہیں آتی

ایک مشترک شکایت یہ ہے کہ جو اساتذہ کسی مدرسہ سے تنخواہ پاتے ہیں ان کے حقوق کو اور بھی ضعیف سمجھتے ہیں .... افسوس! وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان حقوق کی جو بنیاد ہے وہ تنخواہ پانے سے منعدم نہیں ہوگئی تو حق کیسے مفقود ہو جائے گا۔ اول تو تنخواہ کیا احسان کا بدل ہو سکتی ہے اور اگر کہا جائے کہ جب اس کی نیت دنیا حاصل کرنے کی تھی تو احسان کم ہو گیا یہ بھی محض غلط ہے ثواب خواہ کم ہو جائے مگر احسان تو ویسا ہی ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۸)

غیر شرعی علوم انگریزی حساب کتاب پڑھانے والا استاذ واجب الحقوق ہے یا نہیں؟

آیا معقولات اور فارسی اور حساب کے استاذ بھی ان حقوق مذکورہ میں شریک ہیں یا نہیں۔ اور اسی طرح کافر استاذ بھی۔ اس قواعد سے یہ تفصیل معلوم ہوئی ہے کہ ان میں جو چیزیں (علوم) مضر ہیں ان کا استاذ خود مضل (گمراہ اور ضرر رساں ہے) اور استاذ کا حق تھا بوجہ مفید اور محسن ہونے کے (لہٰذا وہ واجب

الحق نہیں) اور جو چیزیں مضر نہیں ان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر علوم دینیہ میں نافع اور معین ہیں (جیسے منطق وغیرہ) تو چونکہ مقدمہ (ذریعہ) کا حکم مقصود کا ہوتا ہے اس لیے ایسے اساتذہ حقوق مذکورہ کے مستحق ہوں گے گو استاذ مقاصد کے درجہ میں نہ سہی۔

اور اگر مضر ہیں نہ مفید (جیسے آج کل ہندی وغیرہ) تب بھی ایک دنیوی احسان ہے اور خود دنیوی احسان پر بھی شکرگزاری نصوص عامہ سے ثابت ہے اس لیے اس کا بھی حق ثابت ہوگا گو دینی احسان کے برابر نہ سہی۔ (اصلاح انقلاب۔ص ۲۰۹۔تجدید تعلیم۔ص ۱۳۱)

ہر استاذ کا حق برابر نہیں

اگر معلم کے مفہوم میں متعارف استاذ کی طرح پیر، واعظ، اور مصنف یعنی ہر وہ شخص جس سے بھی استفادہ کا تعلق ہو سب ہی استاذ کے مفہوم میں داخل ہیں لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے حقوق مساوی نہیں ان سب میں متعارف معنی میں جس کو استاذ کہا جاتا ہے اس کا حق زیادہ ہے اولاً تو اس لیے کہ یہ استاذ شاگردوں کے لیے جتنی مشقت برداشت کرتا ہے دوسرے اہل افادہ نہیں کرتے بعض طریقوں میں تو چنداں مشقت نہیں اور بعض میں اگرچہ مشقت ہے مگر وہ کسی خاص استفادہ کرنے والے کے لیے برداشت نہیں کرتا حالانکہ نص قطعی "حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا الخ" سے مشقت کی بناء پر حق کا عظیم ہونا ثابت ہے۔

ثانیاً شاگرد استاذ کی تابعیت کا التزام کرتا ہے اور التزام ایک وعدہ ہے اور وفاء عہد لازم ہے۔
(تجدید تعلیم وتبلیغ۔ص:۱۳۰)

جس طرح اقارب کے حقوق میں قوت قرابت کے تفاوت سے حقوق میں تفاوت ہو جاتا ہے۔ (اسی طرح یہاں بھی ہو جاتا ہے)۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۹)

استاذ و پیر کا حق زیادہ ہے یا باپ کا

استاذ و پیر کا حق زیادہ ہے یا باپ کا اس میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیر و استاذ روحانی مربی ہیں اور باپ جسمانی اور روحانی مربی کا درجہ جسمانی سے بڑا ہے اس دعویٰ کی غلطی اجمالاً اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ نصوص میں جس شد و مد سے باپ کے حقوق بتلائے گئے ہیں استاذ اور پیر کے نہیں بتلائے گئے۔

پھر سب سے بڑے روحانی مربی تو رسول اللہ ﷺ ہیں اور حق تعالیٰ تو جسم و روح دونوں کے مربی ہیں اور جب خدا و رسول ہی نے باپ کا حق زائد فرما دیا تو اس کی اطاعت میں بھی ایک بڑے مربی روحانی کے حق کی تقدیم ہے۔ (تجدید تعلیم۔ص:۱۳۱۔اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۹)

تعارض حقوق کی صورت میں ترجیح کا معیار

اگر ان لوگوں کے اوامر میں کچھ تعارض نہ ہو تب تو ترجیح کی ضرورت ہی نہیں اور اگر تعارض ہو تو دیکھنا

چاہیئے ان میں سے کوئی امر شرعاً واجب ہے یا نہیں اگر واجب ہے تو وہ مقدم ہے خواہ اس کا باپ ہو یا استاذ یا پیر اور اگر واجب نہیں ہے تو دونوں طرف مباح ہے بس یہ محل بحث ہے اور اس میں نصوص سے باپ کا حق مقدم معلوم ہوتا ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۳۸)

﴿فصل ۳﴾

اہل علم اور استاذ کے سامنے ادب وتواضع سے پیش آنا

قال رسول اللّٰہ ﷺ تعلموا العلم و تعلموا للعلم السکینة و الو قار و تواضعوا لمن تعلمون منه. (رواہ الطبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم سیکھو اور علم کے لیے سکینہ اور وقار اختیار کرو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے ساتھ ادب وتواضع سے پیش آؤ۔ (ترغیب وترہیب)

اس حدیث میں علم کی ترغیب اور اہل علم کی وضع کے ساتھ استاذ کے ساتھ ادب وتواضع سے پیش آنے کا صریح امر ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۲)

استاذ کی خدمت میں اس کے پاس رہنے کی کوشش کرنا

ان ابا ھریرۃ کان یلزم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بشبع بطنه الخ (بخاری)

ترجمہ: ایک طویل حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے پیٹ بھر غذا ملنے پر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر پیٹ بھر کھانا مل جائے تو حتی الامکان استاذ سے جدا نہ ہو (اس وجہ سے) اس کی عنایت بڑھ جاتی ہے اور فوائد علمیہ بھی حاصل ہوتے ہیں اور اس کی خدمت کا بھی موقع ملتا ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقع پر خدمت لینا بھی احادیث میں وارد ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۱)

استاذ کی خدمت سے بغیر اجازت نہ آجائے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ.

”بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی بات پر ہوتے ہیں تو جب تک اجازت نہ لے لیں، جاتے نہیں۔“

اس آیت سے استاذ کا یہ حق ثابت ہوا کہ اس کی خدمت سے بغیر اجازت نہ جائے، خواہ اذن صراحۃً ہو یا دلالۃً۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۷۷)

اگر استاذ کسی بات پر ناراض ہو جائے تو اس کو خوش کرنے کی کوشش کرے

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ توراۃ کا ایک نسخہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ نسخہ توراۃ کا ہے آپ سن کر خاموش رہے حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اے عمر! رو دیں تجھ کو رونے والیاں۔ رسول اللہ ﷺ کے روئے انور کو تو دیکھ لے حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے غصہ سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے غصہ سے۔ (دارمی)

اس حدیث سے ایک حق استاذ کا یہ ثابت ہوا کہ اگر وہ کسی بات پر غصہ کریں تو شاگرد کو معذرت کرنا اور اس کو خوش کرنا ضروری ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۸۲)

استاذ کو راضی کرنے کی تدبیر اور معافی مانگنے کا طریقہ

کان پور میں ایک طالب علم نے ایک مدرس کی شان میں گستاخی کی تھی مقدمہ میرے پاس آیا میں نے اس سے کہا استاذ سے معافی مانگو ورنہ مدرسہ سے نکال دیا جائے گا وہ معافی چاہنے پر راضی ہوا مگر معافی چاہنے کی صورت یہ تھی کہ اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے کر کے تن کر کھڑا ہو گیا اور زبان سے کہا کہ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں مجھے یہ صورت دیکھ کر غصہ آ گیا اور میں نے دو تین طمانچے لگائے کہ گستاخ یہ طریقہ ہوتا ہے معافی چاہنے کا۔ آ کے ہاتھ جوڑ پیر پکڑ ورنہ ابھی مدرسہ سے نکال دوں گا یہ آج کل کی تہذیب کا اثر ہے جو افسوس ہے کہ طلباء اور علماء میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ معافی اس طرح چاہتے ہیں جس میں ندامت نام کو بھی نہیں ہوتی۔ (التبلیغ۔ ص:۳۳ ر ۲۱ تعیم التعیم)

سرپرستوں پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کو استاذ کی طرف سے بدگمان نہ ہونے دیں

جب کانپور میں تھا تو ہمارے مدرسہ میں ایک رئیس کا بھانجا پڑھتا تھا جو بہت ہی شریر تھا اس کی یہ حالت تھی کہ پاخانہ کی دیواروں پر اساتذہ مدرسہ کا نام لکھتا تھا لوگوں کو فکر ہوئی کہ کون نالائق ہے۔ آخر لوگوں نے خفیہ طور پر تحقیق کی اور پہلا لکھا ہوا سب مٹا کر یہ انتظام کیا کہ جو شخص پاخانہ سے نکلتا اس کے نکلنے کے فوراً بعد دیکھا جاتا کہ کچھ لکھا ہوا تو نہیں ہے۔ آخر وہ لڑکا جو ایک دفعہ نکلا تو دیواروں پر لکھے ہوئے نام پائے گئے۔ اس کو پکڑ کر مدرسین کے پاس لایا گیا تو ایک مدرس نے اس کو سخت سزا دی حتی کہ مارتے مارتے بے ہوش کر دیا اور اس کی جان کا خطرہ ہو گیا بعض لوگوں نے اس کے ماموں کو اطلاع کر دی وہ فوراً کانپور آئے تو واقعی لڑکے کی حالت نازک تھی مگر علاج معالجہ سے افاقہ ہوا اور بچنے کی امید ہو گئی۔

شہر کے لوگوں نے ان کو بہت بہکایا کہ پولیس میں رپورٹ لکھوا دو مگر وہ سمجھدار آدمی تھے انہوں نے گوارا نہ کیا کہ ایک دینی مدرسہ کی شکایت غیروں کے پاس لے جاؤں بالآخر وہ میرے پاس آئے اور کہنے

لگے کہ صاحب میری عدالت تو آپ ہیں، میں آپ کے یہاں استغاثہ کرتا ہوں۔ اب میں نے چپکے سے ان مدرس کے پاس رقعہ لکھا کہ تم فوراً اس وقت اپنا استعفیٰ داخل کردو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر میں نے رئیس صاحب سے کہا کہ میرے پاس ان صاحب کا استعفیٰ ملازمت سے آگیا ہے اور وہ آپ کے سامنے ہے اب ہم کو ان پر کوئی مواخذہ کا حق نہیں رہا کیونکہ وہ مدرسہ کے ملازم ہی نہ رہے اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ کا جہاں جی چاہے استغاثہ دائر کر کے انتقام لے لیجیے وہ کہنے لگے کہ کیا آپ نے ان کا استعفیٰ منظور کرلیا ہے؟ میں نے کہا اور رد کرنے کا ہم کو کیا اختیار ہے وہ بیچارے بہت بڑے آدمی تھے کہنے لگے یہ تو میری نحوست ہوئی کہ میری وجہ سے ایک عالم مدرسہ سے الگ ہوئے ہیں اور ان کا فیض مدرسہ سے بند ہوتا ہے میں اپنا استغاثہ واپس لیتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کہیں استغاثہ نہ کروں گا میں نے اپنا حق معاف کیا آپ ان کا استعفیٰ واپس کردیں ان کی اس اہلیت سے میں بڑا خوش ہوا کہ شاباش مسلمان کو دین سے ایسی ہی محبت ہونی چاہیے۔

اس کے بعد ان کی عجیب خوش فہمی تھی یہ کہ مجھ سے کہنے لگے میرا خیال یہ تھا کہ اس لڑکے کو اپنے ہمراہ لے جاؤں اور گھر پر اس کی تعلیم کا انتظام کروں مگر اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کو کچھ دنوں مدرسہ ہی میں رکھوں کیونکہ ابھی اگر میں اسے گھر لے گیا تو یہ اس حالت میں جائے گا کہ اس کے دل میں ایک عالم (اور اپنے استاذ کی طرف) سے کینہ ہوگا اور یہ اس کی آخرت کے واسطے مضر ہوگا اس لیے چند روز اس کو مدرسہ میں رکھا جائے اور انہیں حضرت کے سپرد کیا جائے جنہوں نے اس کو مارا تھا۔ اور ان سے کہہ دیا جائے کہ اب اس کے ساتھ شفقت وملاطفت (محبت) کا ایسا برتاؤ کریں کہ جس سے اس کے دل کا خار نکل جائے۔ اور ان سے اس کو محبت ہو جائے پھر میں اس کو گھر بلالوں گا۔ واقعی اس شخص کی سلامت فطرت پر میں حیران رہ گیا اور بے ساختہ میرے دل سے ان کے لیے دعا نکلی اور اسی وقت ہی سے میری سمجھ میں یہ تدبیر آئی کہ بچوں پر زیادتی ہو جائے تو اس کی تلافی اسی طرح کرنی چاہیے بعضے دنیادار بھی کیسے سمجھدار ہوتے ہیں۔ (التبلیغ۔ص:۸۸۔۱۴/۸۹ خیر الارشاد)

اساتذہ کے متفرق آداب وحقوق

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا جو قصہ قرآن میں مذکور ہے اس میں استاذ کے کئی آداب و حقوق ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ استاذ کی خدمت میں خود شاگرد جایا کرے۔

(۲) دوم اگر استاذ کسی اعتبار سے مرتبہ میں شاگرد سے کم ہو تب بھی اس کی اتباع کرے۔

(۳) جس بات کو پوچھنے کو استاذ منع کرے نہ پوچھے۔

(۴) چہارم اگر غلطی سے استاذ کے خلاف مزاج کوئی بات ہو جائے تو معذرت کر لے۔

۵) اس کے تنگ ہونے یا مرض وغیرہ کی وجہ سے کسل مند ہونے کے وقت سبق بند کر دے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۷۷را۔تجدید تعلیم۔ص:۱۱۹)

پھر یہ ہے کہ گو احسان کا صدور اس وقت استاذ سے نہیں ہو رہا ہے لیکن احسان کے آثار کا ظہور و ترتب تو اس وقت بھی ہو رہا ہے بلکہ زیادہ تر اسی وقت ہو رہا ہے کیونکہ جتنا کمال علمی اس وقت ظاہر ہو رہا ہے اس کا منشاء مبداء (سبب و ذریعہ) وہی تعلیمی استاذ ہی کا تو ہے غرض یہ ناسپاسی ہے کہ اپنا کام نکالا اور الگ ہوئے تو یہ پوری خود غرضی ہے سپاس گزاری یہی ہے کہ ہمیشہ جب تک جان میں جان ہے وہ وقت یاد رکھے جب کہ یہ اس کے سامنے کتاب رکھ کر بیٹھتا تھا اور یہی سمجھے کہ گویا ابھی اس کے پاس سے پڑھ کر اٹھ کر آیا ہوں۔ اور پھر پڑھنے کے لیے جانا ہے تو اس وقت جتنے حقوق کو یہ ضروری سمجھتا تھا وہی حقوق اب بھی باقی ہیں ایسا کرنے سے انشاء اللہ یوماً فیوماً (دن بدن) علوم و برکات میں ترقی ہوگی۔ قال اللّٰہ تعالیٰ" لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ"۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۶)

استاذ کا حق پورا کرنے کے متعلق ایک حکایت

میں نے ایک جگہ کسی بہت بڑے عالم کی حکایت لکھی دیکھی ہے کہ ان کے استاذ ان کے وطن کی طرف اتفاق سے آئے تھے سوسب شاگردان کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئے اور یہ عالم اس عذر کی وجہ سے کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھے حاضر نہ ہو سکے چونکہ ایسی مشغولی نہ تھی کہ حاضر ہونے سے ضروری خدمت میں کوئی حرج واقع ہوتا۔ کسی قدر سستی (کاہلی) سے کام لیا استاذ کو یہ کم توجہی ناگوار ہوئی اور یہ فرمایا کہ والدہ کی خدمت کی برکت سے ان کی عمر تو طویل ہوگی مگر ہمارے حقوق میں کمی کرنے کے سبب سے ان کے علم میں برکت نہ ہوگی چنانچہ عمر تو بہت ہوئی لیکن تمام عمر گزر گئی، نشر علم کے اسباب ان کے لیے جمع نہ ہوئے کچھ ایسے اتفاقات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے کہ کبھی شہر میں رہنا ہی نصیب نہ ہوا ہمیشہ گاؤں میں رہتے رہے جہاں نہ درس و تدریس کا موقع نہ دوسرے اشاعت علم کے طریقوں کا۔

(اصلاح نصاب۔ص:۲۸۳)

اساتذہ اور اپنے بڑوں سے اگر نظریات میں اختلاف ہو

بڑوں سے بھی اگر کسی امر میں اختلاف کیا جائے تو وہ علی الاطلاق مذموم نہیں اگر نیت اچھی ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر بڑے اس سے بھی روک دیں تو پھر کچھ نہیں بولو اور جب ان کی اجازت ہو خوب بولو۔ (الافاضات۔ص:۳۰۹/۲)

کچھ بدنصیب ایسے ہیں جو کسی نفسانی غرض سے استاذ کے مخالف ہو جاتے ہیں اور تحریراً یا تقریراً ان

کی شان میں گستاخی کرتے ہیں حالانکہ استاذ وہ چیز ہے کہ اگر دینی ضرورت سے بھی ان کے خلاف تقریر کرنا پڑے تو بھی کافر باپ کی طرح دین میں مخالفت کرنے کے باوجود ادب واحترام ترک نہ کرے۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ۔ص:۱۲۳)

حقوق نافلہ میں استاذ کا لحاظ

کیا واجب کے بعد تطوع کا کوئی درجہ نہیں؟ خصوصاً جب کہ اس میں اپنا نفع ہو تجربہ سے معلوم ہوا کہ استاذ کا دل جس قدر خوش رکھا جائے گا اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔ پس جو حقوق واجب نہیں ہیں ان کی رعایت کرنے سے اپنا نفع ہے۔ اور غور کرنے کی بات ہے اگر استاذ بھی اسی قاعدہ پر عمل کرے کہ تعلیم واجب سے زیادہ ایک حرف نہ بتلائے ایک منٹ زیادہ نہ دے تقریر ایک بار سے زیادہ ہرگز نہ کرے تو کیا اس طرح سے اس کو علم حاصل ہوسکتا ہے؟ استاذ بیچارہ اس کی تعلیم وتفہیم میں واقعی خون جگر کھاتا ہے تو اس کو کیا زیبا ہے اس کے حقوق میں ضابطہ سے ایک انگل نہ بڑھے تو یہ بے حسی اور قساوت ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ص۲۸۴)

لوگ پیر کی تعظیم وخدمت اور اطاعت میں حدود شرعیہ سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور استاذ کے حقوق ادا کرنے میں حد شرعی کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۸)

وفات کے بعد استاذ کے حقوق، استاذ کے لیے دعائے مغفرت کرنا اور ان کے اہل و اقارب اور احباب کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ان حقوق کو ایسا مستمر سمجھے کہ استاذ کی وفات کے بعد بھی وہ حقوق ملحوظ رکھے جو اس وقت ادا کیے جا سکتے ہیں اور ان کا خلاصہ دوامر ہیں ایک تو اس کے لیے ہمیشہ دعائے مغفرت کرنا۔ دوسرے اس کے اہل و اقارب کی تعظیم کرنا۔ اسی طرح استاذ کے دوستوں اور معاصرین کا احترام کرنا اور اگر ان کو حاجت ہو تو ان کی خدمت کرنا۔

احادیث میں اس قسم کے حقوق والدین کے لیے آئے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو بعد وفات نبویہ آپ کے اہل کی خدمت کریں گے اور آپ کے اعزہ سے محبت رکھیں گے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۷)

فصل ۴

آج کل طلبہ کو علم کیوں نہیں حاصل ہوتا اور علم کی خیر و برکت کیسے اٹھ گئی

بھلا اس (بے ادبی) کی حالت میں ان کم بختوں کو کیا علم حاصل ہوگا بس کتابیں ختم کرلیں گے مگر علم

جس کا نام ہے اس کی ہوا بھی نہ لگے گی پھر حیرت یہ ہے کہ جو استاذ گھر پر پڑھاتے ہیں ان کی تو کچھ قدر ہوتی ہے لڑکوں کو بھی اور ماں باپ کو بھی حالانکہ ان کو خود تنخواہ دیتے ہیں اور ان مدارس کے استاذوں کی ذرا بھی قدر نہیں حالانکہ ان کو طلبہ یا طلبہ کے والدین تنخواہ بھی نہیں دیتے بلکہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ مگر طلبہ ان کی نافرمانی زیادہ کرتے ہیں اور مدرسین ان کو کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اندیشہ بھاگ جانے کا ہے اور طلبہ کے بھاگ جانے سے چندہ کم ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ اہل مدارس کو چندہ مقصود ہے اس لیے طلبہ کو فراہم کیا جاتا ہے لیکن چندہ کی غایت پوچھی جائے تو طلبہ کی امداد و اعانت کا نام لیا جاتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دور کیسا ہے چندہ سے مقصود طلبہ اور طلبہ سے مقصود چندہ ہے...... اسی لیے طلبہ مدارس کے استاذوں کی قدر نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مدرسہ کا بقاء ہمارے ہی وجود سے ہے اگر ہم نہ ہوں گے تو مدرسہ بھی نہ ہوگا اس لیے وہ جس طرح چاہیں استاذوں کو نچاتے ہیں۔ (التبلیغ کوثر العلوم۔ص:۱۲/۱۳۸)

مگر یاد رکھو! اس طرح علم حاصل نہیں ہوگا یہ دولت ادب سے ہی حاصل ہوتی ہے آج کل استاذوں کا ادب اور احترام بالکل ہی جاتا رہا تو ویسی ہی علم میں خیر و برکت رہ گئی۔ استاذ ہی کی کیا تخصیص ہے اب تو وہ زمانہ ہے کہ نہ باپ کا ادب ہے، نہ پیر کا ادب ہے، اور اگر ہے بھی تو رسمی ادب باقی حقیقی ادب کا تو نام و نشان نہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھو، کہ (محض) تعظیم کا نام ادب نہیں۔ ادب نام ہے راحت رسانی کا۔

(انفاس عیسیٰ۔ص:۴۴۳)

آج کل کے طلبہ کا حال

کانپور کے ایک مدرسہ کے طالب علم نے مجھ سے خود بیان کیا کہ اس سال استاذ نے تو تصریح پڑھنے کی رائے دی تھی مگر میری زبان سے شرح چغمینی کا نام نکل گیا تھا بس مجھے اس کی ضد ہو گئی اور وہی شروع کر کے چھوڑ دی۔

اسی طرح ایک مدرسہ میں کسی کتاب کے ختم پر طلبہ اور استاذ کی یہ رائے ہوئی کہ شمس بازغہ ہونا چاہیے ایک طالب علم کی یہ رائے ہوئی کہ نہیں صدرا ہونا چاہیے خیر شمس بازغہ ہی ہونا طے ہو گیا تو آپ رات کو استاذ کے پاس پہنچے۔ ان کو مکان سے باہر بلا کر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب خیریت اسی میں ہے کہ صدرا ہو۔ ”انا للہ و انا الیہ راجعون“۔

بھلا اس حالت میں ان کم بختوں کو کیا علم حاصل ہوگا بس کتابیں ختم کر لیں گے مگر علم جس کا نام ہے اس کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ (التبلیغ۔ص:۱۲/۱۳۸)

استاذ کی شان میں گستاخی کرنے سے علم سلب ہو جاتا ہے

فرمایا: کہ مقبولان الٰہی یا اپنے محسن کی شان میں جو گستاخ ہوتا ہے اس کی عقل مسخ ہو جاتی ہے مولوی الحق صاحب کے ایک شاگرد طالب علم ان کی شان میں گستاخ تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ تم شاگرد ہو وہ تو تمہارے محسن ہیں تمہیں ایسا نہ کرنا چاہیے اس نے جواب دیا کہ محسن تو جب ہیں جب مجھے ان کا پڑھایا ہوا کچھ یاد رہا ہو۔ مجھے کچھ یاد نہیں پھر حضرت والا نے فرمایا کہ ادھر اس نے گستاخی کی ادھر سلب ہونا شروع ہو گیا۔ (حسن العزیز۔ ص:۳۶۰/۲)

بے ادبی و گستاخی کا انجام

فرمایا کہ مولانا عبداللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قبر کھود کر دیکھ لے کہ مولوی کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہوگا۔

اس پر مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا کہ میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات خود سنی ہے حضرت کے یہ لفظ تھے کہ جو کوئی ائمہ پر طعن کرتا ہے اس کا منہ قبر میں قبلہ سے پھر جاتا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ منہ قبلہ سے پھر گیا۔ (حسن العزیز۔ ص:۱۶۴/۴)

غلطی کا وبال کبھی برسوں کے بعد ظاہر ہوتا ہے

عوارف میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی زمانہ میں ان کی زبان سے کوئی کلمہ ناگوار خلاف شرع نکل گیا تھا اس کے بعد وہ ولی ہوئے صاحب معرفت شیخ ہوئے مگر اس کلمہ کا کہنا یاد بھی نہ رہا اس (جملہ سے خاص (طور پر) توبہ نہیں کی۔ ایک دن ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہنے کا ارادہ کیا تو زبان سے کلمہ نہ نکلا او رسب باتیں کر سکتے تھے مگر ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' نہ کہہ سکتے تھے یہ حالت دیکھ کر لرز گئے جناب باری میں دعا کی کہ یہ میرے کس گناہ کی سزا ہے مجھے بتلایا جائے الہام ہوا کہ فلاں زمانہ میں تم نے فلاں کلمہ کہا تھا اور اب تک استغفار نہیں کیا اس لیے آج اتنے برس کے بعد ہم نے اس کی سزا دی یہ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور توبہ کی تو فوراً زبان کھل گئی۔ (التبلیغ۔ ص:۲۶۶/۱۵)

محرومی کے اسباب اور استاذ کے حقوق کے متعلق مختلف کوتاہیاں

بعضے (طلبہ تو ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں) مثلاً۔

۱۔ ان کا ادب نہ کرنا۔

۲۔ آنے جانے کے وقت سلام نہ کرنا۔

۳۔ اس کی طرف پشت کر کے بیٹھنا۔

۴۔ ادھر پاؤں پھیلا دینا۔

۵۔ اطاعت کم کرنا مثلاً کوئی بات مان لی اور کسی بات کو ٹال دیا۔

۶۔ خلوص (محبت) میں کمی کرنا ہے۔

۷۔ اس سے فریب کرنا۔

۸۔ جھوٹ بولنا۔

۹۔ اپنی خطا کی تاویل کرنا۔

۱۰۔ خدمت میں کمی کرنا خواہ بدنی ہو مثلاً اس کو پنکھا جھلنا اس کا بدن دابنا اور خواہ مالی ہو مثلاً حق تعالیٰ نے وسعت دی ہے اور استاذ نادار ہے۔ اس وقت اس کی خدمت میں کچھ نقد یا متاع یا طعام بطور ہدیہ پیش کرنا بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ بدنی خدمت کو عار اور ذلت سمجھتے ہیں اور بعض مال سے دریغ کرتے ہیں۔

۱۱۔ استاذ کے تکدر سے علم کی برکت جاتی رہتی ہے اور اس کی خوشی سے برکت ہوتی ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ ص:۲۸۳)

۱۲۔ ہم نے بکثرت دیکھا ہے کہ جو طلبہ مسکن وملبس (لباس ور ہائش کی ٹیپ ٹاپ) کی تزئین میں زیادہ رہتے ہیں وہ کمال سے محروم رہتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا منشاء وقصود میں انہاک تھا جب توجہ تزئین ٹیپ ٹاپ کی طرف ہوئی تو مقصود میں مشغولی نہ ہوگی اس کے لیے حرمان لازم ہے۔

(حقوق العلم۔ ص:۳۱)

استاذ کے ساتھ بے وفائی کی ایک صورت

میرے زمانہ طالب علمی میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گنگوہ میں دورہ حدیث ہوتا تھا اور صحاح ستہ کا درس خود حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دیتے تھے۔ دیوبند سے اکثر طلبہ دورہ حدیث سے پہلے کی کتابیں پڑھ کر دورہ حدیث کے لیے گنگوہ چلے جاتے تھے دیوبند میں کم رہ جاتے تھے مجھے چونکہ حضرت مولانا یعقوب صاحب سے گہری محبت تھی مجھے بے وفائی معلوم ہوئی کہ میں دورہ حدیث کے لیے ان کو چھوڑ کر جاؤں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے حدیث میں بھی اپنے دوسرے ساتھیوں سے کم نہیں رکھا۔

(مجالس حکیم الامت۔ ص:۱۶۳)

استاذ کے ضروری آداب

۱۔ استاذ کی خدمت میں حاضری کے وقت اس کا لحاظ رکھے کہ صفائی ستھرائی کے ساتھ مسواک کرکے حاضر ہو۔

۲۔ استاذ کے سامنے باادب ہو کر بیٹھے۔

۳۔ استاد کی تعظیم کرے۔

۴۔ اور ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رہے اور استاذ جو کچھ کہے اس کو محفوظ کرلے۔
۵۔ جو بات محل اشکال ہو سمجھ میں نہ آرہی ہو اس میں قصور کی نسبت اپنی طرف کرے۔
۶۔ استاذ کے مخالف کا کوئی قول استاذ کے روبرو نقل نہ کرے۔
۷۔ کسی موقع پر کوئی بات ہو تو استاذ کی حمایت اور اس کی طرف سے دفاع کرے۔
۸۔ اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو وہاں سے علیحدہ ہو جائے۔
۹۔ عمومی مجلس میں عام سلام کے بعد استاذ سے خاص طور سے سلام کرے۔
۱۰۔ اگر استاذ گفتگو کر رہا ہو تو سلام نہ کرے۔
۱۱۔ استاذ کے پاس بیٹھ کر ہنسے نہیں اور زیادہ بات چیت بھی نہ کرے۔
۱۲۔ استاذ کی مجلس میں بیٹھ کر دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔
۱۳۔ استاذ کی سختیوں کو برداشت کرے۔ اس کی سختی و ترش مزاجی کی وجہ سے اس کو چھوڑ نہ دے۔
۱۴۔ استاذ کے ساتھ کسی معاملہ میں بدگمانی نہ کرے اس کے قابل اعتراض اقوال و اعمال کی تاویل کرلیا کرے۔
۱۵۔ استاذ کی طبیعت اگر ست ہو وہ ملول تنگ دل ہو اس کو نیند کا غلبہ ہو یا ناراضگی ہو یا بھوک پیاس اور کسی وجہ سے اس کا دل حاضر نہ ہو تو ایسے اوقات میں سبق پڑھانے پر مجبور نہ کرے۔
۱۶۔ استاذ کی غیر موجودگی میں یعنی پس پشت بھی مذکورہ بالا حقوق کا لحاظ کرے۔
۱۷۔ خط و کتاب اور کبھی کبھی ہدیہ تحائف کے ذریعہ اس کے دل کو خوش رکھے۔
۱۸۔ کبھی کبھی موقع نکال کر اس کی زیارت کیا کرے۔
۱۹۔ اور اس کی زندگی میں اور موت کے بعد اس کے لیے دعا کرے۔

(تلخیصات عشر۔ ص:۱۶۹)

آلات علم کاغذ، قلم، روشنائی کا ادب، مجدد الف ثانیؒ کا حال

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کے لیے لگا لیا جاتا تھا۔ فوراً گھبرا کر باہر آ گئے اور دھونے کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس نقطہ کو علم کے ساتھ ایک تلبس ونسبت ہے۔ اس لیے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں، یہ تھا ان حضرات کا ادب جس کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے تھے۔ آج کل تو اخباروں و رسائل کی فراوانی ہے ان میں قرآنی آیات، احادیث اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں، غلاظتوں کی جگہوں میں بکھرے

ہوئے نظر آتے ہیں ''العیاذ باللہ العظیم'' معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دنیا جن عالمگیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص:۲۸۱،۲۸۶)

حروف وکلمات کا ادب

ایک چمڑہ کا بیگ تھا کسی مخلص خادم نے بنوایا تھا اور چمڑہ میں لفظ (محمد اشرف علی) کندہ کرادیا تھا اس کا حضرت (تھانوی) اتنا ادب کرتے تھے کہ حتی الامکان نیچے اور جگہ بے جگہ نہ رکھتے تھے۔

(حسن العزیز۔ ص:۴/۳۲)

کتابوں کا ادب

آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلبہ بائیں ہاتھ میں دینی کتابیں اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذموم ہے کیونکہ خلاف ادب ہے اور صورۃً جوتوں کو فوقیت دینا ہے کتب دینیہ پر۔ (الافاضات الیومیہ۔ ص:۹/۳۲۴)

روشنائی کا ادب

ایک لفافہ پر روشنائی گر گئی تھی تو اس پر یہ لکھ دیا کہ ''بلاقصد روشنائی گر گئی'' اور وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لیے لکھ دیا کہ قلت اعتناء پر محمول نہ کریں جس کا سبب قلت احترام ہوتا ہے۔ (الفصل للوصل۔ ص:۱۹۷)

باب نمبر ۲

خدمت کرنے کے طریقے

﴿فصل ۱﴾

خدمت کون کرسکتا ہے؟

(۱) جس کی خدمت کرنا ہو پہلے اس سے اطمینان کے وقت پوچھ لو اور ویسے کسی کی خدمت مت کرو بعض اوقات قلب پر بار ہوتا ہے البتہ جن سے دل کھلا ہوا ہو ان کی خدمت بار نہیں ہوتی۔

(حسن العزیز۔ ص:۳/۱۷۴)

(۲) جس شخص کو کسی معمولات کی خبر نہ ہو اس کو خدمت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ جو شخص معمولات سے باخبر نہ ہو وہ خدمت کس طرح کرسکتا ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۱/۱۰۴)

(۳) جس شخص کو جو کام نہ آتا ہو اس کا دخل دینا مناسب نہیں بعض لوگ ابتداءً یہاں آتے ہیں

اور کچھ کام کرتے ہیں اور سلیقہ نہیں ہوتا پس مجھے تکلیف ہوتی ہے مقصود تو خدمت سے خوش کرنا اور آرام پہنچانا ہوتا ہے جب یہ حاصل نہیں تو ایذاء ہے اس لیے ہر جگہ بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

(ملفوظات خیرت۔ص:٣/٩)

(۴) بعض اوقات بعضوں کو خدمت دوسرے سے لینا پسند نہیں ہوتا سو ایسی خدمت پر اصرار نہ کرنا چاہیے اس سے خود مخدوم کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ بات مخدوم کی صریح ممانعت یا قرائن سے معلوم ہو سکتی ہے۔ (آداب زندگی۔ص:۴۱)

خدمت سے اس وقت راحت ہوتی ہے جب کہ روح کو تکلیف نہ ہو۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:٢/٦١٣)

خدمت کرنے کی تین شرطیں

خدمت کرنے سے کس کو راحت نہیں ہوتی لیکن خدمت کرنے کے لیے تین شرطیں ہیں ا۔ایک تو یہ کہ خلوص ہو مطلب یہ ہے کہ اس وقت خدمت سے کوئی غرض نہ ہو محض محبت سے ہو، اکثر لوگ خدمت کو ذریعہ بناتے ہیں حاجت عرض کرنے کا۔

(۲) خدمت کی دوسری شرط یہ ہے کہ دل ملا ہوا ہو ایک نئے آنے والے آکر بدن دبانے لگے۔ یا پنکھا جھلنے لگے تو لحاظ بھی ہوتا ہے شرم بھی آتی ہے آدمی سب کا تختہ مشق کیسے بنے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ کام بھی آتا ہو مثلاً بعضوں کو بدن دبانا نہیں آتا۔ اب ان سے کیسے منہ پھوڑ کر کہا جائے کہ آپ کو بدن دبانا نہیں آتا آپ چھوڑ دیجئے مجبوراً چپ رہنا پڑتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدمت کر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ میں ان کی خدمت کر رہا ہوں کہ کچھ بولتا نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے واسطے ہم تکلیف اٹھا رہے ہیں طالب علموں سے دل کھلا ہوا ہوتا ہے اور ان کو طریقہ بھی آتا ہے ان سے کچھ تکلف بھی نہیں چاہے پاؤں پھیلا دیئے جائیں چاہے بیٹھ کر سو رہے۔ (حسن العزیز۔ص:٢٤٧/ج١)

تصنع کے ساتھ خدمت کرنے سے احتراز

میں نے کبھی عمر بھر بزرگوں کے پاؤں نہیں دبائے نہ ہی کبھی اس کا جوش اٹھا۔ ایسی حالت میں اگر دباتا تو تصنع سے ہوتا جب جی میں نہیں تھا تو نہیں کیا، بزرگوں سے کون بناوٹ کرے بہت سے لوگ اس کو ذریعہ تقرب سمجھتے ہیں البتہ جب جوش (اندر کی چاہت) ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور کیا بزرگوں کو قرائن سے معلوم نہیں ہو جاتا پھر ان کے ساتھ کیوں تصنع کرے اور جوش چھپا نہیں رہتا۔ (حسن العزیز۔ص:١/٥٦٥)

مختلف آداب

اگر کسی بزرگ کا جوتا اٹھانا چاہو تو جس وقت وہ پاؤں سے نکال رہے ہوں اس وقت ہاتھ میں مت لو اس سے بعض اوقات دوسرا گر پڑتا ہے۔ (آداب زندگی۔ص:۴۱)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو کام بتلا کر فرمایا کہ آ کر اطلاع کر دینا کہ فلاں کام کر آیا ہوں آج کل اطلاع نہ کرنے کا مرض عام ہے جس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے کام کے بعد اطلاع کرنا ضروری ہے۔ (الافاضات۔ص:۲۱۷)

اساتذہ اور بزرگوں کی خدمت ادب اطاعت کے طریقے

(۱) آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا ادب کی نہایت سخت ضرورت ہے اس کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے کہیں کوئی کلمہ بے ادبی کا زبان سے نہ نکل جائے ورنہ بعض اوقات اس کے بڑے برے نتائج ہوتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ۔ص:۲۴۳/۹۔ص:۲/۳۲۴)

(۲) اب لوگ تعظیم تکریم کا تو اہتمام کرتے ہیں اور اس کو ادب سمجھتے ہیں راحت کا اہتمام نہیں کرتے آج کل بڑا ادب یہ ہے کہ اگر اپنا کوئی بڑا آ جائے تو کھڑے ہو جاؤ اور جب اس سے رخصت ہو کر جانے لگے تو الٹے پاؤں چلے تاکہ کہیں پشت نہ ہو جائے حالانکہ یہ کوئی ادب نہیں، ہمارے حضور نبی کریم ﷺ کے واسطے صحابہؓ کھڑے نہ ہوتے تھے۔ (الافاضات الیومیہ۔ص:۳۶۶/۹۔ص:۲۰)

(۳) اصل ادب تعظیم نہیں بلکہ راحت رسانی ہے اگرچہ صورۃً ادب میں کمی ہی ہو ادب حقیقی اور بے ادبی صوری کا اجتماع تو ہو سکتا ہے ادب کی حقیقت ایذاء نہ پہنچانا ہے۔ (الافاضات ص:۱۶۲؛ص:۲/۲۸۳)

(۴) حقیقی ادب تو راحت پہنچانا اور دل خوش کرنا ہے۔ (الافاضات۔ص:۳۸۴/۸،نمبر۳)

(۵) جب محبت ہوگی خود بخود آداب معلوم ہو جائیں گے محبت پیدا کر لے پھر خود بخود آداب قلب میں آنے لگتے ہیں محبت کے آداب کی کوئی فہرست تھوڑی تیار ہو سکتی ہے اور تکلف کے ساتھ محبت بھی نہ کرے اگر کھینچ تان کر آداب کی فہرست پوچھ کر محبت بھی کر لی تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ جتنی محبت ہو بس اتنی ہی ظاہر کرے تکلف اور تصنع نہ کرے۔ (حسن العزیز۔ص:۱/۵۶۴)

(۶) محبت کا برتاؤ رکھنا چاہیے رسمی حرکات سے مجھے سخت نفرت ہے مجھ کو ان بناوٹی باتوں اور تکلفات سے سخت اذیت ہوتی ہے جن باتوں میں تکلف نہ ہو سادگی ہو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔

(الافاضات۔ص:۲/۴۳)

(۷) محبت نہ ہونا مگر اس پر افسوس ہونا کہ محبت نہیں یہ بھی تو محبت ہے محبت عقلی معین ہو جاتی ہے محبت طبعی کی۔ (الافاضات۔ص:۲/۳۳)

(۸) یا تو طبیعت سلیم ہو، یا کسی کامل کی صحبت ہو یا صحیح تعلیم ان (تین) چیزوں سے ادب پیدا ہوتا ہے۔ (الافاضات۔ص:۲۳۷/۸،نمبر۲)

(۹) بزرگوں کو جو خطوط لکھے جائیں ان میں اشعار لکھنا میں خلاف ادب سمجھتا ہوں ہاں بطور جوش نکل جائے تو دوسری بات ہے قصداً ایسا کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ان اشعار سے متاثر کر کے کام لینا چاہتے ہیں نیز اپنی لیاقت کا اظہار ہے طالب علم کا کوئی عمل معلم کے ساتھ ایسا نہ ہونا چاہیے۔

(ملفوظات اشرفیہ۔ص: ۲۷۷)

(۱۰) بزرگوں سے اصرار کرنا خلاف ادب ہے بزرگوں کی خدمت کے لیے بڑے فہم کی ضرورت ہے ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کوئی کام ان کے مزاج کے خلاف نہ ہو۔ (الاشرف جمادی الثانیہ ۱۳۰۴ھ)

(۱۱) جس کو اپنے سے بڑا سمجھے اس کے ساتھ خط و کتابت میں عبارت آرائی کرنا (قابلیت دکھلانا) مثلاً بلا وجہ عربی میں خط لکھنا یا بغیر ضرورت عربی بولنا ادب کے خلاف ہے۔ (انفاس عیسیٰ۔ص: ۱/۱۸۸)

(۱۲) کسی صاحب نے عربی میں خط لکھا حضرت نے فرمایا بغیر مصلحت کے عربی عبارت میں خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی اس سے بوئے دعویٰ آتی ہے۔ (حسن العزیز۔ص: ۱۱۸)

استاذ اگر زیادتی کرے تو بھی اس کی خدمت کرے

تم بھلائی سے کیوں باز آتے ہو جب وہ برائی سے باز نہیں آتا مطلب یہ ہے کہ وہ تو برائی پر جما ہوا ہے اور تم سے بھلائی پر جما نہیں جاتا حالانکہ بھلائی ایسی چیز ہے کہ اس پر ہمیشہ جمے رہنا چاہیے۔

(انفاس عیسیٰ۔ص: ۶۲۵)

اگر خدمت میں جی نہ لگے

جو کام ضروری ہو ان کو کرنا چاہیئے جی لگے یا نہ لگے یہ تو بری حالت ہے کہ جی لگنے کا انتظار کیا جائے، کیا اپنے جی کی پرستش کرنا چاہیے جی کے بندے ہو یا اللہ کے؟ (انفاس عیسیٰ۔ص: ۱/۶۲۵)

اگر خدمت سے تعلیم کا حرج یا اپنا ضرر ہو

اپنے ذاتی احتیاج پر دوسروں کے نفع کو مقدم رکھنا اسی وقت محمود ہے جبکہ اپنے دین کا ضرر نہ ہو ایسی خدمت جس میں اپنے دین کا ضرر ہو مذموم ہے۔ (انفاس عیسیٰ۔ص: ۳۰۳)

فصل ۲

خدمت لینے کے طریقے

خدمت لینے کی بابت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول، خدمت کس سے لینی چاہیے

خدمت لینے کی میری عادت نہیں نہ کسی سے خدمت لی نہ کسی کی خدمت کی۔ بزرگوں کی بھی خدمت

نہیں کی اپنی اپنی عادت ہے مجھ کو عادت نہیں ہاں ایسوں سے خدمت لیتا ہوں جن کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہم خدمت کر رہے ہیں نہ اس کو خصوصیت کا گمان ہو نہ دوسروں کو کہ بھائی یہ بڑا مقرب ہے بس یہ وجہ ہے میرے روکنے کی۔ اس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں لوگ اس شخص پر حسد کرنے لگتے ہیں۔

(حسن العزیز۔ ص:۳۳۹/۱)

بوڑھوں اور سیدوں سے خدمت لینے میں احتیاط

حضرت فرماتے تھے کہ میں بوڑھوں اور سیدوں سے خدمت نہیں لیتا (ذاکرین سے بھی خدمت لینا پسند نہیں فرماتے بلکہ روک دیتے ہیں) (حسن العزیز۔ ص:۳۴۰/۱)

خدمت لینے میں چند امور کا لحاظ

۱۔ انسان کو چاہیے کہ اگر کسی سے کام لینا چاہے تو اس حالت میں لے کہ اس کے قلب پر تکدر نہ ہو۔

(حسن العزیز۔ ص:۲۱/۳)

۲۔ جب کوئی شخص کسی سے کام لے تو بقدر امکان اس کی اعانت کرے سارا بوجھ اس پر نہ ڈال دے اتنی ہی مدد کہی کہ منہ سے صاف الفاظ کہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۲۲/۲)

۳۔ فروخت کردہ چیزوں کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خادم سے کبھی یہ تفتیش نہیں فرماتے کہ کون سی چیز کتنے میں بکی، فرماتے ہیں کہ اگر اعتبار نہیں تو اس کو بھیجنا ہی نہ چاہیے اور اگر اعتبار ہے تو پھر شبہ نہ کرنا چاہیے جتنے میں چاہے بیچ دے۔ (حسن العزیز۔ ص:۶۳۸/۱)

۴۔ اگر مجھ کو معلوم ہو جائے کہ اس کو (خادم) راحت پہنچانے کا اہتمام تھا اور پھر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس پر ناگواری نہیں ہوتی ہاں اگر راحت پہنچانے کا اہتمام ہی نہ ہو اور فکر ہی نہ ہو تو بیشک ناگواری ہوتی ہے۔ (الافاضات۔ ص:۳۰۴/۲)

۵۔ واللہ! غلطیوں پر تغیر (غصہ) نہیں ہوتا جس پر تغیر ہوتا ہے ایک بے پروائی پر، ایک خودرائی پر باقی غلطی کس سے نہیں ہوتی گناہ تک ہوتے ہیں جن غلطیوں سے کوئی بچ سکتا ہے اور محض بے پروائی کی وجہ سے نہیں بچتا ان پر تغیر (غصہ) آتا ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۵۵۰، ج/۱)

۶۔ دو شخصوں سے میرا دل نہیں ملتا، متکبر سے اور چالاک سے۔ (حسن العزیز: ص۱۰۲۱، ج/۲)

نابالغ بچوں سے خدمت لینا جائز نہیں

بعض میاں جی (اساتذہ) بچوں پر دوسری طرح ظلم کرتے ہیں وہ یہ کہ ان سے اپنے گھر کی خدمت لیتے ہیں کہیں پانی بھرواتے ہیں کبھی آٹا پسواتے ہیں کبھی مٹی ڈھواتے ہیں یاد رکھو! والدین کی اجازت کے بغیر نابالغ بچوں سے ایسی خدمت لینا جائز نہیں۔

بعضے میاں جی (حفاظ مولوی) یہ کرتے ہیں کہ گرمیوں کی دوپہر میں خود تو سوتے رہتے ہیں اور بچوں سے پنکھا جھلواتے ہیں یہ کتنا بڑا ظلم ہے آخر جس طرح تم کو نیند آتی ہے ان کو بھی تو آتی ہے۔

(التبلیغ۔ص:۱۴/۴۰، خیر الارشاد)

ہمارے یہاں مدرسہ میں ایک حافظ صاحب تھے ایک روز انہوں نے دو لڑکوں کو چکی پر آٹا لینے کو بھیجا وہ سر پر لاد کر لائے میں نے کہا حافظ صاحب یہ بہت بے جا بات ہے اگر آپ کے بچے ہوتے تو کیا ان سے بھی بوجھ اٹھواتے؟ ذرا انصاف کیجئے شاگرد کو اپنے بچہ سے کم درجہ کا نہ سمجھنا چاہیے، مولوی بس ہدایہ پڑھاتے وقت تو فقیہ ہوتے ہیں مگر عمل میں ان کو بھی ہدایت نہیں ہوتی۔ (کلمۃ الحق۔ص:۱۲۴)

خلاف شرع خدمت یا دوسروں کا کام بچوں سے لینا

بعضے میاں جی دوسروں کا کام بھی بچوں سے لیتے ہیں مثلاً کوئی مر گیا تو اس کا تیجہ بچوں سے پڑھواتے ہیں اور بعضے میت کے گھروں پر بھی بھیج دیتے ہیں کانپور میں بھی یہ رواج تھا کہ بچوں کو تیجے کے لیے لے جاتے تھے میں نے روک دیا کہ بچے مدرسہ میں تیجے کے واسطے نہیں آتے بلکہ نتیجہ کے واسطے آتے ہیں یہاں کام کے لیے کوئی نہیں جائے گا، تب یہ سلسلہ بند ہوا۔ (التبلیغ۔ص:۱۴/۹۱)

بالغ و نابالغ شاگردوں سے خدمت لینے کے جواز کی شرائط

۱۔ بچوں سے ایسی خدمت لینا جائز نہیں جس میں والدین کی رضا نہ ہو۔

۲۔ اور اگر رضا بھی ہو تو جو خدمت بچوں کی طاقت سے باہر ہو۔

۳۔ یا خلاف سنت ہو (جیسے تیجہ وغیرہ پڑھوانا) وہ بھی جائز نہیں۔ (التبلیغ۔ص:۱۴/۹۱)

۴۔ اگر بالغ ہو تو بشرائط جائز ہے وہ شرط یہ ہے کہ بطیب خاطر ہو (دلی رضامندی) سے ہو جبر نہ ہو، مگر معلمین ان معاملات میں بہت گڑبڑ کرتے ہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ (کلمۃ الحق۔ص:۱۲۳)

شاگردوں سے فرمائش کر کے چیز لینا اور کھانا

ایک طبقہ ہے جو بچوں کے جان و مال پر ظلم کرتا ہے ان سے آئے دن فرمائش کرتے ہیں کبھی پاؤں دبواتے ہیں کبھی پنکھا جھلواتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اب جب آنا تو انگور لانا بعضے گھوڑے کے لیے گھاس منگواتے ہیں اور ایسی خدمتیں لیتے ہیں جو اکثر ان پر بار ہوتی ہیں یاد رکھو بہت ہی بے تکلفی ہو جہاں بار ہونے کا مطلق احتمال نہ ہو (بلکہ اس کو خوشی ہو تو کبھی) اس سے کوئی بہت ہلکی فرمائش کرنے کا مضائقہ نہیں مگر ایسے مخلص ہزار میں ایک دو ہی ہوتے ہیں عام طور پر حالت یہی ہے کہ لوگوں کی فرمائش سے گرانی ہوتی

ہے بلکہ ہر وقت جن کی فرمائش نہیں کی جاتی اس میں بھی خلوص ومحبت کی رعایت سخت ضروری ہے ہر وقت ہدیہ قبول کرنے کو تیار نہ بیٹھے رہا کریں۔ (التبلیغ۔ص:۱۴/۹۳)

جس طالب علم کو سزا دی ہو اس کا ہدیہ قبول کرنا

بھلا میں آپ کا ہدیہ کیسے لے سکتا ہوں میں تو آپ کو برا بھلا کہوں (ڈانٹوں ماروں) اور آپ ہدیہ دیں تو کیا میرے قلب پر اس کا بار نہ ہوگا ہدیہ تو نہایت انشراح کے وقت دیا کرتے ہیں۔

(المجید: ص/۱۵)

باب نمبر ۳

ساتھیوں کے حقوق

قال اللّٰہ تعالیٰ "وَاعْبُدُوا اللّٰہَ" (الی قولہ) "وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ" [الآیۃ]

ترجمہ: عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور فقیروں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور جو تمہارے ہم صحبت پاس بیٹھنے والا ہو ان سب کے ساتھ احسان کرو۔

اس آیت سے شرکاء تعلیم کا حق دو طرح ثابت ہوتا ہے کہ ایک اس لفظ سے "وَالْجَارِ الْجُنُبِ" اور دوسرا اس لفظ سے "وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ" کیونکہ ساتھی کا جار ہونا ظاہر ہے اور صاحب بالجنب ہونا بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ مفسرین نے شریک فی التعلم کے ساتھ اس کی تفسیر بھی کی ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۳)

بیٹھنے میں ساتھیوں سے رعایت کرنا

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا" [الآیۃ]

ترجمہ: جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کشادگی کرو تو فوراً کشادگی کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی کرے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے درجے بلند کرے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکاء تعلم (ہم سبق ساتھیوں) کو بیٹھنے کی جگہ دینے کے لیے اہتمام کرنا چاہیے جتنا بھی ممکن ہو۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۰)

اور بعد میں آنے والوں کو چاہیے کہ دیکھ لے حلقہ میں گنجائش ہے یا نہیں اگر گنجائش ہو تو برابر میں بیٹھ جانے میں مضائقہ نہیں ورنہ لوگوں کو پریشان نہ کرے۔ ان کے پیچھے بیٹھ جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیچھے بیٹھ جانے سے عار کرنا سبب ہے حق تعالیٰ سے اعراض کرنے کا۔ (اصلاح انقلاب)

بعد میں آنے والے ساتھی کو جگہ دینا چاہیے

حضرت واثلہ بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے آپ اس کے لیے ذرا کھسکے تا کہ جگہ خالی ہو جائے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! جگہ وسیع ہے تو آپ نے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ جب اس کو دیکھے تو اس کے لیے کچھ ہلے اور جنبش کرے۔ (بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک فی التعلیم (ساتھی) کا بدرجہ اولیٰ یہ حق ہے کہ اس کے آنے کے وقت ضرور اس کو بیٹھنے کی جگہ دے۔ بعض طلبہ اس میں بہت بے مروتی کرتے ہیں۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۶)

ضرورت مند ساتھی کو تکرار کرادینا چاہیے

حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک شخص میرا پڑوسی انصاری عوالی مدینہ میں کچھ فاصلہ پر رہا کرتے تھے اور باری باری جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ایک دن میں اور ایک دن وہ۔ جس دن میں جاتا تو جو سن کر آتا اس سے بیان کر دیتا اور جس دن وہ جاتا تو جو سن کر آتا مجھ سے بیان کر دیتا۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ غائبوں کو پہنچادیں۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اپنا شریک فی التعلیم (ساتھی ہم درس) اگر کسی سبق میں حاضر نہ ہو تو ناغہ شدہ سبق کا اس کو تکرار کرادیا کرے اور یہ اس کا حق ہے اور یہاں سے مدارس میں باری باری پڑھنے کی بھی اصل نکلتی ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۵)

اگر ایک ساتھی نہ پوچھ سکتا ہو تو دوسرا ساتھی اس کے لیے پوچھ لے

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو مذی بہت آتی تھی شرم کی وجہ سے حضور ﷺ سے پوچھا نہیں اور حضرت مقداد ؓ سے کہا تم رسول اللہ ﷺ سے پوچھو حضرت مقداد ؓ نے پوچھا جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

اس حدیث سے یہ حق معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنا ہم سبق استاذ سے کوئی بات پوچھتا ہوا شرمائے اور اپنے ساتھی سے پوچھنے کی درخواست کرے تو خود غرضی کو چھوڑ کر پوچھ لے۔ البتہ اگر نامعقول سوال ہو تو

عذر کر دے یا استاذ کسی مصلحت سے کہے کہ جس کا سوال ہو وہ خود کرے تو اس وقت اسی پر عمل کرے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۷)

مجلس اور درجہ میں بیٹھنے کے مختلف آداب

۱۔ جب مجلس جمی ہوئی ہو اور گفتگو ہو رہی ہو تو سلام نہیں کرنا چاہیے بعض لوگ بیچ میں السلام علیکم کہہ کر لٹھ سا مار دیتے ہیں جس سے گفتگو کا سارا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور تمام مجمع پریشان ہو جاتا ہے۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۴۸۵)

۲۔ ہمیشہ یاد رکھو! پڑھتے ہوئے آدمی کے پاس کبھی نہیں بیٹھنا چاہیے۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۷۱۱)

۳۔ کام کی مشغولی کے وقت میں سلام اور چھینک کا جواب دینا واجب نہیں۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۴۸۵)

۴۔ جس موقع پر سلام کرنے سے قلب مشوش ہو جائے اس موقع پر سلام نہ کرو۔

(الافاضات۔ص:۹/۳۵۰)

۵۔ مشغول آدمی کے پاس بیٹھ کر اس کو تکو مت کہ اس سے دل بٹتا ہے اور دل پر بوجھ معلوم ہوتا ہے بلکہ خود اس کی طرف متوجہ ہو کر بھی مت بیٹھو۔ (آداب زندگی۔ص:۴۱)

۶۔ جب جگہ میں وسعت ہو تو کسی کی طرف پشت کر کے نہ بیٹھنا چاہیے جگہ نہ ہو تو مجبوری ہے مسلمان کا احترام اتنا ہے کہ بجز امانت کی ضرورت کے اس کی طرف پشت نہ کرنا چاہیئے کہ جو اذکار نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان میں بھی پشت نہیں کرنا چاہیے گو خانہ کعبہ کی طرف پشت ہو جائے۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۶۰۸)

۷۔ کسی کے پاس بیٹھنا ہو تو اس قدر رل کر نہ بیٹھو کہ اس کا دل گھبرائے اور نہ اس قدر فاصلہ سے بیٹھو کہ بات چیت کرنے میں تکلیف ہو۔ (آداب زندگی۔ص:۴۱)

۸۔ مجلس میں کسی طرف پاؤں مت پھیلاؤ۔ (تعلیم الدین۔ص:۵۱)

۹۔ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ مت بیٹھو۔ (تعلیم الدین۔ص:۶۱)

۱۰۔ جو شخص اپنی جگہ سے چلا جائے اور پھر جلدی واپس آ کر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ جگہ اس کا حق ہے دوسرے شخص کو وہاں نہ بیٹھنا چاہیے۔ (تعلیم الدین۔ص:۱۶)

۱۱۔ اگر کسی ضرورت سے مجلس سے اٹھنا ہو اور پھر آ کر بیٹھنا منظور ہو تو اٹھتے وقت کوئی چیز رومال وغیرہ وہاں چھوڑ دے تا کہ حاضرین کو معلوم ہو جائے۔

۱۲۔ جو دو شخص قصداً مجلس میں ایک جگہ جمع ہوں ان کے درمیان بلا ان کی اجازت کے مت بیٹھو۔

۱۳۔ نہ کسی کی پشت کی طرف (یعنی پیٹھ کے پیچھے بیٹھو) اور نہ ہی کسی کی طرف پشت کر کے بیٹھو۔

۱۴۔ جب مجلس میں جاؤ جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جاؤ یہ نہیں کہ تمام حلقے کو پھاند کر ممتاز جگہ پہنچ جاؤ۔

۱۵۔ مجلس میں ناک بھویں چڑھا کر مت بیٹھو جمائی کو حتی الامکان روکو اگر نہ رکے تو منہ ڈھانک لینا چاہیے۔

۱۶۔ حاضرین سے ہنستے بولتے رہو ان میں ملے جلے رہو شرع کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

۱۷۔ دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے کیونکہ مومن کی تطییب قلب بھی عبادت ہے۔

باب نمبر ۴

آداب درس

استاذ کی تقریر کے وقت بالکل خاموش اور متوجہ رہنا چاہیے

جناب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت حضرت جریرؓ سے فرمایا "استنصت الناس" "لوگوں کو چپ کراؤ۔" (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استاذ کی تقریر کے وقت بالکل خاموش اور متوجہ رہنا چاہیے کسی سے بات نہ کرے کسی کی طرف التفات نہ کرے۔

استاذ تو اس کی طرف متوجہ ہو اور یہ دوسری طرف متوجہ ہو اس سے استاذ کو بہت تکلیف ہوتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جب کوئی سوال بھی کرے ایسا کہ اگر توجہ سے تقریر سنتا تو پھر یہ سوال ہی نہ کرتا اس وقت استاذ کو سخت تکلیف ہوتی ہے کہ بلا وجہ مجھے پریشان کر رہا ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۰۱۔ ص:۲۸۴)

استاذ کی تقریر سننے کے آداب

۱۔ استاذ کی تقریر نہایت غور سے سننا چاہیے اکثر طالب علم مدرس کی تقریر کے وقت خود بھی کچھ نہ کچھ سوچا کرتے ہیں ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

۲۔ الفاظ پر نظر رکھنی چاہیے۔

۳۔ اور دھیان کے ساتھ تقریر کی طرف متوجہ ہو کر سننا چاہیے۔

۴۔ مثلاً جب میں تقریر ختم کر چکوں اگر سمجھ گئے ہوتو ہوں ہاں کچھ نہیں کرنا چاہیے اگر نہ سمجھے ہوں تو دوبارہ پوچھنا چاہیے۔

۵۔ اگر کوئی بات مستقل پوچھنا ہو تو تقریر ختم ہو جانے کے بعد پوچھنا چاہیے۔

۶۔ نیز میری تقریر کا فضول اعادہ نہ کیا جائے جیسا کہ بعض طلبہ کی عادت ہوتی ہے کہ مدرس کی تقریر کا اعادہ کر کے پوچھتے ہیں کہ کیا اس طرح ہے؟

۷۔ استاذ جس ترتیب سے پڑھائے اور تقریر کرے اس کے تابع رہنا چاہیے۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ نے علوم میں مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے" نھی عن الاغلوطات"

(ابوداؤد)

ذہانت اور قابلیت دکھلانے اور استاذ کو پریشان کرنے کے لیے سوال کرنے والوں کو کبھی علم نہیں آتا

اس سے ایک ادب استاذ کا ثابت ہوا وہ یہ کہ بعض طلبہ کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ کتاب میں احتمالات نکال کر استاذ کے سامنے بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اور خود بھی سمجھتے ہیں کہ یہ مہمل اعتراض ہیں مگر اپنی ذہانت جتلانے اور استاذ کا امتحان کرنے کے لیے ایسی نامعقول حرکت کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ مغالطہ ہوا (یعنی یہ) کہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ مقام مشتبہ ہے حالانکہ خود اپنے نزدیک بھی مشتبہ نہیں۔

(اصلاح انقلاب۔ ص: ۲۷۸)

بعض طلبہ کی عادت ہوتی ہے کہ محض اپنی ذہانت دکھلانے یا استاذ کا امتحان لینے یا محض مشغلہ و تفریح کی غرض سے دوراز کار (بیکار) مہمل مہمل سوالات کیا کرتے ہیں ایسے طالب علموں کو کبھی علم نصیب نہیں ہوتا۔

جیسے ایک طالب علم کی حکایت سنی ہے کہ انہوں نے حدیث میں پڑھا ہے کہ طلوع شمس کے وقت نماز نہ پڑھو تو آپ کیا فرماتے ہیں لا تصلوا بھی عام ہے اور طلوع شمس بھی عام ہے خواہ کسی مقام کا طلوع شمس ہو اور یہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع ہوتا ہی رہتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کسی شخص کو کسی وقت بھی نماز پڑھنا جائز نہ ہو ہر چند ان کو سمجھایا گیا کہ بھائی جہاں کا طلوع شمس ہو وہیں کے لوگوں کو اس وقت کے اعتبار سے لاتصلوا کا حکم ہے مگر ان بزرگ نے مانا ہی نہیں۔ یہی فرماتے رہے کہ نہیں صاحب دونوں ہی میں عموم ہے ان سے کہا گیا کہ بھائی اس سے تو نماز کی فرضیت ہی لغو ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ خواہ کچھ ہو جائے انصاف یہی ہے کیا یہ سوال پیش کرنے کے قابل ہے؟ اور کیا سچ مچ اس پاگل کو یہ شبہ تھا؟ محض فضول دق کرنے کے لیے اس نے یہ حرکت کی اور بجائے اس کے کہ اس کے زعم کے

موافق اس کی ذہانت ظاہر ہوتی اور الٹا اس کا کوڑھ مغز ہونا ثابت ہو گیا ایسے طالب علموں کو بھی علم نصیب نہیں ہوتا۔ استاذ کو کبھی پریشان نہ کرے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص: ۲۸۵)

کوئی کتاب یا علمی بحث پوچھنے اور سمجھنے میں موقع محل کی رعایت کرنا

ہر کام کا ایک قاعدہ ہوتا ہے اور کام قاعدہ ہی سے اچھا ہوتا ہے پوچھنے کے لیے ہمیشہ الگ جلسہ ہونا چاہیے۔ بے وقت سوال کرنا بڑی غلطی ہے جیسے کوئی طبیب راستہ میں چلا جارہا ہے اور کوئی مریض کہے کہ چلتے چلتے نسخہ ہی لکھتے جاؤ اس حالت میں کیا نسخہ لکھا جائے گا پوچھنے کے لیے الگ جلسہ ہونا چاہیے جس میں یہی کام ہوتا کہ جواب دینے والے کے عام خیالات اسی طرف متوجہ ہوں۔

بعض (طلبہ) کھانا کھاتے میں کچھ پوچھا کرتے ہیں تو میں منع کر دیتا ہوں کیونکہ کھانا کھانے میں خلل ہوتا ہے کھانا کھانے میں تفریح کی باتیں کرنا چاہیے اس وقت کوئی ایسی بات جس میں سوچنا پڑے نہ کرنا چاہیے۔ اس سے غذا ہضم ہونے میں بھی فرق پڑتا ہے۔ (حسن العزیز۔ ص: ۳/۴۲)

لمبی چوڑی تقریر کی تمنا کرنا اور اس کا مطالبہ کرنا

مجھے ایک مولوی صاحب کی بات بہت پسند آئی وہ دہلی میں رہتے تھے اب انتقال ہو گیا ہے جب سلم پڑھانے بیٹھے تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ تحقیق سے پڑھاؤں؟ چونکہ سلم کی بہت سی شروح موجود ہیں انہوں نے دیکھ بھال کر خوب (لمبی چوڑی تقریر) ہانکی، طالب علم بہت خوش ہوئے دوسرے روز کہا اب بھی تحقیق سے پڑھاؤں یا سرسری؟ طالب علموں نے کہا کہ حضرت تحقیق ہی سے پڑھائیے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ذرا کل کی تحقیق سنا دو کیا یاد کی ہے اب سب الو سے بیٹھے دیکھ رہے ہیں کسی کو کچھ بھی یاد نہیں نکلا مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب یاد نہیں کرتے تو میرا مغز کھانے سے کیا فائدہ؟ بولو اب کیسے پڑھاؤں؟ سب نے کہا نفس مطلب ہی کافی ہے۔

پھر مولوی صاحب نے کہا بھائی ہم نے بھی استاذوں سے یوں ہی سمجھ کر کتابیں پڑھی تھیں، یہ تقریریں جو تمہارے سامنے کی تھیں یہ خود کتابیں دیکھ کر سمجھ میں آ گئیں تم بھی ایسے ہی کتابیں پوری کر لو ان شاء اللہ سب کچھ ہو جائے گا۔

حضرت نے فرمایا واقعی انہوں نے بہت خیر خواہی کی جو استاذوں کو کرنی چاہیے۔

(مزید المجید۔ ص: ۳۵)

سبق میں اگر استاذ پریشان ہو

استاذ کو کبھی پریشان نہ کرے بلکہ ادب یہ ہے کہ اگر کسی اور سبب سے وہ پریشان ہو تو اس وقت یا تو سبق ملتوی کر دے یا بجز بہت ضروری بات کے زائد باتیں نہ پوچھے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص: ۲۸۵)

اگر استاذ سے غلطی ہو جائے یا استاذ غلط تقریر کرلے

بعض طالب علم بھی بہت بکھیڑے نکالا کرتے ہیں استاذ کو تنگ کرنا چاہتے ہیں یہ بڑی گستاخی اور بے ادبی ہے اگر استاذ سے غلطی بھی ہو جائے تو اس وقت خاموش رہنا چاہیے دوسرے وقت ادب سے عرض کیا جاسکتا ہے اور اگر اپنی غلطی ہو تو فوراً رجوع کر لینا چاہیے۔ اب تو طالب علم ایسی حرکت کرتے ہیں کہ جس سے خوانخواہ غصہ ہی آجائے اور سچ یہ ہے کہ اب طالب علم ہی کم رہ گئے ہیں چنانچہ بعض طالب استاذ کی تقریر بہت بے پروائی سے سنا کرتے ہیں اور جب مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو استاذ سے جھگڑتے ہیں اس کو غصہ کیسے نہ آئے گا۔

(اس حدیث سے) ایک بات نکل آئی وہ یہ کہ بعض طلبہ استاذوں کی شکایت کیا کرتے ہیں کہ بڑے سخت ہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ سنت ہے کہ بے موقع بات پر غصہ کیا جائے۔

(دعوات عبدیت الدین الخالص۔ص:۷۵)

سبق کی مقدار یا تعطیل کرنے میں اصرار کرنا

بعض طلبہ کی عادت ہوتی ہے کہ باوجود استاذ کی رائے معلوم ہونے کے پھر بھی اپنے رائے پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم تو فلاں کتاب ہی شروع کریں گے یا اتنا ہی سبق پڑھیں گے یا فلاں ہی شخص سے پڑھیں گے ان امور میں تو طالب علم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ”هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ“ ۔کہاں تجربہ کار اور کہاں نا تجربہ کار۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۸۵)

کتابوں کا مطالعہ نہ کرنا بھی استاذ کی حق تلفی ہے

(بعض طلبہ) ایسے حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں جن کے سمجھنے میں سلیقہ کی ضرورت ہے مثلاً مطالعہ کم دیکھنا جس سے عبارت پڑھنے میں غلطیاں ہونے سے یا مقام کے کم سمجھنے کے سبب سے فضول سوال کرنے سے استاذ کو تنگی اور انقباض و پریشانی ہوتی ہے تو کیا محسن کا یہی حق ہے کہ اس کو بلاضرورت پریشان کیا جائے اور یہاں بلاضرورت ہی ہے کیونکہ مطالعہ کے اہتمام سے یہ سب خلجانات رفع ہو سکتے ہیں۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۴)

اگر استاذ کسی کتاب کو پڑھنے سے کسی وقت منع کردے تو مان جانا چاہیے۔

حضور ﷺ نے ایک امیر لشکر کو حکم نامہ لکھ کر دیا اور کسی مصلحت سے فرمایا کہ جب تک فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ اس کو مت پڑھنا چنانچہ اسی کے موافق عمل کیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے ایک ادب ثابت ہوا جو طالب علموں پر لازم ہے وہ یہ کہ استاذ اگر کسی کتاب کے پڑھنے سے کسی خاص وقت منع کرے۔ مثلاً اس کے نزدیک شاگرد کی استعداد سے زیادہ ہے اس مصلحت

سے اس وقت پڑھنے سے منع کرتا ہے تو طالب علم کو چاہیے کہ اس پر عمل کرے جس طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہر طرح مبارک ہی تھا اور اس کا پڑھنا اور جاننا ہر وقت عبادت تھا مگر حضور ﷺ نے ایک مصلحت سے ایک وقت معین تک اس کے مطالعہ سے منع فرمایا اور ان صحابی نے ویسا ہی کیا۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۸۰)

استاذ اگر بے ڈھنگے سوال یا کسی وجہ سے غصہ ہو تو شاگرد کو صبر کرنا چاہیے

جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز) کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا سربند اور ظرف پہچان کر مالک تک پہنچادے...... اس سائل نے کہا کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ اس سوال پر آپ پر غصہ کے آثار نمودار ہوئے حتیٰ کہ رخسار مبارک سرخ ہو گیا آپ نے فرمایا تجھے اس سے کیا کام ہے اس کے ساتھ اس کی مشک ہے اور اس کے موزے پانی (کے گھاٹ پر) جاکر پانی پیتا ہے اور درختوں سے چارہ کھاتا ہے۔ (بخاری)

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بے ڈھنگے سوال پر استاذ غصہ کرے تو شاگرد کو چاہیے کہ اس کو گوارا کرے، مکدر نہ ہو جس طرح یہاں اس صحابی نے برا نہیں مانا۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۸۰)

اس سے ایک اور بات نکل آئی وہ یہ کہ بعض طلبہ استاذوں کی شکایت کرتے ہیں بڑے سخت ہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ سنت۔ ہے کہ بے موقع بات پر غصہ کیا جائے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۹/۷۵)

ذہین طلباء کو ایک ضروری تنبیہ اور ان کی محرومی کا سبب

ایک ذکی (ذہین) مولوی صاحب کو منطق کی کتابیں کوئی استاذ نہ پڑھا سکتا تھا۔ آخر کار ایک مولوی صاحب نے ان کو سمجھایا کہ اس طرح تو ہمیشہ تم طالب علم ہی رہو گے یہ مانا کہ تم ذہین ہو، ذکی ہو اور استاذوں کو خاموش کردیتے ہو مگر جب تک کہ باقاعدہ درسی کتابیں کسی سے نہ پڑھو گے مولوی نہیں ہوسکتے اس لیے پہلے کسی سے درسی کتابیں باقاعدہ ختم کرلو اور وہ مدرس جو کچھ بتلادے اس کو مان لو پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو اختیار ہے خوب تحقیق کرلینا۔ (حسن العزیز۔ ص ۴/۲۳)

شاگردوں پر استاذ کی تقلید لازم ہے

جب تک استعداد محققانہ نہ ہو جائے اس وقت تک تقلید کرنی چاہیے اور جب ایسی استعداد ہو جائے تو وہ مبارک ہے اس وقت جس قسم کے سوالات بھی چاہیں پیش کریں۔

(فرض کرو) ایک شخص کو اسٹیشن جانا ہے اور راستہ کی واقفیت نہیں تو اگر کوئی معمولی آدمی بھی کہے کہ چلو میں اسٹیشن پر پہنچادوں تو بے تامل اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ تمہارے پاس کیا دلیل ہے اس بات پر کہ جس راستے پر تم جارہے ہو وہ اسٹیشن پہنچادے گا کیونکہ جانتا ہے کہ اس چوں چرا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ خفا ہو کر مجھے یہیں چھوڑ دے گا اور پھر نہ پہنچ سکوں گا اسی طرح اگر کسی بڑے اسٹیشن پر یہ معلوم نہ ہو کہ

دلی اور لکھنؤ جانے والی گاڑی کون سی ہے تو ایک قلی کے کہنے پر یقین آجاتا اور بغیر کچھ پس وپیش کے اس کو مان لیا جاتا ہے اور اس مفت علم کو غنیمت جان کر قلی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

وعلی ہذا الغرض جب تک کہ استعداد نہ ہوجائے اس وقت تک تقلید کرنی چاہیے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۶/۵۱۔علم دین کی ضرورت)

اگر بعض طلبہ سبق نہ سمجھ سکیں

اب میں مضمون کی زیادہ تفصیل نہیں کرتا بعض لوگ سمجھ گئے ہیں بس اتنا ہی کافی ہے۔جن کی سمجھ میں نہیں آیا ہو وہ ان سے سمجھ لیں (جو سمجھ گئے ہیں) حضرت حاجی صاحب بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ کسی دقیق مضمون کی تقریر،ایک بار فرمادیا کرتے اس کے بعد اگر کوئی اس کے متعلق سوال کرتا تو آپ فرمادیتے کہ فلاں شخص اس کو خوب سمجھ گیا ہے اس سے سمجھ لو۔ (حقوق الزوجین۔ص:۲۵،الکمال فی الدین النساء)

باب نمبر ۵

فصل ۱

مطالعہ کی اہمیت اور اس کا وجوب اور مثال

مطالعہ کی بابت فرمایا کہ مطالعہ کی برکت سے استعداد اور فہم پیدا ہوتا ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کپڑا رنگنے کے لیے پہلے اس کو دھولیا جاتا ہے پھر رنگ کے مٹکے میں ڈالا جاتا ہے اور اگر پہلے دھویا نہ جائے تو کپڑے پر داغ پڑجاتے ہیں اسی طرح مطالعہ نہ کیا جائے تو مضمون اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا اور اس سے معلم کو تکلیف ہوتی ہے۔یہ بھی ایذا میں داخل ہے اور اس سے احتراز واجب ہے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۴۰/۷،۱۴)

استعداد تو مطالعہ ہی سے پیدا ہوتی ہے

قاعدہ یہی ہے کہ مقاصد سے زیادہ مقدمات کا اہتمام کیا جاتا ہے تب مقاصد حاصل ہوتے ہیں چنانچہ نحو،صرف میں اس قدر محنت کی جاتی ہے کہ علوم مقصودہ میں اس کی آدھی محنت بھی نہیں کی جاتی بعض دفعہ مطالعہ کا اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ سبق کا بھی اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ مفتاح استعداد ہے۔ (قابلیت کی کنجی ہے) اگر مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی تو سبق کو بدون استاذ کے بھی سمجھ لے گا۔

(التبلیغ۔ص:۷۰/۲۲،تقلیل الطعام)

مطالعہ اور سبق میں اگر جی نہ لگے

رہا جی نہ لگنا سو میں کہتا ہوں کہ یہ صرف حیلہ ہے اور لاپروائی کی دلیل ہے ورنہ جناب اگر کسی پر مقدمہ فوج داری کا قائم ہو جائے اور وہ سن لے کہ قانون میں کوئی نظیر میرے لیے مفید ہے تو اگرچہ قانون کے دیکھنے میں جی نہ لگے بلکہ سمجھ میں بھی نہ آئے مگر جان مارے گا اور دیکھے گا اس وقت یہ نہ ہوگا کہ بجائے قانون کے دلچسپ کتاب مثلاً الف لیلیٰ (یا کوئی ناول) لے کے بیٹھے اس وقت تو دل کو لگی ہوگی ہم لوگوں کو دین کی طرف سے بہت بے فکری ہے یہ اس کی خرابی ہے ذرا ذرا سے عذر ترک دین کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ (حسن العزیز۔ص:۲/۲۳۰)

جو کام ضروری ہو اس کو کرنا چاہیے خواہ جی لگے یا نہ لگے، یہ تو بری حالت ہے کہ جی لگنے کا انتظار کیا جائے، کیا اپنے جی کی پرستش کرنی چاہیے؟ جی کے بندے ہو یا اللہ کے؟ (انفاس عیسیٰ۔ص:۲/۶۲۵)

درس میں یا مطالعہ میں اگر نیند کا غلبہ ہو تو کیا کرے؟

میرا اجتہاد یہ ہے کہ جو شخص رات بھر خرخر کرے جس میں گویا اپنے خر ہونے کا اقرار ہے اور اس سے پہلے انا مقدر ہے یعنی "انا خر انا خر" اس کے واسطے میری تجویز یہ ہے کہ سیاہ مرچیں جیب میں رکھ لیا کرے جب نیند کا غلبہ ہو ایک مرچ چبا لے یہ مقوی دماغ بھی ہے اس واسطے مضر بھی نہ ہوگی کیونکہ جو شخص پوری نیند سو لے پھر بھی اس کو نیند آئے تو اس نیند کا منشاء کسل ہے۔ (التبلیغ ص:۱۵/۲۰۲، الحدود والقیود)

کم کھانے سے نیند کم آتی ہے زیادہ کھانے سے زیادہ نیند آئے گی پیٹ تن کر جب کھاؤ گے تو نیند بھی تن کر آئے گی۔ (التبلیغ۔ص:۲۲/۶۳)

مطالعہ کرنے کا طریقہ، مطالعہ کب مفید ہوتا ہے

ا۔ ایک دفعہ دیکھنے پر اکتفاء نہ کریں بلکہ روزانہ مطالعہ رکھیں ..... میں تجربہ کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ ایک دفعہ کا دیکھا ہوا بہت کم یاد رہتا ہے بلکہ اکثر ذہن سے نکل جاتا ہے بس اگر کسی نے ایک دفعہ دیکھ کر کتاب کو اٹھا کر طاق میں رکھ دیا تو اس کو دیکھنے سے کیا نفع ہوا۔

غرض خورد و نوش کی طرح روزانہ اس کا بھی دور (معمول) رکھو اگرچہ قلیل ہی مقدار میں ہو۔

(دعوات عبدیت۔ص:۸/۸۶)

۲۔ کتابیں دیکھیں دو چار ورق روزانہ بالالتزام مطالعہ کریں اور خلجان کے موقع میں خود رائی سے کام نہ لیں بلکہ جس مقام پر شبہ ہو وہاں پنسل وغیرہ سے نشان بنا کر اس وقت اس کو چھوڑ دیں اور جب کبھی ماہر عالم میسر ہو اس سے تحقیق کر کے حل کر لیں۔ یا کسی عالم کے پاس لکھ کر بھیج دیں وہ اس کا مطلب لکھ کر بھیج دے گا۔ (اصلاح انقلاب ۲۱۔ دعوات عبدیت۔ص:۸۱)

﴿فصل ۲﴾

خارجی مطالعہ

خارجی مطالعہ بھی ثواب ہی کی نیت سے کرنا چاہیے، خارجی مطالعہ کی ایک شرط

فرمایا: کہ آج میں نے عوارف المعارف میں دیکھا ہے کہ مطالعہ چاہے دینی کتاب کا ہو لیکن اگر اس وجہ سے ہو کہ ذکر اللہ سے (یا کسی اہم کام اور اصل مقصود سے مثلاً درسیات سے) جی گھبراتا ہے اور اس میں جی بہلے گا تو وہ دنیا ہے اور اگر اس لیے ہو کہ حق تعالیٰ کا قرب ہوگا ثواب ملے گا تو بے شک مقبول ہے عجیب بات لکھی ہے اس کو دیکھ کر میرے اوپر تو ایک حالت طاری ہوگئی۔ (حسن العزیز۔ص:۱/۴۶۶)

مطالعہ کس کتاب کا کرنا چاہیے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا مقولہ سنا تھا فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے نام کو دیکھو اگر نام ہی اصل مضمون کے مناسب نہ ہو تو اس کو چھوڑ دو پھر تمہید کو دیکھو اگر وہ کتاب کے مضمون کے مناسب ہے نہیں تو چھوڑ دو۔ اس کے مطالعہ میں وقت ضائع مت کرو جب نام اور تمہید میں مناسبت دیکھ لو تب آگے پڑھو۔

(مجالس حکیم الامت۔ص:۱۵۰)

واقعی کام کی بات فرمائی یہ حضرات مبصر ہیں

ان کی معمولی معمولی باتوں میں علوم ہوتے ہیں بعض مصنفین کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیوں اس شخص نے تکلیف اٹھائی اور وقت بیکار کھویا۔ نام تک رکھنے کا تو سلیقہ نہیں (مصنف بن گئے) آج کل تو ہر شخص مصنف بنا ہوا ہے۔ (الافاضات۔ص:۲/۴۱۷)

کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے

فرمایا: اگر حافظہ اچھا ہو تو کتاب دیکھنے کے برابر کوئی چیز نہیں کتابوں میں سب ہی کچھ لکھا ہے۔

(حسن العزیز۔ص:۲/۸۱)

علماء کتابیں کس طرح جمع کر سکتے ہیں

فرمایا: کہ مولوی فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ہزار روپیہ کی کتابیں جمع کر لی تھیں حالانکہ دس بارہ روپیہ ماہوار کی آمدنی تھی مگر گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے اور معمولی روکھا سوکھا کھاتے تھے شوق عجیب چیز ہے بس جو کچھ بچتا تھا اس کی کتابیں خریدتے تھے رفتہ رفتہ بڑا کتب خانہ جمع کر لیا۔

(حسن العزیز۔ص:۲/۱۱۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا خارجی مطالعہ

فرمایا: مولوی عبدالحیٔ صاحب حیدرآباد سے آئے ہیں وہاں عربی کے پروفیسر ہیں میں نے ایک مرتبہ ان سے ذکر کیا میں نے صرف درسی کتابیں دیکھی ہیں۔ (اس کے علاوہ) اور زیادہ کتابیں نہیں دیکھیں سوائے بعض مقامات کے بضرورت وقتیہ تو انہوں نے تعجب سے کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ کم از کم ایک ہزار کتابیں ضرور دیکھی ہوں گی .... یہ سب حضرات اساتذہ کی برکت ہے کہ ضروری چیزیں کان میں پڑتی گئیں جس سے وسعت مطالعہ کا شبہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا میرا حافظہ طالب علمی میں تو اچھا تھا پھر اچھا نہیں رہا اسی واسطے زیادہ کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا کہ جب یاد نہ رہے گا تو مطالعہ سے کیا فائدہ۔

(کلمۃ الحق۔ ص:۳۶)

ارشاد فرمایا: کہ مجھے زیادہ کتب بینی کا ذوق نہیں ہوا کیونکہ نفس علم کو مقصود نہیں سمجھا عمل کے لیے جتنے علم کی ضرورت ہے اس میں اپنے بزرگوں پر مکمل اعتقاد تھا جو کچھ قرآن وسنت کی تعبیر میں انہوں نے فرمایا تھا اس پر دل مطمئن تھا۔

ایک صاحب نے حضرت کی تصانیف جو ایک ہزار کے قریب ہیں ان کا ذکر کر کے عرض کیا کہ آپ نے اتنی تصانیف فرمائی ہیں تو ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی حضرت نے فرمایا کہ چند کتابیں دیکھی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) حاجی امداد اللہ صاحبؒ (۲) حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ (۳) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ۔ ان کتابوں نے مجھے سب دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیا شاید ایسے ہی حضرات کے متعلق کسی کا شعر ہے۔

و انت الکتاب المبین الذی باحرفہ یظہر المضمر

تو ہی واضح کتاب ہے جس کے حروف سے مخفی مضامین ظاہر ہو جاتے ہیں۔

(مجالس حکیم الامت۔ ص ۱۰۱)

مطالعہ کسی کی ماتحتی اور زیر نگرانی کرنا چاہیے

یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آج اس کی کتاب دیکھ لی کل اس کی اس سے بڑی خرابی پیدا ہوتی ہے جس طرح دنیوی معاملات میں مصلحت کے لیے تعین کیا جاتا ہے اسی طرح دینی معاملات میں ہونا چاہیے۔ جس شخص کو معین کیا ہے پہلے اسی شخص کو (وہ کتاب) دکھلا لو اگر وہ اجازت دے تو دیکھو ورنہ مت دیکھو محتاط امراء کی عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھاتے ہیں تو پہلے حکیم سے پوچھ لیتے ہیں اگر وہ اجازت دیتا ہے تو کھاتے ہیں ورنہ نہیں یا بعض محتاط مریضوں کی عادت ہے اگر کوئی شخص ان کو کوئی دوا کھلانا چاہے تو کہتے ہیں کہ بجائے

ہمارے فلاں طبیب سے اس دوا کی بابت کہوا گر وہ کہے گا تو استعمال کرلوں گا ورنہ نہیں ایسا ہی یہاں کرو۔

پھر ایک ادب اس شخص کا یہ ہے کہ ایسے شخص سے کسی رائے میں مناقشہ نہ کرنا چاہیے دیکھو طبیب سے علاج میں کوئی مناقشہ نہیں کرتا کیونکہ اگر جھگڑیں تو وہ علاج نہ کرے، نسخہ پھاڑ کر پھینک دے۔

(حقوق الزوجین۔ص:۳۳۰)

مطالعہ کی کتابوں کا انتخاب کیسے شخص سے کرائے

کسی ایک عالم متبع سنت کو اپنا مقتدا اور ہادی بنالے یہ نہیں کہ جس کو مولوی دیکھا بس اسی کو قبلہ وکعبہ بنا لیا دیکھ بھال کر خوب سمجھ بوجھ کر ایک کو معین بنالیا جائے پھر جب معین ہو جائے تو ہر بات کو اسی سے پوچھو اسی سے پوچھ کر کتابیں سنانے اور پڑھانے اور دیکھنے کے لیے منتخب کرو۔

خیال کیجئے کہ دنیاوی معاملات میں ہر شخص ایک معتمد کو تجویز کر لیتا ہے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک معین کر لینے میں انتخاب بھی اچھا ہوتا ہے اور اس معتمد (جس کا انتخاب کیا ہے) کو بھی تعلق وتوجہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ دیکھئے جس وکیل کے یہاں ہمیشہ مقدمات لے کر جاتے آتے ہیں جیسی وہ عنایت کرے گا، دوسرا نیا آدمی نہیں کرسکتا۔

اور اگر تعین کے لیے انتخاب کرو تو یہ دیکھ لینا کہ وہ مولوی ایسا ہو کہ جس نے باقاعدہ پڑھا بھی ہو شفیق بھی ہو حریص وطماع (لالچی) نہ ہو، متبع سنت ہو ایسے شخص کو عالم سمجھیں اس منتخب کرنے میں بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے۔ پھر جب منتخب ہو جائے تو ہر بات میں اسی طرف رجوع کریں۔

(حقوق الزوجین مطبوعہ پاکستان۔ص:۳۳۹)

ہر کتاب کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیے

آج کل (لوگ) کثرت سے یہ غلطی کرتے ہیں کہ جو کتاب دین کے نام سے دیکھی یا سنی خواہ اس کا مضمون حق ہو یا باطل خواہ اس کا مصنف ہندو ہو یا عیسائی دہری ہو یا مسلمان پھر مسلمان بھی گو صاحب بدعت ہی ہو، غرض کچھ تفتیش نہیں کرتے اور اس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں وہ مضامین بھی آ گئے جو کسی مسئلہ سے متعلق اخبارات اور رسائل میں چھپتے رہتے ہیں اس میں چند مضرتیں ہیں۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۸)

بغیر تحقیق کے ہر کتاب کا مطالعہ کرنے کے نقصانات

بعض اوقات کم علمی کی وجہ سے یہ بھی امتیاز نہیں ہوتا کہ ان میں کون سا مضمون صحیح ہے اور کونسا غلط ہے۔

۱۔ کسی غلط بات کو صحیح سمجھ کر عقیدہ یا عمل کی خرابی کر بیٹھتے ہیں۔

۲۔ بعض اوقات پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر غلط ہے مگر بعض مصنفین کا طرز بیان ایسا تلبیس

آمیز یا دل آویز ہوتا ہے کہ دیکھنے والا فی الفور اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے پہلے اعتقاد کو ضعیف اور بے وقعت خیال کر کے اُس کو غلط اور اِس کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔

۳۔ اور بعض دفعہ اس کو گو قبول نہیں کرتا مگر مذبذب ہو کر شک میں پڑ کر دل میں رکھتا ہے اور پریشان ہوتا ہے۔

۴۔ اور کبھی دوسرے سے تحقیق کرنا چاہتا ہے مگر چونکہ اس میں کچھ غموض ہوتا ہے جس کے ادراک (اور سمجھنے) کے لیے اس کا علم اور ذہن کافی نہیں ہوتا اس لیے سمجھ میں نہیں آتا اور لایعنی سوال کر کے دوسروں کو پریشان کرتا ہے اور جواب دینے والوں کو عاجز سمجھ کر ان کے علم یا اخلاق میں تنگی کا حکم لگا کر ان سے بدگمان ہو جاتا ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۸)

شرعی دلیل

یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے راسخ العلم والعمل شخص کو توراۃ کے مطالعہ سے منع فرمادیا۔ باوجودیکہ فی نفسہ آسمانی کتاب تھی گو اس میں تحریف بھی ہوگئی تھی۔ اور پھر مطالعہ بھی تنہا نہ تھا بلکہ خود حضور پرنور ﷺ کو سنا رہے تھے اور اس میں محرف حصہ کا متعین ہو جانا ظاہر تھا اس کے بعد کسی فساد کے ترتب کا احتمال نہ تھا اس کے باوجود پھر بھی اس مصلحت سے کہ آئندہ کو یہ عمل مفاسد کا دروازہ کھل جانے کا سبب نہ بن جائے کسی سختی سے منع فرمایا اور کیسی ناخوشی ظاہر فرمائی جیسا کہ دارمی کی حدیث میں مذکور ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ ص:۲۹)

٭ ہر نئی کتاب یا مخالفین کی کتابیں نہ دیکھنا چاہیے

میں خیر خواہی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ نئی کتابیں نہ دیکھا کیجئے خواہ مخواہ کوئی شبہ دل میں بیٹھ جائے گا جس کا حل آپ سے نہ ہو سکے گا تو کیا نتیجہ ہوگا لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پکے خیال کے آدمی ہیں ہمارے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے مگر اس قصہ میں ان کو غور کرنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو توریت اچھی معلوم ہوئی اور لا کر حضور ﷺ کے سامنے پڑھنے لگے بتایئے کہ اس میں کیا خرابی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے کامل الایمان جن کی شان میں وارد ہے "الشیطن یفر من ظل عمر" کہ شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سایہ سے بھاگ جاتا ہے۔

ان کے اوپر شیطان کے اثر ہونے کے کیا معنی جس مجلس میں وہ موجود ہوں وہاں شیطان بھی نہیں ٹھہرتا اور توریت جیسی آسمانی کتاب تھی اور حضور ﷺ کے سامنے پڑھی گئی کہ اگر مضمون کی خرابی بھی ہو جائے تو اس کی حضور اصلاح فرمادیتے مگر حضور ﷺ کو سخت ناگوار ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آگاہ کیا کہ دیکھتے نہیں حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر کیا اثر ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کانپ گئے اور بہت توبہ

استغفار کیا اور معافی مانگی حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس ایک سہل ملت اور پکی اور صاف لایا ہوں اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو سوائے اس کے کہ میری اتباع کرتے کچھ نہ ہوتا یعنی پھر کیا ضروری ہے کہ اس کتاب کو دیکھو جس میں تحریف ہو چکی ہے توریت میں آمیزش تھی تحریف کی جب اس کے دیکھنے سے منع کیا گیا تو جو کتابیں صرف الحاد و زندقہ کی ہوں ان کا حکم ظاہر ہے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا گیا تو ہم کیا ہیں اور نہ معلوم کیوں دیکھتے ہیں لوگ۔ اپنے یہاں تو اتنے علوم ہیں کہ عمر بھر بھی ان کو دیکھنے سے فرصت نہ ملے اپنی کتابوں کو دیکھئے۔ (حسن العزیز۔ ص:۲۲۹/۴)

اہل باطل کی مفید کتابیں دیکھنے سے بھی ضرر ہوتا ہے

اہل باطل کی تصانیف جو بظاہر مفید ہوں باطل کی جھلک ہوتی ہے اور اہل حق اس کا پردہ فاش کر دیتے ہیں اسی لیے اہلِ باطل کی مفید تصانیف کا دیکھنا بھی مضر ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۱۸۸/۲)

فرمایا: عجیب تجربہ کی بات ہے کہ بددین آدمی اگر کسی اور کی بات نقل بھی کرے مثلاً بددین شخص نحو کی کوئی کتاب لکھے گو اس میں کوئی مسئلہ بددینی کا نہیں ہے مگر اس کے دیکھنے سے بھی بددینی کا اثر دل میں ہوگا۔ (حسن العزیز۔ ص:۳۲۵/۲)

دوسرے مذاہب با تقابلی مطالعہ کرنے کی شرط

فرمایا عام لوگ کتابیں دیکھنے لگتے ہیں کتابیں دیکھنے کے لیے جامع شخص ہونا چاہیے۔ نازک کتابیں دیکھنے لگتے ہیں اپنا ایمان خراب کر لیتے ہیں۔ (حسن العزیز۔ ص:۳۷۶/۴)

آج کل اسکولوں اور بہت سے مدارس میں تقابلی مطالعہ اور تقابل کے مضمون کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مذہب کی پوری معلومات نہ رکھتا ہو اس کے لیے غیر مذہبوں کی کتابوں کا مطالعہ بہت خطرناک ہے۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص ۱۴۱)

اہل باطل کے اقوال و افعال اور حالات میں گفتگو یا اس پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ قلب کے لیے سخت مضر ہے مناظرہ کی ضرورت سے کبھی کبھی اگر دیکھنا پڑے تو ضرورت سے تجاوز نہ ہونا چاہیے۔
(مجالس حکیم الامت۔ ص:۱۶۱)

باطل مسلک کی کتابیں نہ دیکھنا چاہیے

غیر علماء کی کتابیں ان کی نظروں سے گزرنا بھی جرم ہے جیسا کہ کوئی شخص باغیانہ کتابیں اپنے گھر میں رکھے، ظاہر ہے کہ قانون سلطنت کی رو سے یہ بڑا جرم ہے اور حکومت ایسے شخص کو سزا دے گی۔

علماء پر جو تعصب کا الزام لگاتے ہو تو یہ بھی سوچو کہ اس قانون میں علماء کی ذاتی کیا غرض ہے ظاہر ہے کہ ان کی اس میں کچھ غرض نہیں بلکہ غرض تو عوام کی موافقت میں ہے طبیب اگر تلخ دوا دے تو بتلاؤ اس میں

اس کی کیا مصلحت ہے؟ یقیناً کچھ نہیں بلکہ سراسر مریض کی مصلحت ہے پس جو علماء ایسی باتوں سے منع کرتے ہیں جن میں لوگوں کو مزا آتا ہے سمجھ لو کہ وہ محض خیر خواہی سے منع کرتے ہیں کیونکہ وہ ان باتوں میں زہریلا اثر مشاہدہ کرتے ہیں۔

واللہ! اہل باطل کی کتابوں کا اثر بعض علماء پر بھی ہو جاتا ہے تو عوام کی ان کے مطالعہ سے کیا حالت ہو گی لہٰذا عوام کو کوئی کتاب علماء کے مشورہ کے بغیر ہرگز نہ دیکھنا چاہیے اور اگر کوئی کہے کہ میں رد کے لیے دیکھتا ہوں تو یہ بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ کام علماء کا ہے تمہارا کام نہیں اور اس میں آپ کی توہین نہیں۔

(التبلیغ وعظ الفاظ القرآن۔ص:۵۹)

مطالعہ صرف محققین کی کتابوں کا کرنا چاہیے

جو محققین کی تصانیف ہیں ان کو مطالعہ میں رکھئے ہر زید وعمرو وبکر کی تصنیف کا مطالعہ نہ کیجئے کیونکہ آج کل آزادی کا زمانہ ہے ہر شخص کا جو جی چاہتا ہے لکھ مارتا ہے آج کل ایسے ایسے شخص بھی ہیں کہ میں نے ایک رسالہ میں یہ مضمون لکھا ہوا دیکھا کہ سود حرام نہیں ہے مسلمانوں کو سود کے ذریعہ ترقی کرنا چاہیے اور قرآن میں جو ربٰو آیا وہ ربُو بضم الراء ہے ربودن سے مطلب یہ ہے کہ خدا نے غضب کو حرام کیا ہے۔ آج کل ایسی بھی تحقیقات ہیں اور ایسے بھی محقق ہیں اور یوں ہی اسلام کے پر توڑے جائیں گے تو پھر اسلام کی خیر نہیں۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہر کتاب کے دیکھنے میں کیا حرج ہے اگر ہم اپنے مسلک میں جمے رہیں تو کسی کتاب کے دیکھنے میں کیا مضائقہ ہے سو بات یہ ہے کہ میں ہر شخص کی تصنیف کے مطالعہ سے نہیں روکتا اگر اس کا برا اثر نہ دیکھتا مگر جب میں لوگوں کو متاثر ہوتا ہوا دیکھتا ہوں تو منع کرتا ہوں پس آپ کی خیر اسی میں ہے کہ صرف محققین کے رسالے دیکھئے اور نئے نئے خوردہ مصنفوں کے رسالے ہرگز نہ دیکھے۔

(التبلیغ اسباب الفتنہ۔ص:۱۰/۱۲۶)

جس کتاب میں انبیاء وصحابہ کی توہین ہو اس کے پڑھنے سے قلب میں تاریکی پیدا ہوتی ہے

ایک صاحب ایک نئی لکھی ہوئی کتاب لائے اس کتاب میں انہوں نے (مصنف صاحب نے) انبیاء کے بارے میں بڑی گستاخیاں کی ہیں۔

فرمایا بند کیجئے اس کے دیکھنے اور سننے سے قلب میں تاریکی پیدا ہوتی ہے جس کی جڑ ہی خراب ہو تو شاخوں کو لے کر کیا کرے اس میں انبیاء پر حملہ کیا ہے جب ایسے مضامین ہوں تو ظاہری صورتی اور عمدگی کو لے کر کیا کرے۔

(حسن العزیز۔ص:۳/۹۱)

اہل حق کی کتابوں میں نور اور اہل باطل کی کتابوں میں ظلمت ہوتی ہے

یہ مشاہدہ ہے کہ اہل اللہ کے کلام میں نور ہوتا ہے اور ملحدوں کے کلام میں ظلمت ہوتی ہے گو بزرگوں کی عبارت سادی ہوتی ہے ان کی عبارت آرائی نہیں ہوتی مگر ان کے مطالعہ سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔

اور جو لوگ متبع شریعت نہیں ان کی کتابوں کی عبارت گو کیسی ہی شستہ ہو مگر باطن میں اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے گو ان میں تمام باتیں دین ہی کی ہوں مگر الفاظ چونکہ ان کے اپنے ہی ہیں اس لیے وہ ظلمت سے خالی نہیں ہوتے جس کے دل میں کچھ بھی ادراک ہے وہ اس فرق کو ضرور محسوس کرے گا۔

(حقوق الزوجین۔ص:۲۰، الکمال فی الدین النساء)

باب نمبر۶

شاگردوں کے حقوق

طلبہ کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کرنے کی تاکید

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اور لوگ تمہارے تابع ہیں تمہارے پاس دور دراز ملکوں سے علم دین سیکھنے اور سمجھنے آئیں گے ان کے بارے میں میری وصیت کے موافق بھلائی سے پیش آنا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص علم دین طلب کرنے کے لیے آئے اس کے حق میں جناب رسول اللہ ﷺ خیر کی اور حسن معاملہ کی وصیت فرما رہے ہیں گو ابھی تحصیل بھی شروع نہیں ہوئی اور تحصیل (علم حاصل کرنے کے بعد) تو اور بھی تعلقات وخصوصیات زائد ہوں گے۔

شاگردوں کے لیے دعا کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو سینے سے لگایا اور فرمایا کہ یا اللہ اس کو قرآن کا علم عطا فرمادے۔ (بخاری)

اس حدیث سے تعلیم کے علاوہ شاگرد کا یہ بھی حق معلوم ہوا کہ اس کے لیے حق تعالیٰ سے دعا بھی کیا کرے کہ اس کو علم نافع عطا ہو۔

شاگرد کی دل جوئی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خواب میں مجھے دودھ

کا ایک پیالہ دیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا پھر بچا ہوا دودھ عمر کو دے دیا لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اس کی تعبیر کیا ہوئی فرمایا دودھ سے مراد علم ہے۔ (بخاری)

اس سے دو امر معلوم ہوئے ایک باعتبار صورۃ لبن کے ایک اعتبار معنی لبن کے اول یہ کہ شاگرد کو گاہ گاہ (کبھی کبھی) اپنے کھانے پینے میں شریک کر لیا کرے جس سے اس کا دل بڑھتا ہے اور محبت زائد ہوتی ہے اور جس قدر استاذ سے محبت ہوگی اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔

دوسرا یہ کہ اگر حق تعالیٰ کسی کو کوئی باطنی برکت عطا فرمائے تو شاگرد سے دریغ نہ کرے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۹۔تجدید۔ص:۱۲۷)

طلبہ کی بے وقعتی کرنا یا ان کی تحقیر اور خوامخواہ کی سختی کرنا درست نہیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو لوگوں کے دینی نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ نفع پہنچانا ان پر واجب ہے پس اس صورت میں مستفیدین (طلبہ) پر اپنا احسان سمجھ کر ان کو بے وقعت سمجھنا اور ان پر حکم چلانے میں حد سے تجاوز کرنا ان پر محض براہ کبر سختی کرنا نہایت نازیبا ہے وہ اگر اپنی خوشی سے استفادہ کرتے ہیں تو گویا واجب کی ادیگی میں معلم کے معین ہیں لہٰذا ان کے ساتھ اقل درجہ ایسا معاملہ کرنا چاہیے جیسا دنیاوی معاملات میں اپنے معین و مددگار کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ایسے طریقے سے پیش آنا چاہیے جس سے ان کو نفع پہنچے اور ظاہر ہے کہ ایسی سختی یا بے وقعتی یا بے پروائی کی حالت میں ان کا نفع ختم ہو جاتا ہے یا ناقص ہو جاتا ہے خصوصاً ان کے سوالات کے جوابات میں جب وہ تعنت اور عناد سے سوال نہ ہو اس میں زجر و سختی کرنا آیت ”وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ“ (یعنی سائل کو مت جھڑکیے) کے بھی خلاف ہے یا بغیر کسی مصلحت کے محض اپنی بڑائی اور اس کی برائی ظاہر کرنے کو ان پر اس طرح احسان رکھنا اور اپنے احسان کو جتلانا کہ جس سے ان کی تحقیر یا ان کو اذیت ہو۔

آیت ”ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَا اَذًى“ [الآیۃ] کے بھی خلاف ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۸۹)

علم حاصل کرنے والوں کے ذوق اور ان کی صلاحیت کا لحاظ کرنا

”اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ“ اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ استفادہ کرنے والوں کے ساتھ اگر چہ وہ طالب علم نہ ہوں ان کے مزاج استعداد اور نرمی و ملاطفت کی رعایت رکھنا چاہیے اور اگر شفا رف طالب علم وغیرہ ہوں تو ان کے ساتھ رعایت مذکورہ نہایت درجہ ضروری ہے ان کے ساتھ ابتدائی خطاب میں بھی مثلاً کتاب کی تقریر میں کیونکہ ادع میں ابتدائی خطاب مراد ہے اور ان کے سوالات کے جوابوں میں بھی خواہ تحقیقی جواب ہوں یا الزامی کیونکہ جادلھم سے یہی مراد ہے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۸۹)

حسب موقع غصہ کرنا

اگر کسی طالب علم سے کوئی امر نامناسب صادر ہو اور کسی طور سے معلوم ہو جائے کہ غضبناک ہو کر کہنے سے زیادہ نفع ہوگا تو وہاں اس کی مصلحت کے واسطے غصہ کرنا ہی افضل ہے جس سے اس کی اصلاح ہو جائے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۰)

ایک بات کے غصہ کا اثر دوسری بات میں نہ ہونا چاہیے

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں اونٹ کے لقطہ کے سوال پر آپ غصہ ہوئے اس کے بعد یہ بھی الفاظ مذکور ہیں سائل نے عرض کیا کہ کھوئی ہوئی بکری کا کیا حکم ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ بکری تیرے لیے ہے یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیا کے لیے۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی طالب علم پر کسی بے ڈھنگے سوال پر غصہ کیا جائے اور اس کے بعد پھر وہ کوئی معقول سوال کرے تو اس کے جواب میں پہلے غصہ کا اثر نہ آنا چاہیے اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جب دوسرا طالب علم کوئی بات پوچھنے لگے وہاں تو بدرجہ اولیٰ پہلا اثر نہ آنے پائے۔ بعض جھلے (چڑچڑہ) مزاج کے استاذ ایک پر خفا ہوئے تو بس اب درس ختم ہونے تک سب پر برستے ہی رہتے ہیں۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۱)

باب نمبر ۷

آداب تدریس

فصل ۱

ہر استاذ و عالم کو کیا سمجھنا چاہیے

میرے ایک ابتدائی کتابوں کے استاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک حکایت بیان فرمائی تھی کہ انہوں نے کسی معلم سے فارسی پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے کہا کہ بھائی پڑھنے سے پہلے یہ سن لو کہ تم مجھ کو عالم الکل سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہو یا عالم البعض سمجھ کر۔

اگر شق اول ہے تو مجھے معاف رکھو کیونکہ میں عالم الکل (سب کچھ جاننے والا) نہیں ہوں اور اگر شق ثانی ہے تو بیشک مجھ میں یہ صفت ہے لیکن اس کا مقتضیٰ یہ ہوگا کہ کبھی کسی مضمون کے بارے میں یہ کہہ دوں گا

کہ مجھ کو معلوم نہیں تو مجھ کو پریشان مت کرنا۔ اور دوسری جگہ حل کر لینا سبحان اللہ کیسی پاکیزہ بات انہوں نے کہی پس ہر عالم پر یہی سمجھنا ضروری ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۲)

اگر ایک بار سے طالب علم نہ سمجھے تو کئی بار سمجھانا چاہیے

اگر احتمال ہو کہ ایک بار تقریر کرنے سے طلبہ نے نہ سمجھا ہو گا تو دوسری، تیسری بار بھی تقریر کر دینا مناسب ہے جس طرح حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔ ....حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی مہتم بالشان بات فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے تا کہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۶)

اگر سمجھنے کے واسطے شاگرد پوچھے یا اعتراض کرے تو ناخوش نہ ہونا چاہیے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب رسول اللہ ﷺ سے ایسی باتیں سنتی تھیں جو ان کو معلوم نہ ہوتیں تو برابر رسول اللہ ﷺ سے پوچھ گچھ کرتی تھیں یہاں تک کہ سمجھ لیتی تھیں۔

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص حساب میں گرفتار ہوا وہ عذاب میں مبتلا ہوا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا "یحاسب حسابا یسیرا" کہ حساب آسان کیا جائے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پیشی ہے ورنہ جس سے حساب مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر استاذ کی تقریر میں کوئی شبہ رہے اور طالب علم اس کو پوچھنے لگے تو ناخوش نہ ہونا چاہیے البتہ اگر فضول سوال ہو تو ناخوشی کا اظہار بھی جائز ہے جیسا کہ حدیث لقطہ میں ابل (اونٹ) کے سوال پر حضور ﷺ کا برہم ہونا مذکور ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۱)

اگر شاگرد استاذ کے پڑھانے میں کوتاہی کی شکایت کرے تو کیا کرے؟

حضرت ابو مسعود انصاری ؓ نے فرمایا: کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فلاں شخص کے نماز طویل کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نہ پا سکوں (یعنی بددل ہو کر جماعت چھوڑ دوں) تو حضور ﷺ اس قدر ناراض ہوئے کہ اس قدر ناراض ہوتے ہوئے میں نے کبھی نہ دیکھا پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو جو آدمی نماز کی امامت کرے اس کو چاہیئے کہ قراءت میں تخفیف کرے کیونکہ مریض اور ضعیف اور حاجت مند سب قسم کے لوگ نماز میں ہوتے ہیں۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کچھ اسباق کسی اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد کیے جائیں اور وہ طالب علم اس کی شکایت کرے تو شکایت سننا چاہیے اور تحقیق کے بعد اس کا انتظام کرنا چاہیئے، وہ نہیں کہ محض اس کے طالب علم ہونے کے سبب اس کو اور اس کی بات کو محض لاشئی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۹)

نا اہل کے ذمہ کوئی سبق سپرد کرنا

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دینی خدمات نالائقوں اور نا اہلوں کے سپرد ہو جائیں تو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ (بخاری)

"اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة"

اس کے عموم میں یہ بھی داخل ہو گیا کہ اگر کسی طالب علم کا کوئی سبق کسی کے سپرد کرے تو اس کا لحاظ رکھے کہ وہ شخص اس کا اہل ہو اگر نا قابل (نا اہل) اور بد استعداد یا غیر شفیق کے سپرد کرے گا تو شرعاً مذموم ہو گا اور یہ بھی شاگرد کا ایک حق ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۹۵)

اگر ضرورت ہو تو باآواز بلند تقریر کرنا

کسی وجہ سے اگر احتمال ہو کہ آواز بلند کیے بغیر آواز نہ پہنچے گی مثلاً حلقہ درس بڑا ہے یا اور کوئی عارض ہے تو بلند آواز سے تقریر کرنا شاگرد کا حق ہے۔ ورنہ تقریر ہی بیکار ہے۔ دیکھئے حضور ﷺ نے کس طرح بلند آواز سے فرمایا۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۹۶)

طلبہ کی صلاحیت واستعداد کے اعتبار سے کتابوں اور اسباق کی مقدار تجویز کرنا چاہیے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون أن کذب اللّٰه و رسولہ" یعنی لوگوں سے ایسی بات کرو جو وہ سمجھیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ (بخاری)

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ طالب علم کی تعلیم میں اس کے فہم واستعداد کا لحاظ رکھا جائے اور اسی کے لحاظ سے ترتیب اور کتابوں کی مقدار اور سبق کا عدد تجویز کیے جائیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد "کُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ" کی ایک تفسیر امام بخاری نے یہ بھی نقل کی ہے۔ "الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ" (اصلاح انقلاب۔ ص:۸۷)

کوئی خاص فن یا کتاب کسی طالب علم کے لیے مضر ہو تو اس کو روکنا چاہیے

جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ جو شخص مر کر اللہ تعالیٰ سے ملے اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مت سناؤ۔ کیونکہ میں خوف کرتا ہوں کہ لوگ اس پر تکیہ (اعتماد) کرلیں گے (اور پھر اعمال میں کوتاہی کریں گے)۔ (بخاری)

یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ باوجودیکہ حدیث کا یہ مضمون شریعت کے مقاصد عظیمہ میں سے تھا مگر بعض لوگوں تک اس لیے پسند نہیں کیا گیا کہ وہ اس سے متضرر ہوتے (نقصان اٹھاتے)۔

پس اسی طرح جو کتاب یا کوئی فن کسی خاص طالب علم کے لیے نامناسب ہو اس کو اس سے روکنا معلم کے ذمہ لازم ہے اور اس طالب علم کو بھی اس کی اطاعت ضروری ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۷)

استعداد پیدا کرنے اور ابتدائی کتابیں پڑھانے کا طریقہ

اب تک طریقہ یہ ہے کہ پہلے طالب علم عبارت پڑھتا ہے اور مدرس مطلب بیان کر دیتا ہے اگر کسی کو کچھ شبہ ہوا دریافت کر لیا ورنہ آگے چل پڑے یہ طریقہ مبتدیوں بلکہ متوسطین کے لیے بھی غیر نافع ہے صرف ایسے منتہی طلبہ کے لیے نافع ہے جو فاضلانہ استعداد حاصل کر چکے ہیں اور بڑے اساتذہ کے یہاں مستفید ہو رہے ہیں۔

اس میں اصلاح کی ضرورت یہ ہے کہ طلبہ کی استعداد سے کام لیا جائے۔ بلاضرورت ان کی مدد نہ کی جائے خود ان ہی سے مطلب کی تقریر کرائی جائے نیز ہر قاعدہ و مسئلہ کی کثرت امثلہ سے مشق کرائی جائے البتہ جو مقام طلبہ کی استعداد سے باہر ہو اس کی تقریر خود کرے۔

یہ طریقہ تو سارے درسوں کے لیے مفید ہے ورنہ ابتدائی کتابوں میں بہت ضروری ہے مثلاً میزان، منشعب (یا کوئی بھی ابتدائی درجہ کی کتاب) میں ایسا نہ کیا جائے کہ سبق پڑھایا اور اس کو رٹوا کر سن لیا، اس سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ ہر سبق کی بکثرت مثالوں سے مشق کرائی جائے مثلاً ماضی کی بحث پڑھائی جائے تو کم سے کم اس کے تین چار سو مختلف صیغوں کی مشق کرائی جائے اور مصادر دے کر ماضی کے صیغے بنوائے جائیں اور ماضی کے صیغوں کی اردو دی جائے کہ اس کی عربی بنا دیں اگرچہ اس اجراء میں ایک ہی سبق میں کئی روز صرف ہو جائیں۔

اسی طرح جب نحو میر تک پہنچے تو ہر قاعدہ کے متعلق چھوٹے چھوٹے عربی کے جملے دے کر اردو ترجمہ اور اردو کے جملے دے کر عربی بنوائی جائے حتی کہ نحو میر کے ختم پر طویل طویل سلیس عبارتیں اردو کی دے کر عربی بنوائی جائے اور سلیس عربی کا ترجمہ کرایا جائے اس طرح جب نحو میر ختم ہو گئی تو شرح مأتہ عامل و ہدایۃ النحو کی عبارت طالب علم خود صحیح پڑھے گا اور اگر کہیں غلطی کرے تو بتلایا نہ جائے بلکہ اس سے خود قاعدہ پر جواب طلب کیا جائے۔

ہر فن کی ابتدائی کتابیں اور بلاغت وفقہ پڑھانے کا طریقہ

ہر فن کی تعلیم اسی طریقہ پر ہو مثلاً بلاغت شروع ہو تو ہر قاعدہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور اشعار جاہلیت دے کر بلاغت کے قواعد کو جاری کیا جائے، اسی طرح فقہ میں ہر کتاب (و باب) کے موافق چھوٹے چھوٹے مسئلے دیے جائیں کہ بحوالہ کتب ان کے جواب لکھیں۔

اس طریقہ میں گو پہلے مدت زیادہ لگے گی لیکن چونکہ استعداد بڑھنے سے جی بڑھے گا اور توجہ زیادہ

ہوگی تو آگے چل کر وقت بھی کم صرف ہوگا اور ابتداء کی کسر انتہاء میں نکل آئے گی۔
(تجدید تعلیم و تبلیغ۔ص:۸۰)

عبارت کی اصلاح اور اس میں روک ٹوک کرنا بہت ضروری ہے

علمی غلطی پر متنبہ نہ کرنا تو اور بھی غضب ہے کیونکہ اس کا تو انہوں نے بالتصریح التزام کیا ہے بعض معلمین کی عادت دیکھی گئی ہے کہ شاگرد پہلو میں بیٹھا ہوا غلط پڑھ رہا ہے اور یہ بہرے گونگے بنے بیٹھے ہیں۔
(اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۵)

استعداد اچھی بنانے کے لیے صرف تین باتیں کافی ہیں

بس طالب علم تین باتوں کا لحاظ رکھے اور ہمیشہ کے لیے ان پر دوام رکھے ان شاء اللہ اس کی استعداد اچھی ہوگی اور یہ تین باتیں اس کے واسطے کافی ہوں گی۔

(۱)......ایک یہ کہ سبق سے پہلے مطالعہ کرے۔

(۲)......دوسرے سبق سمجھ کر پڑھے، بغیر سمجھے آگے نہ چلے۔

(۳)......تیسرے یہ کہ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار اس کی تقریر کر لی جائے خواہ تنہا یا جماعت کے ساتھ تکرار کر کے اس سے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں، کیونکہ زیادہ محنت کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔
(التبلیغ۔ص:۲۰۴/۱۵۔الحدود والقیود)

تقسیم اوقات اور جماعت بندی

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم پر مرد غالب ہو گئے کہ آپ کا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا، ہمارا بھی ایک دن مقرر کر دیجئے آپ ﷺ نے ان کے لیے وعظ و نصیحت اور احکام الٰہی سنانے کا ایک دن مقرر فرمایا۔ (بخاری)

اس حدیث سے تعیین و تقسیم اوقات و جماعت بندی کا طلباء کے لیے مصلحت ہونا معلوم ہوتا ہے جس کی ایک عظیم مصلحت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے جدا سبق مناسب ہے تو سب ایک مجلس میں کیسے مجتمع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مورد حدیث یعنی کسی سائل کو کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتلا دیا کہ اس کا وبال اس بتانے والے پر ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی مسلمان کو مشورہ دیا کہ وہ مشورہ ٹھیک نہیں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی۔

اس حدیث میں غلط مسئلہ بتلانے کا گناہ ہونا اور غلط بات بتلا دینے کا خیانت ہونا صاف منصوص ہے۔

بعض مدرسین کی عادت ہوتی ہے کہ کسی مقام پر خود بھی شبہ ہے مگر شاگرد پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے،

کچھ گڑھ مڑھ کر کے تقریر کر دیتے ہیں گویا اس کو دھوکہ دیتے ہیں کہ اس مقام کی یہی تقریر ہے حالانکہ خود بھی یہ اطمینان نہیں۔

بعض مدرسین و مفتیین کی عادت ہوتی ہے کہ طالب علم یا سائل سے اپنا جہل چھپانے کے لیے غلط سلط ہانک دیتے ہیں اور اگر طالب علم قبول نہیں کرتا اور کچھ خدشہ کرتا ہے تو کبھی مغالطات و تلبیسات سے اور کبھی غصہ اور سب وشتم (ڈانٹ پھٹکار) سے اس کو خاموش کر دیتے ہیں، اتنا کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ مقام ہماری سمجھ میں نہیں آیا پھر سوچیں گے یا کہ دوسرے مدرس سے خود پوچھ لیں گے یا اس طالب علم ہی کو پوچھنے کی اجازت دے دیں۔ اس سے عار آتی ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۹۱ تا ص:۲۹۳)

جو بات معلوم نہ ہو یا شبہ ہو تو صاف طور سے لاعلمی ظاہر کر دے

جناب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کون عالم ہوگا آپ نے بہت سے سوالوں پر "لا ادری" (مجھے معلوم نہیں) فرما دیا۔ اور جب وحی نازل ہوئی اس وقت بتلا دیا۔ اور واقعی جب کل علوم کا احاطہ حق شانہ کا خاصہ ہے تو بعض چیزوں کا نہ جاننا ممکن کے لوازم سے ہے تو اس لازم کا اقرار کر لیا تو کون سی نئی بات ہوئی۔

(اصلاح انقلاب۔ ص:۲۹۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ بتا دے اور جو نہ جانتا ہو اس کو چاہیے کہ کہہ دے کہ اللہ جاننے والا ہے کیونکہ یہ کہہ دینا بھی علم کی بات ہے۔

(بخاری)

اس حدیث میں صریح تاکید ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو کہہ دے کہ معلوم نہیں اس کے مطابق عمل کرنا علم اور طالب علم دونوں کا حق ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۹۳)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا معمول

میں نے جب درس و تدریس کا کام شروع کیا اس کا التزام رکھا ہے کہ جو بات مجھے معلوم نہ ہوئی صاف کہہ دیا کہ مجھے معلوم نہیں خواہ شاگرد سوال کرے یا کوئی اور، یہ بات مجھے اپنے استاذ حضرت مولانا یعقوب صاحب سے حاصل ہوئی۔ (مجالس حکیم الامت۔ ص:۱۱۵)

جس بات میں شبہ ہو یا معلوم نہ ہو تو اپنے ماتحت چھوٹے مدرسین سے پوچھ لے یا شاگردوں کو پوچھنے کی اجازت دے دے

یہ بات میں نے مولانا یعقوب صاحب میں دیکھی اور آج تک کسی میں نہ دیکھی کہ کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو فوراً اپنے ماتحت مدرسوں کے پاس چلے گئے اور مجمع میں جا کر یہ کہہ دیا کہ مولانا میں اس کا مطلب

نہیں سمجھا ہوں مجھے سمجھا دیجئے۔ اور جب وہاں سے آئے تو صاف صاف طالب علموں سے کہہ دیا کہ مولوی صاحب نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے اور پھر پڑھانے لگے، یہاں تک کہ اگر کوئی طالب علم بھی صحیح مطلب بیان کر دیتا تھا تو فوراً مان لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ بھائی تم ٹھیک کہتے ہو میں غلط سمجھا اور کئی کئی بار فرماتے اور حاجی امداد اللہ صاحب کی بھی یہی حالت تھی کہ اپنے خدام سے مسئلہ پوچھ پوچھ کر عمل کرتے تھے۔ (مزید المجید۔ ص:۳۵، الفصل والوصول)

اگر غلط تقریر ہوگئی تو اس سے رجوع کر لینا چاہیے رجوع نہ کرنے کی خرابیاں

تقریر کے بعد از خود طالب علم کے متنبہ کرنے سے اگر اطلاع ہوگئی ہو تو فوراً اس تقریر سے اپنا رجوع ظاہر کر دینا چاہیے ورنہ غلط تقریر کرنے میں یا غلطی پر اڑے رہنے میں چند خرابیاں ہیں۔

(۱)...... ایک تو گناہ جیسا کہ حدیث پاک سے معلوم ہوا۔

(۲)...... دوسری خرابی یہ کہ اگر طالب علم کو معلوم ہو گیا کہ یہ تقریر غلط ہے تو استاذ کی طرف سے طبعی طور پر تنفر (نفرت) اور اس کی تحقیر قلب میں پیدا ہوگئی اور اس کے ہوتے ہوئے استاذی کا حق ادا کرنا سخت دشوار ہے تو استاذ کا یہ فعل ایک واجب کے خلل کا سبب بنا (جو کہ معصیت ہے) اور معصیت کی اعانت معصیت ہے اور اگر طالب علم کو پتہ نہ لگا تو وہ بیچارہ عمر بھر کے لیے جہل میں مبتلا ہوا۔ پھر یہی سلسلہ آگے معلوم نہیں کہاں تک چلے گا پھر اس وبال کی کوئی حد ہی نہیں۔ ذرا سی عار کی وجہ سے دوزخ کو اختیار کرنا کون سی عقل یا دین کی بات ہے۔

(۳)...... تیسری بات یہ ہے کہ استاذ کے اخلاق اکثر شاگرد میں سرایت کرتے ہیں یہی ہٹ دھرمی کی صفت ذمیمہ اس میں بھی پیدا ہو جائے گی اور استاذ صاحب اس حدیث کے مصداق بنیں گے "من سن سنة سيئة فعليه وزرها الخ" یعنی جو شخص کوئی برا کام جاری کرتا ہے اس کو اس پر بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو بھی یہ کام کرے گا اس کا بھی گناہ ہوگا۔

بہر حال گناہ بھی ہے اور شاگرد کے حقوق کی اضاعت (حق تلفی) بھی کیونکہ اس کو جہالت میں مبتلا کرنا ایک قسم کا غش (دھوکہ) اور خیانت ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ ص:۲۹۲)

غلط بات سے رجوع کر لینے کا فائدہ

اس طریقہ میں یہ نفع ہے کہ طالب علم کو مدرس پر ہمیشہ وثوق (اعتماد) رہتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے جو کچھ بتلایا جا رہا ہے سب صحیح ہے اور جہاں اس طریقے پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ بات کو بنایا جاتا ہے۔ اکثر طلبہ ان کی ہٹ دھرمی کو سمجھ جاتے ہیں وہاں مصیبت ہوتی ہے اور جھک جھک کر کے سبق بھی خراب ہو جاتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس اقرار سے طالب علم بگڑ جاتا ہے حالانکہ یہ محض لغویات ہے بلکہ اور زیادہ سنور جاتا ہے اس کو مدرس پر وثوق ہو جاتا ہے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۲/۱۲۸)

آج کل کے مدرسین کی بدحالی اور درس کی ناکامی کے اسباب

آج کل تو اپنا رنگ جمانے کو اور تقریر (زبان) صاف کرنے کو یوں ہی الل ٹپ ہانکتے رہتے ہیں چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ یہاں تک کہ اگر طالب علم کوئی صحیح بات بھی سمجھ جاتا ہے (اور اس کو کہتا ہے) اور اپنی زبان سے چونکہ اس کے خلاف نکل گیا تو پچ کرنے کے لیے اسی کو ہانکتے جاتے ہیں۔

(مزید المجید۔ص:۳۵)

اور کبھی غصہ اور سب وشتم (ڈانٹ پھٹکار) کے ذریعہ طالب علم کو خاموش کردیتے ہیں بعضے جھلے (چڑچڑے) مزاج کے استاد ایک پر خفا ہوئے تو درس ختم تک برستے ہی رہتے ہیں۔ (اصلاح انقلاب)

آج کل بعض مدرسین خود ہی کچھ محنت نہیں کرتے، بے پروائی کے ساتھ بے ترتیب تقریر کرتے ہیں اس لیے اگر طالب علم بھی گڑبڑ کرتے ہوں تو ان کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی کون سا حق ادا کررہے ہیں ان کی تقریریں ہی ایسی نہیں ہوتی کہ جس کے ضائع ہوجانے کا ان کو قلق (افسوس) ہو جس نے جانفشانی کرکے تقریر کی ہو اور پھر اس کی ناقدری کی جائے اس کے دل سے پوچھئے کہ کس قدر دقت (اور رنج) ہوتا ہے۔

کوئی درسی فن مشکل نہیں اگر ترتیب سے ہو اور کوئی فن آسان نہیں اگر بلا ترتیب ہو بس یہ چیز مفقود ہے مدرسین اور متعلمین دونوں میں۔ (حسن العزیز۔ص:۳۹۰)

فصل ۳

درس میں لمبی چوڑی تقریروں سے احتراز

تقریروں کے وقت اس کا بھی خیال رکھیں کہ تحقیقات اور زیادات کو بالکل حذف کریں درس کے وقت جو ایسی فضولیات بیان کی جاتی ہیں وہ اس لیے بھی مفید نہیں کہ کسی کو بھی یاد نہیں رہتیں اور اضاعت وقت کا نقصان علیحدہ، استعداد کی ضرورت ہے جو کتاب سے پیدا ہوتی ہے ان تقریروں سے کچھ نہیں ہوتا۔ مدرس کے لیے لیکچر کا طرز بہت مضر ہے۔ (تعلیم البیان دعوات عبدیت۔ص:۱۲/۱۳۸)

ہمارے اسلاف اور بزرگوں کے پڑھانے کا طریقہ

ہمارے بزرگوں کے پڑھانے کا یہی طریقہ تھا کہ وہ حضرات محض کتاب کو حل فرمادیتے تھے اور زائد کچھ نہ بتلاتے تھے ہاں اگر کوئی بہت ضروری بات ہوتی تو اس کو فرمادیتے تھے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۲/۱۲۷)

نیچے درجات کے طلبہ کو اونچے درجات کی باتیں ہرگز نہ بتلانا چاہیے

میں معلمین کو بھی ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنا طرز تعلیم بدلیں، طالب علم کی حیثیت کے موافق تقریر کیا

کریں میزان الصرف میں شرح جامی نہ پڑھایا کریں میں نے ایک مدرس کو دیکھا کہ وہ اللہ کے بندے میزان میں یہ بیان کر رہے ہیں کہ الحمد میں جو الف لام ہے یہ استغراق کا ہے الف لام کی چار قسمیں ہیں: ایک جنسی ایک عہد خارجی ایک عہد ذہنی ایک استغراقی، بھلا یہ مضامین میزان میں بیان کرنے کے ہیں؟ بس وہ مدرس صاحب بیان کر رہے تھے اور طالب علم ان کا منہ تک رہا تھا میں نے کہا اس بیچارہ کے نزدیک تو الف لام استغراق ہی کا ہوتا ہے اور کہیں کا نہیں ہوتا کیونکہ اس الف لام نے اس کو مستغرق بنا دیا ہے۔

(التبلیغ۔ص:۲۱۱)

وہ ایک مبتدی کو میزان پڑھا رہے تھے اور اس کے خطبہ میں الف لام تعریف کی قسمیں بیان کر رہے تھے میں نے کہا مولوی صاحب اس غریب کی کیوں راہ مار رہے ہو؟ یہ ان سب مضامین کو جزو میزان سمجھے گا اور مشکل سمجھ کر میزان ہی چھوڑ دے گا۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۱۸/۲ تعلیم البیان)

سوال سے زائد ضروری اور مفید باتیں بتلانا

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ محرم کیا کپڑا پہنے؟ فرمایا کہ کرتہ اور عمامہ اور پاجامہ اور ورس و زعفران کا رنگا ہوا نہ پہنے جوتا نہ ہو تو موزے پہنے اور ان کو جوتے کی طرح کاٹ لے۔ (بخاری باب من اجاب السائل باکثر مماساله)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طالب علم کوئی بات پوچھے مگر کوئی اور ضروری بات پوچھنے سے رہ جائے تو شفقت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صرف اس کے سوال کے جواب پر اکتفاء نہ کرے بلکہ دوسری بات از خود بتلا دے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۳۰۲)

مشکل مقامات کو پڑھانے کا طریقہ

صدرا (ایک کتاب کا نام ہے) میں مشناۃ بالتکریر کی بحث ایک مشہور بحث ہے کانپور میں ایک مولوی فضل حق طالب علم مجھ سے صدرا پڑھتے تھے جس دن یہ مقام آیا تو میں نے بغیر کسی اہتمام کے معمولی طور سے اس کی تقریر کر دی جب انہوں نے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا تو میں نے کہا کہ یہی مقام تو ہے کہ جو مشناۃ بالتکریر کے لقب سے مشہور ہے ان کو بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

بڑی کوشش اس کی ہونی چاہیئے کہ کتاب کو پانی کر دے نہ یہ کہ اپنی فضیلت کا اظہار کرے، امتحان میں یہی سوال آیا مولوی فضل حق صاحب نے اس مقام کی جو تقریر لکھی تھی ممتحن بھی اس پر عش عش کرتے تھے بعض نے کہا کہ ہم نے اس مقام کی ایسی تقریر کبھی نہیں دیکھی۔ (تعلیم البیان۔ص:۱۲۹/۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑھانے کا خاص طریقہ

(۱) میں نے اپنے پڑھانے کا طرز ہمیشہ یہی رکھا ہے کہ نفس کتاب کو حل کر دیا اور زوائد کبھی نہیں

بیان کیے اور حل بھی اس طرز سے کیا کہ بڑے بڑے مشکل مقامات بھی کبھی طالب علموں کو مشکل معلوم نہیں ہوئے۔ (تعلیم البیان۔ص:۱۲/۱۲۹)

(۲) فرمایا: کہ میرا پہلے ہی سے قاعدہ تھا کہ طالب علم سے مقدمات پوچھ لیتا تھا بس وہ مقام خود بخود حل ہو جاتا تھا لوگ بجائے اس کے کہ میرے اس طرز سے خوش ہوں اور برا مانتے تھے دق (پریشان) کرتے ہیں۔ (لیکن یہ طریقہ بہت مفید ہے)۔ (حسن العزیز۔ص:۱۲/۲۸)

(۳) میرا یہ بھی معمول تھا کہ جس بات میں شرح صدر نہ ہو فوراً کہہ دیا کہ یہاں میری سمجھ میں نہیں آیا تم بھی غور کرو میں بھی غور کروں گا۔ (مزید المجید۔ص:۳۶ حسن العزیز/۲)

درس میں تقریر کیسی ہونی چاہیے؟

تقریر ہمیشہ صاف اور کافی ہونا چاہیے۔ بعض لوگوں کو اجنبی الفاظ برتنے کا شوق ہوتا ہے سمجھتے ہیں کہ تبحر (علامہ ہونے) کی دلیل ہے۔ مانوس الفاظ برتنے چاہئیں، مولانا یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں ایک تو تقریر میں لغت بولنا، دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا، تقریر سے مقصود افہام ہوتا ہے اور یہاں ابہام ہو جاتا ہے۔

اگر نفس کتاب اور کتاب کے مضمون پر اشکال ہو

فرمایا: کہ جب میں کانپور میں پڑھاتا تھا اور طالب علم کو کتاب پر شبہات ہوتے اور مجھ سے الجھتے تو میں صاف کہہ دیا کرتا تھا کہ میں ناقل ہوں اور ناقل بھی ایسا کہ کتاب کی تصحیح کا ذمہ دار نہیں۔ یہ بتلاؤ جو کتاب میں لکھا ہے اس کا وہ مطلب ہے یا نہیں جو میں نے بیان کیا ہے طالب علم کہتے ہیں کہ صاحب جو کتاب میں لکھا ہے اس کا مطلب تو وہی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے تو میں ان سے کہتا کہ بس آگے چلو میں نے کتاب حل کرنے کا اہتمام کیا ہے سو کتاب حل ہو گئی اب کتاب میں غلطی یا مصنف کی لغزش یہ سب ممکن ہے نہ میں اس کا ذمہ دار ہوں، نہ تم اس کے ذمہ دار تم بھی سوچو میں بھی سوچوں گا سبق کو کیوں غارت کرتے ہو۔ (مزید المجید۔ص:۳۶)

فصل ۴

سبق پڑھانے میں طلبہ کے نشاط ذوق وشوق کی رعایت کرنا

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت روز وعظ کیجئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے روز وعظ کہنے سے یہ امر مانع ہے کہ میں تم کو ملول نہیں کرنا چاہتا (اکتانا نہیں چاہتا) اور تمہاری خبر گیری اور نگہداشت ایسی کرتا ہوں جیسی رسول اللہ ﷺ ہماری خبر گیری فرمایا

کرتے تھے تا کہ ہم ملول نہ ہوں (اکتا نہ جائیں)۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے مستفیدین للعلوم (علم حاصل کرنے والوں) کا ایک حق یہ معلوم ہوا کہ ان کے نشاط وشوق کو باقی رکھے۔

پس اس میں یہ بھی داخل ہو گیا کہ مشق اتنا زیادہ نہ پڑھائے اسی طرح کتابیں اتنی نہ شروع کرادے کہ (طلبہ) اکتا جائیں۔

اور اگر وہ اس مقدار کے متحمل نہ ہوں یعنی اس کا مطالعہ اور تکرار وضبط دشوار ہو گا تو بدرجہ اولیٰ منع ہو گا۔

اسی طرح وقت میں اس کی رعایت کریں کہ ان کی طبیعت تازہ ہو کھانے کا (شدید) تقاضہ کسل اور اسی طرح نیند کا غلبہ یا اور کسی سبب سے دماغ پریشان نہ ہو۔

بعض مدرسین ان امور میں غفلت کی وجہ سے طلبہ کو اس قدر زچ کر دیتے ہیں (یا تو وہ بھاگ جائیں یا اسباق میں ناغے کرتے ہیں) یا استعداد حاصل نہیں ہوتی اور وہ اسی میں مست ہیں کہ ہم طلبہ کے ساتھ خوب محنت کرتے ہیں حالانکہ وہ سب محنت اکارت جاتی ہے اس کی نظیر ہے۔ ''اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا'' ترجمہ:۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہوگئی وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

(اصلاح انقلاب۔ ص:۲۹۴)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد

مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ شوق باقی رکھ کر کام کیا کرو یعنی سارا شوق پورا کر کے کام سے نہ اٹھا کرو بلکہ ایسے حال میں اٹھ کھڑے ہو کہ کچھ حصہ شوق کا باقی ہو پھر خود ہی فرمایا چکی (پھرکی) پر دوڑا لپیٹ کر اس کو پھراتے ہوئے تھوڑا دوڑا نہیں اتارا کرتے بلکہ تھوڑا سا چھوڑ دیتے ہیں تا کہ سہولت سے پھر لوٹ آئے اگر سارا دوڑا اتر جائے تو دوبارہ چڑھانا پڑتا ہے اسی طرح سارا شوق ختم کر کے کتاب چھوڑ دو گے تو دوسرے دن از سر نو شوق پیدا کرنا پڑے گا اس لیے تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر کتاب چھوڑا کرو تا کہ اگلے دن کتاب پڑھنے کو خود جی چاہے۔ (التبلیغ۔ ص:۲۰۴، الحدود والقیود)

ناغہ کی بے برکتی

انضباط اوقات میں بڑی برکت ہے کوئی کام مشکل نہیں رہتا اور ناغہ میں بڑی بے برکتی ہو جاتی ہے چاہے تھوڑا ہی سا ہو لیکن ناغہ نہ کرے۔

مولانا مملوک علی صاحب کو جس روز کام ہوتا ایک دو سطر ہی پڑھاتے تھے لیکن فرماتے تھے کہ ناغہ نہ ہونا چاہیے۔

میں بھی جب مضمون یا کتاب لکھتا ہوں تو ناغہ نہیں کرتا بعض روز بالکل فرصت نہ ملتی تو برکت کے لیے صرف ایک ہی سطر لکھ لی اس سے تعلق قائم رہتا ہے ورنہ اگر ناغہ ہو جائے تو پھر بے تعلقی ہو کہ مشکل سے دوبارہ نوبت آتی ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۵/۶۴)

کم از کم ایک روز کی چھٹی ضرور ہونا چاہیے

ہفتہ میں کم از کم ایک روز کی تعطیل ہونا ضروری ہے بعضے (مدرسین) تعطیل میں بھی طالب علموں کی جان مارتے ہیں اور اس کو اپنی بڑی کارگزاری سمجھتے ہیں۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۴)

شروع میں کم اور اخیر میں زیادہ پڑھانا

یہی حال درس میں ہے کہ آخر میں بہت زیادہ پڑھاتا ہوں جب کہ طالب علم متحمل ہوں آج کل کے نوجوانوں کی ہمتیں ہی پست ہیں ورنہ اگر ہمت کریں تو حق تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔ (حسن العزیز۔ص:۱/۵۴۱)

حد سے زائد محنت لینا اور کتابیں زبانی یاد کرانا

اب میں مدرسین و متدرسین (طلبہ اور اساتذہ) سے کہتا ہوں کہ محنت اتنی کرو اور محنت اتنی لو جس کا تحمل ہو سکے بعض مدرسین طلبہ کو بعض کتابیں حفظ کراتے ہیں یاد رکھو! یہ محض فضول ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ (التبلیغ ص:۲۰۴ الحدود والقیود)

صرف چار باتوں کے التزام سے یقیناً استعداد بن جائے گی

بس تین چیزوں کا التزام کرلیں پھر چاہے کچھ یاد رہے یا نہ رہے میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ علمی استعداد پیدا ہو جائے گی اول تو سبق کا مطالعہ کریں پھر استاذ سے سمجھ کر پڑھیں پھر ایک مرتبہ اپنی زبان سے تقریر کرلیں اور ایک چوتھی بات درجہ احسان میں ہے یہ کہ آموختہ بھی بالالتزام پڑھتے رہا کریں بس پھر نہ رٹنے کی ضرورت ہے نہ محنت کرنے کی۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:۲/۵۷۲)

آج کل استعداد نہ بننے کی عام وجہ

ایک طرف تو تحصیل علم کے سامان پہلے مقابلہ میں زیادہ فراہم ہیں، کتابوں کو لیجیے حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے درس میں بائیس آدمی بخاری شریف میں شریک تھے اور صرف ایک نسخہ تھا سب اس سے نقل کرکے پڑھتے تھے آج ہر درس کی کتاب بلا اس محنت و مشقت کے ہر طالب علم کے پاس موجود ہے لیکن دوسری طرف یہ حال ہے کہ نہ کتاب کی طرف توجہ نہ اساتذہ سے انس نہ شوق طلب نہ مطالعہ نہ تکرار۔ دستار فضیلت زیب سر ہو جاتی ہے اور استعداد کی یہ حالت ہے کہ عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ املاء تک درست نہیں۔ (تجدید تعلیم و تبلیغ۔ص:۷۷)

آج کل کے مدرسین کا نقص

آج کل کے مدرسین (گویا) ظالم اور قصائی ہیں جن میں شفقت نام کو نہیں، میں نے ایک بچہ کو دیکھا اس کی عمر چار برس سے زیادہ نہ ہوگی اور لڑکے اس کو ڈنڈا ڈولی کیے لا رہے ہیں افسوس ہے! کہ اکثر بچے انہیں ذابحین (ذبح کرنے والوں) کے قبضہ میں آتے ہیں اور وہ تباہ اور برباد ہوتے ہیں کیونکہ ان کے اس برتاؤ سے یا تو طبیعت کند ہو جاتی ہے یا پڑھنا چھوڑ بیٹھتے ہیں اور یہ پرانا مقولہ ہے کہ حافظ جی! ہڈی ہماری چمڑا تمہارا۔

صاحبو! استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ مربی ہو اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو وہ استاذ بننے کے قابل نہیں ایک طرف تو تربیت ہو ایک طرف تعلیم پھر دیکھئے یہ شخص کس شان کا نکلتا ہے۔

(دعوات عبدیت۔ص: ۶/۱۳۸ عمل دین کی ضرورت)

باب نمبر ۸

امتحان لینے کا ثبوت

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک ایسا درخت ہے کہ وہ پت جھڑ نہیں ہوتا اور مسلمان کے مثل (مشابہ) ہے بتاؤ وہ کیا ہے سب لوگ جنگل کے درختوں کو سوچنے لگے کہ کون سا درخت اس شان کا ہے میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے مگر میں چھوٹا تھا اس لیے میں نے حیا کی اور چپ رہا۔ پھر لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیے کہ کون سا درخت ہے تو آپ نے فرمایا کہ کھجور کا درخت۔ (بخاری)

اس حدیث پاک سے طلبہ کے امتحان لینے کی محمودیت نکلتی ہے جس کے فوائد مشاہد ہیں پس ان فوائد کے اہتمام کے لیے امتحان لینا یہ بھی منجملہ حقوق تلامذہ کے ہے۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۹۶)

امتحان لینے کا طریقہ امتحان تقریری ہو یا تحریری

فرمایا: آج کل جو تحریری امتحان رائج ہے میں تو اس کا مخالف ہوں اس میں طلبہ پر بڑی مشقت و گرانی پڑتی ہے امتحان سے مقصود تو استعداد کا دیکھنا ہے سو طالب علمی کے زمانہ میں اس قدر استعداد کا دیکھنا کافی ہے کہ اس کتاب کو یہ اچھی طرح سمجھ بھی گیا ہے یا نہیں سو یہ بات کتاب دیکھ کر امتحان دینے سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔

باقی رہا حفظ ہونا یہ پڑھنے پڑھانے سے خود ہو جاتا ہے بلکہ طالب علمی کے زمانہ کا حفظ یاد بھی نہیں رہتا اور دماغ مفت میں خراب ہو جاتا ہے۔

میرا کانپور میں ہمیشہ تقریری امتحان ہوتا تھا اور شراح وحواشی دیکھ کر بھی جواب دینے کی اجازت تھی جس سے طلبہ دعاء دیتے تھے بس اس قدر دیکھ لے کہ اس مقام کو یہ طالب علم مطالعہ سے یا شروح وحواشی کی اعانت سے حل بھی کرسکتا ہے یا نہیں باقی اس سے زیادہ بکھیڑا ہے اور اس رائے کو میں نے دوسرے مدارس میں بھی پیش کیا مگر "امنا" تو ہے لیکن "عملنا" نہیں ہے۔ (انفاسِ عیسیٰ۔ ص:۴۵۹/۲۔ ملفوظات۔ ص:۱۰۷)

سنداور دستار بندی

بعض طالب علم مدرسین سے خود درخواست کرتے ہیں کہ سند لکھ کر دیجئے سند مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں خاک نہیں آتا اگر صاحب کمال ہیں تو بڑی سند یہ ہے کہ طالب علم لے کر بیٹھ جائیں پھر خود ان کا اہل کمال ہونا ظاہر ہو جائے گا اور اگر کچھ نہیں آتا تو لاکھ سندیں ہوں کچھ بھی نہیں، سند لے کر طالب علموں کو پڑھانے بیٹھے انہوں نے سوالات شروع کیے کیا ان کا طالب علموں سے یہ کہنا کافی ہو جائے گا کہ دیکھو میرے پاس یہ سند موجود ہے گو اس وقت مجھے نہیں آتا لیکن میرے معتقد رہنا کیونکہ میرے پاس سند موجود ہے۔ واہیات اور خرافات (کی باتیں) ہیں۔ کیا رکھا ہے سند اور دستار میں خیر اگر اساتذہ خود عطا فرمائیں دل و جان سے قبول کرنا چاہیے۔ وہ دوسری بات ہے باقی درخواست کرنا اور کوشش کرنا فضول حرکت ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۳۱۹/۱)

سند دینے میں اہل مدارس کی ذمہ داری

بعض مدارس میں ایسے لوگوں کو سند فراغت دے دی جاتی ہے یا دستار بندی کردی جاتی ہے جو باعتبار صلاح و عمل کے اس کے اہل نہیں ہوتے جب ان لوگوں کی علمی و عملی کوتاہیاں دوسروں پر ظاہر ہوتی ہیں تو سارے علماء کو ان پر قیاس کر کے سب سے بدظنی ہو جاتی ہے تو دین کے معاملات میں پھر کس سے رجوع کریں گے کس کے قول پر عمل کریں گے پھر دین کا کیا حشر ہوگا تو ان مفاسد کا سبب وہ بے احتیاط لوگ ہوئے جو نا اہلوں کو قوم کے سامنے سند دے کر اہل ظاہر کرتے ہیں۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ۔ ص:۴۷)

آج کل سند کا اعتبار نہیں

اگر ہر شخص کا وعظ نہ سنیں اور یہ قید لگادیں کہ کسی معتبر عالم سے اپنے عالم ہونے کی تصدیق کرواؤ۔ جب ہم وعظ سنیں گے تو یہ راستہ ہی بند ہو جائے اور سندوں کا اعتبار ہرگز نہ کیا جائے، جعلی سند تو ہر کوئی بنا سکتا ہے جب وہ تصدیق نہ کر سکا تو ایسوں کے ساتھ صرف یہ سلوک کر دیں کہ ان کو کھانا کھلا دیا اور وعظ سے منع کر دیا۔ (التبلیغ رحمت کے صحیح معنی۔ ص:۱۵۷/۱)

نااہل کو سند دینا خیانت ہے

ہر شخص مقتدا بننے کے لائق نہیں ہوتا بعضے نالائق بھی ہوتے ہیں ایسوں کو فارغ التحصیل بنا کر مقتدا بنا دینا خیانت ہے۔ (التبلیغ۔ص:۲/۲۱۲)

سند اور دستار بندی کی شرعی و فقہی حیثیت

بعض مدارس کی رسم ہے کہ جب طالب علم نے کتابیں پڑھ لیں خواہ اس کی استعداد ہو یا نہ ہو اس کو فضیلت کی سند دے دیتے ہیں اور دستار بندی کر دیتے ہیں (لیکن) غور کرنا چاہیے کہ دستار بندی کی رسم واقع میں اساتذہ و مشائخ کی طرف سے عوام کے روبرو اس امر کا اظہار اور شہادت ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک اس قابل ہے کہ دین میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے مسائل پوچھ کر عمل کیا جائے خلاصہ یہ کہ یہ شخص آج سے مقتدائے دین ہے جب اس کی حقیقت یہ ہے تو جو شرائط شہادت کے ہیں وہ اس میں بھی ہونا واجب ہیں۔ اور شہادت کی بڑی شرط یہ ہے کہ شاہد کو اس امر کا پورا علم و یقین ہو کہ جس کی شہادت دے رہا ہے وہ صحیح ہے تا کہ اس کو جھوٹ کا گناہ او دوسروں کو دھوکہ دینے کا گناہ نہ ہو اور کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے اسی طرح یہاں بھی اس شخص کی نسبت پوری تحقیق ہونا چاہیے کہ (یہ شخص جس کو سند دی جارہی ہے) مقتدا فی الدین بننے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر علماء حاضرین کو اس پر پورا اطمینان ہو اور اس کی علمی و عملی حالت قابل قناعت ہو تو دستار بندی بہت خوب (اچھی) رسم ہے کہ اس میں ناواقفوں کے روبرو اظہار ہو جاتا ہے بشرطیکہ تکلفات زائد جس میں کہ ریا و اسراف لازم آئے نہ کیے جائیں اور بدوں اہلیت کے ہرگز ہرگز دستار بندی نہ کی جائے نہ سند دی جائے کہ بجز اضلال خلق (مخلوق کو گمراہ کرنے کے) اس کا اور کیا ثمرہ ہے۔ (اصلاح الرسوم۔ص:۱۵۵)

باب نمبر۹

اصلاح و تربیت

اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں اہل مدارس کی ذمہ داری

اے محترم اور بزرگ قوم! حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ" تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے جس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

پس اے حضرات اساتذہ! آپ اپنے متعلمین اور طلبہ کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعیت ہیں پس

ان کی عملی حالت سے اگر آپ بے توجہی برتیں گے تو کیا آپ سے مواخذہ نہ ہوگا؟ اس لیے ہمیں طالب علم کی ہر حالت پر نظر رکھنی چاہیے بہت زیادہ جاسوسی کی تو ضرورت نہیں مگر اس کی کوئی بات اندازہ وقرائن سے یا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہو جائے تو اس پر ضرور تنبیہ کرنی چاہیے بالخصوص اخلاقی کمزوری کی ضرور اصلاح کرنی چاہیے اور واجبات وفرائض کے علاوہ سنن ومستحبات کا بھی اس کو پابند بنانا چاہیے۔

(آداب المتعلمین بحوالہ حکیم الامت تھانوی۔ص:۱۰۸)

معلم کو اس کی رعایت بھی ضروری ہے کہ بچوں کے اخلاق خراب نہ ہوں۔ (التبلیغ۔ص:۱۴/۸۵)

اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں عام کوتاہی

یہ باب بالکل ہی مسدود ہو گیا ہے اساتذہ صرف سبق پڑھا دینے کو ضروری سمجھتے ہیں، تعلیم کے ساتھ تربیت کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔

کتاب ختم ہونے یا ترقی ہو جانے کی خوشی میں شیرینی تقسیم کرنا

ایک مقام سے خط آیا ہے کہ کسی کی ترقی ہو اور وہ (خوشی میں) شیرینی تقسیم کرے اگر ناموری اور تفاخر کے لیے ہو تو وہ ناجائز ہی ہے لیکن اگر ناموری کی نیت نہ بھی ہو جب بھی نام کا خیال آ ہی جاتا ہے اس کا کیا معیار ہے کہ ناموری کی نیت ہے یا نہیں؟

جواب تحریر فرمایا: کہ محض ناموری کا خیال آجانا مضر نہیں ناموری غرض اور مقصود نہ ہو یعنی یہ دیکھے کہ اگر یقین ہو جاتا ہے کہ نام نہ ہوگا جب بھی شکر یا فرح کے لیے تقسیم کرتا یا نہیں۔ اگر کرتا تو ناموری کا قصد نہیں ہے ورنہ ہے۔

(تنبیہ) طلبہ کا آپس میں چندہ جمع کر کے مٹھائی تقسیم کرنا یا دعوت کرنا درست نہیں کیونکہ طلبہ ہر قسم کے ہوتے ہیں بعض طلبہ چندہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتے محض شرما حضوری میں دیتے ہیں اس طرح چندہ وصول کرنا درست نہیں۔ جس کی تفصیل ''العلم والعلماء'' میں چندہ کے بیان میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں دیکھی جاسکتی ہے البتہ خوشی میں اگر کوئی ایک دو شخص شیرینی تقسیم کریں تو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ جائز ہے یعنی جب کہ ناموری مقصود نہ ہو۔ (واللہ اعلم) (ملفوظات دعوات عبدیت۔ص:۱۹/۱۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے آپ ہم سے ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آگیا اور ہم وضو کر رہے تھے جلدی کی وجہ سے ہم نے پاؤں دھونے میں جلدی کی کہ کچھ سوکھا رہ گیا آپ نے دیکھ کر دو تین بار فرمایا خبردار ہو جاؤ دوزخ کا عذاب ان ایڑیوں کے لیے ہے جو سوکھی رہ جائیں۔ (بخاری)

اس حدیث سے شاگرد کا حق ثابت ہوتا ہے کہ صرف ان کی تعلیم ہی پر اکتفاء نہ کرے بلکہ ان کے اعمال و اخلاق کی بھی حتی الامکان نگرانی رکھے جس طرح حضور ﷺ نے بعض لوگوں کے پاؤں خشک رہ جانے پر متنبہ فرمایا۔

احتمالات کی بناء پر باز پرس کرنا

صرف امر محتمل (احتمال کی بناء پر) اعتراض کرنا (بدگمان ہونا) کہاں جائز ہے تاوقتیکہ یقین نہ ہو جائے۔

البتہ حدیث افک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مربی کو تربیت کے لیے احتمال کی بناء پر بھی باز پرس کرنا چاہیےچنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تربیت کے سلسلہ میں مربی کو احتمال کی بناء پر بھی باز پرس کی اجازت ہے مگر دوسرے شخص کو درست نہیں اور بے تمیزی کی بات ہوگی۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۵۲)

چھوٹے طالب علموں کی تربیت کی زیادہ ضرورت ہے

اکثر لوگ بچپن میں تربیت کا اہتمام نہیں کرتے یوں کہہ دیتے ہیں کہ ابھی تو بچے ہیں حالانکہ بچپن ہی کی عادت پختہ ہوتی ہے جیسی عادت ڈالی جاتی ہے وہ اخیر تک رہتی ہے اور یہی وقت ہے اخلاق کی درستگی کا اور خیالات کی پختگی کا، بچپن کا علم ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کبھی نہیں نکلتا الا ماشاء اللہ چنانچہ بچہ شروع میں ماں باپ کی گود میں رہتا ہے اور انہیں کو ماں باپ سمجھتا ہے بعد میں اگر کوئی شک ڈالے (کہ تمہارے ماں باپ نہیں ہیں) خواہ کتنے ہی لوگ شک ڈالنے والے ہوں تو بھی شک نہ ہوگا یہ ہے بچپن کے خیالات کی پختگی۔

(حسن العزیز۔ص:۳/۱۷۷)

بچوں کی تربیت میں خود بڑوں کے اعمال کو بڑا دخل ہے

حکماء نے لکھا ہے کہ دودھ پیتا بچہ جو کچھ بھی نہیں سمجھ رکھتا اس کے سامنے بھی نامناسب افعال نہ کرے تاکہ اس کے متخیلہ (دل ودماغ) پر ان افعال کا اثر نہ ہو بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ جنین (بچہ ماں کے پیٹ میں) ہونے کی حالت میں بھی ماں کو اچھے اور پاکیزہ خیال رکھنا چاہیے اس کا بھی اثر پڑتا ہے۔

(الاشرف۔ص:۸۲ ماہ رمضان ۱۳۰۴ھ)

اصلاح کا عمدہ طریقہ

اصلاح کا یہ افضل طریقہ ہے کہ جو کام دوسروں سے کرانا چاہتے ہو ان کو خود کرنے لگو۔
(حسن العزیز۔ص:۲/۳۹)

خیالات ونظریات کی تبدیلی میں اصلاح کا طریقہ

فرمایا: کہ خیالات میں اصلاح متردد بھی ہوتی ہے اور جو کسی خیال پر جزم کیے ہو اس کی اصلاح نہیں ہوتی اس لیے ہم کسی کے پیچھے کیوں پڑیں جب حق واضح ہو گیا کتابیں چھپ گئیں اب کچھ بھی ہو۔ (کسی کے پیچھے کیوں پڑیں) (ملفوظات۔ ص:۱۷۷)

اصلاح وتربیت میں کسی کے پیچھے پڑ جانے کی خرابی

ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں وہ نہایت نافع ومؤثر ہے کہ کسی کے درپے نہ ہونا چاہیے اس میں کئی خرابیاں ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں فریق بندی ہو جاتی ہے پھر کوئی کام نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسرے یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے پھر جب بات کی پچ ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آجاتی ہے پھر ثواب نہیں ہوتا۔

اس پر لوگوں کی نظر کم ہو جاتی ہے یہ ہے باریک بات اور حکم خداوندی بھی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ”اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى“ (الافاضات۔ ص:۲۷۰/۸نمبر۲)

اصلاح عمل کی ضرورت اور اس کی صورت

عملی فساد میں اصلاح بھی عملی ہونی چاہیے محض قولی اصلاح کافی نہیں عملی اصلاح کی ضرورت ہے۔

(انفاس عیسیٰ۔ ص:۶۴۷)

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس بلا اجازت کے حاضر ہو گیا تو آپ نے اس کو لوٹا دیا اور ایک شخص کو حکم دیا کہ اس کو طریقہ بتلا دو اس طریقہ سے آئے اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم عملی بھی سنت ہے۔

اصلاح کے لیے شفقت کی ضرورت ہے

جب تک شفقت نہ ہو، پرورش کا خیال نہ ہو کوئی اور طریقہ اور کوئی تدبیر مطیع بنانے کی نہیں۔

(انفاس عیسیٰ۔ ص:۶۴۷)

حد سے زائد شفقت ومحبت بھی مضر ہے

افراط فی الشفقت (شفقت کی زیادتی) مضر ہے کیونکہ جتنی شفقت ہوگی اتنی ہی اس کی بے تمیزیوں میں (اضافہ ہوگا اور اس) سے زیادہ ایذا ہوگی اور بات بات میں رنج ہوگا یہ تو معلوم ہو گیا کہ افراط فی

الشفقت مضر ہے اور جو چیز کسی بری شئی کا سبب بنے وہ بھی بری ہے تو چونکہ افراط فی الشفقت مضر اور مکروہ ہے اس لیے جو چیز افراط فی الشفقت کا سبب بنے وہ بھی مضر ہے اور واجب الترک ہوگی۔

(اشرف المعمولات۔ص:۳۷)

اصلاح وتربیت میں مزاج وحالات کی رعایت کرنا ہر شخص کی اصلاح کا طریقہ جداگانہ ہوتا ہے اصلاح کے مختلف طریقے

(۱) ہر شخص کی اصلاح ومجاہدہ کا طریقہ جدا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں پر صرف ایک بات کہہ دینے کا اتنا اثر پڑتا ہے کہ دوسرے پر (مارے بھی) وہ اثر نہیں ہوتا۔ (حسن العزیز۔ص:۲/۳۹)

(۲) حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے روزہ کی حالت میں بوسہ کی اجازت چاہی تو آپ نے منع فرمادیا۔ اور دوسرے نے اجازت چاہی تو اجازت دے دی، بات یہ ہے کہ مخاطب کے اختلاف سے احکام میں اختلاف ہوجاتا ہے تربیت میں اختلاف مزاج کا لحاظ کرنا بڑے محقق کا کام ہے۔ (ملفوظات۔ص:۳۶)

(۳) میرے ایک دوست نے (ایک ادارہ) میں رہنے کی اجازت چاہی میں نے اجازت دے دی اس پر لوگوں نے اعتراض کیا، مگر میں یہ سمجھتا تھا کہ چند روز میں یہ وہاں کے مفاسد دیکھ کر خود ہی چھوڑ دیں گے چنانچہ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ رہے اور بصیرت کے ساتھ نفرت ہوئی۔

(ملفوظات۔ص:۲۳)

(۴) ایک مرتبہ ہم ریل میں سفر کررہے تھے ہمارے پاس ایک ڈپٹی صاحب بھی بیٹھے باتیں کررہے تھے نماز کا وقت ہوا تو ہم نے نماز پڑھی اور ان سے کچھ نہ کہا نماز پڑھ کر ان کے پاس آکر بیٹھ گئے میں پھر اسی طرح جس طرح پہلے انشراح کے ساتھ گفتگو کررہا تھا باتیں شروع کردیں اس کے بعد دوسری نماز کا وقت آیا اور ہم نماز کو اٹھے اور نماز کے بعد پھر اسی طرح باتیں کرنے لگا اس کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا اور وہ نماز کے سخت پابند ہوگئے کبھی بے زبانی بھی زبان سے زیادہ کام دیتی ہے وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ جس وقت حضرت والا نے مجھ سے باتیں کرنا شروع کی ہیں تو میں ذبح ہوگیا، میں تو سمجھا تھا کہ نماز کے بعد مجھ سے بات بھی نہ کریں گے اس کو اہل طریق سمجھتے ہیں کہ اس وقت نصیحت کا کیا طرز اختیار کرنا چاہیے۔

(ملفوظات۔ص:۱۲۴، التبلیغ:ص:۱۰/۳۴)

غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ یا سزا ہرگز نہ دینا چاہیے

(۱) غصہ کو جہاں تک ہوسکے روکو، غصہ کی حالت میں حواس درست نہیں رہتے اس وقت مقدمہ (اور کوئی) فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ (تعلیم الدین۔ص:۴۱)

(۲) غصہ کے وقت طبیعت بھڑک اٹھتی ہے اور اس کے قبائح (برائیاں اور نقصانات) پیش نظر نہیں رہ جاتے تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ غصہ کا روکنا ہمیشہ اچھا ہوا ہے اور جب اس کو جاری کیا گیا ہے تو ہمیشہ اس کا انجام برا ہوا ہے اور دل کو قلق (افسوس) بھی ہوا ہے، غصہ جب آئے تو یہ یاد رکھے کہ کسی قول یا فعل میں ہرگز تعجیل (جلدی) نہ کرے، تھوڑے دنوں میں اس طرح کرنے سے تعدیل ہو جائے گی۔

(انفاسِ عیسیٰ: ص ر ۲۰۰)

(۳) غصہ میں بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے بلکہ غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے۔

(انفاس عیسیٰ۔ ص ۸۰۲)

(۴) حدیثوں میں غصہ کے وقت فیصلہ کرنے کی ممانعت آئی ہے اس لیے میں ایسے امور میں غصہ کے وقت کبھی فیصلہ نہیں کرتا، غصہ ختم ہو جانے کے بعد جب تک تین چار بار غور نہیں کر لیتا کہ واقعی یہ سزا کا مستحق بھی ہے اس وقت تک سزا نہیں دیتا۔ (ملفوظات۔ ص:۴۲)

اگر بہت زیادہ غصہ آئے تو کیا کرنا چاہیے

فرمایا: کہ اگر کسی کو کسی پر غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ اس کے سامنے سے (خود) ہٹ جائے یا اسے ہٹا دے اور ٹھنڈا پانی پی لے اور اگر زیادہ غصہ ہو تو یہ سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہمارے اوپر حقوق ہیں اور ہم سے غلطی ہوتی رہتی ہے جب کہ وہ ہمیں معاف کرتے رہتے ہیں تو ہم کو بھی چاہیئے کہ اس شخص کی غلطی سے درگزر کر دیں ورنہ حق تعالیٰ بھی ہم سے انتقام لینے لگیں تو ہمارا کیا حال ہو۔ (ملفوظات۔ ص:۶)

اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں چند ضروری باتیں

(۱) ہمیشہ یاد رکھئے! کہ تازہ غم میں کبھی وعظ ونصیحت مفید نہیں ہوتی بلکہ الٹی اور مضر ہو جاتی ہے اور اس کے مضر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت نصیحت تو ہوتی ہے اس بات کی کہ تم اپنے غم کے جذبہ کو روکو اور مصیبت زدہ اس کی کوشش بھی کرتا ہے غم روکنے کی مگر چونکہ اس وقت غم کی شدت ہوتی ہے بس وہ غم دل ہی دل میں رہتا ہے اور زیادہ عرصہ تک غم کے رہنے سے قلب میں گھٹن پیدا ہو جاتی ہے جس سے مختلف امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ (انفاس عیسیٰ۔ ص:۶۷۳/۲)

(۲) جس امر میں شرعاً گنجائش ہو اس کے صادر ہونے سے دوسرے شخص کو سختی سے اجتناب کا حکم کرنا یہ آداب احتساب کے خلاف ہے نرمی سے بھی تو یہ کام ہو سکتا ہے مگر اس کا خیال کرنا اور اس پر عمل کرنا تبحر کا کام ہے۔ (حسن العزیز ص:۱۳۷/۲)

(۳) (میرا معمول ہے کہ) مجھے مخاطب کی غلطیوں پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے میں ان کے مسلمات سے جواب دینا چاہتا ہوں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو اور اس سے ایسی بصیرت ہوتی ہے کہ ویسی

بتلانے سے نہیں ہوتی اس تعلیم کے دو اثر ہوتے ہیں اگر طبیعت سلیم ہے تو اصلاح ہو جاتی ہے ورنہ ملنا چھوٹ جاتا ہے اور عمر بھر کے لیے نجات ہو جاتی ہے (اس طرز پر لوگ میرے اوپر الزام لگاتے ہیں کہ تعلیم کے بجائے تنقیحات شروع کر دیتے ہیں)۔ (حسن العزیز۔ص:۲۸۲۔ص:۲/۱۸۹)

اصلاح وتربیت کے لیے سختی کی ضرورت

(۱) بعض لوگوں کو بغیر سختی کے شفاء (اصلاح) نہیں ہوتی، یہ میرا بار بار کا مشاہدہ ہے اب اگر سختی نہ کروں تو خیانت ہے۔ (مزید المجید۔ص ۱۱۷)

(۲) جب سختی نہیں کی جاتی اخلاق کا ازالہ نہیں ہوتا صرف بھائی میاں کہنے سے کام نہیں نکلتا۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۹/۱۳۵)

(۳) یہ تجربہ ہے کہ اگر نرمی سے بتلا کر سمجھا دیا جائے تو اس (غلط کام) کا اس کو قبیح ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ سیاست ہی کا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ (الافاضات:ص:۳۶،ج ۲/)

(۴) کانپور میں ایک لڑکا بہت شریر تھا بہت سے استاذ اس کو پڑھاتے پڑھاتے عاجز ہو گئے ایک میاں جی نے کہا کہ میں اس کو پڑھاؤں گا چنانچہ انہوں نے اس کو پڑھانا شروع کیا اور معمول کر لیا کہ اس لڑکے کے روزانہ دس قمچیاں (چھڑی) لگا دیتے تھے پہلے دن اس کے دس قمچی لگائی گئیں تو اس نے کہا کہ میں نے کیا خطا کی ہے۔ میاں جی نے کہا کہ کچھ خطا نہیں تمہیں ضرورت ہے اس کی بس اسی طرح دس قمچیاں روز لگا کرتی تھیں۔ (حسن العزیز۔ص:۲/۱۹۳)

سختی کرنا کیا ظلم اور بد اخلاقی ہے؟

اگر سختی بد خلقی ہوتی تو حضور ﷺ سے کبھی صادر نہ ہوتی جن کے بارے میں ارشاد ہے "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" اور لیجیے ایک مرتبہ ایک صحابی لقطہ کے بارے میں حضور ﷺ سے سوال کر رہے تھے کہ اگر بکری جنگل میں ملے تو اس کو حفاظت کے لیے اپنے قبضہ میں کر لیا جائے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس کو لے آنا چاہیے ورنہ درندے اس کو ہلاک کر دیں گے پھر کسی نے پوچھا کہ اگر اونٹ ملے تو اس کو بھی ایسا ہی کیا جائے؟ اس پر آپ کو غصہ آ گیا اور چہرہ مبارک سرخ ہو گیا فرمایا کہ اس کو حفاظت کی کیا ضرورت ہے وہ خود موذی جانوروں کے دفع کرنے پر قادر ہے درختوں سے پتے کھاتا ہوا اپنے مالک سے مل جائے گا اس بات پر حضور ﷺ کو غصہ اس لیے آیا کہ اس سوال سے حرص وطمع مترشح ہو رہی تھی کیا اب بھی کہا جائے گا کہ بد خلقی مطلق سختی اور غصہ کا نام ہے اس سے ایک اور بات نکل آئی وہ یہ کہ بعض طلبہ استاذوں کی شکایت کرتے ہیں کہ بڑے سخت ہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ سنت ہے کہ بے موقع بات پر غصہ کیا جائے۔

(حسن العزیز۔ص: ۳/۱۴۷۔ص:۲۹۱،۱۱)

سختی اس وقت تک کرنی چاہیے جب تک نفع واصلاح کی امید ہو

اصل میں سختی مقصود بالذات نہیں مقصود اصلاح ہے جب معلوم ہو جائے کہ سختی سے نفع نہیں ہوتا تو نرمی سے اصلاح کرتا رہے مگر اس میں ضبط کی ضرورت ہے جو مشکل ہے کیونکہ یہ تو آسان ہے کہ بالکل نہ بولے اور یہ مشکل ہے کہ ناگواری میں نرمی سے بولے خاص کر جب دوسرا ٹیڑھا ہوتا چلا جائے، اور گھر والوں کا حال خود ہی ہر شخص جانتا ہے کہ نرمی سے اصلاح ہوگی یا سختی (محض) سختی سے کچھ نہیں ہوتا میں جو لوگوں کے ساتھ ان کی اصلاح کے لیے سختی کرتا ہوں اب چھوڑ دوں گا کیونکہ کچھ نفع نہیں ہوتا۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ کیا مطلق العنان (بالکل آزاد) چھوڑ دیا جائے؟ فرمایا نہیں نصیحت کرتا رہے جب نرمی سے نفع نہ ہو تو سختی کرے۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۱۹/۵۷)

سختی کرنے اور سزا دینے سے پہلے کیا سوچنا چاہیے

حضرت والا سے دریافت کیا گیا کہ نوکر پر زبان سے یا ہاتھ سے (سزا دینے میں) زیادتی ہو جاتی ہے اور بعد میں پچھتانا پڑتا ہے کوئی ایسی تدبیر ارشاد ہو جس سے زیادتی نہ ہو اور سیاست میں بھی فرق نہ آئے۔

فرمایا: بہتر تدبیر یہ ہے کہ زبان سے کچھ کہنے یا ہاتھ بڑھانے سے پہلے یہ سوچ لیا جائے کہ فلاں فلاں لفظ میں کہوں گا یا اتنا ماروں گا پھر اس کا التزام کیا جائے کہ جتنا سوچا ہے اس سے زیادہ نہ ہو جائے۔

(حسن العزیز۔ ص:۳۵۱)

۲۔ میاں جیوں استاذوں کا علاج یہ ہے کہ غصہ میں نہ مارا کریں جب غصہ جاتا رہے تو سوچا کریں کہ کتنا قصور ہے اتنی سزا دینی چاہیے، یہ تو سلامتی کی بات ہے ورنہ لڑکے قیامت میں بدلہ لیں گے ناحق ستانے کا بڑا گناہ ہے۔

ایک عورت نے ایک بلی کو ستایا تھا جب وہ مرگئی تو حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ عورت جہنم میں ہے اور وہ بلی اس کو نوچتی ہے جب بلی کو ستانے سے وہ عورت دوزخ میں گئی تو لڑکے تو انسان ہیں۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۱۹/۱۱۹)

سزا دینے میں عموماً اساتذہ کی زیادتی اور کوتاہیاں

تعزیر کے متعلق ایک کوتاہی یہ ہے کہ جفا کاروں کے نزدیک اس کی کوئی حد نہیں جب تک اپنے غصہ کو سکون نہ ہو جائے سزا دیتے ہی چلے جاتے ہیں جیسے استاذ کہ یہ اس باب میں ہزار گنا بڑھے ہوئے ہیں عدالت اور پولیس کو تو یہ بھی فکر ہے کہ کبھی مظلوم شخص اوپر کے حکام سے استغاثہ (فریاد) نہ کر بیٹھے۔

شوہر کو محبت ہوتی ہے، باپ کو شفقت ہوتی ہے یہ اسباب ظلم کے کم کرنے والے ہو جاتے ہیں اور ان

حضرات (مدرسین) کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ محبت وشفقت اگر کچھ اندیشہ ہوسکتا تھا تو والدین سے ہوتا۔ مگر والدین خواہ حسن اعتقاد سے خواہ اپنی مطلب براری کی خوشامد میں کان تک ہلاتے اور اپنے اعتقاد میں شاگرد کے گوشت پوست کا استاذ کو مالک سمجھتے ہیں تو ان سے کب احتمال ہے کہ ان حضرات کو ظلم سے روکیں اس لیے یہ سب سے بڑھ کر آزاد ہیں ان کے تعزیر (سزا دینے) کی کوئی حد نہیں۔

(اصلاح انقلاب۔ص:۲/۲۲۰)

ایک طبقہ ہے میاں جیوں کا یہ بچوں کے ساتھ ظلم کرتے ہیں ان کو جب کسی بچہ پر غصہ آتا ہے تو قہر عام کی طرح سب پر برستا ہے کہ ایک طرف سے سب کی خبر لیتے چلے جاتے ہیں اس سے میاں جی بہت کم بچے ہوئے ہیں۔ (التبلیغ۔ص:۱۴/۸۴)

میاں جی صاحب کو تو کچھ پوچھیے ہی نہیں انہوں نے تو مثل یاد کرلی ہے کہ ہڈی ماں باپ کی اور چمڑی استاذ کی۔ نہ معلوم یہ کوئی قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے یا فقہ میں کہیں لکھا ہے! اور لطف یہ ہے کہ بعض دفعہ تو غصہ آتا ہے بیوی پر [illegible] ہوئی تھی اب بیوی پر کچھ بس چلا نہیں وہ غصہ باہر بچوں پر اترتا ہے یہ تو عیسائیوں کا کفارہ ہوگیا" کہ کرے کوئی بھرے کوئی"۔ میاں جی صاحبان یاد رکھیں! کہ قیامت کے دن اس کا بدلہ دینا ہوگا یہاں بچوں کی چمڑی آپ کی ہے وہاں آپ کی چمڑی بچوں کی ہوگی۔ کیا تماشہ (اور کیا حال) ہوگا کہ وہ بچے جو ان کے محکوم (اور تابع) تھے ساری مخلوق کے سامنے ان کو پیٹ رہے ہوں گے۔ (التبلیغ اوج قنوج۔ص:۱۵/۴۶)

میاں جی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لڑکے ہماری ملک میں ہیں اس لیے مارنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اگر یوں کہو کہ خطاء پر پیٹتے ہیں تو یہ غلط ہے غصہ پر مارتے ہو جب تک غصہ ختم نہ ہو تو اس وقت تک مار ختم نہیں ہوتی خطاء پر یہ مار ہے کہ اس کے انداز سے سزا دو۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۵/۱۱۹)

سزا دینے کا انتہائی غلط طریقہ لڑکوں سے سزا دلوانا

بعض صاحبان کا دستور ہے کہ لڑکوں سے دوسرے لڑکوں کے چپت لگواتے ہیں مگر میں اس سے منع کرتا ہوں (یہ انتہائی غلط طریقہ ہے) اس سے آپس میں عداوت ہوجاتی ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۸۹)

وحشیانہ سزا

ایسی وحشیانہ سزا جس کی برداشت نہ ہوسکے جیسے دھوپ میں کھڑا کر کے تیل چھوڑنا، ہنٹروں سے بے درد ہو کر مارنا نہایت گناہ ہے کسی آدمی یا جانور کو آگ سے جلانا جائز نہیں۔ (تعلیم الدین۔ص:۳۸)

مدرس پر لازم نہیں کہ لڑکا پڑھ ہی جائے

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عقد اجارہ میں یہ کہے کہ اتنا حساب یا پڑھنا مجھے آجائے تو یہ (اتنی

اجرت) دوں گا تو یہ اجارہ باطل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مجھے سکھاؤ پڑھاؤ خواہ آئے یا نہ آئے تو یہ جائز ہے۔

کیونکہ استاذ کے اختیار میں سکھلانا پڑھانا ہے آجانا نہیں ہے میں راحت کی بات بتلاتا ہوں مگر (مدرسین) تمام کام اپنے ذمہ سمجھتے ہیں کہ پڑھانا بھی ہمارے ذمہ ہے گھر سے بلوانا بھی ہمارے ذمہ ہے اور جنتی بنانا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ (سیدھی بات ہے) اگر کوئی نہ پڑھے تو تم اس کی حالت لکھ کر مہتمم صاحب کو دے دو۔ وہ اگر مصلحت سمجھیں گے ان کے ماں باپ سے اطلاع کر کے خارج کر دیں گے، تم ماں باپ کا کام اپنے ذمہ کیوں لیتے ہو ان کو اگر پڑھانا ہوگا اس کا مزاج آپ درست کر دیں گے، دیکھو انگریزی مدارس میں مارنے کا بالکل قاعدہ نہیں ہے دنیا دار تو حقیقت کو سمجھیں اور دین دار طبقہ نہ سمجھے۔

(ملفوظات۔ ص:۴۵)

سختی کرنے اور زیادہ مارنے کے نقصانات

اب تو جبریہ تعلیم کا قاعدہ نکل آیا ہے۔ دینی مکاتب سے بعد (دوری) ہو رہی ہے اس سختی سے تو بچے اور اچاٹ ہوں گے اور دینی تعلیم کو چھوڑ دیں گے ایسے وقت نہایت شفقت سے کام لینا چاہیے۔

(ملفوظات۔ ص:۴۵)

قطع نظر اس سے ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم کے لیے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے۔

۱۔ ایک تو یہ کہ بچے کے قوی کمزور ہو جاتے ہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھول جاتا ہے۔

۳۔ تیسرے جب بچہ پٹتے پٹتے عادی ہو جاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے۔ پھر پٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا اس وقت یہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اور ساری عمر کے لیے ایک خلق ذمیم (بری عادت) یعنی بے حیائی اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے۔ (التبلیغ اوج قنوج۔ ص:۴۶/۵)

بعضے استاذ بچوں کو بہت مارتے ہیں بعض طلبہ کا فہم (حافظہ) قدرۃً کم ہوتا ہے لہٰذا ان کو مارنا پیٹنا زیادتی ہے۔ مواخذہ ہوگا اعتدال سے مارنا پیٹنا چاہیے۔ (حسن العزیز۔ ص:۱۸۳/۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

میں نے اپنے مدرسہ کے معلموں کو بچوں کو مارنے سے منع کر دیا ہے کیونکہ یہ لوگ حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اور شفاء غیظ کے لیے مارتے ہیں ایسا زدوکوب (اور ایسی مار پیٹ) کہ اگر ولی اجازت بھی دے دے تو بھی درست نہیں۔ (کلمۃ الحق۔ ص:۱۲۳)

فصل ۳

تعزیر اور سزا کی حقیقت اور اس کی صورتیں

''تعزیر'' وہ سزا ہے جو تادیب کے لیے دی جائے اور حد کے درجہ سے کم ہو۔ اور اس کے طریقے مختلف ہیں۔ (۱) ملامت کرنا (۲) ڈانٹنا (۳) ہاتھ یا لکڑی وغیرہ سے مارنا (۴) کان کھینچنا (۵) سخت الفاظ کہنا (۶) محبوس کر دینا (۷) مالی سزا دینا۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲/۲۱۹)

سزا میں کتنی بار مار سکتے ہیں

سزا اور تادیب کی ضرورت پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور ''الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ'' کے قاعدہ سے اتنی ہی تادیب (سزا دینے) کی اجازت ہو سکتی ہے جو پرورش اور تربیت (و تعلیم) میں معین ہو۔ نہ اتنی جو درجہ ایلام (سخت تکلیف اور مصیبت) تک پہنچ جائے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے۔ (التبلیغ اوج قنوج۔ص:۵/۴۵)

ضرب فاحش (سخت مارنے) سے فقہاء نے صراحۃً منع فرمایا ہے اور جس ضرب (مار سے) جلد پر نشان پڑ جائے اس کو بھی (فقہاء نے) ضرب فاحش میں داخل کیا ہے اور جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے وہ بدرجہ اولیٰ ہے۔ (ردالمختار۔ص:۳/۲۹۳)

بلکہ ضرب فاحش سے خود استاذ کو تعزیر دی جائے گی۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲/۲۲۰)

تعزیر بالمال سبق یاد نہ ہونے پر مالی جرمانہ مقرر کرنا جائز نہیں

تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) ہمارے مذہب میں درست نہیں اور بعض روایات میں جو وارد ہے وہ منسوخ ہے اور بعض (علماء) جو اس کے جواز کے قائل ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ چند روز تک اس مال کو اپنے پاس رکھے جب وہ شخص توبہ کر لے وہ مال اس کو لوٹا دیا جائے نہ خود رکھے نہ بیت المال میں داخل کرے۔ (ردالمختار۔ص:۲/۲۷۵)

اور قائلین جواز کے نزدیک بھی جو اس کے شرائط ہیں نہ ان کی خبر، ان کی رعایت، تو اختلافی جواز بھی متحقق نہیں ہوا اور جب یہ جائز نہیں تو وہ رقم حلال نہ ہوگی تو اس کا کھانا بھی ناجائز اور نیک کاموں میں صرف کرنا اور بھی زیادہ ناجائز۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲/۲۳۲)

ایک مولوی صاحب نے جو یہاں (تھانہ بھون حضرت کے مدرسہ میں) مدرس ہیں طلبہ پر سبق یاد نہ کرنے کے جرم میں بلا حضرت کی اجازت و مشورہ کے کچھ جرمانہ مقرر کیا جب حضرت والا کو اطلاع ہوئی تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ آپ نے طلبہ پر جرمانہ مقرر کیا؟ انہوں نے اقرار کیا پوچھا گیا کہ یہ جائز کہاں ہے انہوں نے کہا کہ مالکوں ہی کو انعام کے نام سے دیا جائے گا۔

حضرت والا نے فرمایا کہ کسی کے مال کا حبس کرنا بلا اس کی رضامندی کے کب جائز ہے تیسرے یہ جرمانہ بچوں پر تو نہ ہوا بلکہ ان کے ماں باپ پر ہوا کیونکہ مال ان ہی کا ہے۔

آپ کا کام سکھانے اور سمجھانے کا ہے نہ یاد کریں بلا سے آپ نے شریعت کی مخالفت کیوں کی اور میری بلا اجازت یہ کام کیوں کیا آپ کے سپرد جو کام ہے اس کو کیے جائیں بلا پوچھے کوئی نیا کام نہ کریئے۔

علاوہ اس کے اس مدرسہ کے متعلق میرے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ طالبین خدا کے ہو جائیں۔ اصطلاحی عالم بنانا منظور نہیں۔ امتحان کے اچھے برے ہونے کا مجھے کچھ خیال نہیں ہوتا۔

(حسن العزیز۔ص:۲/۱۸۰)

بچوں کو سزا دینے کے طریقے

(۱) بچوں کی بہتر سزا یہ ہے کہ چھٹی بند کر دی جائے اس کا ان پر کافی اثر ہوتا ہے۔

(انفاس عیسیٰ۔ص:۱۰۲)

(۲) میں نے دو سزائیں مقرر کر رکھی ہے ایک کان پکڑوانا جس کو مرادآباد والے بطخ بنوانا (ہمارے علاقہ میں مرغ بنوانا) کہتے ہیں۔

دوسرے اٹھنا بیٹھنا اس میں دونوں اصلاحیں ہو جاتی ہیں جسمانی بھی کہ ورزش ہے اور نفسانی یعنی اخلاق بھی کہ اس سے زجر (وتوبیخ اور تنبیہ) ہو جاتی ہے۔ (کلمۃ الحق۔ص:۱۲۳)

(۳) مجھے بچوں کے پٹنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے بوقت ضرورت اگر کبھی میں مارتا ہوں تو رسی سے مارتا ہوں اس میں ہڈی ٹوٹنے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ (حسن العزیز۔ص:۱/۱۸۳)

(۴) سزا میں دو چیت بھی کافی ہیں۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۸۹)

اگر غلطی سے غصہ میں زیادہ مار دیا تو اس کی تلافی کرنا چاہیے، تلافی کا غلط طریقہ

اگر ایسا کوئی ہو جیسے حافظ علی حسن صاحب کیرانوی تھے تو وہ بے شک اس ظلم سے بچ سکتا ہے مگر ان میں افراط نہ تھا تو یہ تفریط تھی کہ بچوں کو مار کر ان سے کہتے تھے کہ تم مجھ سے بدلہ لے لو اور بعضے لڑکے ایسے شریر تھے کہ بدلہ لے لیتے اور حافظ جی کو تچی سے سڑا سڑ مارتے تھے اور وہ ایسے سیدھے تھے کہ بچوں کے ہاتھ سے مار کھاتے تھے۔

یہ میاں جی ایسے تھے کہ بچوں پر ظلم نہ کرتے اور اگر کبھی ذرا سی زیادتی ہو گئی تو اس کی تلافی اس طرز سے کرتے تھے (یعنی طلبہ سے زبان سے معافی مانگتے یا مار کھاتے تھے) یہ طریقہ اچھا نہیں اس سے لڑکوں کی شرارت اور بد دماغی اور بد خلقی بڑھ جاتی ہے اور معلم کو اس کی رعایت ضروری ہے کہ بچوں کے اخلاق خراب نہ ہوں۔

(التبلیغ۔ص:۱۴/۸۵)

تلافی کی سب سے بہتر اور آسان صورت

اگر کوئی اپنی زیادتی کی تلافی کرنا چاہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ سزا کے بعد بچوں کے ساتھ شفقت کرو اور جس پر زیادتی کی ہے اس کے ساتھ احسان کرو یہاں تک کہ وہ خوش ہو جائے جیسے میرٹھ کے ایک رئیس نے ایک نوکر کے طمانچہ مار دیا تھا پھر اس کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہوئی تو اس کو ایک روپیہ دیا پھر دوسرے نوکر سے کہا اس سے پوچھنا اب کیا حال ہے کہنے لگا کہ میں تو دعا کر رہا ہوں کہ ایک طمانچہ روز لگ جایا کرے۔

بس یہ طریقہ تلافی کا بہت اچھا ہے اس سے بچوں کے اخلاق پر بھی اثر نہ ہوگا اور ظلم کا دفیعہ بھی ہو جائے گا اور جب میاں جی (استاذ صاحب) کا ایک دو دفعہ کرنے میں خرچ ہوگا تو آئندہ کو خود بھی ذرا سنبھل کر مارا کریں گے۔ نیز سزا کے بعد بچوں کو خوش کرنے کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ ان کے دل میں معلم کی طرف سے بغض و عداوت نہ پیدا ہو جائے جو علم کی محرومی کا سبب ہے۔ (التبلیغ۔ ص:۱۴/۸۶)

اگر استاذ کی بہت زیادہ مارنے کی عام عادت ہو

دوسرے معلم کو جو نو عمر تھے ان سے فرمایا کہ معلوم ہوا ہے کہ تم بچوں کو (بہت) مارتے ہو؟ اس کا صحیح اور معقول جواب دو، تاویلات کو ہر گز نہ مانوں گا یہ بتلاؤ کہ جب میں نے منع کر دیا ہے تو پھر کیوں مارتے ہو یہ نفس کی شرارت ہے یا نہیں؟ انہوں نے اقرار کیا کہ بے شک نفس کی شرارت ہے میں نے تم کو خلوت (تنہائی) میں عزت سے سمجھایا تھا اس کو تم غنیمت نہیں سمجھتے واقعی دنی الطبع بلا سختی کے نہیں مانتا پھر بلایا اور فرمایا کہ قرآن شریف لاؤ وہ صاحب قرآن شریف لائے تو فرمایا کہ اس پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ خدا کی قسم اب کسی بچہ کو نہ ماروں گا میں نے تمہارے واقعات گھر پر بچوں کو بلا کر مارنے کے سنے ہیں اور ایسے مارنے کے کہ وہ بے ہوش ہو گئے ہیں تم کو اس قدر مارنے کا کیا حق ہے اور اگر اس پر قادر نہیں ہو تو کام چھوڑ دو، ہم اپنا انتظام خود کر لیں گے۔ (ملفوظات ص:۴۴)

شاگرد اور استاذ کے قضیہ میں ذمہ دار یا مہتمم کو بہت غور وفکر کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے

ایک صاحب اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئے اور ایک معلم صاحب کے زیادہ مارنے کی شکایت کی اس پر ان کو بلایا گیا طلبہ سے مارنے کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اس نے یہ کہہ دیا تھا کہ چھٹی کا وقت آ گیا اس پر اس کو بے حد مارا اور گلا دبا دیا تھا جس سے گلے پر نشان پڑ گئے تھے، بینہ شرعیہ کے بعد حضرت نے ان سے فرمایا کہ جب تم کو مارنے سے منع کر دیا ہے پھر تم نے اس کے خلاف کیوں کیا۔ اسی واسطے حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کو بلا نکاح کے نہ رہنا چاہیے (ان مولوی صاحب کا نکاح نہیں ہوا تھا) ایسے آدمی کا غصہ سب دماغ میں بھرا رہتا ہے۔ یہ تو جنون (پاگل پن) ہے کہ ذرا سی بات پر اس قدر سزا۔

پھر حضرت نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کو یہاں رہنے کی اجازت تو ہے لیکن یہاں جب تک

رہو میرے سامنے نہ پڑھاؤ۔ اور طلبہ سے فرمایا کہ تم ان کے پاس نہ پڑھو اور مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس وقت حتمی فیصلہ نہ کرنے کا راز یہ ہے کہ حدیثوں میں غصہ کے وقت فیصلہ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس لیے میں ایسے امور میں غصہ کے وقت کبھی فیصلہ نہیں کرتا۔ غصہ ختم ہو جانے کے بعد جب تک تین چار مرتبہ غور نہیں کر لیتا اس وقت تک (فیصلہ نہیں کرتا) اور سزا نہیں دیتا۔ (ملفوظات۔ ص:۴۲)

کسی مدرس کے بہت زیادہ مارنے کی وجہ سے حالات سنگین ہوں یا فتنہ فساد کا اندیشہ ہو تو کیا کرنا چاہیے

ایک مدرس نے اس کو سخت سزا دی حتی کہ مارتے مارتے بے ہوش کر دیا اور اس کی جان کا خطرہ ہو گیا بعض لوگوں نے اس کے ماموں کو اطلاع دی وہ فوراً کانپور آئے واقعی لڑکے کی حالت نازک تھی...... شہر کے لوگوں نے ان کو بہت بہکایا کہ پولیس میں رپٹ لکھوا دو مگر وہ سمجھدار آدمی تھے انہوں نے گوارہ نہ کیا کہ ایک دینی مدرسہ کی شکایت غیروں کے پاس لے جاؤں بالآخر وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ صاحب میری عدالت تو آپ ہیں، میں آپ کے یہاں استغاثہ کرتا ہوں اب میں نے چپکے سے ان مدرس کے پاس رقعہ لکھا کہ تم اسی وقت استعفیٰ داخل کر دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر میں نے رئیس صاحب سے کہا کہ میرے پاس ان صاحب کا ملازمت سے استعفیٰ آگیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اب ہم کو ان پر مواخذہ کا کوئی حق نہیں رہا کیونکہ وہ مدرسہ کے ملازم ہی نہ رہے اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ کا جہاں جی چاہے استغاثہ دائر کر کے انتقام لے لیجیے۔ (التبلیغ خیر الارشاد۔ ص:۱۴/۸۸)

ورنہ اگر کوئی بات پیش آئے تو ان کے رشتہ دار دس آدمی ان کے حامی کھڑے ہو جائیں گے۔

(ملفوظات۔ ص:۱۵۵)

(۴) بستی کے آدمی سے وفا کی امید کم ہوتی ہے اس لیے ملازم رکھے تو باہر کا آدمی رکھے۔

(مجالس حکیم الامت۔ ص:۳۸)

مدرس کو معزول کرنے کے بارے میں ایک ضابطہ مصلحتاً مدرس کو معزول کرنا

جب کسی عامل اور اس کے محکومین کے درمیان اگر توافق نہ ہو تو عامل کو علیحدہ کر دینا مصلحت کا تقاضہ ہے گو کچھ بھی خطا نہ ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا قصہ جو بخاری شریف میں آیا ہے اس پر شاہد ہے جس کا مختصر حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ سے محکومین نے حضرت سعد ؓ کی شکایت کی اور تحقیق کے بعد وہ شکایت ثابت نہ ہو سکی لیکن باقتضائے مصلحت اور طبائع میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عمر ؓ نے حضرت سعد ؓ کو معزول فرما دیا۔ (ملفوظات خبرت۔ ص:۳/۱۴۷)

مدرس کی تقرری کے وقت چند ضروری باتوں کا لحاظ، مدرسین کیسے رکھے جائیں؟

(۱) حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اپنے عزیزوں کو نوکر نہ رکھنا چاہیے چنانچہ ایام خلافت میں آپ نے اپنے کسی عزیز (رشتہ دار) کو عہدہ نہیں دیا۔ (حسن العزیز۔ ص:۱۳۸)

(۲) میں ایسے شخص کو مدرسہ میں نہیں رکھنا چاہتا جس سے دوسروں کو ضرر پہنچے۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۱۹/۱۳۵)

(۳) میری تو اب یہی رائے ہے کہ مدرس بستی کے نہ رکھے جائیں بلکہ باہری رکھے جائیں بزرگوں کی باتوں میں دخل دینا ٹھیک نہیں پہلے بزرگوں نے جو باتیں مقرر کی ہیں، وہ سب صحیح ہیں۔

باب نمبر ۱۰

استاذ کا شاگردوں سے کبھی کبھی مزاح کرنے کی ضرورت اور اس کا فائدہ

حضور ﷺ کا کوئی قول وفعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، حضور ﷺ کے مزاح میں بڑی حکمت تھی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب وجلال اس درجہ عطا فرمایا تھا کہ ہرقل وکسریٰ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپ کے نام سے تھرتھراتے تھے حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے۔ حضور ﷺ تو بڑی چیز ہیں حضور ﷺ کے غلامان کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ وغیرہ۔

اور یہ معلوم ہے کہ حضور ﷺ صرف سلطان نہ تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ بھی تھے اور رسول کا کام یہ ہے کہ امت کی ظاہری و باطنی اصلاح کرے جس کے لیے افادہ و استفادہ کی ضرورت ہے اور افادہ و استفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفیدین (استفادہ کرنے والوں) کا دل مربی (تربیت کرنے والے مثلاً پیر استاذ) سے کھلا ہوا ہوتا کہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کر کے اصلاح کر سکیں۔ (یا کوئی بات پوچھ کر سمجھ سکیں) اور جس قدر رعب حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہ کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا اس لیے حضور ﷺ گاہ گاہ اس مصلحت سے مزاح فرماتے تھے تاکہ صحابہ کے دل کھل جائیں اور وہ ہر وقت مرعوب رہ کر اپنے دل کی باتوں کے بیان کرنے سے نہ رکیں۔ (التبلیغ۔ ص:۱۵/۱۶۲)

کثرت مزاح کا نقصان

مزاح سے وقار جاتا رہتا ہے حضرت علیؓ بہت خوش مزاج تھے، اکثر ہنستے بولتے رہتے تھے اور یوں سب ہی حضرات صحابہ خوش مزاج تھے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر حضرت علیؓ میں مزاح نہ

ہوتا تو میں اپنی حیات میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔ مزاح سے وقار گر جاتا ہے۔

(انفاس عیسیٰ۔ص:۲/۵۲۷۔ التبلیغ الحدود والقیود۔ص:۱۵/۱۶۳)

کیا مزاح سے رعب وخوف کم ہو جاتا ہے

اور اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے خوف زائل ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں مزاح کرنے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ کی بابت احادیث میں وارد ہے اور مزاح بھی کثرت سے نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے اور احادیث سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کے قلوب میں حضرت محمد ﷺ کی عظمت کس درجہ تھی اور جب کبھی آپ کو کسی بات پر غصہ آگیا تو صحابہ کی کیا حالت ہوتی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے قوی القلب بھی تھرا جاتے تھے۔ (التبلیغ الحدود والقیود۔ص:۱۵/۱۶۳)

کیا مزاح کرنا وقار کے خلاف ہے

(۱) یہ مسلم نہیں کہ ہر مزاح خلاف وقار ہے، خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت و حکمت نہ ہو۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:۱/۳۸۹)

(۲) خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت نہ ہو اگر مزاح سے مقصود اپنا یا مخاطب کا انشراح قلب اور انقباض (یا دوری) کا ختم کرنا ہو تو وہ عین مصلحت ہے، مزاح سے خوف وہاں زائل ہوتا ہے جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے۔ (التبلیغ۔ص:۱۵/۱۶۳)

کبھی کبھی اور اعتدال کے ساتھ مزاح کرنے کا اثر اور اس کا فائدہ

حضور ﷺ کے مزاح سے آپ کے وقار و عظمت میں کمی نہ آتی تھی بلکہ اس کا اثر صرف یہ تھا کہ صحابہ کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا۔ اور وہ انقباض (اور بعد) جاتا رہتا تھا جو غایت رعب کی وجہ سے قلوب میں عادۃً پیدا ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ ﷺ کی محبت جاگزیں ہوتی تھی۔ اگر آپ مزاح نہ فرماتے تو صحابہ کے اوپر آپ کا خوف ہی غالب ہوتا، محبت غالب نہ ہوتی اور جب مزاح سے آپ کی محبت غالب ہوگئی تو آپ کے وقار و عظمت میں بھی کچھ کمی نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے زیادہ ہوگئی۔ کیونکہ پہلے تو وقار و عظمت کا منشاء صرف خوف تھا اب محبت وخوف دونوں مل کر کام کرنے لگے۔ (التبلیغ الحدود والقیود۔ص:۱۵/۱۶۳)

حضور ﷺ کے مزاح کی کیفیت

عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ بھی مزاح فرمایا کرتے تھے؟ فرمایا ہاں مگر ایک خاص حد تک زیادہ نہیں۔ بہت کم وہ بھی دوسروں کی تطییب قلب کی مصلحت ہے (دل خوش کرنے کے لیے)۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے اونٹ مانگا آپ نے فرمایا تجھ کو اونٹنی کا بچہ دوں گا عرض کیا

حضور بچہ کیا کروں گا فرمایا کہ اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ۔ص:۲/۱۶۸)

ہنسی اور مزاح میں چند ضروری باتوں کا لحاظ

۱۔کسی کا دل خوش کرنے کے لیے خوش طبعی (ہنسی مذاق کرنے میں کوئی) مضائقہ نہیں مگر اس میں دو امر کا لحاظ رکھوایک یہ کہ جھوٹ نہ بولو، دوسرے یہ کہ اس شخص کا دل آزردہ مت کرو(دل نہ دکھاؤ) اگر وہ برا مانتا ہے تو ہنسی مت کرو۔ (تعلیم الدین۔ص:۵۴)

۲۔ہنسی ہنسی میں کسی کی کوئی چیز اٹھا کر چیز والے کو پریشان مت کرو۔خصوصاجب کہ یہ نیت ہو کہ اگر معلوم ہو گیا تو ہنسی ہے ورنہ حق برد کریں گے (دبالیں گے) اور اگر ہنسی میں اٹھالی ہے تو جلدی واپس کرو۔ (حوالہ مذکور)

باب نمبر۱۱

طلبہ اور صحت کا اہتمام

صحت بڑی نعمت ہے اس کی حفاظت بہت ضروری ہے

فرمایا میرے نزدیک صحت کی حفاظت نہایت ضروری چیز ہے اپنے اوپر سختی اور تعب نہ ڈالے،اس کی وجہ سے بعض لوگ مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں بعضے مجنون ہو گئے بعضے مر گئے صحت وحیات کی بڑی حفاظت رکھنی چاہیے یہ وہ چیز ہے کہ پھر کہاں میسر، تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لو جس آرام کی اجازت ہے اس کو ضرور کرنا چاہیے۔ (حسن العزیز۔ص:۲۴۲)

طاقتور مسلمان کمزور مسلمان سے بہتر ہے

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کم کھایا کرتے تھے مولانا نے ان کو منع فرمادیا اور فرمایا کہ دماغ خشک ہو جائے گا اور یہ حدیث پڑھی "المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف" کہ قوی اور مضبوط مسلمان کمزور سے بہتر ہے کیونکہ تندرست اور قوی آدمی دوسروں کی بھی خدمت کرسکتا ہے اور کمزور خود دوسروں پر بار ہو جاتا ہے تو خوانخواہ اپنے کو ضعیف بنانا اچھا نہیں۔ (التبلیغ ترجیح الآخرۃ۔ص:۲۵۹)

حد سے زائد محنت کرنا عقلمند کا کام نہیں

ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ محنت میں زیادتی نہ کرنا یہ کاہل او رغاؤں کی تعلیم ہے اور اناڑی تو یوں کہتا ہے کہ جتنی محنت ہو سکے کرلو مگر مولانا فرماتے تھے کہ اگر سبق کو دس

دفعہ کہنے کو جی چاہے تو ایک دفعہ کا شوق باقی رکھ لو لکھنے پڑھنے کے متعلق مولانا کی یہی تعلیم تھی کہ تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر محنت کیا کرو اتنا عمل نہ کرو کہ سارا شوق ایک دم ہی سے پورا کر لو بلکہ نفس پر آسانی کرو ، زیادتی نہ کرو، عبادت تحمل کے موافق کرو، تحمل سے زیادہ نہ کرو شریعت کی نظر عواقب پر ہوتی ہے گو ظاہر میں خلاف عزیمت ہو مگر انجام کے لحاظ سے وہی افضل ہوتا ہے۔ (حقوق الزوجین وعظ رفع الدین۔ ص:۱۵۴)

بہت زیادہ محنت کی ضرورت نہیں

(بہت) زیادہ محنت کی ضرورت نہیں کیونکہ زیادہ محنت کا انجام اچھا نہیں ہوتا میں طلباء سے ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ کتابیں پڑھنے کے زمانہ میں سمجھنے کی کوشش کرو حفظ کی کوشش نہ کرو اس سے دماغ خراب ہو جاتا ہے اور کتابیں بھی رہ جاتی ہیں اور آج کل قوی اس کے متحمل نہیں غضب تو یہ ہے کہ بعض اہل مدارس طلبہ سے ایسی سخت محنت کراتے ہیں کہ جس سے وہ بیکار ہو جاتے ہیں اور یہ بڑا ظلم ہے، بعضے کافیہ حفظ کراتے ہیں بھلا یہ بھی کوئی حفظ کرانے کی چیز ہے اگر حفظ ہی کا شوق ہے تو قرآن شریف (حدیث پاک) حفظ کرو۔ بس تین باتوں کا لحاظ رکھے ایک یہ کہ سبق سے پہلے مطالعہ کرے دوسرے سبق سمجھ کر پڑھے بغیر سمجھے آگے نہ چلے تیسرے یہ کہ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار اس کی تقریر کر لے خواہ تنہا یا جماعت کے ساتھ تکرار کرے اس سے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ (ملفوظات۔ ص:۱۳۶۔ التبلیغ۔ ص:۲۰۵/۱۵)

جس کا ذہن کمزور ہو اس کو حفظ نہیں کرانا چاہیے

فرمایا: جس کا دماغ کمزور ہوتا ہے میں اسے قرآن حفظ کرنے سے منع کر دیتا ہوں ایسا شخص تو کچھ عربی پڑھنے کے بعد حفظ شروع کرے تو قواعد معلوم ہونے کی وجہ سے حفظ آسان ہوتا ہے۔

(ملفوظات۔ ص:۱۳۶)

ایک طالب علم نے شکایت کی کہ میں قرآن مجید بھول جاتا ہوں حضرت نے فرمایا کوئی سورت سنا سکتے ہو؟ انہوں نے کہا یاد کیے ہوئے بہت دن ہو گئے کوئی سورت سنا نہیں سکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں کس نے حفظ شروع کرا دیا اگر حافظہ اچھا نہ ہو تو حفظ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اتنے دن میں ایک سورۃ بھی اچھی طرح یاد نہیں کر سکتے تو تم معذور ہو حفظ کرنا چھوڑ دو، کیا ساری عمریوں ہی ختم کر دو گے حفظ کرنا فرض نہیں ہے ہاں اگر یاد کر لیا ہو تو محفوظ رکھنا فرض ہے اگر حفظ نہ ہوا ہو تو فرض نہیں جب یاد ہی نہیں ہوتا تو چھوڑ دو دیکھ کر پڑھ لیا کرو پھر شاید دیکھتے ہی دیکھتے یاد بھی ہو جائے، اردو کے مسئلہ مسائل کی کتابیں پڑھنا شروع کر دو آخر وہ بھی تو فرض ہیں کیا بڑھاپے میں پڑھو گے اگر حافظہ اچھا نہ ہو تو حفظ نہیں کرنا چاہیے۔ خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ مصیبت میں پڑو۔ (حسن العزیز۔ ص:۵۹/۱)

آج کل قوی کیوں کمزور ہوتے ہیں، کمزور ہونے کی ایک وجہ

آج کل کے قویٰ زیادہ محنت کے قابل نہیں اور اس کا سبب افکار کا ہجوم ہے جس کا دماغ فکر میں زیادہ منہمک ہوگا۔ وہ ضعیف ہوجائے گا پہلے لوگوں کے دماغ افکار سے خالی ہوتے تھے اس لیے قویٰ بھی مضبوط ہوتے تھے آج کل تو آدمی بچپن سے ابھرا اور فکر میں مبتلا ہوا کچھ تو اس زمانہ میں پہلے کی نسبت افکار بھی زیادہ ہیں اور کچھ لوگ خود اپنے سر تھوپ لیتے ہیں۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۲۰/۵۹)

صحت وتندرستی میں بے فکری اور خوش مزاجی کی اہمیت

سچ پوچھو تو اصل غذا یہی ہے یعنی فرحت اور جن کو تم غذا کہتے ہو وہ بھی اسی وقت بنتی ہیں جب فرحت موجود ہو چنانچہ اگر کوئی شخص محزون یعنی غمگین ہو اس کو جتنا چاہو مال کھلا دو اس کے بدن کو کچھ لگتا نہیں اور فرحت ونشاط کی حالت میں معمولی غذا بھی پلاؤ قورمہ کا کام دیتی ہے پس معلوم ہوا کہ اصل غذا فرحت اور بے فکری ہے بلکہ اصل دوا یہی ہے کیونکہ اطباء کہتے ہیں کہ فاعل صحت ومزیل مرض (بیماری کو ختم کرنے اور صحت کو بنانے والی شئی) دوا نہیں طبیعت ہے اور طبیعت اس وقت فاعل ہوگی جب کہ اس میں قوت ہو بس دوا کا کام صرف اتنا ہے کہ طبیعت کو قوت حاصل ہوتی ہے اور بعض طبائع کو ترک دوا سے قوت حاصل ہوتی ہے پھر کسی کی طبیعت کو دوا اور کرنے سے قوت حاصل ہوتی ہے تو یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص دوا نہیں کرتا یہ غلط ہے وہ بھی دوا کرتا ہے کیونکہ دوا کی حقیقت قوت طبیعت کا سامان ہے یہ اور بات ہے کہ اس کی تقویت طبع کا سامان ترک دوا ہے اور دوسروں کے لیے دوا ہے تو یہ محض ظاہری فرق ہے ورنہ حقیقی دوا سے کوئی خالی نہیں غرض یہ دعویٰ محقق ہوگیا کہ اصلی غذا اور اصلی دوا فرحت ونشاط ہے خواہ دوا سے ہو یا کسی اور چیز سے۔

(التبلیغ۔ ص:۱۵/۱۵۱)

اصل غذا فرحت ونشاط ہے

اصل قوت کی چیز فرحت ہے یہی تمام غذاؤں کی جڑ ہے اور بعض دفعہ خود بھی غذا کا کام دیتی ہے ورنہ اقل درجہ (کم از کم) یہ تو ضروری ہے کہ بدوں اس کے (یعنی فرحت ونشاط کے بغیر) کوئی غذا غذا نہیں بنتی۔

میرے والد صاحب بیمار ہوگئے میں کانپور سے دیکھنے گیا تو مجھے دیکھ کر اٹھ بیٹھے اور کھڑے ہوگئے اور مجھ کو لے کر مارکیٹ گئے حالانکہ اس سے پہلے کروٹ لینے میں بھی تکلف ہوتا تھا تو محبوب کا دیکھنا دوا سے زیادہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند سخت بیمار تھے میں عیادت کے لیے گیا مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی تو مجھ سے مل کر فرمانے لگے کہ تجھے دیکھ کر تو میری بیماری جاتی رہی۔

بزرگان دین کی تقلیل غذا پر کوئی حیرت کی وجہ نہیں کیونکہ ان حضرات کو ذکر اللہ سے ایسا نشاط ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی مفرح یا قوتی اور خمیرہ ایسا نشاط نہیں پیدا کرسکتا، وہ ایک بادام پر چالیس دن کفایت کرسکتے

ہیں۔ کیونکہ ظاہر میں تو انہوں نے ایک بادام کھایا مگر حقیقت میں کثرت ذکر کی وجہ سے وہ سیروں بادام کھا گئے بلکہ بادام سے بڑھ کر مقوی غذا کھا گئے۔ (التبلیغ۔ص:۲۵۲۔ص:۱۵/۲۵۳)

کام کرنے والے کو مقویات استعمال کرنا چاہیے

میرے والد صاحب ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے میں نے ان کے واسطے ذرا اچھا کھانا پکوایا مگر کھانے کے بعد فرمانے لگے کیا ایسا ہی کھانا کھاتے ہو میں چپ ہو گیا فرمانے لگے اگر ایسا کھاؤ گے تو کیا کام کرو گے پھر ماما کو بلا کر فرمایا کہ دیکھو آج سے اتنا گھی اتنا گوشت اتنا مصالحہ ڈالا کرو اس سے کم درجہ کا سالن نہ ہو اور اس کا خرچ ہم روانہ کریں گے۔ (ملفوظات۔ص:۱۳۸)

صحت و تندرستی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے

دو چیزوں کا ہمیشہ خیال رکھو معدہ کا اور دماغ کا ان کی بہت ہی حفاظت کرنا، تندرستی کا دارومدار انہیں پر ہے بغیر تندرستی کے آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا اور اگر تندرستی ہو تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۱۶۶)

بغیر رغبت کے کھانا کبھی نہ کھانا چاہیے

میں نے تجربہ کیا ہے کہ رغبت سے جو کچھ بھی کھالو خدا کے فضل سے کچھ نقصان نہیں ہوتا بے رغبت کے اگر ایک لقمہ بھی کھایا جائے گا تو وہ نقصان کرے گا اور صادق رغبت سے کچھ بھی کھالو سب ہضم۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۶۵۱)

بیماریوں سے محفوظ رہنے اور صحت بنانے کی آسان تدبیر

(۱) زیادہ کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتی آئے دن بدہضمی کی شکایت رہتی ہے جس سے طرح طرح کی بیماریوں کا شکار رہتا ہے تو دواؤں میں بہت رقم خرچ ہوتی ہے اور کم کھانے والے کی غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے اس کی تندرستی بنی رہتی ہے، دواؤں میں اس کے پیسے نہیں جاتے۔

(۲) اطباء کہتے ہیں کہ کھانا تھوڑی سی بھوک باقی رکھ کر چھوڑنا چاہیے تاکہ دوسرے وقت صادق اشتہاء ہو ورنہ مشورہ کے لیے کمیٹی کرنا پڑے گی کہ اس وقت کھاؤں یا نہ کھاؤں پھر یار دوست سوڈا واٹر اور نمک سلیمانی کی رائے دیں گے اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ کبھی بند پڑ جائے گا تو حقنہ کرانا پڑے گا۔

(التبلیغ۔ص:۱۵/۲۰۵، الحدود والقیود)

ایک واقعہ

شیخ سعدی نے لکھا ہے کہ ایک نصرانی بادشاہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک طبیب کو بھیجا تھا کہ یہ

مدینہ والوں کا علاج کرے گا آپ ﷺ نے طبیب کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ ”ہم لوگ بغیر بھوک کے نہیں کھاتے اور (تھوڑی) بھوک باقی رکھ کر کھانا چھوڑ دیتے ہیں اس لیے ہم کو طبیب کی ضرورت نہیں۔“

واقعی اس دستور العمل پر عمل کر کے دیکھئے سب بیماریاں خود بخود بھاگ جائیں گی کبھی اتفاقی طور پر بیماری آجائے تو اور بات ہے لیکن مجموعہ امراض تو نہ ہوگا مگر آج کل لوگوں کی عادت ہے کہ بھوک لگنے کا کھانے میں انتظار نہیں کرتے بلکہ اکثر لوگ وقت آنے کی رعایت سے کھاتے ہیں کھانا گرم گرم ہے دیر میں کھائیں گے تو ٹھنڈا ہو جائے گا لاؤ ابھی کھالیں جی ہاں اس وقت کھانا تو گرم ہے مگر کھانے والا تو سرد ہی ہو جائے گا کیونکہ بغیر بھوک کے کھانے سے حرارت غریزیہ منطفی (بجھ جاتی ہے) معدہ میں تداخل ہو جاتا ہے پہلا کھانا ابھی ہضم نہیں ہوا تھا کہ دوسرا پہنچ گیا اب معدہ پریشان ہوتا ہے کہ کیسے ہضم کروں۔

(التبلیغ۔ص:۲۲/۵۱ تقلیل الطعام)

جو امراء نمک اور چورن کے سہارے پر کھانا کھاتے ہیں وہ مرض کو خریدتے ہیں اطباء نے استسقاء کی بیماری تو لکھی ہے مگر استطعام (زیادہ کھانے) کا مرض کسی نے نہیں لکھا مگر ہم نے یہ مرض بھی دیکھا ہے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کھانے سے پیٹ نہیں بھرتا وہ کھاتے ہیں اور قے کرتے ہیں اور قے کر کے پھر کھانا شروع کر دیتے ہیں۔

(التبلیغ۔ص:۲۲/۶۰)

آنکھوں کی حفاظت بہت تیز روشنی آنکھوں کے لیے مضر ہے

جو بھی روشنی زیادہ تیز ہوگی وہی آنکھوں کو مضر ہوگی۔ برقی روشنی بھی (جو بہت تیز ہو) آنکھوں کے لیے مضر ہے میں تو (بطور لطیفہ) کہا کرتا ہوں کہ ”یکاد البرق یخطف“ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ برقی (تیز) روشنی آنکھوں کو مضر ہے جو زیادہ تیز روشنی ہوگی وہی آنکھوں کو مضر ہوگی ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس میں صفائی بہت ہوتی ہے فرمایا ایسی صفائی ہے دوسری چیز کو (یعنی آنکھوں کی روشنی کو) بالکل صاف کر دیتی ہے۔

مٹی کا تیل جلانا بھی آنکھوں کے لیے طبی اصول کے مطابق مضر ہے خطرناک بھی ہے میری تو آنکھوں میں دیکھتے ہی کھجلی پیدا ہونے لگتی ہے اگر کہیں اس کی شعاعیں پڑتی ہیں تو مجھے نیند نہیں آتی۔

(حسن العزیز۔ص:۲۵۲)

طبعی نیند دور کرنے کی تدبیر اختیار کرنے کا نقصان

بعض لوگ بتلایا کرتے ہیں کہ جب نیند کا غلبہ ہو سیاہ مرچیں چبایا کرو میں کہتا ہوں آخر کہاں تک اگر نیند آئی تو پھر مرچیں چبائے بھلا کتنی مرچیں چبائے اس میں نقصان یہ ہے کہ منہ سے زیادہ پانی کا بہنا دماغ

کے ضعف کا سبب ہوگا نیز زیادہ مرچیں چبانے سے حرارت قلب کا اندیشہ ہے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ جس کام کے لیے یہ شخص جاگنے کی تدبیریں کر رہا ہے اس مرچ کے مشغلہ میں وہ کام بھی نہ ہوگا کیونکہ تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ غلبہ نیند میں اگر مرچ چباتے رہو، اس وقت نیند رک جاتی ہے جہاں تھوڑی دیر اس کو موقوف کیا پھر نیند آنا شروع ہو جاتی ہے اور اگر کہیں سیاہ مرچوں کی کثرت سے حرارت بڑھ گئی دماغ خشک ہو گیا تو آفت کھڑی ہو جائے گی۔

بعض لوگ نیند دور کرنے لیے لونگیں چبانا بتاتے ہیں تو یہ سخت آگ ہے اس کی تو تھوڑی مقدار بھی جگر وقلب کو پھونک دے گی پھر بہت جلد اختلاج وغیرہ کا اندیشہ ہے یہ سب طریقے واہیات ہیں (طبعی نیند کو دور کرنے کے بجائے آسان وہی علاج ہے جو مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو)

کتنی دیر سونا چاہیے؟

حدیث میں ہے کہ تمام رات مت جاگو "ان لنفسک علیک حقا و ان لعینک علیک حقا" کبھی سونے کا حکم ہے کبھی جاگنے کا حکم ہے تو دیکھئے رات کے ایک مخصوص حصہ میں سونا اور وہ مخصوص حصہ ہر شخص کے مزاج کے مناسب ہوگا جتنی دیر دماغ اور جسم کا تعب (تھکاوٹ) زائل ہو جایا کرے۔ (اتنی ہی دیر سونا چاہیے) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے نیند آنے کا اچھا علاج بتایا ہے کہ سر کے نیچے تکیہ رکھ کر سو رہو پھر جب نیند سے کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے پھر کوئی کام شروع کر دو واقعی بس اس کا یہی علاج ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

حضرتِ حاجی صاحب نے ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ (اور اس سے کہیں زائد طالب علم) کو دودھ گھی کی تکثیر (استعمال کی کثرت کرنی) چاہیے تاکہ ذاکر جہر (اور اسی طرح تعلیم و تعلم) سے دماغ خشک نہ ہو جائے یہ کام تو ساری عمر کا ہے ایک دو روز کا کام تھوڑی ہے کہ آج کیا اور کل چھوڑ دیا اس لیے دماغ کی حفاظت بہت ضروری ہے بعض لوگ ذکر کے ساتھ تقلیل غذا کو ضروری سمجھتے ہیں یاد رکھو! یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہر شخص کا مزاج اس میں مختلف ہے تقلیل غذا سے کسی کو نفع ہوتا ہے اور کسی کو ضرر ہوتا ہے اور آج کل قویٰ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضرر ہی ہوتا ہے اس زمانہ میں تقلیل غذا کا مفید درجہ یہ ہے کہ قدرے بھوک رکھ کر کھانا کھایا جائے یعنی دسترخوان سے ایسے وقت اٹھو کہ دو چار لقمہ کی بھوک باقی ہو۔ زیادہ تقلیل سے قوت دماغیہ پر برا اثر ہوتا ہے تم کو ذکر کرنا ہے یا نفس کو ہلاک کرنا ہے۔ (حقوق الزوجین۔ ص ۱۰۰)

کھانے میں اطباء کہتے ہیں کہ تھوڑی سی بھوک رکھ کر کھانا چاہیے ورنہ ایک دفعہ ٹھونس کر کھانے کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے وقت بھوک مر جائے گی پھر اگر دوسرے وقت بے بھوک کے کھا لیا گیا تو معدہ کا ناس ہو جائے گا مگر بعض لوگ ایسے بے تکے ہوتے ہیں کہ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے پاس

ایک بدہضمی کا مریض آیا آپ نے اس کے لیے نسخہ لکھنا چاہا تو وہ کہتا ہے کہ اس کے پینے کی گنجائش ہوتی تو اور کھانا ہی نہ کھاتا اسی طرح ایک صاحب تھے وہ کھاتے تھے اور قے کرتے تھے اور قے کر کے پھر کھاتے تھے۔ یہ (عادت) تو موجب ہلاکت ہے۔ اعتدال وہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ "ثلث لطعامہ و ثلث لشرابہ و ثلث لنفسہ" ایک تہائی کھانے کے لیے اور ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے اور ایک ثلث کی قید غالباً اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ گنجائش رکھ کر کھانا چاہیے۔

(کمالات اشرفیہ۔ ص:۲۶۴ ایضاً)

سر میں تیل ڈالنا

سر میں تیل ڈالنا اس نیت سے کہ یہ سرکاری کلیں ہیں ان کو تیل دے کر ان سے کام لیا جائے گا موجب اجر ہے، امید ہے کہ حق تعالیٰ اس پر اجر عطا فرمائیں گے۔

صحت کی حفاظت کی تدبیر اختیار کرنا مستحب سے مقدم ہے

حفظ وصحت کی مصلحت کسی مستحب کی تحصیل (ادائیگی) سے مقدم ہے مثلاً صبح کی ہواخوری کے لیے جنگل کی طرف جانا مسجد میں اشراق کی نماز کے لیے طلوع آفتاب تک بیٹھے رہنے سے افضل ہے۔

(کمالات اشرفیہ۔ ص:۲۶۴)

میرے نزدیک صحت کی حفاظت ضروری ہے چاہے اعمال نافلہ کی توفیق نہ ہو لیکن جب آرام وصحت میں رہے گا تو حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہوگی۔ (کمالات اشرفیہ۔ ص۲۱۴)

صحت وتندرستی کے متعلق چند ضروری معلومات

(۱) سردی میں رساول تندرست آدمی کو بھی رات کے وقت نہ کھانا چاہیے اگر نمونیہ نہ ہوا تو نمونیہ کا نمونیہ تو ہو سکتا ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۱/۲۵۳)

(۲) افطار کے بعد کم کھاؤ تو سحری رغبت سے کھائی جائے گی۔ (الافاضات۔ ص:۱/۲۸۷)

(۳) زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہوتا ہے مگر قلب کو تازگی ہوتی ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۱/۶۵۱)

(۴) حدیث شریف میں آیا ہے "اللھم اجعل فی قلبی نورا و فی لحمی نورا" اس نور کی خاصیت ہے آدمی (تجربہ کرکے) دیکھ لے جب یہ نور اس کے اندر بھرتا ہے تو لذات کی خواہش کم ہو جاتی ہے اور پھر قوت رہتی ہے صحابہ کرام حالانکہ دبلے پتلے تھے۔ (حسن العزیز۔ ص:۲/۲۲۶)

مگر کفار ان سے عہدہ برآنہ ہو سکے یہ نور ہی ان کا محرک تھا۔ (حسن العزیز۔ ص:۲/۳۱۲)

(۵) بزرگوں میں قوت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ سب باتوں سے رکے رہتے ہیں فاسق فاجر میں کچھ

نہیں ہوتا کیونکہ کچھ فسق وفجور میں نکل جاتا ہے کچھ خیال کی راہ سے نکل جاتا ہے اور جو متقی ہوتے ہیں ان کا سب ذخیرہ ان کے بدن کی کوٹھڑی ہی میں بند رہتا ہے کیونکہ سب راہیں نکلنے کی بند رہتی ہیں۔

(حسن العزیز۔ص:۶/۶۹۹)

(۶) صحت کے سامنے لذت کیا چیز ہے تھوڑی دیر کے لیے مزا پھر سزا بعض لوگ بڑے ہی بے حس ہوتے ہیں اناپ شناپ جو سامنے آجاتا ہے بھرے چلے جاتے ہیں چاہے ہیضہ ہی ہوجائے۔

(الافاضات۔ص:۲/۳۰۹)

(۷) حتی الامکان معدے کی اصلاح وحفاظت کا اہتمام کرو، اس کے درست رہنے سے تمام بدن درست رہتا ہے اور اگر معدہ میں بگاڑ ہوا تو بدن میں بیماری ہوجاتی ہے۔ (تعلیم الدین۔ص:۴۷)

چند مفید نسخے

برائے تقویت دماغ

ا۔ مغز بادام ۱۰ اعدد سے لے کر ۳۰ عدد تک الائچی چھوٹی ۱۰ اعدد دونوں کو بعد عصر کھرل میں ڈال کر پیس لیا جائے اور بجائے پانی کے گائے کا دودھ کچا پاؤ بھر یا آدھ سیر (جتنا بآسانی ہضم ہو) ڈال کر شیرہ بنا کر کپڑے میں چھان کر میٹھا ملا کر کسی صاف برتن میں رکھ کر تھوڑی لسی یا تھوڑا سا دہی کا ٹکڑا اس میں ڈال دیا جائے اور صبح تک محفوظ رکھا جائے صبح اس میں تازہ پانی ملا کر چمچہ سے ہلا کر پی لیا جائے اس کو دو ہفتہ تک متواتر استعمال کرنے سے خاص فائدہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ، بہت سے ضعیف الدماغ لوگوں کو بھی نفع ہوا۔

(بیاض اشرفی۔ص:۱۷۹)

۲۔ ہر روز دو بیضہ مرغ ایک سیر دودھ میں پھینٹ کر بورہ (کچی سفید شکر) سے میٹھا کر کے سات روز تک پئے۔

(بیاض اشرفی۔ص:۱۷۹)

۳۔ ریٹھ کے بیج کی گری پیس کر ہم وزن مصری میں ملا کر چاٹ لے بے نظیر چیز ہے انشاء اللہ۔

(بیاض اشرفی۔ص:۱۷۹)

۴۔ از حکیم محمود خان دہلوی بروایت مولوی ابوالبرکات اعظمی خشخاش ایک پاؤ، چھوٹے ناریل کا گولہ ایک پاؤ، مرچ سفید ۳ تولہ، خرما ۲۱ عدد، بادام ۲۱ عدد سب کا سفوف کر کے کچی شکر ڈیڑھ پاؤ ملا کر رکھ لیں او رروزانہ صبح تین تولہ کھائیں۔

(بیاض اشرفی۔ص:۱۷۹)

(۲) تقویت بصر وامراض چشم

ا۔ کاجل مقوی، بصرہ دافع سلاق (پلک گرنا) تھوڑی روئی لے کر شیر مدار میں خوب تر کر کے خشک

کریں بعد روغن سرسوں میں ملا کر کاجل بنائیں رات میں آنکھوں میں لگائیں۔ (بیاض اشرفی۔ص:۱۶۲)

۲۔ سرمہ مقوی، بصر سرمہ، سیاہ ۵ تولہ، بلی کی ہڈی ۲ تولہ، موتی ۳ تولہ، نہایت باریک پیس کر لگائیں۔ (ایضاً۔ص:۱۷۷)

۳۔ سرمہ مقوی بصر سرمہ سیاہ سرمہ سفید اس کو بکرے کے گردہ کی چربی میں جب اس کا دھواں بند ہو جائے تو اس کو گلاب خلاص میں بجھادیں، بہت مفید ہے۔ (ص:۱۹۱)

(۳) اصلاح معدہ وجگر

ا۔ برائے اصلاح معدہ وجگر و دافع ریاح وقبض، گل مدار (جو ابھی کھلے نہ ہوں) ۴ تولہ فلفل سیاہ ۶ تولہ سہاگہ بریاں نمک لاہوری نمک دیسی ۳، ۳ تولہ کالا نمک بڑی پیپل پودینہ خشک برگ ناؤ ۲، ۲ تولہ نوشادر اڑھائی تولہ، لونگ ا تولہ ۳ ماشہ بالچھڑ سونٹھ سونف کپور کچری بلیلہ کابلی بلیلہ زرد الائچی بڑی جاوتری جائفل ا، ا تولہ سب کا سفوف کر کے عرق گلاب یا آب ادرک وعرق سونف میں گوندھ کر جنگلی بیر کے برابر گولیاں بنالیں۔ (ایضاً۔ص:۲۲۸)

۲۔ چورن ہاضم پودینہ خشک ا تولہ پوست سماق کھانے والا نمک ۶، ۶ ماشہ کالی مرچ ۳ ماشہ کو چھان کر سفوف بنالیں خواک ۳ ماشہ۔ (ایضاً۔ص:۲۲۸)

۳۔ (انتہائی مفید چورن) جس کے یہ فوائد ہیں (ا) معدہ کو قوت دینا (۲) قبض کو دور کرنا (۳) بھوک بڑھانا (۴) بدہضمی دور کرنا (۵) دست و قے ہیضہ کو دور کرنا (۶) پیٹ کے درد کو دور کرنا (۷) معدہ کی ریاحوں کو دور کرنا۔ سونٹھ سونف کالی مرچ اجوائن بڑے دانہ کی پودینہ خشک نمک لاہوری نمک سیاہ سہاگہ خام ۲، ۲ تولہ نوشادر ۴ تولہ دارچینی چھوٹی پیپل ا، ا تولہ سب کو الگ الگ باریک کوٹ چھان کر رکھ لیں کھانا کھانے کے بعد منہ صاف کر کے ۴ رتی (۲/ا ماشہ) سے دو ماشہ پانی سے اتار لیں۔ بچہ کے لیے ۲ رتی سے ایک ماشہ تک۔ (بیاض اشرفی۔ص:۲۲۹)

۴۔ معجون کمونی بہ نسخہ خاص کھانے کو ہضم اور ریاح کو دفع کرنے والا ہے زیرہ (سرکہ میں بھگو کر خشک کیا ہوا) بورہ ارمنی ۷، ۷ تولہ کالی مرچ دار فلفل (پپلا مول) زرنباد برگ سداب سہاگہ چوکیہ سونٹھ نمک مولی ست پودینہ ا، ا تولہ سب کو باریک کر کے رکھ لیں اور عرق سونف تین پاؤ شہد خالص تین پاؤ کا قوام کر کے آگ سے اتار کر پسی ہوئی دوائیں اس میں ملا کر قاعدہ کے مطابق جوارش تیار کر لیں اور ایک تولہ کھانے کے بعد کھائیں۔ (ایضاً۔ص:۲۳۴)

۵۔ (رافع قبض، قبض کو دور کرتا اور بلغم کو نکالتا ہے نیز پرانے زکام کو بھی مفید ہے) صبر سقوطری (اصلی ایلوا) ۴ تولہ کالی مرچ دو تولہ سہاگہ ۷ ماشہ اجوائن دیسی ۹ ماشہ کوٹ چھان کر بقدر ضرورت گھیکوار کے پانی میں (شیرہ) میں گوندھ کر چنے کے برابر گولیاں بنالیں اور ۲ گولی سوتے وقت لیں۔ (ایضاً۔ص:۱۹۵)

تمباکو اور مرچ کے نقصانات

تمباکو کھانے کے بہت سے نقصانات ہیں سر اس سے گھومتا ہے، دماغ اس سے خراب ہوتا ہے، منہ میں بدبو اس سے پیدا ہو جاتی ہے، جسم میں کاہلی اس سے آجاتی ہے، اور عادت ہو جانے پر تو یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ جب تک اس کو کھا نہ لیا جائے انسان کوئی کام نہیں کر سکتا۔

مگر اتنے نقصانات کے باوجود (تعجب ہے کہ لوگ) اس کو کھاتے ہیں اور بڑے مزے لے کر کھاتے ہیں۔

اسی طرح مرچ کیسے نقصان کی چیز ہے بالفعل (نقصان) تو یہی ہے کہ جس چیز میں مرچ زیادہ ہوتی ہے اس کے کھاتے ہی منہ میں آگ سی لگ جاتی ہے آنکھوں سے پانی جاری ہو جاتا ہے دماغ پریشان ہو جاتا ہے اور جسمانی نقصانات اس کے علاوہ رہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ رو رہے ہیں اور کھا رہے ہیں عادت والے کچھ بھی خیال نہیں کرتے۔ (التبلیغ۔ص:۱۴/۲۵۵)

حقہ اور چائے نوشی کے خارجی نقصان

عوام کو تو کیا کہا جائے میں کہتا ہوں کہ علماء بھی کیا کر رہے ہیں؟ ہر وقت ہا ہو اور ہنسی دل لگی میں وقت گزار رہے ہیں حالت یہ ہے کہ چوپال اور آج کل (ہوٹل) میں پہنچے اور ہنسی مذاق میں سارا وقت گزر گیا۔ خوب سمجھ لو تمہارے دوست حقیقت میں دشمن ہیں جو آپ کے دوست ہیں وہ آپ کے بیش قیمت (بڑی قیمتی شئی یعنی) وقت جو اشرفیوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے لوٹ رہے ہیں ایک ڈاکو حقہ (اور چائے نوشی کی محفل) ہے اس نے ایسا رواج پایا ہے کہ دو پیسہ کا تمباکو خرچ کر کے اس کی بدولت جتنا چاہو مجمع کر لو اور سب کے اوقات برباد کرو بس حقہ (اور چائے کی محفل یا ہوٹل بازی) کیا ہے جامع المتفرقات ہے۔ یہ حقہ ثقہ اور غیر ثقہ دونوں کا جامع ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ جب بھی کسی کو اپنے گھر کی رونق اور آبادی مدنظر ہوتی ہے تو وہ حقہ کا اہتمام کرتے ہیں (جیسے آج کل چائے) اور اس کا اہتمام کرنا پھر مجمع کی کیا کمی ہم لوگ حقیقت میں خود اس واسطے مجمع کرتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس دولت ہے (یعنی وقت) وہ سب چرا کر لے جائیں صاحبو! یہ وقت بڑی بیش قیمت چیز ہے اس کی قدر کرو وقت بڑی قیمتی چیز ہے جس وقت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے کے لیے آجائیں گے تو تم تھوڑے سے وقت کے لیے تمام سلطنت بھی دینے کے لیے تیار ہو جاؤ گے مگر ایک منٹ کی بھی مہلت نہ ملے گی۔ (التبلیغ۔ص:۷/۲۰۵)

چائے اور پان

واقعی یہ پان کا خرچ بالکل ہی فضول ہے کھانے کا وقت مقرر ہے دن رات میں دو وقت کھانا کھایا جاتا

ہے پان کا کوئی وقت نہیں میرے خیال میں بعض دفعہ پان کا خرچ کھانے سے بھی بڑھ جاتا ہوگا اس لیے اس کو بالکل ہی حذف کردینا چاہیے۔

الحمدللہ میں نہ پان کھاتا ہوں نہ چائے پیتا ہوں نہ ناشتہ کا عادی ہوں تاکہ میزبان کو تکلف نہ ہونے پائے...... اس میں میزبان کا اچھا خاصہ خرچ ہو جاتا ہے اور احسان کسی پر نہیں ہوتا کیونکہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں نے ایک ہی ٹکڑا کھایا تھا مگر سو آدمیوں کو ایک ایک ٹکڑا دینے میں میزبان کے روپے خرچ ہو جاتے ہیں اگر کسی مہمان کے واسطے پان آئیں تو اس کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پان کھلادے۔ اور فرمائش کرکے ان کے لیے پان منگائے اس سے میزبان کو بعض اوقات ناگواری ہوتی ہے۔

(التبلیغ۔ص:۲/۲۳۲)

باب نمبر۱۲

اہل علم وطلبہ کے لیے ضروری اور مفید باتیں

طالب علم کو ہوشیار ہشاش بشاش دماغ ہونا چاہیے زیادہ بھولاپن کوئی کمال نہیں

فرمایا: زیادہ بھولا پن گناہ تو نہیں لیکن پسندیدہ نہیں کیونکہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی وضع کے موافق نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سب کے سب نہایت ذہین، نہایت بیدار، نہایت مدبر، اور نہایت ہوش منداور نہایت روشن دماغ ہوئے ہیں ان میں سے ایک بھی تو بھولے نہیں ہوئے گو بھولے مسلمان بھی جنت میں جائیں گے لیکن قریب کے درجات عالیہ انہیں کو ملیں گے جن کی حالت علماً عملاً، اصولاً واخلاقاً انبیاء علیہم السلام کے مشابہ ہو۔ (الافاضات۔ص:۹/۱۹۷)

مسلمان کی شان یہ ہے کہ نہ دھوکہ کھاتا ہے اور نہ دیتا ہے ہاں مسلمان کرم کے سبب سے کبھی دھوکہ کھا تو جاتا ہے مگر دیتا کبھی نہیں۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۳۴۵)

علم کے ساتھ عمل اور صحبت صالح کی ضرورت

علم اور اس کے ساتھ صحبت کی بڑی ضرورت ہے صحبت سے واقفیت بھی ہوتی ہے اور عمل کے ساتھ مناسبت بھی ہوتی ہے اور اب تو واقفیت بھی نہیں ہوتی اس لیے شیخ کی بہت ضرورت ہے۔ نری کتابیں کافی نہیں۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۳۲۹)

''صحبت'' اس کے بغیر نہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم کافی ہے اور نہ ادنیٰ درجہ کی اسی لیے علماء اور طلبہ سب کے

ذمہ اس کا اہتمام ضروری ہے پہلے زمانہ میں جو سب لوگ اچھے ہوتے تھے اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ سب اس صحبت صالح کا اہتمام رکھتے تھے اس وقت یہ حالت ہے کہ تعلیم کا اہتمام تو کسی قدر ہے بھی کہ اس پر ہزاروں روپیہ صرف کیا جاتا ہے اور بہت سا وقت دیا جاتا ہے مگر صحبت صالح کے لیے فی سال ایک ماہ بھی کسی نے نہیں دیا۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۲/۵۶)

فراغت کے بعد چند سال درسیات ضرور پڑھانا چاہیے

دوسری بات یہ ہے کہ ان کو یہاں بڑی کتابیں پڑھانے کے لیے طالب علم نہیں ملیں گے اور یہی زمانہ ہے (فراغت کے بعد) ان کی استعداد حاصل کرنے کا کم از کم دو تین مرتبہ تو وہ سب درسی کتابیں نکلوادیں (یعنی پڑھادیں یا تکرار کہلادیں) مشق ہو جانے کے بعد پھر درس موقوف کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں درس دینے سے علم سے ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جو اخیر تک کام دیتی ہے میں نے کانپور کے زمانہ میں جو درس دیا تھا جس کو بہت زمانہ گزر گیا لیکن اس کا ضروری اثر اب تک باقی ہے۔

(حسن العزیز۔ص:۳۲۷)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو العلم والعلماء ص ۱۲۳

پڑھنے سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرو

مولانا قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے سے زیادہ سمجھنا چاہیے دو شخص تھے ایک تو ہدایہ کے حافظ تھے اور ایک صرف عالم تھے ان عالم صاحب نے ایک مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ ہدایہ میں یہ مسئلہ ہے اور حافظ ہدایہ کو بھروسہ تھا کہ ہدایہ میں تو کہیں نہیں ہے بولے کہ ہدایہ لاؤ عالم صاحب نے ایک عبارت نکالی جس سے وہ مسئلہ مستنبط ہوتا تھا حافظ ہدایہ رونے لگے اور کہا کہ ہمارا حفظ کیا ہوا کچھ بھی کام نہ آیا۔

ایک شخص پڑھا ہوا اور ایک سمجھا ہوا دونوں میں بڑا فرق ہے سمجھنا صحبت صالح سے آتا ہے صحبت صالح کی سخت ضرورت ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۳۳۰)

عقل وفہم اور تفقہ فی الدین پیدا کرنے کا طریقہ

کھلی ہوئی بات ہے جب چاہو تجربہ کر لو ملنا جلنا کم کر دو ادھر ادھر فضول دیکھنا بھالنا بند کر دو، معاصی سے اجتناب کرو اس سے خود بخود فہم اور عقل میں نورانیت پیدا ہوگی جو لوگ بک بک بحث کرتے ہیں ان کا فہم اور ان کی عقل برباد ہو جاتی ہے، ادھر ادھر دیکھنے بھالنے سے اور معاصی سے حواس منتشر ہو جاتے ہیں عقل خراب ہو جاتی ہے مشاہدہ کی بات ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۱/۴۰۳)

آپ اس کا تجربہ کر لیں دو عالموں کے پاس جائیے ایک ان میں متدین اور متقی ہو اور ایک فقط عالم میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ متقی کو عاقل اور فہیم پائیں گے اور غیر متقی کو نہایت خشک اور کورا بلکہ میں

یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک شخص ان پڑھ اور متقی ہو اور دوسرا فقط عالم آپ ان پڑھ میں جو فہم دیکھیں گے وہ اس عالم میں ہرگز نہ ہوگی چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین میں اکثر وہ لوگ تھے کہ نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا مگر جب بادشاہوں کے دربار میں اسلام کی دعوت دینے جاتے تھے اور شاہان دنیا سے خطاب کرتے تھے تو بڑے بڑے بادشاہ ان کی باتیں سن کر حیران ہو جاتے تھے مولوی ہونا کوئی خوشی کی بات نہیں دین دار ہونا خوشی کی بات ہے۔ (مزید المجید۔ ص:۹۱)

بزرگوں کے علوم کی مثال

بزرگوں کے علوم وہبی ہوتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً سورج نظر آرہا ہے اگر ہزار گھڑیاں متفق ہوں اس بات پر کہ اس وقت سورج چھپ گیا لیکن جو دیکھ رہا ہے کہ ابھی سورج موجود ہے وہ کہہ دے گا کہ سب گھڑیاں غلط ہیں اگر اس سے دلیل پوچھی جائے گی تو کہہ دے گا کہ ہمیں خبر نہیں کہ کہاں اور کیا غلطی ہے مگر غلط ضرور ہے کیونکہ ہم تو سورج کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

اسی طرح یہ حضرات گو اس پر قادر نہ ہوں کہ مقدمات میں تعیین کر دیں کہ کون سے مقدمہ میں غلطی ہے مگر اتنا ضرور کہہ دیں گے کہ تمہاری دلیل میں غلطی ضرور ہے اور یہ سب علوم غیر منصوصہ میں ہے۔

مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں اپنی تصنیف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو سنا دیتا ہوں تب مجھے اس کے مضامین پر اطمینان ہوتا ہے اور فرماتے تھے کہ ہمارے ذہن میں مبادی یعنی مقدمات پہلے آتے ہیں اور نتیجہ ان کے تابع ہوتا ہے اور ان حضرات کے ذہن میں نتائج پہلے آتے ہیں۔ (حسن العزیز۔ ص:۶۱۲/۱)

ذوق وہ چیز ہے کہ اصل علم ذوق ہی کا نام ہے جنہیں اللہ نے ذوق دیا ہے وہ سمجھتے ہیں اور اکثر بزرگان دین کے پاس رہنے سے ذوق نصیب ہوتا ہے۔ (حسن العزیز۔ ص:۵۹۳/۳)

طلبہ کو ضروری ہدایت

کسی کی دعوت مت کرنا اور دعوت وہ ہے کہ جس میں تکلف کیا جائے وقت ضائع ہو، میزبان بھی پریشان اور مہمان بھی اور جو اللہ تعالیٰ نے دیا سب نے مل کر کھا لیا یہ دعوت تھوڑی ہے۔

(حسن العزیز۔ ص:۳۷۹/۳)

ایک اہم نصیحت

یہ نہایت بہتر طریقہ ہے کہ جس کام اور بات میں الجھن ہو اس کو اک دم سے چھوڑ کر الگ ہو جائے دین کے اور کسی کام میں مشغول ہو جائے مسلمانوں کو کوئی خاص کام مقصود نہیں، اللہ کی رضا مقصود ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ کام فرض اور واجب نہ ہو اس لیے کہ فرض و واجب تو ہر حال میں ضروری ہیں۔ (الافاضات الیومیہ۔ ص:۳۷۰/۸)

دوستوں اور ساتھیوں سے شکایت تعلق کی علامت ہے

دوستوں میں جب تک ایک دوسرے کی شکایت باقی رہے دوستی بھی باقی ہے کیونکہ شکایت اسی وقت ہوتی ہے جب تعلق کا باقی ا؟ رکھنا مقصود ہوتا ہے اور قطع تعلق کے بعد شکایت کو بے کار سمجھتے ہیں۔
(انفاس عیسیٰ۔ص:۶۲۵/۲)

انضباط اوقات اور ہمت کی ضرورت

انضباط اوقات میں بڑی برکت ہوتی ہے کوئی کام مشکل نہیں رہتا الحمد للہ مجھے کوئی کام دشوار نہیں معلوم ہوتا ہمت کر کے لے بیٹھتا ہوں تو حق تعالیٰ پورا ہی فرما دیتے ہیں آج کل کے نوجوانوں کی ہمتیں پست ہیں ورنہ اگر ہمت کریں تو حق تعالیٰ خود مدد فرماتے ہیں قدم اٹھا کر چلنا شروع کر دے پھر چاہے ایک ہی بالشت روز چلے دوری روز بروز کم ہی ہوتی جائے گی۔ (حسن العزیز۔ص:۵۴۷۔ص:۱/۵۵۲)

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے نظام الاوقات میں کبھی کسی کو پریشانی میں نہیں ڈالا جو انتظام ایک دفعہ ہو گیا اس کے خلاف کبھی نہیں کیا اسی واسطے لوگوں کو میری تجویزوں پر اعتماد رہتا ہے اور بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایسے آزاد ہوتے ہیں کہ کسی انتظام کا ان کے پاس لحاظ نہیں ہوتا ایک مولانا بہت مشہور شخص تھے ایک جلسہ ہوا جو صرف انہیں کی وجہ سے ہوا تھا اور لوگوں نے بڑے انتظام کیے تھے عین وقت پر لینے گئے تو معلوم ہوا کہ باہر تشریف لے گئے ہیں کس قدر پریشانی ہوئی اور تمام شہروں میں زق بق ہوئی۔ (حسن العزیز۔ص:۴/۹۹)

وقت کی قدر واہمیت

ضروری باتوں میں ہم محنت سے نہیں گھبراتے ہاں فضول امر میں ہم سے ایک سطر بھی نہیں لکھی جاتی۔ اس کا احساس وہ شخص کرتا ہے جس کو وقت کی قدر ہو مگر آج کل لوگ وقت کی قدر ہی نہیں جانتے حالانکہ زندگی کی ہر گھڑی ہر سیکنڈ اور منٹ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت نہیں ہو سکتی مرتے وقت اس کی قدر معلوم ہو گی کہ ہائے ہم سے کتنا بڑا خزانہ فضول برباد ہو گیا اس وقت آپ تمنا کریں گے کہ کاش ہم کو ایک دو منٹ کی اور مہلت مل جائے وقت آنے کے بعد نہ ایک منٹ ادھر ہو سکے گا نہ ادھر غرض وقت بہت قابل قدر چیز ہے لیکن لوگ اس کی قدر نہیں کرتے ؟؟؟ پاس ایسا سرمایہ ہے کہ ہر لحہ تھوڑا تھوڑا ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح کی ہماری بھی حالت ہے کہ ہر لحہ برف کی طرح تھوڑی تھوڑی عمر ختم ہو جاتی ہے اسے گھلنے سے پہلے جلدی بیچنے کی فکر کرو۔
(الوقت۔ص:۳۲)

فراغت کے وقت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو، کام کرنا شروع کر دو۔
(الحج۔ص:۲۴)

بیکار وقت کھونا اور ادھر ادھر ملنا جلنا گھومنا پھرنا

بیکار وقت کھونا نہایت برا ہے اگر کچھ بھی کام نہ ہو تو انسان گھر کے کام میں لگ جائے گھر کے کام میں لگنے سے دل بھی بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے، یہ مجمعوں میں بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں کسی کی حکایت کسی کی شکایت بعض مرتبہ غیبت تک کی نوبت آجاتی ہے اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

(الافاضات۔ص:۲۶۷/۸)

مجھے لڑکوں کا ادھر ادھر کے لوگوں سے ملنا نہایت ناگوار ہوتا ہے مجھے ایسی ہی حیا آتی ہے جیسے لڑکیاں غیر لوگوں سے ملتی پھریں۔ (حسن العزیز۔ص:۱/۷۰)

ایک عام غلطی

لوگ کسی کی طرف کوئی بات منسوب کر دینا تو کچھ سمجھتے ہی نہیں کسی سے کوئی بات سنی اور قرائن سے اس بات کو کسی کی طرف منسوب کر دیا تو اسے جائز سمجھتے ہیں اور مجھ کو سخت ناگوار ہوتا ہے۔

(حسن العزیز۔ص:۱/۷۰)

اپنی جماعت کا عام مرض

ایک مرض اپنی جماعت میں پیدا ہو گیا ہے کہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلانے صاحب زیادہ پڑھے ہوئے ہیں فلانے صاحب ان سے کم درجہ کے ہیں ایک دوسرے کو فضیلت دے کر دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہیں اپنے اکابر کو دیکھا ہے کہ مجمع میں بکثرت لوگ ہوتے تھے مگر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون کس سے بیعت ہے۔

انضباط اوقات کی توفیق محض فضل خداوندی ہے

یہ ثابت قدمی اور استقلال اور پابندی اوقات ضبط معمولات محض خدا کا لطف ہے کہ انہوں نے آپ کے دل میں تقاضہ پیدا کر دیا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا ایک تنکا ہمارے ہاتھ میں ہو اور آندھی میں ثابت قدم رہے اور اس پر نازاں ہو تو اس کی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ (انفاس عیسیٰ۔ص:۳۱۴)

اہل علم کا بڑا مرض

اہل علم کی یہ حالت ہے کہ کسی کی کتاب لے لی تو اب اس کو واپس دینے کا نام ہی نہیں جانتے کتاب دینے والا اگر کثیر المشاغل ہو تو اس کو یاد بھی نہیں رہتا کہ مجھ سے کسی نے کتاب مانگی تھی بس مہینہ بھر کے بعد وہ سمجھ لیتا ہے کہ کتاب چوری ہو گئی۔ اور لینے والا بے فکر ہو گیا کہ وہ تو مانگتا ہی نہیں اب گویا وہ ان کی ملک ہو گئی پھر ان میں بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی چیز کو تو دوسرے کی چھاتی پر سوار ہو کر لے لیتے ہیں اور دوسروں

کی چیز دینے میں لا پرواہ ہوتے ہیں اور بعضے دینے میں بھی لا پرواہ ہوتے ہیں اور اپنی چیز لینے میں بھی لا پرواہ ہوتے ہیں۔ (التبلیغ۔ص:۳۱۹/۲۰)

متفرق نصیحتیں

(۱) مشغولی بھی بڑی سلامتی کی چیز ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھیں بس خدا جس سے کام لینا چاہے وہی کرسکتا ہے بندہ خود کچھ نہیں کرسکتا۔ (حسن العزیز۔ص:۱/۱۳۱)

(۲) کثیر الاشغال شخص کو زبانی یاد پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ضروری کاموں کو لکھ لینا چاہیے حساب و کتاب میں بڑے تیقظ کی ضرورت ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۱/۵۹۳)

(۳) اس کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے کہ تحریر و تقریر رفتار گفتار نشست و برخاست ایسی ہو کہ پڑھنے والے دیکھنے والے سننے والے کو ذرا بھی الجھن نہ ہو اور کسی کی دل شکنی کا باعث نہ بنے۔
(حسن العزیز۔ص:۲/۲۱۵)

(۴) علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے۔ جس قوم اور جس مذہب کے علماء امیر ہوئے وہ مذہب برباد ہوگیا۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۲۲۰)

(۵) دو چیزیں اہل علم کے واسطے بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں حرص اور کبر، یہ ان میں نہیں ہونا چاہیے۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۲۱۸)

(۶) جمود و اصرار بری چیز ہے غلطی کا اقرار کر لینے میں عزت ہے ایسے شخص کے بارے میں لوگ بطور مدح کے کہتے ہیں کہ یہ غلطی کا اقرار کو لیتے ہیں۔ بخلاف اصرار کرنے والوں کے کہ لوگوں کی نظر میں بھی اس کی ذلت ہوتی ہے۔ (حسن العزیز۔ص:۳/۲۱)

(۷) اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ کسی قول یا فعل سے کوئی تکلیف یا الجھن نہ ہو، اللہ کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ جو اتنا کرے گا وہ ہرگز محروم نہیں رہ سکتا۔ (حسن العزیز ص:۱/۲۲۷)

(۸) آدمی کو اپنی کسی چیز پر ناز نہ کرنا چاہیے نہ علم و فضل پر نہ عقل و فہم پر نہ زہد و تقویٰ پر نہ عبادت و اعمال پر۔ (الافاضات۔ص:۱۷)

(۹) انسان کی حقیقت کیا ہے سمجھتا ہے کہ ہم بہت کام کر رہے ہیں اگر لکھتے لکھتے حق تعالیٰ شانہ ہاتھ شل کر دیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں محسوسات کا ادراک بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایک رات کو میں گھر کا راستہ بھول گیا دس بارہ منٹ میں حیران رہا کبھی کہیں چلا جاؤں، کبھی کہیں چلا جاؤں حالانکہ گھر

اتنا قریب ہے کہ آنکھیں بند کرکے بھی جا سکتا ہوں۔ (حسن العزیز۔ص:۱۳۶/۱)

(۱۰) مخلوق کے برا کہنے کا کیا خیال حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف رکھنا چاہیے آدمی سب کو خوش نہیں رکھ سکتا جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے تو پھر اپنی مصلحت کیوں فوت کرے جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرط اذن وہی کرے کسی کی بھلائی و برائی کا خیال نہ کرے۔

(حسن العزیز۔ص:۳۸۰/۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علوم وفنون اور نصابِ تعلیم

پیش لفظ

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

علماء شریعت نے اصولی طور پر علم دین کی دو قسمیں فرمائی ہیں فرض عین، فرض کفایہ، فرض عین بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا جس سے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اسلامی احکام کے مطابق عمل ہو سکے اتنی مقدار میں علم سیکھنا تو ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔

دوسری قسم فرض کفایہ ہے یعنی حافظ، قاری، عالم ومفتی بننا یہ ہر شخص پر لازم نہیں البتہ ہر زمانہ اور علاقہ میں ان کا وجود ضروری اور فرض کفایہ ہے۔

وہ علوم جو فرض کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں بعض علوم تو وہ ہیں جو مقصود بالذات ہیں جن کو علوم عالیہ کہا جاتا ہے مثلاً قرآن وحدیث کے الفاظ ومعانی اور اس سے متعلقہ ضروری مباحث واحکام، فن تفسیر، حدیث، فقہ، تجوید، قراءت وغیرہ علوم عالیہ ہی کے شعبے ہیں اور بعض علوم وہ ہیں جو مقصود بالذات تو نہیں لیکن علوم عالیہ کے ذرائع و وسائل ہیں فن نحو، صرف بلاغت، ادب، منطق وغیرہ علوم آلیہ اسی کے تحت آتے ہیں۔

مدارس اسلامیہ میں فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے علوم عالیہ وآلیہ کی درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ فرض کفایہ کی طرح فرض عین یعنی جتنی مقدار میں علم دین سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اس کا طریقہ اور نصاب اور اس کا باقاعدہ نظام بھی ہمارے مدارس میں ہونا چاہیے جس سے امت کا ہر طبقہ تھوڑا سا وقت فارغ کر کے علم دین سے ضروری واقفیت حاصل کر سکے۔

الحمد للہ اس رسالہ میں مختلف قسم کے نصابوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جس سے عوام وخواص بنہ امت کے ہر طبقہ کے لیے علم دین حاصل کرنا بہت آسان ہے اور اس کی مکمل تفصیل جس سے امت کا ہر طبقہ چھوٹا، بڑا، بوڑھا، جوان، پڑھا لکھا، ان پڑھا، جاہل، دیہاتی، شہری، علم دین سے واقفیت حاصل کر سکے نیز عامۃ المسلمین کی اصلاح کا خاکہ اور مکمل دستور العمل رسالہ ''تسہیل التعلیم'' میں ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرے اس امر کی بھی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ فرض کفایہ کے ضمن میں جو علوم آتے ہیں خواہ وہ

علوم عالیہ ہوں یا آلیہ ہر علم وفن کی شرعی حیثیت اور اس کا حکم نیز اس کی ضرورت واہمیت اور اس کے مفید یا مضر پہلو کیا ہو سکتے ہیں اور اس کے تدارک واصلاح کا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔ نیز مدارس اسلامیہ میں مروجہ نصاب میں کن امور کی اصلاح وترمیم اور اس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے، الحمد للہ ان سب باتوں کو اس رسالہ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے منتشر کلام ملفوظات ومواعظ فتاویٰ وغیرہ سے منتخب کر کے یکجا کیا گیا ہے۔ نیز حتی الامکان ہر علم وفن منطق فلسفہ علم کلام قدیم وجدید مناظرہ، سحر جادو، قیافہ، کہانت، شعر، سیرت، تاریخ وغیرہ جملہ علوم وفنون سے متعلق ہر ایک شرعی حیثیت اور اس کا درجہ نیز اس کے مفید یا مضر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

میرے علم کے مطابق اپنے موضوع کی یہ منفرد کتاب ہے میری معلومات میں اردو زبان میں اس انداز کی کوئی ایسی کتاب نہیں۔

یہ رسالہ ان شاء اللہ اہل علم کے لیے عموماً اور اہل مدارس کے لیے خصوصاً بڑا مفید ثابت ہوگا اللہ پاک ہم سب کو اس مجموعہ سے کما حقہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

محمد زید

۱۳ محرم ۱۴۱۴ھ

باب نمبرا

علم کی تعریف اور تقسیم

علم کے معنی ہیں جاننا۔ میں یوں سمجھتا تھا کہ علم کی تین قسمیں ہیں: نافع اور مضر اور غیر نافع وغیر مضر۔ لیکن واقعات کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو غیر مفید ہے وہ بھی حقیقت میں مضر ہی ہے میں پختگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس شئی کے اندر کوئی فائدہ نہیں ہے وہ مضرت سے خالی نہیں ہے۔

علم کی مشہور تقسیم اور اس کی تحقیق میں کچھ تعارض نہیں اس لیے کہ تین قسمیں، ابتداء کے اعتبار سے ہیں یعنی ابتداء میں فی الواقع علم کی تین قسمیں ہیں، مفید، غیر مفید، مضر لیکن آثار کے اعتبار سے اور مآل کار (انجام کے اعتبار سے) کل دو قسمیں ہیں مفید اور مضر اس لیے امر فضول بھی قابل ترک ہوا۔

یہ ایک علم ہے جو پرسوں القاء ہوا ہے اس سے پہلے یہ امر سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

(دعوات عبدیت ص: ۱۷ وص: ۱۵، وص: ۱۷/۸۸)

علم نافع وغیر نافع:

جو علوم مضر ہوں ان کا سیکھنا حرام ہے "وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ" سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جب بعض علوم مضر ہیں تو کوئی نافع ضرور ہے تو اس سے دو حکم معلوم ہوئے ایک یہ کہ علوم مضرہ سے بچنا چاہیے دوسرے یہ کہ علوم نافعہ کو سیکھنا چاہیے رہا یہ کہ مضر کون ہے اور نافع کون ہے اس کی تعیین بھی خود اسی آیت میں موجود ہے۔ "وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" اس سے معلوم ہوا کہ علم مضرہ وہ ہے جو آخرت میں کام نہ آئے تو اس کے مقابلہ میں نافع وہ ہوا جو آخرت میں کام آئے۔ (التبلیغ ص: ۲۱/۱۳۲)

کون سا علم حاصل کرنا فرض ہے:

جس علم کا حاصل کرنا ہر شخص پر واجب ہے وہ علم معاش نہیں بلکہ علم دین ہے جس سے انسان کے عقائد، معاملات، معاشرات، اور اخلاق درست ہوں جس کا ثمرہ دنیا میں "اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ" (کہ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں) اور آخرت میں "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" کی بشارت ہے کہ انہیں کے لیے کامیابی ہے لہٰذا اس تعلیم کا وجوب نقلاً وعقلاً ظاہر ہے۔ نقلاً تو "طلب العلم واجب علی کل مسلم طلب الفقه حتم واجب علی کل مسلم یاایها الناس علیکم بالعلم" (علم دین اور فقہ کا طلب کرنا ہر مسلمان پر یقیناً واجب ہے اے لوگو! علم کو لازم

پکڑلو جو علم نہ سیکھے اس کے لیے ہلاکت ہے اور "ویل لمن لا یعلم" وغیرہ روایت ہیں......اور دلیل عقلی یہ ہے کہ عقائد و اعمال ہی اصلاح فرض ہے اور وہ موقوف ہے علم کی تحصیل پر اور فرض کا موقوف علیہ فرض ہوتا ہے پس تحصیل علم بھی فرض ہوا۔ (اصلاح انقلاب۔ص:۲۶۳/۱۔ تجدید تعلیم۔ص:۱۳۴)

ہر علم مفید نہیں:

یاد رکھو! ہر علم مفید نہیں بلکہ بعضے علوم مضر ہوتے ہیں خواہ ان علوم ہی کی ایسی خصوصیت ہو یا سیکھنے والے کے لحاظ سے مضر ہوں۔ دیکھئے تلوار ضروری ہے مگر ہر شخص کے لیے نہیں بلکہ صرف اس شخص کے لیے جس میں قوت ہو اور چلانا جانتا ہو ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے ہی ہاتھ پیر کاٹ لے گا اگر کوئی یہ سمجھ کر کہ تلوار مفید چیز ہے ذرا سے بچے کے سامنے رکھ دے تو عجب نہیں کہ اس کا گلا ہی کٹ جائے۔ اسی طرح یہ قاعدہ کلیہ صحیح نہیں کہ ہر علم مفید ہے اور نہ ہر شخص میں ہر علم کے حاصل کرنے کا حوصلہ ہے۔

(التبلیغ کساء النساء۔ص:۶۷/۷)

شرعی دلیل:

"وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ" اگر چہ (اس آیت میں) یہود کی حالت کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ ایسی چیز کی تعلیم حاصل کرتے ہیں جو ان کو مضر ہے لیکن یہ قاعدہ ہے کہ سبب کے خاص ہونے سے حکم خاص نہیں ہوتا (بلکہ) عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے یہ حکم جو یہاں مذکور ہوا ہے عام ہے وہ یہ کہ علم مضر کو نہ حاصل کرنا چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ ہر علم محمود نہیں بلکہ بعض علم مضر بھی ہیں جن کے سیکھنے پر اس آیت میں ملامت کی گئی ہے۔ (التبلیغ۔ص:۱۱۹/۲۱)

مضر علوم کی تقسیم:

پھر مضر کی دو قسمیں ہیں: بعضے (علوم) بالذات مضر ہیں اور بعضے بالغیر مضر ہیں بالذات وہ علوم ہیں جو اصل سے ممنوع اور ناجائز ہیں کیونکہ ان کے مضامین خلاف شریعت ہیں جیسے نجوم اور سحر وغیرہ۔ اور مضر بالغیر وہ علوم ہیں جو فی نفسہ جائز ہیں مگر کسی عارض کی وجہ سے ان کو ممنوع کہا گیا ہے جیسے علم مناظرہ کہ فی نفسہ جائز ہے لیکن بعض لوگ اس طرز سے اس کی تعلیم دیتے ہیں جو کہ مضر فی الدین ہے (مثلاً جس سے انبیاء علیہم السلام کی توہین لازم آتی ہے) اس لیے اس طرز سے تعلیم و تعلم کو ممنوع کہا جائے گا۔

(التبلیغ۔ص:۱۲۰/۲۱)

شارع کے نزدیک کون سا علم معتبر ہے:

طالب علم یعنی دین طلب کرنے والا شارع ﷺ نے اسی کو قرار دیا ہے باقی دنیا کا علم اگر وہ معین ہو

جائے تو علم ہے ورنہ نہیں اس کی مثال ایسے سمجھو کہ لکڑی باوجودیکہ کھائی نہیں جاتی اور نہ وہ کھانے میں داخل ہے لیکن چونکہ کھانے میں معین ہے اس لیے اس کو بھی کھانے کے حساب میں شمار کرتے ہیں کہ جب کھانے کا حساب ہوتا ہے تو یہ بھی حساب ہوتا ہے کہ ایک روپیہ ماہوار کی کتنی لکڑیاں صرف ہوئیں اور سب ملا کر کھانا پانچ روپیہ میں پڑا اب اگر کوئی یہ کہے کہ کیا لکڑیاں بھی کھاتے ہو تو اس کو دیوانہ بتلائیں گے اور کہیں گے کہ معین بھی تابع ہو کر مقصود میں شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر علوم معاش معین ہوں تو ضمناً اس کو بھی اس میں داخل کرلیں گے لیکن اصل علم دین ہی ہے اور جو نہ علم دین اور نہ معین ہو وہ جہل ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''**ان من العلم لجهلا**'' کہ نام تو اس کا علم ہے اور حقیقت میں وہ جہل ہے اس میں وہ علم دین بھی داخل ہے جس پر عمل نہ ہو اور علم دنیا بھی جبکہ معین نہ ہو بہر حال مقصود عمل ہے اور جب یہ نہ ہو خواہ علم دین اور عمل نہ ہو اور خواہ علم دین ہی نہ ہو تو یہ سب جہل ہے گو اصطلاح میں ان کو علوم کہا جاتا ہے مگر شارع کی نظر میں وہ علم نہیں جیسے اہل دنیا کی نظر میں بہت علوم خسیسہ جیسے پاخانہ اٹھانا یہ علم نہیں کوئی متمدن قوم اس کو علم شمار نہ کرے گی باوجودیکہ وہ بھی بالمعنی الاعم علم ہے مگر خسیس فن ہونے کی وجہ سے اس کو علم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا کیونکہ بالاتفاق عقلاء علم وہ ہے جس میں کوئی وجہ شرف کی بھی ہو تو شارع کے نزدیک چونکہ علم دین کے علاوہ اور دوسرے علوم میں کوئی شرف نہیں لہٰذا ان کو علوم میں شمار نہیں کیا اور اس باب میں شارع ﷺ اور ان کے متبعین پر تعصب کا الزام نہیں لگ سکتا کیونکہ مہتر (پاخانہ اٹھانے والا) کے علم کو علم نہ کہنے میں جیسا جواب آپ دیں گے وہی شارع جواب دیں گے۔ (دعوات عبدیت طلب العلم۔ ص: ۹/۱۴۰)

علوم نقلیہ و شرعیہ صرف تین ہیں:

شریعت میں علم مخصوص ہے علوم نقلیہ شرعیہ کے ساتھ مگر آج کل لوگوں نے اس کو عام کر دیا ہے (حالانکہ) شریعت میں جو علم کی فضیلت وارد ہے اس میں علم سائنس و علم معاشیات وغیرہ داخل نہیں بلکہ علوم احکام مراد ہیں جو قرآن و سنت و حدیث و فقہ میں منحصر ہیں۔

شریعت میں جہاں علم کی فضیلت کا ذکر ہے یا اس کی ترغیب دی گئی ہے یا امر کیا گیا ہے وہاں صرف علوم نقلیہ شرعیہ مراد ہیں۔ جن میں اصل الاصول علم فقہ علم حدیث و علم قرآن ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے مقدمات کو بحکم مقدمۃ الواجب واجب ان کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ (علوم العباد من علوم الرشاد)

علوم نافعہ و ضارہ کا معیار اور تفصیل:

علم بحیثیت علم کے ایسی چیز نہیں ہے جس سے روکا جائے منع کیا جائے علم کے کچھ عوارض ایسے ہوتے

ہیں جن کی وجہ سے کسی علم کے حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے مثلاً (۱) کسی باطل کو حق سمجھ لینا (۲) کسی علم پر عمل کرنے کی صورت میں کسی فساد کا پیدا ہو جانا اگر چہ وہ علم فی نفسہ حق ہے (۳) غلو کا خطرہ کہ وہ اس علم کو اس کے مرتبہ ومقام سے زائد مرتبہ دینے لگے (۴) اس علم میں مشغول ہونے کی وجہ سے عمر عزیز ضائع ہونے کا خطرہ ہے (۵) اس علم کے ماخذ ومواد کا حاصل کرنا پردہ خفا میں ہو اس کی مثال میں یہ علوم پیش کیے جا سکتے ہیں علم نجوم، علم رمل، علم کہانت قیافہ، طیرہ، سحر فراست، سفلی عملیات، اکثر فلسفہ کے طبعی اور الٰہی مسائل ان علوم کے سیکھنے سے منع کیا جائے گا لیکن اگر ان کے روکنے کے لیے سیکھتا ہے تو اجازت ہے اسی طرح کمزور عقیدے کے لوگوں کو اہل حق (اہلسنت والجماعت) کے مخالفین کے علوم سے قطعاً روکا جائے گا اسی طرح علم کلام اور تصوف کے باریک مسائل کی چھان بین سے عوام الناس کو منع کیا جائے گا علم جغرافیہ او رعلم کیمیا سے بھی منع کرنا اسی قبیل سے ہے۔

علم نافعہ محمودہ:

عوام کو فقہ کے وہ مسائل سیکھنا جن کی ان کے حق میں ضرورت ہو عقائد کے ضروری اور منصوص علیہ مسائل جو ان کی عقل کے لیے قابل قبول ہوں کچھ ترغیب وترہیب ہو کچھ انبیاء وصلحاء کے واقعات ہوں اور بس۔ ان کو اس کی اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ علم کلام کی باریکیوں، تصوف، احکام شرع کے دلائل قرآن کریم کا بغیر کسی استاذ کے ترجمہ، حدیث کا ترجمہ اور اہل اللہ اور اہل اسرار کے اقوال و افعال کے درپے ہوں خواص کے لیے صرف، نحو، بلاغت، ادب کچھ ضروری مقدار میں منطق اور فلسفہ کی کچھ اصطلاحات سیکھنے کی اجازت دی جائے گی کیونکہ فلسفہ کے مسائل اور دلائل فاسد ہیں اور فاسد بنیادوں پر قائم ہیں ان کی کچھ زیادہ حاجت بھی نہیں ہے اسی طرح فقہ، اصول حدیث، تفسیر، قراءت و تجوید، سلوک، سیر اور تاریخ سیکھیں۔ (تلخیصات العصر۔ص: ۱۵۰، الدرس السابع)

علم محمود وغیر محمود کا شرعی معیار:

میں ایک اور غلطی پر متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ علوم نافعہ وہ ہیں جو آخرت میں کام آئیں مطلق علوم مراد نہیں۔ شریعت میں جتنے فضائل علم کے مذکور ہیں ان سے مراد وہ علم ہے جو آخرت میں مفید ہو۔ یعنی علم شرائع واحکام، انگریزی تعلیم اس سے مراد نہیں۔ آج کل بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ علم کی فضیلت میں آیات واحادیث لکھتے ہیں اور اسی پر زور بھی دیتے ہیں کہ شریعت میں علم حاصل کرنے کی بہت تاکید ہے اور اس کے بعد ان تمام فضائل کو انگریزی تعلیم پر چسپاں کرتے ہیں اس تمام تمہید کے بعد وہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت ثابت کرتے اور اس کی ترغیب دیتے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گویا انگریزی پڑھنے سے یہ تمام فضائل حاصل ہو جائیں گے۔ سو خوب سمجھ لو یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں۔ اس

آیت ''وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّھُمْ '' سے معلوم ہوا کہ علم نافع وہ ہوتا ہے جو آخرت میں کام آئے اور علم مضر وہ ہے جو آخرت میں کام نہ آئے۔ (التبلیغ۔ص:۲۰۵،۱/۱۴۷)

کون سے علوم حاصل کرنے چاہئیں:

دنیا میں سینکڑوں علوم وفنون ہیں آخر کس کو حاصل کیا جائے گا۔ سب کو حاصل کرنا تو محال ہے لامحالہ ترجیح پر عمل کیا جائے گا اور کسی علم کو دوسرے پر ترجیح محض ضرورت کی وجہ سے ہوسکتی ہے یعنی جو فن جس کے لیے کارآمد اور ضروری ہو اس کو حاصل کرنا چاہیے کیونکہ غیر ضروری کے پیچھے پڑجانے سے آدمی ضروری سے رہ جاتا ہے مگر آج کل یہ خبط عام ہو رہا ہے کہ ضروری اور غیر ضروری سے بحث نہیں کرتے جو فن سامنے آگیا اسی کے پیچھے پڑگئے۔ (کساء النساء۔ص:۶۴،۷/التبلیغ)

ہندی انگریزی ہر زبان میں علم دین حاصل کرنا باعث ثواب ہے:

زیادہ تر علماء کی کوتاہی ہے انہوں نے کبھی یہ صاف صاف نہیں کہا کہ اردو میں علم دین پڑھ لینے سے وہ فضائل حاصل ہوسکتے ہیں جو احادیث وقرآن میں علم کے لیے وارد ہیں حالانکہ قرآن وحدیث میں کہیں عربی کی تخصیص نہیں چنانچہ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم مضر وہ ہے جو آخرت میں کام نہ آئے اور نافع وہ ہے جو آخرت میں کام آئے۔ اس میں کہیں یہ قید نہیں کہ وہ عربی میں ہونا چاہیے اگر انگریزی میں دینی مسائل کا ترجمہ ہوجائے تو پھر ان کتابوں کا پڑھنا بھی دینا ہے جیسا کہ اردو میں دینی رسائل کا پڑھنا مگر شرط یہ ہے کہ ترجمہ کرنے والا محض انگریزی داں نہ ہو بلکہ محقق عالم ہو یا کسی انگریزی داں محقق عالم نے اس کی اصلاح اور تصدیق کردی ہو۔ (التبلیغ۔ص:۱۴۷۔ص:۲۰۶،۲۱/ تعلیم التعلیم)

اگر انگریزی میں کسی محقق نے دینی مسائل لکھ دیے ہوں تو پھر انگریزی کتابوں کا پڑھنا بھی ثواب میں داخل ہے باقی عام لوگوں کو انگریزی کتابیں خواہ وہ دین ہی کی طرف منسوب ہوں قابل اعتبار نہیں اور جن میں دین کا نام بھی نہ ہو وہ محض دنیا ہے ایسی کتابوں کی تعلیم وتعلم پر علمی فضیلت کی احادیث وآیات کو منطبق کرنا جہالت ہے۔ (التبلیغ۔ص:۲۱۰،۲۱)

غلط فہمی کا ازالہ:

عوام نے علم دین کو عربی ہی کے ساتھ مخصوص سمجھ لیا ہے اور عربی پڑھنے کی فرصت نہیں اس لیے انہوں نے اردو میں بھی مسائل نہ سیکھے کیونکہ اردو میں مسائل پڑھ لینے کو وہ علم ہی نہیں سمجھتے انہوں نے یہ خیال کیا کہ جب اردو میں پڑھ لینے کے بعد بھی ہم جاہل ہی رہیں گے تو اس کی کیا ضرورت ہے اور یہ غلطی ہماری پیدا کی ہوئی ہے۔

واعظین جب علم کی فضیلت بیان کرتے ہیں اگرچہ صاف صاف نہیں کہتے مگر ان سب فضائل پر عربی کی تعلیم کو متفرع کرنا لازمی طور پر عوام کے دلوں میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ جتنے فضائل علم کے ہیں وہ سب عربی ہی کے ساتھ خاص ہیں حالانکہ قرآن وحدیث میں کہیں عربی کی تخصیص نہیں۔ (ص:۱۴۱)

طالب علم کی تعریف اور طلب علم کی فضیلت:

طلب علم کے یہ معنی نہیں کہ وہ عربی پڑھیں یہ تو ان کے لیے ہے جو فارغ ہوں اور نہ یہی معمول رہا ہے صحابہ کا بھی اور تابعین کا بھی کہ ضرورت کے موافق پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے تو عربی نہ پڑھنے والے یہ نہ سمجھیں گے ہم کو طلب دین کی فضیلت حاصل نہیں حدیث میں ہے ''ان الملئکۃ لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم'' یعنی ملائکہ ان کے لیے جھک جاتے ہیں تضع کے یہی معنی ہیں اور یہ کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ طالب علم کے پیر کے نیچے پر بچھا دیتے ہیں۔ اگر انہیں لفظوں سے یہ سمجھا ہے تو محل کلام ہے اور اگر کوئی اور روایت ہے جو ہم تک نہیں پہنچی تو بسر وچشم قبول ہے ان روایتوں کو سن کر اکثر لوگ دل شکستہ ہوتے ہیں کہ ہم کو یہ فضیلت حاصل نہیں مگر میں مطلع کرتا ہوں کہ کوئی دل شکستہ نہ ہو۔ ہر شخص یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ معاملات وعقائد وغیرہ کا اہتمام کرے اور غور کرتا رہے اور جو نہ معلوم ہو پوچھتا رہے بس یہ طالب علم ہوگیا اور اس کے لیے وہی تعظیم ہوگی ہاں جو مقتدا بن جائے وہ اس فضیلت کے ساتھ نائب رسول بھی ہوگا ورنہ طلب علم کی فضیلت ہر شخص کو حاصل ہوسکتی ہے۔

(دعوات عبدیت۔ص:۱۵۵/۹ طلب العلم)

کتابی علم کی ضرورت:

دین کے جاننے کی ضرورت متعارف کتابیں پڑھنے کے سبب کو ضرورت نہیں ہاں دین سے بقدر ضرورت واقفیت ضروری ہے وہ خواہ عربی کی کتابیں پڑھ کر ہو یا فارسی کی یا اردو کی یا زبانی پوچھ پوچھ کر، قرون اولیٰ کے لوگ سب عالم تھے مگر کتاب کے ذریعے نہیں بلکہ پوچھ پوچھ کر اور زبانی سیکھ کر پھر کیسے کیسے عالم تھے کہ جن کے ذریعہ سے خود کتاب والوں کو بھی علم پہنچا لیکن زمانہ کا رنگ بدلنے سے اب زبانی باتوں پر اعتماد نہیں رہا اس واسطے ضرورت پڑی کہ قرون اولیٰ کے علوم کتابی شکل میں لائے جائیں اس واسطے اب یہ رواج ہوگیا کہ عالم ابن کو سمجھتے ہیں جس نے کتابیں پڑھی ہوں اور یہی طریقہ آج کل اسلم ہے اور چونکہ زبانی پوچھنا اور پوچھنے کے بعد اس کو زبانی یاد رکھنا یہ بھی دشوار ہوگیا ہے اس لیے سب سے احوط طریقہ یہی ہے کہ کتابی تعلیم دی جائے پہلے زمانہ میں کتابیں مشکل تھیں لیکن اب خدا کے فضل سے سہل اور اردو زبان میں ہوگئیں جن سے بہت معمولی لیاقت کا آدمی بھی کاربرآری کرسکتا ہے۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۸۸)

واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے جیسے کوئی شخص پیدل سفر حج کرنے پر قادر نہ ہو مگر ریل جہاز وغیرہ کی استطاعت رکھتا ہو اس پر واجب ہوگا کہ ریل جہاز کا ٹکٹ لے کر اس پر سوار ہو سو ریل یا جہاز میں سوار

ہونا فی نفسہ شرعاً اس پر واجب نہیں لیکن اس فرض کا ذریعہ ہے اس لیے یہ بھی فرض ہو گیا مگر بالغیر ......دوسرے تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ اب علم کا محفوظ رکھنا کتابوں ہی کے پڑھنے پڑھانے پر موقوف ہے جو تعلیم کا متعارف طریقہ ہے اور علم دین کا محفوظ رکھنا بھی واجب ہے لہٰذا متعارف طریقہ سے تعلیم کا جاری رکھنا بھی واجب ہے البتہ یہ واجب علی الکفایہ ہے یعنی ہر مقام پر اتنے آدمی دینیات پڑھے ہوئے ہونے چاہئیں کہ اہل حاجت کے دینی سوالوں کا جواب دے سکیں۔

(تجدید تعلیم۔ص:۱۳۵۔اصلاح انقلاب۔ص:۲/۲۳۵)

علم دین کی دو قسمیں فرض عین، فرض کفایہ:

علم دین کی دو مقداریں ہیں ایک یہ کہ ضروری عقائد کی تصحیح کی جائے۔ فرض عبادتوں کے ضروری ارکان وشرائط واحکام معلوم ہوں، معاملات ومعاشرت جن سے اکثر سابقہ پڑتا ہے ان کے ضروری احکام معلوم ہوں مثلاً نماز کن چیزوں سے فاسد ہو جاتی ہے کن کن صورتوں پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے اگر سفر پیش آجائے تو کتنے سفر میں قصر ہے اگر امام کے ساتھ پوری نماز نہ ملے تو بقیہ نماز کس طرح پوری کرے، قضا کے کیا احکام ہیں زکوۃ کن احوال میں واجب ہے اور اس کی ادائگی کے کیا کیا شرائط ہیں اسی طرح حج و صوم کے احکام اور یہ کہ نکاح کن کن عورتوں سے حرام ہے۔ کن الفاظ سے نکاح جاتا رہتا ہے ولایت نکاح اور عورت کے کیا احکام ہیں رضاعت کے اثر سے کون کون سے رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔ مبادلہ اموال (معاملات) میں کیا کیا رعایت واجب ہے اجرت ٹھہرانے میں کون کون سی صورتیں جائز ہیں اور کون سی ناجائز ہیں۔ نوکریاں کون سی جائز اور کون سی ناجائز ہیں اگرچہ بدقسمتی سے ناجائز میں مبتلا ہو مگر ناجائز کو ناجائز سمجھے گا تو دو جرموں کا مرتکب نہ ہوگا ایک تو ناجائز کا ارتکاب دوسرے اس کو جائز سمجھنا۔ اگر کوئی صاحب حکومت ہو تو اس کو فیصلہ مقدمات کے شرعی قوانین کا بھی علم ہونا چاہیے گو ان کے نافذ کرنے پر قادر نہ ہو مگر جاننا اس لیے واجب ہے کہ شرعی فیصلوں کے ناحق اور غیر شرعی کے حق ہونے کے اعتقاد نہ کر بیٹھے ، ماکولات ومشروبات (کھانے پینے کی چیزوں میں) کیا جائز اور کیا ناجائز ہے اسباب تفریح میں کس کا استعمال درست ہے اور کس کا نادرست۔

باطنی اخلاق میں محمود ومذموم کا امتیاز ہو اس کے علاج کا طریقہ معلوم ہو، مثلاً ریا، کبر، غضب، حرص، طمع، ظلم وغیرہ کی حقیقت جانتا ہو تا کہ اپنے اندر ان کا ہونا، نہ ہونا معلوم ہو اور ہونے کی صورت میں ان کے ازالہ کی تدبیر کر سکے اور کوتاہی پر استغفار کرے۔

علم دین کی یہ مقدار عام طور پر ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اکثر اوقات حق تعالیٰ کی ناراضگی اور معصیت میں مبتلا ہوگا۔ جن لوگوں نے بعض علوم کو فرض عین فرمایا ہے اس بعض سے یہی مقدار مراد ہے اور

فرض عین کا یہی مطلب ہے کہ یہ سب کے لیے عام طور پر ضروری ہے۔

(حقوق العلم۔ص:۹۲۸۔تجدید تعلیم ص:۱۷)

فرض عین کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر شخص اس کا مکلف ہے جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا وہ گناہ گار ہوگا۔ (حقوق علم۔ص:۱۰)

فرض کفایہ:

دوسری مقدار یہ ہے کہ اپنی ضروریات سے تجاوز کر کے مجموعہ قوم کی ضرورتوں پر لحاظ کر کے نیز دوسری قوموں کے شبہات سے اسلام کو جس مضرت کا اندیشہ ہے اس پر نظر کر کے معلومات دینیہ کا ایسا وافی ذخیرہ (مع اس کے متعلقات ولواحق اور آلات وخوادم کے) جو مذکورہ ضرورتوں کے لیے کافی ہو یہ مقدار فرض علی الکفایہ ہے یہ انتظام ضروری ہے کہ کافی تعداد میں ایک معتد بہ جماعت ایسی ہو جو ہر طرح علوم دینیہ میں کامل مکمل محقق ومتبحر ہو اور عمر کا بڑا حصہ ان علوم کی تحصیل میں اور ساری عمر ان کی خدمت واشاعت میں صرف کرے اور اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہو۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی جماعت کا تذکرہ ہے۔ "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" اور حدیثوں میں اصحاب صفہ کی یہی مثال ہے اور عام مسلمان اس جماعت سے تقریراً اور تحریراً اپنی ضروری دینی حاجتیں رفع کیا کریں (حقوق العلم ص۱۰ تجدید تعلیم ص۲۱) خوب سمجھ لو کہ پورا عالم بننا تو فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں لیکن بقدر ضرورت دین کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ (التبلیغ۔ص:۱۰/۲۱۳)

فرض کفایہ کا یہ حکم ہے کہ ہر مقام پر ایک ایسی جماعت قائم رہے جو ان ضرورتوں کو پورا کر سکے تو سب مسلمان گناہ سے بچے رہیں گے ورنہ سب گناہ میں شریک ہوں گے۔ (حقوق العلم۔ص:۱۰)

ہر قصبہ وشہر میں ایک دو عالم کا ہونا ضروری ہے:

اس کی ضرورت ہے کہ ہر شہر میں ایک دو عالم ایسے رہیں جن سے یہ دو کام یعنی ان سے پڑھنے اور سننے کے لیے جائیں اور ان دونوں کو لینے کی چار صورتیں ہوں گی۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۵۸ نمبر ۱۲)

سب کا عالم بننا جائز نہیں، کاشت وغیرہ بھی فرض ہے:

جن علماء کے بارے میں آپ خیال کرتے ہیں کہ وہ سب کو مولوی بنانا چاہتے ہیں (یہ خیال غلط ہے) وہ تو خود ہی سب کو مولوی بنانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ اس سے دو نقصان ہوں گے ایک تو یہ کہ جب تمام لوگ مولوی بن جائیں گے تو کھیتی اور تجارت سب برباد ہو جائے گی اور مجموعہ قوم پر معاش کی حفاظت کرنا فرض ہے اگر سب چھوڑ دیں اور اس سبب سے مرجائیں تو سب گناہ گار ہوں گے تو واجب ہے

کہ ایک جماعت کھیتی کے لیے رہے، ایک تجارت کے لیے رہے اور ایک خدمت دین کے لیے جس کو لوگوں نے اڑا دیا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگر سب مولوی بنیں تو چونکہ اکثر طبائع میں حرص اور لالچ غالب ہے اور معاش سے اکثر لوگ مستغنی نہیں ہوتے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مولوی کہلائیں گے اور حرص دنیا میں دین کو تباہ کردیں گے اور دین کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ بنائیں گے یہ ان کا ضرر ہوگا اور دوسرے لوگ ان کی اس ذلیل حالت کو دیکھ کر دین کو بھی ذلیل سمجھیں گے یہ دوسروں کا نقصان ہوگا۔

(دعوات عبدیت۔ ص: ۱۳۵/۱۰، ازالۃ الغفلۃ)

باب نمبر ۲

مختلف نصابوں کی ضرورت اور اس کی تفصیل

علماء کو چاہیے کہ نصاب تعلیم کو وسیع کریں پس:

(۱) ایک نصاب تو ان لوگوں کے لیے ہونا چاہیے جن کو عربی پڑھنے کے لیے فراغت اور فرصت ہے۔

(۲) دوسرا نصاب ان لوگوں کے لیے ہونا چاہیے جن کو عربی پڑھنے کا شوق ہے مگر فرصت کم ہے۔

(۳) تیسرا نصاب ان لوگوں کے لیے ہونا چاہیے جو عربی نہیں پڑھ سکتے ان کو اردو میں ضروریات دین پڑھا کر عقائد و معاملات سے آگاہ کردینا چاہیے۔

(۴) اور ایک نصاب ان بوڑھے طوطوں کے لیے مقرر کرنا چاہیے جو اردو بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ ان بوڑھے آدمیوں کو اب مکتب میں جاکر پڑھنا دشوار ہے ان کے لیے یہ تدبیر ہونی چاہیے کہ ایک عالم ہر ہفتہ میں کتاب ہاتھ میں لے کر ان کو مسائل سنا دیا کرے اور اچھی طرح سمجھا دیا کرے اس طرح گاؤں والے بھی تعلیم یافتہ ہوسکتے ہیں۔ (التبلیغ۔ ص: ۱۶۱ نمبر ۲۱ تعمیم التعلیم)

ہر طالب علم کو پورا طالب نہ بنائیں، اہل مدارس کی ذمہ داری:

مدرسوں کو چاہیے کہ ہر طالب علم کو پورا عربی پڑھانا ضروری نہ سمجھیں جس کے اندر مناسبت دیکھیں اور فہم سلیم پائیں اس کو سب کتابیں پڑھا دیں اور جس کو مناسبت نہ ہو یا فہم سلیم نہ ہو اس کو بقدر ضرورت مسائل پڑھا کر کہہ دیں کہ جاؤ دنیا کے دھندے میں لگو، تجارت و حرفت کرو کیونکہ ہر شخص مقتدا بننے کے لائق نہیں ہوتا۔ بعضے نالائق بھی ہوتے ہیں ایسوں کو فارغ التحصیل بنا کر مقتدا بنا دینا خیانت ہے۔

آج کل مدرسین و مہتممین اس کا بالکل خیال نہیں کرتے جتنے طلبہ ان کے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں

کیا سبھی کو علم سے پوری مناسبت ہوتی ہے؟ اور سبھی کی فہم سلیم ہوتی ہے ہرگز نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ طلبہ کا انتخاب نہیں کرتے۔

ایسے لوگوں کے لیے ایک مقدار معین کر لینا چاہیے کہ اس سے آگے ان کو نہ پڑھایا جائے اور وہ مقدار ایسی ہو جو دین کے ضروری ضروری مسائل جاننے کے لیے کافی ہو اور عام لوگوں کے واسطے اردو نصاب مقرر کر دینا چاہیے۔ (التبلیغ۔ص:۲۱۲/۲۱)

مدارس میں اردو، دینیات کے نصاب کی ضرورت:

میں نے اس مدرسہ میں یہ بھی رائے دی ہے جو قبول کر لی گئی ہے کہ ایک نصاب ایسا بنایا جائے جس سے اردو فارسی میں لوگ دینیات کا علم حاصل کر سکیں اور میری رائے میں ہر مدرسہ کے اندر ایک ایسا نصاب ہونا چاہیے اور میں نے کئی جگہ یہ رائے ظاہر بھی کی لیکن اہل مدارس نے اس پر توجہ نہیں کی اگر اس مدرسہ میں اس پر عمل کیا گیا اور ان شاء اللہ امید ہے کہ کیا جائے گا تو یہ بات اس مدرسہ کی خصوصیات میں سے ہوگی۔

(التبلیغ الہدیٰ والمغفرۃ۔ص:۲۲۶/۱۰)

کون سا نصاب کن لوگوں کو پڑھانا چاہیے:

اس میں تفصیل اس طرح ہے کہ مسلمانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں امراء اور غرباء پھر امراء میں دو قسم ہیں نوجوان اور بوڑھے۔

امراء کی تقسیم:

(۱) سو جن کی عمر پڑھنے کی ہے یعنی جوان وہ تو اپنے لیے علم دینی بمعنی مولویت (یعنی نصاب) تجویز کریں میں یہ نہیں کہتا کہ ان کو انگریزی نہ پڑھاؤ انگریزی بھی پڑھائیں مگر ترتیب بدل دیں (یعنی پہلے دینیات پڑھائیں پھر انگریزی) موجودہ ترتیب میں بہت سی خرابیاں ہیں اور صرف انگریزی پر اکتفا کرنے کی تو اجازت ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں نہ دین درست ہوتا ہے نہ دنیا۔ صرف انگریزی پڑھا ہوا بعض دفعہ کفر کی باتیں زبان سے کہہ جاتا ہے اور اس کو خبر تک نہیں ہوتی اس کی ماتحتی میں مسلمان بیوی ہوتی ہے اور حرام کے بچے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ کلمہ کفر سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے جب نکاح ہی نہ رہا تو اولاد سب حرامی ہوئی مگر اس شخص کو کچھ خبر بھی نہیں ہوتی اس کا انسداد بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس انگریزی کے ساتھ کچھ دین کا بھی حصہ ہو۔

(۲) اور رؤساء (مالدار) جو انگریزی پڑھتے ہیں ان کو اس سے تو روپیہ کمانے کی ضرورت ہے نہیں بلکہ زمانہ کی ضرورت کی وجہ سے پڑھتے ہیں سو اس کے لیے نہ ڈگری کی ضرورت نہ پاس ہونے کی ضرورت ان لوگوں کو پہلے علم دین پڑھانا چاہیے اس کے بعد یہ ضروریات پوری ہوتی رہیں گی غرض

میں انگریزی پڑھنے کو منع نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ پہلے علم دین پڑھا دیں کیونکہ پہلا نقش زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ "ما الحب الا للحبیب الاول" یہ میرا خیال ہے جو میں نے عرض کر دیا یہ تو امراء کے اعتبار سے تفصیل ہے۔

غرباء کی تقسیم:

رہے غرباء ان کی تقسیم یہ ہے کہ ان کے بچے جو غنی الطبع ہیں (یعنی جن کی طبیعت میں بجائے حرص و لالچ کے استغناء، غیرت خودداری کی شان موجود ہے) ان کو علم دین پڑھا کر پورا عالم بناؤ اور جو حریص و دنی الطبع ہیں ان کو ضروریات سے آگاہ کر دو پورا مولوی (عالم) نہ بناؤ یہ بڑی غلطی ہے کہ سب کو پورا عالم بنا دیا جائے چاہے اس کی طبیعت کیسی ہو۔

میں دیکھتا ہوں کہ لندن میں ایک جماعت انتخاب کنندگان کی ہے وہ جس کو جس کے قابل دیکھتے ہیں اسی کی تعلیم دیتے ہیں۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۲۰/۴۳ حق الطاعت)

اسی طرح اہل مدارس کو چاہیے کہ ہر طالب علم کو پوری عربی پڑھانا ضروری نہ سمجھیں جس کے اندر مناسبت دیکھیں اور فہم سلیم پائیں اس کو سب کتابیں پڑھا دیں اور جس کو مناسبت نہ ہو اس کو بقدر ضرورت مسائل پڑھا کر کہہ دیں کہ جاؤ دنیا کے دھندے میں لگو تجارت و حرفت کرو کیونکہ ہر شخص مقتدا بننے کے لائق نہیں ہوتا بعضے نالائق بھی ہوتے ہیں ایسوں کو فارغ التحصیل بنا کر مقتدا بنا دینا خیانت ہے، مگر آج کل مدرسین و مہتمین اس کا بالکل خیال نہیں کرتے کیا جتنے طلباء ان کے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں سبھی کو علم سے پوری مناسبت ہوتی ہے ہرگز نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ طلبہ کا انتخاب نہیں کرتے ایسے لوگوں کے لیے ایک مقدار معین کر لینا چاہیے کہ اس سے آگے ان کو نہ پڑھایا جائے اور وہ مقدار ایسی ہو جو دین کے ضروری ضروری مسائل جاننے کے لیے کافی ہو۔ (التبلیغ۔ ص:۲۱/۲۱۲)

سلف صالحین بھی انتخاب کر کے پڑھاتے تھے اور عجب نہیں کہ ایسے لوگوں کی وجہ سے ان کے پڑھانے والوں سے بھی باز پرس ہو جب کہ قرائن سے معلوم ہو کہ یہ ایسے ہوں گے۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۲/۴۳)

(الغرض) غرباء کے بچوں میں انتخاب کرو جس میں استغناء اور توکل کی شان ہو اسے پورا مولوی بنا دو۔ تو دو قسم کے علماء ہوئے ایک امراء کی، ایک غرباء کی۔ یہ قسم رہے اور لوگ یعنی امراء کے بڈھے لوگ اور غرباء کی۔ دوسری قسم کے بچے اور غرباء کے بڈھے تو ان کو قرآن پڑھا دو اور دین کا نصاب گو اردو ہی میں ہو پڑھا کر کام میں لگا دو۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۲۰/۴۴)

دنیاوی کاموں میں لگنے سے پہلے دینی تعلیم کا نصاب پورا کرنا چاہیے:

دین کی ضرورت دنیا سے زیادہ ثابت ہے اس بناء پر دنیا کے علوم میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اس

سے زیادہ دین کے علوم میں صرف کرنا چاہیے اگر زیادہ نہ ہو تو برابر تو ہو لیکن اب تو برابر کو بھی نہیں کہا جاتا۔ صرف اتنا وقت تجویز کیا گیا ہے۔ جس میں دوسرے علوم حاصل کرنے کی بھی گنجائش رہے۔

اس مدت میں بچے کو جملہ کاموں سے برطرف کیجئے صرف علم دین میں مشغول رکھئے پھر اختیار ہے جو فن چاہے سکھایئے پھر انشاء اللہ اس کے دین میں خلل نہ آئے گا۔

اگر ڈاکٹر کسی بچہ کے بارے میں کہہ دے کہ تین برس تک انگریزی نہ پڑھاؤ ورنہ دماغ خراب ہو جائے گا تو آپ مان لیں گے خواہ یہی زمانہ اس کے امتحان اور پاس ہونے کا ہو اور آپ جانتے ہوں کہ اگر یہ تین برس خالی رہے تو پہلے پڑھا ہوا سب بھول جائے گا اور آئندہ پڑھنے کی عمر نہ رہے گی مگر اس خیال سے ڈاکٹر کا کہنا مان لیں گے کہ تندرستی مقدم ہے اگر پاس بھی ہو گیا اور تندرستی نہ رہی تو نوکری کیسے کرے گا بس اسی طرح سمجھ لو کہ ڈھائی برس کے لیے ہم نے بچہ کو ہسپتال میں یعنی دینی مدرسہ میں بھیج دیا ہے کہ پہلے اپنی روحانی صحت کو درست کرلے پھر جسمانی صحت بھی درست کرلے گا۔

اول تو ڈھائی برس میں دنیا کا کچھ نقصان نہیں ہوتا اتنا وقت تو بسا اوقات لہو ولعب میں غارت ہو جاتا ہے اور اگر نقصان ہو بھی تب بھی مسلمان کے لیے تو دین ہی مقدم ہے۔ احکام خداوندی کے سامنے کسی چیز کی بھی وقعت نہیں پہلے ان کی تکمیل کرنی چاہیے پھر اور دوسرے کام۔ (دعوات عبدیت۔ص:۶۹/۳ حقوق القرآن)

ہندی انگریزی تعلیم اور صنعت وحرفت میں لگنے سے پہلے دینیات کے نصاب کی تکمیل ضروری ہے:

ضروریات دین کی تعلیم ہونی چاہیئے خواہ اردو میں ہو یا عربی میں مگر انگریزی سے قبل کیونکہ پائیدار نقش اول (شیٔ) کا ہوتا ہے۔ یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آنکھ کھولتے ہی انگریزی میں ان کو لگا دیا جائے، پہلے قرآن شریف پڑھاؤ اگر پورا نہ ہو تو دس پارے ہی سہی اور اس کے ساتھ ہی روزانہ تلاوت کا بھی اہتمام رکھو اور اس کے بعد مسائل دین کے کچھ رسائل کسی عالم سے پڑھاؤ اگرچہ اردو ہی میں ہوں اس کے بعد اگر معاشی ضرورت مجبور کرے تو انگریزی بھی پڑھا دو لیکن اس کے ساتھ ہی اگر دین کے خلاف اس میں کوئی بات پیدا ہو تو فوراً اس کو تنبیہ کرو اگر باز نہ آئے تو انگریزی چھڑا دو۔ (دعوات عبدیت۔ص:۱۳۹/۶)

دینی تعلیم سے غفلت کا نتیجہ:

ایک بات اور کہتا ہوں کہ صرف انگریزی پڑھا ہوا بعض دفعہ کفر کی باتیں زبان سے کہہ جاتا ہے اور اس کو خبر تک نہیں ہوتی اور اس کی ماتحتی میں مسلمان بیوی ہوتی ہے اور حرام کے بچے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ کلمہ کفر سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے جب نکاح نہ رہا تو اولاد سب حرامی ہوئی مگر اس شخص کو کچھ خبر نہیں افسوس

ہے کہ مسلمانوں کو اس پر ذرا توجہ نہیں۔ ایک شخص نے علی الاعلان یہ کہا کہ کیا یہ مذہبی بات ہے کہ حضور ﷺ نبی تھے۔ ہاں آپ بہت بڑے فلاسفر تھے اس لیے میں آپ کی عظمت کرتا ہوں اب بتاؤ ایمان رہا یا گیا؟ اس کا تو ایمان گیا ہی مگر اس کے نکاح میں ایک عفیفہ (پاک دامن عورت) ہے اس بیچاری کا کیا حشر ہوگا اس کا انسداد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس انگریزی کے ساتھ کچھ دین کا بھی حصہ ہو۔

(دعوات عبدیت۔ ص:۴۳/۲۰حق الاطاعت)

بچوں کو سب سے پہلے قرآن پاک پڑھانا چاہیے:

سب سے پہلے مسلمان کے بچے کو قرآن پڑھانا چاہیے کیونکہ تجربہ ہے کہ تھوڑی عمر میں علوم حاصل کرنے کی استعداد تو ہوتی نہیں تو قرآن مفت میں برابر پڑھ لیا جاتا ہے ورنہ وہ وقت بیکار ہی جاتا ہے اور بعض لوگ بڑی عمر کے بھروسے پر کہ یہ خود پڑھ لے گا نہیں پڑھاتے۔ سو مشاہدہ ہے کہ زیادہ عمر ہو جانے کے بعد نہ خیالات میں وہ اجتماع (یکسوئی) رہتا ہے نہ اس قدر وقت ملتا ہے نہ وہ سامان بہم پہنچتے ہیں فکر معاش الگ ستاتی ہے اہل وعیال کا جھگڑا الگ چلتا ہے خیالات میں انتشار پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اتنے موانع کے بعد کچھ نہیں ہو سکتا۔ (دعوات عبدیت۔ ص:۶/۹۶)

بچوں کو تعلیم کس عمر میں دلانا چاہیے:

فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے زیادہ ضروری چیز کے لیے یعنی نماز کے لیے سات برس قرار دیئے ہیں تو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہی عمر پڑھنے کے لیے بھی مناسب ہے البتہ زبانی تعلیم اور (ضروری باتیں نماز وغیرہ) یاد کرا دینا یہ پہلے ہی سے جاری رکھے چار برس چار مہینہ چار دن لوگوں نے اپنی طرف سے تجویز کر لیے ہیں۔ (ملفوظات اشرفیہ۔ ص:۲۰۱)

فصل

عوام کی تعلیم کی مختلف صورتیں مکمل دستور العمل کا خاکہ

(آج کل) ہر شخص کو نہ اتنی ہمت اور نہ اتنی فرصت ہے کہ باقاعدہ عالم بنے اس لیے میں دین سیکھنے اور سکھلانے کے ایسے آسان طریقے بتلاتا ہوں جس سے عام لوگ بھی اس فرض کو ادا کر کے ثواب دارین حاصل کر سکیں ان طریقوں کی تفصیل یہ ہے اور وہ صرف پانچ چیزیں ہیں۔

۱۔ کتب دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سننا۔

۲۔ گھر والوں کو خود پڑھانا یا سنانا یا کسی ذریعہ سے پڑھوانا سنوانا۔

۳۔ علماء دین سے مسئلہ پوچھنا۔

۴۔ وعظ سننا۔

۵۔ اہل کمال کی صحبت میں رہنا۔ (حیوۃ المسلمین ص:۷۲)

امر اول ودوم یعنی کتب دینیہ کا پڑھنا پڑھانا اور سنانا (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) جو لوگ اردو حروف پہچان سکتے ہیں اور پڑھ سکتے ہیں یا آسانی سے اردو پڑھنا سیکھ سکتے ہیں تو وہ یہ کریں کہ اردو زبان میں دین کی جو معتبر کتابیں ہیں ان کتابوں کو کسی اچھے جاننے والے سے سبق کے طور پر پڑھ لیں اور جب تک کوئی پڑھانے والا نہ ملے ان کتابوں کو خود دیکھتا رہے اور جہاں سمجھ میں نہ آئے یا کچھ شبہ رہے وہاں پنسل سے نشان لگادے پھر جب کوئی جاننے والا مل جائے اس سے پوچھ لے اور اس طرح جو علم حاصل ہو وہ مسجد میں دوسروں کو پڑھ کر سنا دیا کرے اور گھر میں عورتوں اور بچوں کو بھی سنا دیا کرے۔

(اصلاح انقلاب ص:۲۰، ۱۳ اشرف السوانح ص:۳/۲۲۴)

اور جو لوگ اردو نہیں پڑھ سکتے وہ پڑھے لکھے سمجھ دار آدمی کو اپنے یہاں بلا کر اسی طرح وہ کتابیں سن لیا کریں اگر اس کو تنخواہ دینا پڑے تو سب آدمی تھوڑا تھوڑا چندہ کے طور پر جمع کر کے ایسے آدمی کو تنخواہ دے دیا کریں دنیا کے بے ضرورت کاموں میں سینکڑوں ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں اگر دین کی ضرورت میں تھوڑا سا خرچ کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں مگر ایسا آدمی جو تم کو دین کی باتیں بتلائے اور ایسی کتابیں اپنی عقل سے تم خود مت تجویز کرنا بلکہ کسی اچھے اللہ والے عالم سے اصلاح لے کر تجویز کرنا۔

(حیوۃ المسلمین ص:۷۳)

امر سوم یعنی علماء دین سے مسئلہ پوچھنا (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) جب کوئی دین یا دنیا کا کام کرنا ہو اور شریعت میں جس کا اچھا یا برا معلوم نہ ہو اس کو دھیان کر کے کسی اللہ والے عالم سے ضرور پوچھ لیا کریں اور جو وہ بتلائیں اس کو خوب یاد رکھیں اور دوسرے مردوں اور عورتوں کو بھی بتلا دیا کریں۔

اور اگر ایسے عالم کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو تو اس کے پاس خط بھیج کر پوچھ لیا کریں اور جواب کے واسطے ایک آس پر اپنا پتہ لکھ کر یا لکھوا کر اپنے خط کے اندر رکھ دیا کریں کیونکہ اس طرح سے اس عالم کو جواب دینا آسان ہوگا اور جواب جلدی آئے گا۔ (ایضاً ص:۷۳)

امر چہارم یعنی وعظ سننا اس کام کو ضروری سمجھ کر کیا کریں کہ کبھی کبھی مہینہ دو مہینہ میں کسی عالم کی صلاح مشورہ سے کسی وعظ کہنے والے کو اپنے گاؤں یا اپنے محلہ میں بلا کر اس کا وعظ سنا کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور دل میں خوف پیدا ہو کیونکہ اس سے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ (ایضاً ص:۷۴)

امر پنجم یعنی اہل کمال کی صحبت (اس کا طریقہ یہ ہے) پابندی سے کبھی کبھی اللہ والے عالموں سے ملتے رہیں اگر (صرف اسی غرض سے) ارادہ کر کے جائیں تو بہت ہی اچھی بات ہے اور اگر اتنی فرصت نہ ہو

لیکن ایسا عالم پاس بھی نہ ہو جیسے گاؤں والے پاس ہوتے ہیں کہ (عموماً وہاں کوئی عالم نہیں ہوتا) تو جب کبھی شہروں میں کسی کام کو جانا ہو اور وہاں ایسا عالم موجود ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس جا کر بیٹھ جایا کریں اور کوئی بات یاد آ جایا کرے تو پوچھ لیا کریں۔

دین کے سیکھنے کے طریقوں کا یہ مختصر بیان ہے اور طریقے بھی کیسے بہت آسان اگر پابندی سے ان طریقوں کو جاری رکھیں گے تو دین کی ضروری باتیں بے محنت کے حاصل ہو جائیں گی۔ (حیوۃ المسلمین)

ان پانچوں امور میں سے ہر ایک کا تفصیلی بیان طریقہ کار مکمل دستور ہر باب کے تحت علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

(تفصیلی بیان "تسہیل التعلیم" اور اصلاح عوام کے طریقے) میں ملاحظہ فرمائیں۔

باب نمبر ۳

اردو دینیات کا نصاب حاصل کرنے کی صورتیں

اہل مدارس وعلماء سے درخواست:

(۱) علماء کو چاہیے کہ دیہات والوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کریں اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر تم ان کو تعلیم یافتہ بنا دو گے تو وہ کسی کے دھوکہ میں نہ آئیں گے۔ ورنہ کوئی دوسرا جاہل واعظ ان کو بہکا دے گا پھر جو وقعت آج تمہاری گاؤں میں ہو رہی ہے وہ سب جاتی رہے گی۔ (التبلیغ ص:۱۶۳/۲۱)

(۲) علماء کو چاہیے کہ نصاب تعلیم کو وسیع کریں ایک نصاب اردو میں ان لوگوں کے لیے ہونا چاہیے جو عربی نہیں پڑھ سکتے ان کو اردو میں ضروریات دین پڑھا کر عقائد واحکامات معاملات سے آگاہ کر دینا چاہیے۔ (التبلیغ ص:۱۶۱/۲۱)

(۳) میں نے اس مدرسہ میں یہ بھی رائے دی ہے جو قبول کر لی گئی ہے کہ ایک نصاب ایسا بنایا جائے جس سے اردو فارسی میں لوگ دینیات کا علم حاصل کر سکیں اور میری رائے میں ہر مدرسہ کے اندر ایک اب نصاب ہونا چاہیے اور میں نے کئی جگہ یہ رائے ظاہر بھی کی لیکن اہل مدارس نے اس پر زیادہ توجہ نہیں کی مجھے پہلے بھی معلوم تھا اور اب مدرسہ کی رپورٹ دیکھ کر بھی معلوم ہوا کہ اس مدرسہ کا زیادہ تر مقصود یہ ہے کہ دیہات کے جو لوگ پوری تعلیم حاصل نہیں کر سکتے ان کو ضروریات دین یعنی قرآن اور نماز روزہ وغیرہ ضروری مسائل کی تعلیم دی جائے سو یہ موقع بہت اچھا ہے۔ اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ (الہدیٰ والمغفرۃ)

عوام کے لیے یک سالہ نصاب کافی ہے:

بقدر ضرورت دین کا حاصل کرنا فرض عین ہے اس لیے اگر فرض کفایہ کی ہمت نہ ہو تو فرض عین کی مقدار ضرور حاصل کر لینا چاہیے آج کل لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ بس ہو تو پورا عالم ورنہ جاہل ہی رہے یہ بڑی غلطی ہے۔

جن لوگوں کو عالم بننے کی فرصت نہ ہو وہ بیچ ہی راستہ پر رہیں کہ نہ عالم ہوں نہ جاہل بلکہ ضروریات دین کی حاصل کر کے اپنے دنیوی کاروبار میں لگیں اور اس کے لیے ایک سال کی ضرورت ہے زیادہ کی نہیں ایک سال میں قرآن کے ایک دو سپارے پڑھ کر اردو میں مسائل کا علم بقدر ضرورت حاصل کر سکتے ہیں اور اتنی فرصت تو دیہات والوں کو بھی مل سکتی ہے۔ اس لیے کم از کم ایک سال تو اپنے بچوں کو دینی تعلیم ضروری دینی چاہیے اور یہ مدت میں نے ان لوگوں کے لیے بیان کی ہے جنہیں پورا قرآن پڑھوانے کی فرصت نہیں۔ ورنہ ایک درجہ میں پورے قرآن کی بھی ضرورت ہے۔ (التبلیغ الہدی والمغفرۃ ص:۲۱۳/۱۰)

صرف بہشتی زیور نا کافی ہے:

(ایک) صاحب لکھتے ہیں کہ میرے پاس بہشتی زیور موجود ہے مجھ کو جو دین کی ضرورت پیش آتی ہے اس میں دیکھ لیتا ہوں گویا ان کے نزدیک سارا دین بہشتی زیور ہی کے اندر آ گیا ہے۔ یا ان کو ان مسائل کے علاوہ جو اس میں ہیں کسی اور مسئلہ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اس میں شک نہیں کہ بہشتی زیور میں ایک کافی تعداد مسائل کی موجود ہے لیکن اولاً اس میں زیادہ تر وہ مسائل ہیں جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں یا عورتوں اور مردوں میں مشترک ہیں۔

اور اس سے قطع نظر مسائل اس میں اس قدر نہیں ہیں کہ ان کے بعد دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کے سارے مسائل مطالعہ سے حل ہی ہو جائیں اور کسی مسئلہ میں شبہ ہی نہ پیدا ہو ضرورت اس کی ہے کہ سبقاً سبقاً کسی عالم سے پڑھا جائے۔ (دعوات عبدیت، توبہ کی تفصیل ص:۸۱/۸)

عوام کو دینیات کے نصاب میں کون کون سے علوم پڑھانا چاہیے:

کامل اسلام یہ ہے کہ عقائد بھی درست اور کتاب وسنت کے موافق ہوں اور اعمال بھی یعنی دیانات، معاملات، گواہی، وکالت، تجارت، زراعت، وغیرہ اور معاشرت کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور اخلاق باطنہ صبر، شکر، اخلاص سب کے سب شریعت کے موافق ہوں یہ پانچ چیزیں ہیں جن کے مجموعے کا نام اسلام کامل ہے اگر ان میں سے ایک جز بھی کم ہو تو وہ اسلام ایسا ہے جیسے کوئی شخص حسین تو ہو لیکن اس کی ناک نہ ہو۔

(دعوات عبدیت ص:۱۳۹/۸ تکمیل الاسلام)

(خلاصہ یہ کہ) دین کے اجزا کلیہ پانچ ہیں عقائد، عبادات، معاملات، معاشیات، تہذیب اخلاق یا تربیت نفس اس کی تفصیل اور دلیل میرے رسالہ تعلیم الدین کے خطبہ میں موجود ہے۔ (حقوق العلم ص:۷)

اگر کوئی مولوی نہ بنے تو بقدر ضرورت علم دین ضرور حاصل کر لینا چاہیے اور ضروریات یہ ہیں عقائد، دیانات، معاملات، معاشرت، اخلاق اس کے بعد چاہے انگریزی پڑھو یا صنعت سیکھو جو چاہو کرو (لیکن پہلے علم دین حاصل کرلو) نیز اگر کوئی ذی استعداد ہو تو اس کو اجزاء مذکورہ کے علاوہ وہ کتابیں بھی پڑھا دی جائیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ملحدین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

(دعوات عبدیت ص:۸/۱۴۳)

عوام کا نصاب کس طرح کا ہونا چاہیے:

دینیات کے حاصل کرنے کے لیے وہ مختصر کورس کافی نہیں جس میں راہ نجات وغیرہ دو چار مختصر کتابیں ہیں بلکہ اس کے لیے ایسا کورس تجویز کرنا چاہیے جس سے عقائد و احکام، بصیرت کے ساتھ معلوم ہوں اور کچھ اسرار و حکم بھی بتلائے جائیں تا کہ بالا جمال پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے گھر میں اسرار و حکم بھی ہیں مصالح عقلیہ کی بھی رعایت ہے اور تمدن و سیاست بھی کامل ہے۔

اجمالاً اتنا معلوم ہونا ضروری ہے تا کہ جدید تعلیم سے شبہات نہ پیدا ہوں باقی تفصیلی علم کی ضرورت نہیں کیونکہ رعیت (اور عام لوگوں کو) اسرار و حکم کی ضرورت نہیں۔ (التبلیغ قدیم وعظ الفاظ القرآن نمبر۵۹)

عوام کے لیے دینیات کا نصاب ہر زمانہ کے محقق علماء تجویز کریں:

خلاصہ یہ کہ دینیات کا کورس علماء سے پوچھ کر مقرر کیا جائے تا کہ وہ ایسا کورس مقرر کریں جس سے شریعت کی عظمت قلب میں جم جائے اور عقائد اسلامیہ ایسے راسخ ہو جائیں کہ پہاڑ کے ہلائے نہ ہلیں اور اجمالاً اس کے پڑھنے والے کو اسرار کا بھی علم حاصل ہو جائے تا کہ اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ علماء کے پاس احکام کے اسرار اور مصالح عقلیہ بھی ہیں۔ (الفاظ القرآن ص:۸)

ذی استعداد کو وہ کتابیں بھی پڑھا دی جائیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ملحدین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ (دعوات عبدیت ص:۸/۱۴۳)

باب نمبر ۴

عربی نصاب

عربی نصاب کی تلخیص:

اگر عربی کا شوق ہو اور فرصت کم ہو تو ضروری کتابیں پڑھ لو اس ضرورت کو دیکھ کر نصاب تعلیم کا اختصار کرلیا گیا ہے کہ جہاں پہلے دس برس صرف ہوتے تھے اس میں صرف ڈھائی برس لگتے ہیں اس کوئی بات سمجھ کر آپ چونکیں نہیں اور یہ نہ کہیں کہ جب اڑھائی برس میں وہی کام ہوتا ہے جو دس برس میں ہوتا تھا تو کیا پہلے کے علماء نے وقت ضائع کرنے کو یہ مدت رکھی تھی کیونکہ میرا مطلب یہ نہیں کہ بعینہ وہی تعلیم جو دس برس میں ہوتی تھی اب اڑھائی برس میں ہوا کرے گی بلکہ ضروریات کو منتخب کرلیا گیا ہے کہ ان کو معلوم کرلینے کے بعد آدمی اپنے دین کو مستحکم کرسکتا ہے اور متوسط استعداد کا مولوی ایک گونہ جامعیت کے ساتھ بن سکتا ہے اگرچہ تبحر نہ ہو مگر اتنی استعداد ہوجائے گی کہ اگر چاہے تو اپنی لیاقت بڑھا سکتا ہے۔

(دعوات عبدیت ص: ۳/۶۸)

ایک نئی تجویز:

یہ نصاب کم فرصت لوگوں کے لیے تو ضروری ہی ہے اگر وہ لوگ بھی جو قدیم نصاب کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں پہلے اس کورس کو پورا کرکے نصاب قدیم کو پورا کرلیں تو نہایت مفید ہوگا مجھے تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ کارآمد ہے میں دھوکہ نہیں دیتا ہوں میں نے ایک عرصہ تک پہلے اپنے عزیزوں پر تجربہ کیا ہے جب پورا اطمینان ہوگیا تب شائع کیا ہے اس کے شائع کرنے سے یہ غرض نہیں کہ قدیم نصاب عبث ہے اور اس کو بالکل چھوڑ دیا جائے بلکہ جس کو قدیم نصاب کی تکمیل کی ہمت اور فرصت نہ ہو یا اور جن کو کم فرصتی کا عذر ہو وہ اسے اختیار کرے کام نکالنے کے لیے کافی ہے چونکہ یہ شکایت عام طور سے زبان زد عام ہوگئی ہے کہ اگر علم دین حاصل کریں اور کوئی کام نہیں ہوسکتا اس لیے بعض اہل الرائے کی تجویز ہے کہ دیگر علوم کی گنجائش دے کر جدید نصاب پڑھایا جائے اور اس کے لیے ہر شہر میں مدرسہ ہو۔ اگر پوری تعلیم نہیں دے سکتے تو عربی کا مختصر نصاب ہی ان کو ضرور پڑھا دو کہ بقدر ضرورت وہ بھی کافی ہے۔

(دعوات عبدیت ص: ۳/۶۸، التبلیغ ص: ۲۱/۸۸)

تلخیص نصاب کا محرک اور طریقہ کار:

جن لوگوں کو تحصیل معاش کی ضرورت یا کسی اور وجہ سے مہلت کم ہے اور ساتھ ہی علوم دینیہ میں فاضلانہ استعداد حاصل کرنے کی رغبت اور شوق ہے۔ مگر متعارف درسیات کی تطویل دیکھ کر ہمت

پست ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ ترک محض ہوتا ہے ان کی تنگی رفع ہو جائے گی دوسرے جو لوگ علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے فارغ بھی ہیں ان کو بھی اتفاقات زمانہ سے کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ اس (کے پورا کرنے) کا وقت نہیں ملتا اور درمیان ہی سے چھوڑ دینا پڑتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس قدر وقت ملا تھا وہ علوم آلیہ (صرف نحو وغیرہ) میں صرف ہو گیا اور اصل مقصود سے محرومی ہی رہی اس جدید نصاب سے اس محرومی کا بھی تدارک ہو جاتا ہے۔

اگر وقت مساعد ہو (ساتھ دے) تو بقیہ درسیات کو پورا کر لیا جا سکتا ہے نیز چونکہ اس شخص کی استعداد میں قوت زیادہ ہو گی اس لیے بقیہ درسیات پر سرعت و بصیرت سے عبور کر سکے گا اور اگر وقت نہ ملا تو اصل مقصود تو حاصل ہو چکا اگر توجہ کرے گا تو چونکہ مطالعہ کا ملکہ پیدا ہو چکا ہو گا کتب بینی سے اپنی استعداد و تبحر کو جہاں تک چاہے ترقی دے سکتا ہے۔

(یہ کوئی نئی چیز نہیں) بلکہ قدیم نصاب کی دینیات مقصودہ یعنی تفسیر و حدیث، فقہ و کلام فرائض کی ضروری کتابوں کی تحصیل کو زوائد پر مقدم کر دیا گیا ہے اور چونکہ یہ علوم (یعنی حدیث و فقہ وغیرہ) بعض فنون آلیہ نحو، صرف معقول و اصول پر موقوف ہیں لہٰذا ان سے پہلے پہلے یہ رکھ دیئے گئے ہیں اس لیے یہ نصاب قدیم ہی کا ایک جزء ہے۔ (تلخیصات عشر تجدید تعلیم و تبلیغ ص: ۸۵ و ص: ۸۶)

نصاب جدید یا قدیم:

فرمایا: قابلیت و استعداد نئے نصاب سے نہیں پیدا ہوتی، دیوبند کے قدیم نصاب سے ہوتی ہے چنانچہ جدید نصاب کے جو بڑے بڑے مایہ ناز حضرات ہیں وہ اب اس ناکارہ سے رجوع کر کے اپنے علم کو علم ہی نہیں سمجھتے اگر کتب درسیہ سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو بڑی قابلیت پیدا ہو جائے گی مگر اکثر طالب علم سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ (التبلیغ ص: ۲/۲۰۲)

درس میں علماء متقدمین کے بجائے متاخرین کی کتابیں اس واسطے داخل کر دی گئی ہیں کہ ان کی عبارت صاف ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص: ۹/۳۶۰)

بڑوں بوڑھوں کے لیے ایک اور عربی کا مختصر اور آسان نصاب:

پہلے ایک کتاب ادب کی پڑھا دے خواہ مفید الطالبین ہی ہو مگر اس میں صرف و نحو کے قواعد کو بھی ساتھ ساتھ جاری کرتا جائے اور ایسے قواعد کچھ زیادہ نہیں (زائد سے زائد) پندرہ بیس ہوں گے جس سے صرف اتنا معلوم ہو جائے کہ اس کلمہ پر زیر، زبر کیوں ہے اس کے بعد قرآن شریف کا ترجمہ اسی طرح ہو کہ اس میں بھی قواعد جاری کرائیں اور ایک کتاب حدیث شریف کی پڑھا دی جائے مثلاً "مشارق الانوار" کہ یہ بہت بڑی بھی نہیں ہے اور ایک کتاب فقہ کی جیسے قدوری اس کے بعد یا ساتھ دو تین کتابیں صرف و نحو

کی بھی پڑھا دی جائیں۔ اس سے مناسبت پیدا ہو کر ضروری کتابوں کا مطالعہ بہت سہل ہو جائے گا۔
(تجدید تعلیم ص:۹۰)

اختصار در اختصار تسہیل در تسہیل:

اگر کوئی شخص کسی سبب سے اور اختصار کا طالب ہو اور اگر کوئی شخص صرف اپنی اصلاح ونجات آخرت کے لیے کتب دینیہ کو عربی زبان میں پڑھنا چاہے تحقیق وتدقیق کی ضرورت نہ سمجھے یا علوم عقلیہ (منطق وغیرہ) سے دلچسپی نہ ہو اس کے لیے اس درس کا اور بھی اختصار ہو سکتا ہے۔

یعنی صرف ونحو کی کتب مندرجہ کے بعد قدوری کامل اور سراجی اور متن معانی اور تجوید اور تلخیص البدایہ اور متن عقائد نسفیہ اور تیسیر یا مشکوٰۃ اور جلالین کافی ہے۔ (تجدید تعلیم ص:۹۰)

علوم قرآن کی طرف سے عام بے رغبتی:

قرآن کے معنی جاننے کی رغبت جس قدر کم پائی جاتی ہے قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہے سخت افسوس کی بات ہے کہ جو اصل مدار ہے اسلام کا، جو منبع ہے تمام دینی علوم کا اور جو اساس ہے فلاح دارین کا اور آپ کی امت کو نہ (اس کی) خبر نہ خبر کا شوق۔ ہمارے اس جمود کی کوئی انتہا بھی ہے؟ شاید بعض طالب علم ناز کرتے ہوں کہ ہم کو تو شوق تھا جب ہم نے تفسیر پڑھی۔ اگر انصاف سے غور کریں تو اس کا نام رغبت رکھنے سے خود ان کو ضرور شرم آئے گی غور کر کے بتلائیں کہ اگر تفسیر درس میں شامل نہ ہوتی کیا اس وقت بھی پڑھتے جو کتاب تفسیر کے درس میں داخل ہے اس سے زیادہ بھی کوئی پڑھتا ہے؟ اگر آخر سال میں جلالین کے پانچ پارے رہ جائیں تو کیا آئندہ سال یا پھر کسی موقع پر اس کو پڑھتے ہیں؟ یا مر مار کر پوری جلالین ختم کر لی تو کیا تمام ضروری مضامین پر اس سے عبور ہو گیا؟ کیا مدارک یا ابوالسعود یا پوری بیضاوی میں کوئی مضمون جلالین سے زائد نہیں پھر اس کو کوئی نہیں پڑھتا اور جلالین بھی پڑھی تو کیا پڑھی اس کو ختم کر کے اتنی استعداد بھی نہ ہوئی کہ بغیر جلالین کے خالی غیر مترجم قرآن دے دیا جائے کہ ایک رکوع کا ترجمہ ضروری حل کر دو تو ہرگز نہ کر سکیں گے۔ (اصلاح انقلاب ص:۴۷)

جلالین سے پہلے پورا ترجمہ قرآن پڑھانے کی ضرورت:

اہل مدارس طرز تعلیم میں کچھ ترمیم کریں جیسے بعض متون بغیر شرح کے پڑھائی جاتی ہیں اسی طرح جلالین سے پہلے قرآن مجید بھی بغیر کسی خاص تفسیر کے زبانی حل کے ساتھ پڑھایا جایا کرے تو پورا قرآن پہلے پڑھا دیا جائے یا ایسا کریں کہ مثلاً ربع پارہ اول خالی قرآن میں پڑھا دیا پھر اسی قدر جلالین پڑھا دی اور مدرس اپنی سہولت کے لیے خواہ جلالین اپنے پاس رکھیں یا اور کوئی مبسوط تفسیر۔ تو طلبہ کو پڑھنے میں اسی طرح یاد کرنے کی اور مطالعہ کر کے حل کرنے کی عادت پڑ جائے گی۔ (اصلاح انقلاب ص:۴۷)

قرآن شریف کا طرز عام مصنفین کے طرز پر نہیں ہے۔ بلکہ محاورہ بول چال کا طرز ہے نہ اس میں اصطلاحی الفاظ کی پابندی ہے۔ ناواقف لوگ اس کو عام تصانیف کے طریقہ پر منطبق کرنا چاہتے ہیں اس لیے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے اس مضمون کو صاحب کشاف نے بھی لکھا ہے اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ضروری صرف ونحو اور کسی قدر ادب پڑھا کر قرآن شریف کا سادہ پڑھا دینا مناسب ہے کیونکہ کتب درسیہ کی تحصیل کے بعد دماغ میں اصطلاحات رچ جاتی ہیں پھر (طالب علم) قرآن شریف کو اسی طرز پر منطبق کرنے لگتا ہے اسی طرح پہلے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر پھر فنون ضرور یہ پڑھے کیونکہ بعض مقامات قرآنیہ بغیر فنون کے حل نہیں ہوتے۔ (کلام الحسن ص:۳۲)

الاتقان کو نصاب میں پڑھانے کی ضرورت:

چونکہ جلالین میں جمع تفسیر کے فنون مذکور نہیں اس لیے کم از کم اتقان کو ضرور داخل درس کیا جائے۔

(اصلاح انقلاب ص:۴۸)

مدارس اسلامیہ میں تعزیرات ہند اور ریلوے و ڈاکخانہ کے قواعد بھی نصاب میں داخل کیے جائیں:

یہ میری بہت پرانی رائے ہے اور اب تو رائے دینے سے بھی طبیعت افسردہ ہوگئی اس لیے کہ کوئی عمل نہیں کرتا۔ وہ رائے یہ ہے کہ تعزیرات ہند کے قوانین اور ڈاک خانہ اور ریلوے کے قواعد بھی مدارس اسلامیہ کے درس میں داخل ہونا چاہیے۔ یہ بہت پرانی رائے ہے مگر کوئی نہیں مانتا اور نہ سنتا ہے۔

(افاضات الیومیہ ششم ص:۳۰۶/۴۳۵)

اصلاح نفس واخلاق کی کوئی کتاب نصاب میں داخل کی جائے:

فرمایا: کہ ایک بزرگ نے ایک مدرسہ میں درس میں سلوک کی کتابیں داخل کی تھیں مگر چلی نہیں، کم از کم امام غزالی ہی کی کوئی کتاب (نصاب میں) داخل ہو جائے تو بہتر ہے۔ بہت سے اہل علم کو بھی اپنے اخلاق کا خیال نہیں۔ جو حدیث پڑھ چکا ہو اس سے پوچھیے کہ کبر و عجب کی کیا تعریف ہے اور دونوں میں کیا فرق ہے؟ (نہیں بتلا سکے گا)۔ (حسن العزیز ص:۲۷/۳۱۷)

تجوید بھی نصاب میں داخل کی جائے:

اہل مدارس اس کا التزام رکھیں کہ جو طالب علم ان کے مدرسہ میں داخل ہونا چاہے امتحان داخلہ کا ایک جز صحت قرآن کو بھی قرار دیں اور بغیر تجربہ صحت کے یا بعض حالات میں کم از کم تصحیح کا وعدہ تو ضرور لے لیا جائے اس کے بغیر داخل نہ کریں اور وعدہ کی صورت میں جتنے سبقوں کا وہ مستحق ہے ان میں سے ایک سبق کی جگہ اس تصحیح

(تجوید) کورکھیں اوراس مرحلہ کو طے کرنے کے بعد پورے سبقوں کی اجازت دیں۔

نیز جن مدارس میں گنجائش ہے ان کو تجوید کا مدرس مدرسہ میں بڑھانا ضروری ہے اس طریقہ سے یہ فن عام ہوسکتا ہے اسی طرح مشائخ کو چاہیے کہ اپنے مریدوں کو خصوصی خلفاء کو صحت قرآن پر مجبور کریں۔

(اصلاح انقلاب ص:۴۳)

اس وقت جو لوگ قرآن شریف پڑھنے کی طرف توجہ کرتے ہیں وہ بھی اس کی تصحیح کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ اکثر علماء کو بھی اس کا خیال نہیں حالانکہ اس پر توجہ نہ کرنے سے بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ اب چند روز سے علماء نے اس پر توجہ کی ہے مدارس میں قراء مدرس رکھے ہیں لیکن ضرورت اس کی ہے کہ سب ادھر متوجہ ہوں۔ (دعوات عبدیت ص:۱۱۰،ص:۶/۱۱۲)

تجوید وقراءت کی طرف سے اہل علم کی کوتاہی:

نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس کوتاہی میں اہل علم کا نمبر غیر اہل علم سے بڑھا ہوا ہے حتی کہ ایک صاحب سورۂ ناس میں ''مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ'' کو اس طرح پڑھتے ہیں مِنَ الْجِنَّاتِ وَالنَّس۔ اس وقت اگر پچاس مولویوں کو جمع کر کے قرآن سنا جائے تو بمشکل دو آدمی صحیح قرآن پڑھنے والے نکلیں گے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ طلبہ منطق پڑھتے ہیں فلسفہ پڑھتے ہیں اور ام العلوم قرآن کو نہیں پڑھتے۔

پھر غضب یہ ہے کہ ایسے لوگ امام ہو جاتے ہیں اس وقت غلطی کا اثر دوسروں تک دو طریقے سے پہنچتا ہے ایک یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خواں (پڑھنے والا) ہو تو ان کی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی اور چونکہ غلط پڑھنے والے کا حکم صحیح پڑھنے والے کی نسبت امی کا سا ہے بنسبت قاری کے اس لیے خاص صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ مقتدیوں کی پس کتنی بڑی تباہی کی بات ہے۔

دوسرے اس طور سے کہ یہ امام صاحب اگر زمرہ اہل علم (کی جماعت میں سے) ہوئے تو علماء کی عوام میں سخت بے وقعتی ہوتی ہے جس کا اثر ایک گونہ علماء کے متبعین تک بھی سرایت کر سکتا ہے۔ اس میں دنیاوی خرابی یہ ہے کہ بعض اغلاط پر عوام بھی مطلع ہو جاتے ہیں اور علماء کی بے قدری کرتے ہیں۔

(اصلاح انقلاب ص:۴۱، دعوات عبدیت وعلماء دین کی ضرورت ص:۶/۱۱۳)

باب نمبر ۵

علوم وفنون

فصل ۱

تجوید کا وجوب اور فرضیت:

ہر چند کہ تجوید کے متعلق کلام طویل اور مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا اوپر ذکر ہوا ہے (مخارج وصفات کی غلطی) ان کی تصحیح واجب علی العین ہے جب تک کہ عدم قدرت وعدم مساعدت لسان (زبان کے نہ چلنے کی مجبوری) متیقن نہ ہو جائے جس کی موٹی دلیل یہ ہے کہ اس قدر تصحیح کے بغیر قرآن کی عربیت باقی نہیں رہتی اور عربیت بدلالت خصوص لوازم قرآن سے ہے پس اس کے نہ رہنے سے قرآن نہ رہے گا جب لفظ عربیت سے نکل گیا تو قرآن ہی نہ رہا۔ پس اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہو سکتا ہے۔ (اصلاح انقلاب ص:۱۴۱، التبلیغ ص:۶۴/۱۰)

میں تو کہتا ہوں کہ تجوید کا سیکھنا فرض ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے جس کا عربی میں پڑھنا فرض ہے اور عربیت کے موافق صحیح تلفظ بغیر تجوید کے نہیں آسکتا تو تجوید کا سیکھنا فرض ہوا۔

(التبلیغ ص:۶۶/۱۰)

تجوید وقرأت کے شعبے اور ان کا شرعی حکم:

اس علم کے تین شعبے ہیں (۱) تصحیح حروف بقدر امکان (۲) رعایت وقوف (وقف کی رعایت کرنا) بایں معنی ہمہ کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد واختلال پیدا ہو وہاں وقف نہ کرے اور اضطرار میں عفو ہے لیکن ایک دو کلمہ کا اعادہ کر لینا احوط ہے یہ دونوں امر تو واجب علی العین ہیں اور جس شخص کو کوشش کے باوجود حاصل ہونے سے مایوسی ہو جائے وہ معذور ہے۔ (۳) ایک شعبہ ادغام وتفخیم اور تو اظہار واخفاء وغیرہا کی رعایت کا ہے یہ مستحب ہے (۴) اور ایک شعبہ اختلاف قرأت کا ہے یہ مجموع (پوری) امت پر واجب علی الکفایہ ہے اگر بعض لوگ جاننے والے موجود ہوں یا بعض لوگ ایک قرأت کے حافظ ہوں بعض لوگ دوسری قرأت کے، تو یہ واجب سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے۔ (یظھر ھذا کلہ من المراجعۃ الی کتب الفقہ و القراءۃ واللّٰہ اعلم) (امداد الفتاویٰ ص:۳۰۵)

اور قرأت متواترہ جن کے تواتر پر اجماع واتفاق ہے سات ہیں اور سات ائمہ سے منقول ہیں اور ہر ایک امام کے دو راوی مشہور ہیں۔ (تنشیط الطبع ص:۲)

تین علم اس فن کی تکمیل ہیں، علم اوقاف، علم قرأت، علم رسم الخط۔ (جمال القرآن ص:۲۷)

مخارج وصفات کا مطلب:

تجوید کہتے ہیں کہ ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا اور اس کی صفات کو ادا کرنا اور جن موقعوں سے حروف ادا ہوتے ہیں ان کو مخارج کہتے ہیں اور مخارج سترہ ہیں اور جن کیفیتوں سے حروف ادا ہوتے ہیں ان کو صفات کہتے ہیں اور وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی نہ رہے ایسی صفت کو صفت ذاتیہ کہتے ہیں۔

اور ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو حرف وہی رہے گا مگر اس کا حسن وزینت نہ رہے اور ایسی صفت کو صفت محسنہ اور عارضہ کہتے ہیں۔ (جمال القرآن ص:۲۷)

مخارج کی ضرورت:

میں دلیل سے اس کو ثابت کرتا ہوں سب کو معلوم ہے کہ عربی، فارسی اردو جدا جدا زبانیں ہیں ہر ایک کے خواص الگ الگ ہیں پس جس طرح کسی لفظ کے فارسی یا اردو ہونے کے لیے تلفظ کی صحت شرط ہے اسی طرح لفظ کے عربی ہونے کے لیے بھی تلفظ کا صحیح ہونا شرط ہے۔

مثلاً ایک کپڑے کو آپ گاڑھا کہتے ہیں اس میں ڑے کا ہونا اور ہائے مخفی کا ہونا ضروری ہے اگر کوئی شخص اس کے بجائے گارا کہے تو آپ اس کو غلط کہیں گے کیونکہ گارا تو مٹی کا ہوتا ہے کپڑے کی کوئی قسم گارا نہیں۔ اسی طرح سمجھئے کہ عربی میں جو لفظ ثاء سے مرکب ہے وہاں سین یا صاد پڑھ دینے یا حاء کی جگہ ہاء پڑھ دینے سے تلفظ غلط ہو جائے گا اور معنی بدل جائیں گے اس سے تو صحت الفاظ کی ضرورت معلوم ہوئی۔

(التبلیغ اسباب الفتنہ ص:۱۰/۶۵)

صفات کی ضرورت:

اب صفات کی بابت میں کہتا ہوں کہ ہر زبان کی صحت اس کے خاص طرز اداء پر موقوف ہے مثلاً اردو میں ایک لفظ پنکھا ہے جس میں نون کو اخفاء کے ساتھ بولا جاتا ہے نون کے بعد کاف ہے اور نون ساکن ہے لیکن نون کو اس کے مخرج سے نہیں نکالتے بلکہ اس کو خیشوم سے نکالا جاتا ہے اور اس کو سب جانتے ہیں اس کو اصطلاح میں اخفاء کہتے ہیں یہ اظہار اور ادغام کے بین بین (درمیان) ہوتا ہے اسی طرح رنگ سنگ جنگ جو فارسی کے الفاظ ہیں ان کو ظاہر کر کے نہیں پڑھا جاتا۔

اب اگر کوئی شخص پنکھا کو نون کے اظہار کے ساتھ پن کھا کہے یا رنگ کو رن گ کہے تو یقیناً لفظ غلط ہو جائے گا اور آپ کہیں گے کہ یہ اردو فارسی نہیں رہی بلکہ مہمل لفظ ہو گیا۔ (اسی طرح) لفظ کھبا دنبہ میں اقلاب ہے اگر یہ نہ ہو تو یقیناً لفظ غلط ہو جائے گا۔

لیکن اس کہنے سے آپ بندھ گئے اس طرح کہ جب لفظ میں اظہار نون کی وجہ سے آپ نے اس کا غلط ہونا اور اردو زبان سے نکل جانا مان لیا تو جن لفظوں میں عربی زبان میں اخفاء ہے وہاں بھی ماننا پڑے گا کہ اظہار نون سے وہ لفظ عربی نہیں رہتا تو جیسے پنکھا اظہار کی وجہ سے اردو نہ رہے گا اسی طرح لفظ عربی بھی اخفاء کی جگہ اظہار کرنے سے عربی نہ رہے گا اور خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ''قرآنا عربیا'' تو جب قرآن عربی ہے اور تجوید کے خلاف کرنے سے عربی نہ رہے گا تو (گویا) عربی میں نہ پڑھا، کتنی موٹی بات ہے مگر اس کو کوئی نہیں سمجھتا کیا اب بھی تجوید کی ضرورت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے؟

عاقل کے لیے یہ تقریر بالکل کافی ہے میں نے علماء قرأت کے اقوال اس لیے نقل نہیں کیے کہ لوگ ان کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ایک مثال دے دی ہے جس کو سب مانتے ہیں اور یہ ایک مثال نمونہ کے طور پر بتلا دی۔ اسی طرح (تجوید) کے بہت سے قاعدے ہیں لیکن اس کو سیکھنے کی طرف توجہ نہیں کی جاتی جو کام تلفظ کا ہے اس کو کتابت سے کیسے ادا کیا جا سکتا ہے؟ جو امور مدرک بالسمع ہیں (سننے سے تعلق رکھتے ہیں) وہ کتابت میں کس طرح آ جائیں گے۔ (اصلاح انقلاب ص:۱۴۱، التبلیغ ص:۶۵)

فن تجوید کافی نہیں سیکھنے اور مشق کرنے کی ضرورت ہے:

افسوس ہے! کہ اس وقت اس امر کی طرف ایسی بے توجہی ہے کہ ہم لوگ اس کو بالکل ضروری نہیں سمجھتے اکثر لوگ پوری درسیات ختم کر جاتے ہیں لیکن ان کو قرآن پڑھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا سمجھتے ہیں کہ صرف کتابوں میں حروف کے صفات اور مخارج پڑھ لیے ہیں اس سے زیادہ اور کیا کیا جائے حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔

قرآن کا پڑھنا اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ خاص (طور سے) کسی (استاذ) سے اس کو سیکھا نہ جائے نری درسیات سے کچھ نہیں ہوتا اصل بات یہ ہے کہ خدا کی محبت اور اس کا خوف دل سے جاتا رہا اگر آج یہ اشتہار دے دیا جائے کہ جو شخص مخارج حروف صحیح کر کے سنا دے اس کو فی حرف پانچ روپے ملیں گے تو آج ہی شہر کے شہر قرأت شروع کر دیں اور کچھ نہ کچھ تصحیح کر کے انعام لینے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے لیکن افسوس! کہ خدا کی رضا کے لیے امنگ نہیں پیدا ہوتی۔ (فضائل صوم وصلوۃ ص:۲۰۶)

لہجہ کی حقیقت:

بعض لوگ تصحیح و تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہیں مگر کاوش کی حد تک پہنچ جاتے ہیں صرف لہجہ کا نام قرأت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں یا تو خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں یا کسی مشاق کی نقل اتارتے ہیں اور اتار چڑھاؤ اور صحت وزن میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعضے ضروریات یا مستحبات قرأت فوت ہو جاتے

ہیں یعنی حروف گھٹا بڑھا دیتے ہیں یا غنہ یا مد حذف کر دیتے ہیں تا کہ وزن ٹھیک رہے اس کی نسبت سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے "اقرءُ و االقُرآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَاَهْلِ الْكِتَابِيْنِ" (تم قرآن شریف کو عربوں کے طریقے اور ان کے لہجے میں پڑھو۔ عاشقوں اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو) (مشکوٰۃ ص:۱۹۱/۱)

لہجہ کا اہتمام تجوید میں تفریط (کوتاہی) ہے بلکہ یہ لحن اہل عشق و اہل کتاب میں داخل ہے جس کو منع فرمایا ہے۔ (اصلاح انقلاب ص:۴۴)

لہجہ کی ضرورت:

صرف حروف کو صحیح کر لینا چاہیے لہجہ کی ضرورت نہیں ہے آج کل لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ انگریزوں کا لب ولہجہ آجائے۔ (دعوات عبدیت ص:۱۱۲/۶)

حدیث شریف میں ہے "اقرء وا فکل حسن" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن اینٹھ مروڑ کر پڑھے گی مگر قرآن ان کے حلق کے نیچے بھی نہ اترے گا حروف کی تصحیح تو ضروری ہے باقی غلو ہے صحابہ میں عربی عجمی سبھی تھے۔ (حسن العزیز ص:۲۴۷/۱)

مصری لہجہ میں قرآن پاک پڑھنا:

بعض لوگوں نے اپنا یہ شبہ بیان کیا ہے کہ مصری لوگ قرآن شریف کو لحن اور تغنی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ ممنوع ہے تو مصری لہجے میں قرآن شریف بھی ممنوع ہوگا۔ فرمایا کہ تغنی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قواعد موسیقی پر منطبق کرنے کا قصد کیا جائے دوسرے یہ کہ مقصد تو صرف تصحیح حروف اور تحسین صوت ہی ہو مگر وہ اتفاقاً کسی قاعدہ موسیقی پر منطبق ہو جائے پہلی صورت مذموم ہے اور دوسری صورت محمود ہے اور اس پر کسی قسم کا اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے، دیکھو قرآن مجید اور حدیث شریف میں بعضے جملے ایسے ہیں کہ ان میں مصراعیت کی شان موجود ہے اور بعض بالکل موزوں ہیں لیکن وہ چونکہ بلا قصد ہیں اس لیے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ "مَا عَلَّمْنَا الشِّعْرَ" کے خلاف ہیں پس جس طرح شعر وہ ہے جس میں وزن کا قصد ہو نہ کہ وہ جس میں اتفاق سے وزن ہو جائے اسی طرح تغنی میں بھی تفصیل ہے۔ (دعوات عبدیت ص:۱۲۱/۱۴)

سب سے بہتر اور پسندیدہ لہجہ:

قاری عبداللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا پڑھنا بھی مجھ کو بے حد پسند تھا کیونکہ بے تکلف پڑھتے تھے، وہ میرے استاذ بھی ہیں ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ قرآن شریف میں کسی لہجہ کا قصد نہ رکھنا چاہیے مخارج و صفات کی رعایت کرنا چاہیے اس سے جو (بھی) لہجہ پیدا ہوگا وہ حسین ہوگا قصداً پھیکا نہ پڑھے، ادائے

مخارج وصفات کے ساتھ جو لہجہ بنتا چلا جائے، پڑھتا جائے۔ کوئی خاص قصداً اپنی طرف سے نہ کرے۔

اور فرمایا کہ دماغ میں بہت سے لہجے مرتسم ہو کر مجتمع ہو جاتے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ جب قرآن شریف پڑھنے کا ارادہ کرے تو پہلے خلوت میں بیٹھ کر دماغ کو خالی کرے۔

(ملحوظات جدید ملفوظات ص:۱۲۱)

عربی لہجہ کی ضرورت:

مجھے بعض پڑھے لکھوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ قرأت میں لہجہ کے مخالف ہیں اور اس کو فضول اور لایعنی بتلاتے ہیں حالانکہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہر زبان کا ایک خاص لب ولہجہ ہوتا ہے۔ فارسی کا لہجہ الگ ہے۔ انگریزی کا جدا، بنگلہ کا جدا، اردو کا علیحدہ ہر زبان میں لہجہ کی قدر ہے پھر حیرت ہے کہ عربی میں لہجہ کی قدر نہ ہو اور یہاں اس کو فضول قرار دے دیا جائے، یہ سب باتیں قلت محبت سے ناشی ہیں اگر محبت ہوتی تو قرآن کے اندر بھی عربی لب ولہجہ کی عظمت ہوتی اور اس کی کوشش کی جاتی۔

تصحیح الفاظ کے بعد اگر عربی لہجہ بھی حاصل کر لیا جائے تو نور علی نور ہے چنانچہ آج کل انگریزی میں بڑا قابل وہ شمار ہوتا ہے جس کا لہجہ بھی انگریزوں سے ملتا جلتا ہو اور انگریزی لب ولہجہ حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے اور یہ صرف حسن کلام اور زیادہ مدح وثنا کے لیے اس میں کوشش کی جاتی ہے پھر دین میں اس کو فضول اور بیکار کیوں کہا جاتا ہے؟ (عربی لہجہ کا مطلب) اور عربی لہجہ سے تکلف وتغنی کا لہجہ مراد نہیں ہے بلکہ بے تکلف لہجہ جس میں صفات ومخارج کی پوری رعایت ہو گو بلا قصد طبیعت کی موزونیت سے کسی لحن غنا پر منطبق بھی ہو جائے۔ (التبلیغ الفاظ القرآن ص:۱۸/۸۶)

سادہ پڑھنے کا مطلب:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں قرآن مجید میں خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ گانا اور چیز ہے خوش الحانی اور مزین ہونا اور چیز ہے سب کے درجات اور احکام جدا جدا ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ سادہ قرآن شریف پڑھنے میں جو حسن اور دلربائی ہوتی ہے بنا کر پڑھنے سے وہ بات نہیں ہوتی اور اس کے یہ معنی نہیں کہ سادہ بنانے کی کوشش کی جائے ہاں ترک تکلف کی کوشش کی جائے پھر چاہے وہ سادہ ہو جائے یا مزین ہو جائے۔ (الافاضات ص:۸/۲۹۹)

مزین کر کے پڑھنا گانے میں داخل نہیں:

اور اگر مزین پڑھنے کو گانا کہا جائے جیسا کہ بعض خشک مزاجوں کا خیال ہے تو معترض صاحب بھی گانے سے خالی نہیں جس کا ایک معیار عرض کرتا ہوں اس سے اندازہ ہو جائے گا وہ یہ کہ محض اس کا مدعی ہو کہ میں سادہ قرآن پڑھنے والا ہوں اس کو شافیہ کافیہ دی جائے تا کہ وہ اس کو پڑھے اس کے

پڑھنے کا ایک لہجہ ہوگا پھر اس سے قرآن شریف پڑھوایئے اب شافیہ کافیہ کے لہجے اور قرآن شریف کے لہجہ میں جتنا فرق ہوگا وہی گانا ہے اور اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا، قرآن شریف کے پڑھنے میں ایک خاص ممتاز شان ہوتی ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص: ۲۹۹/۸ نمبر ۲)

قاری عبدالرحمٰن صاحب کا ارشاد:

فرمایا: قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت صرف قواعد تجوید اور صفات ہی کی رعایت کر کے پڑھے کسی لہجہ کو اختیار نہ کرے تو کبھی اچھا نہیں پڑھے گا۔

(مجالس حکیم الامت ص: ۶۹)

خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت اور شرعی دلیل:

بعض لوگ خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہیں کہ کسی کو ذرا تحسین صوت کرتا دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے یہ بھی نصوص کے خلاف ہے ''زینوا القران باصواتکم'' (قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کے حضور ﷺ کے اس عرض کرنے کو ''لو علمت انک تستمع'' الخ اگر میں جانتا کہ آپ میری قرأت سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اور زیادہ سنوار کر پڑھتا یہ حدیث قصداً تحسین صوت کی مشروعیت ومطلوبیت میں نص صریح ہے اور یہی وہ تغنی ہے جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سن کر حضور ﷺ نے فرمایا ''لقد اوتیت مزمارا من مزامیر داؤد'' یعنی خداتعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے تم کو حصہ عطا کیا۔ (اصلاح انقلاب ص: ۴۵ ملفوظات اشرفیہ ص: ۴۰)

خوش آوازی سے پڑھنے کی دو صورتیں:

فرمایا: سنوار کر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے ہم قاری مشہور ہوں گے یہ تو واقعی ریا ہے اور ایک یہ کہ ہمارے پڑھنے سے ایک مسلمان کا جی خوش ہوگا تطییب قلب مسلم (مسلمان کا جی خوش کرنا) بھی مطلوب ہے، یہ یقینی عبادت ہے چنانچہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب فرمایا کہ اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ سنوار کر پڑھتا تو حضور ﷺ نے اس قول پر مطلق نکیر نہیں فرمائی۔

(ملفوظات اشرفیہ ص: ۳۳۷، حسن العزیز ص: ۴۰۵/۲)

حسن صوت اور گانے کا فرق:

حسن صوت اور گانے میں فرق ظاہر ہے یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہوتے ہیں

اگر لہجہ بنانے کے قواعد رہ جائیں تو پرواہ نہیں کی جاتی اور تحسین صوت میں قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو محفوظ رکھ کر خوش آوازی ہو سکے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور بغیر قصد کے اگر کسی شخص کی قرأت کا کوئی جز کسی قاعدہ موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب اور موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جائے تو تب بھی وہ گانے میں داخل نہیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں جابجا شعریت کی نفی کی گئی ہے مگر بعض عبارات یقیناً اوزان شعر پر منطبق ہیں جیسے "ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ، ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۤءِ تَقْتُلُوْنَ" فاعلاتن فاعلاتن فاعلات پر منطبق ہے مگر اس انطباق کے باوجود ہرگز اس کے پڑھنے والے کو شعر کا پڑھنے والا نہ کہیں گے۔ البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا تو شعر پڑھنے والا کہا جائے گا۔ بس یہی حالت لہجہ کی بالقصد تطبیق کی ہے۔ (اصلاح انقلاب ص:۴۵)

خوش آوازی سے پڑھنے کی تعریف:

فرمایا: کہ قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھنے کی تعریف سلف سے منقول ہے کہ جب تم اس کو پڑھتے ہوئے سنو، تو یہ معلوم ہو کہ خدا سے ڈر رہا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص:۶۲۵/۲)

تغنی ممنوع کی تعریف:

خواجہ صاحب کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ تغنی (گانا) وہ ہے جو قواعد موسیقی کے موافق قصداً ہو کالتغنی (گانے کی مانند) کو منع نہیں کیا گیا قرآن مجید اچھی آواز سے پڑھنا گانا نہیں ہے۔
(ملفوظات اشرفیہ ص:۳۳۷، حسن العزیز ص:۴۰۵/۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت کا انداز:

فرمایا: ایک مرتبہ مجھے پانی پت میں امام بنایا گیا میں نے بہت عذر کیا کہ یہاں اہل کمال موجود ہیں مگر نہیں مانے، میں بے تکلف پڑھتا چلا گیا نہ قصداً بگاڑا نہ بنایا صرف مخارج کو ادا کیا مجھے اعتراض کا شبہ تھا مگر بعد میں تعریف کی کہ ہمارا گمان غلط تھا بہت اچھا اور سادہ لہجہ ہے۔ (ملفوظات ص:۱۲۰)

ایک دفعہ کانپور میں مولوی فخر الحسن صاحب کی موجودگی میں ایک امام نے نماز پڑھائی ایک مہمان پانی پت کے لہجہ کے موجود تھے انہوں نے کہا یہ تو گاتے ہیں مولانا نے جواب میں خوب فرمایا کہ کیا تم گانا جانتے ہو؟ کہا نہیں فرمایا پھر تم کو کیا معلوم کہ گانا کیسا ہوتا ہے۔ (ملفوظات ص:۱۲۰)

غنا اور لہجہ کا فرق:

فرمایا: قرآن شریف کا لہجہ بھی ممتاز ہے اس میں ایک خاص موزونیت اور کیفیت سکر یہ ہے ورنہ عربی عبارت پڑھنے سے یہ بات کیوں حاصل نہیں ہوتی بعض دلکشی لہجہ کی نسبت بعض لوگ کہنے لگتے ہیں کہ یہ غنا

ہے مگر غنا ایک عام سالفظ ہے اور مطلقاً مذموم نہیں البتہ غناء اصطلاحی مذموم ہے سو وہ جب تک خاص وزن کے انطباق کے قصد سے نہ ہو متحقق نہیں ہوتا اور دلکش لہجہ سے پڑھنے کے لیے اس انطباق کا قصد لازم نہیں اب من لم یتغن کے معنی بالکل صحیح ہیں۔ (ملفوظات ص:۱۱۹)

مصریوں اور پانی پت والوں کا محاکمہ:

ایک مرتبہ سہارنپور میں جلسہ تھا اس میں عربی اور مصری لہجہ میں بھی قرآن شریف پڑھایا گیا تھا اس کے بعد میرا وعظ ہوا اس میں میں نے کہا تھا کہ پانی پت والے جو عموماً مصری لہجہ پڑھنے والوں کو کہتے ہیں کہ یہ لوگ گاتے ہیں سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن شریف کے شعر ہونے کی نفی خود قرآن شریف میں موجود ہے "وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ" مگر اس کے باوجود اس کی بعض آیات اوزان اشعار پر منطبق ہوگئی ہیں تو جس طرح مطلق انطباق علی الوزن الخاص سے یہ شعر نہیں ہوتا جب تک کہ خاص اوزان پر قصداً وزن نہ کیا جائے اسی طرح یہاں بھی اگر کوئی تطبیق کا قصد کرے تو غنا ہوگا اور قصد نہ کرے مگر خود انطباق ہو جائے تو وہ غنا نہیں ہوگا نہ کھینچ تان کر انطباق علی الوزن الخاص کرے اور نہ قصداً پھیکا پڑھے، ادائے مخارج و صفات کے ساتھ جو لہجہ بنتا چلا جائے پڑھتا چلا جائے کوئی خاص قید اپنی طرف سے نہ کرے، وعظ کے بعد اس بیان کی بابت پانی پت کے قراء سے لوگوں نے پوچھا تو سب نے کہا بڑا ضروری اور صحیح بیان تھا۔ ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں آئی۔ (ملفوظات ص:۱۲۰)

کان پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے کا فائدہ:

بعض قراء کو دیکھا ہے کہ کان پر ہاتھ رکھ کر پڑھتے ہیں تاکہ باہر کسی کی آواز سے مزاحمت نہ ہو نیز کان پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے سے آواز مجتمع ہو جاتی ہے اسی حکمت کے لیے اذان کان میں انگلی رکھ کر پڑھی جاتی ہے اس اجتماع سے آواز میں قوت پیدا ہو کر بلند بھی ہو جاتی ہے۔ (ملفوظات ص:۱۲۱)

ض کو صحیح ادا کرنے کا طریقہ:

فرمایا: اگر کوئی غیر قادر ہم سے پوچھے کہ صاحب ضالین کو کیا پڑھوں تو ہم یوں کہیں گے کہ تم "ض" کو اس کے مخرج سے نکالنے کا قصد کرو پھر خواہ کچھ نکلے تم معذور ہو یہ نہ کہیں گے دالین پڑھو یا ضالین پڑھو۔ (انفاس عیسیٰ ص:۷۰۴، القول الجلیل ص:۳۴)

اوقاف قرآن مجید:

فرمایا: قرآن مجید میں ترکیب کے اعتبار سے وقف تجویز کیے گئے ہیں اور ہر آیت پر وقف ضروری نہیں گو آیتیں توقیفی ہیں جیسا کہ دو شعر قطعہ بند ہوں تو مضمون چار مصرعوں کا مل کر ایک ہوگا مگر ایک شعر

کے ختم پر ضرور کہیں گے کہ شعر ختم ہو گیا بعض لوگ وقف کو آیت پر لازم سمجھتے ہیں۔ (یہ غلط ہے) وقف کے معنی قطع النفس (سانس توڑنے کے ہیں)۔ (ملفوظات اشرفیہ ص: ۱۷۔ حسن العزیز ص: ۳/۳۸۴)

وقف غفران اور وقف النبی ﷺ:

فرمایا: وقف غفران اور وقف النبی ﷺ کے متعلق قراء کہتے ہیں کہ وقف کرنے سے مغفرت ہوتی ہے اور وقف النبی حضور ﷺ کی سنت ہے مگر میری نظر سے اس کی کوئی سند نہیں گزری۔ (کلمۃ الحق ص: ۱۲۸)

قرآن مجید کی آیات اور رموز اوقاف کا شرعی حکم:

قرآن مجید کے آیات و اوقاف کتاب وسنت و اجماع و قیاس (یعنی) ادلہ اربعہ شرعیہ سے ثابت ہیں اور حتی الوسع اس کی رعایت کرنا ضروری ہے بعض جگہ اس کے خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں چنانچہ سورۂ براءت میں آیت ''واللہ لا یھدی القوم الظالمین'' پر ٹھہرنا لازمی ہے اور اگر یہاں نہ ٹھہرا اور ''الذین امنوو ھاجروا'' کے ساتھ ملا دیں تو بالکل معنی فاسد ہو جائیں گے۔ کما لا یخفی.

اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس کی تعلیم و تعلم کی حاجت نہ تھی (لیکن) جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اور ان کی زبان عربی نہ تھی اس لیے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے ان کے لیے علماء سلف نے قرآن کے اعراب اور رموز اوقاف تجویز فرمائے اور ضبط کیے تا کہ ان کو سہولت ہو اور جو قصداً اس کے خلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔ ''ماراٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن''

(امداد الفتاویٰ ص: ۱/۳۰۸)

وقف لازم کی حقیقت:

فرمایا: وقف لازم کی حقیقت یہ ہے کہ تتبع سے جہاں ایہام خلاف مقصود ہوا وہاں وقف کر دیا مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اور مواقع ہیں کہ وصل سے ایہام خلاف مقصود کا ہے اور وقف وہاں نہیں اور بعض جگہ بالعکس ہے اور نیز جہاں خلاف مقصود کا ایہام ہے وہ وصل سے نہیں بلکہ بے محل فصل سے ایہام خلاف مقصود ہے تو فصل بے محل منع ہوا نہ یہ کہ وقف ضروری مگر فرمایا کہ اب عوام کو اسی طرح رہنے دیا جائے ورنہ اس کے خلاف فتنہ ہے۔

قرآن شریف کا رسم الخط:

فرمایا: رسم الخط قرآن کا توقیفی ہے۔

﴿فصل ۲﴾

فنون درسیہ

فنون درسیہ کی ضرورت:

قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر پھر فنون ضرور پڑے کیونکہ بعض مقامات قرآنیہ بغیر فنون کے حل نہیں ہوتے مثلاً سورۂ انعام میں کفار کے متعلق فرمایا ہے" وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكُوا" اس میں اس کا صاف اثبات ہے کہ ان کا شرک ہماری مشیت سے ہے اگر ہم عدم اشراک کو نہ چاہتے تو عدم اشراک (شرک نہ ہونا) محقق ہوتا اور اسی سورۃ میں کفار کا قول نقل فرمایا۔"لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكْنَا"[الآیۃ] اور پھر اس کا رد فرمایا جس میں اس کی نفی ہے بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں مشیت تکوینیہ بمعنی ارادہ مراد ہے یعنی تکوینی طور پر حکمت و مصلحت کے لیے ہم نے ان کے شرک کا ارادہ کیا اور اس کی دلیل اس آیت کا سیاق وسباق ہے چنانچہ ارشاد ہے "اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ" اور بعد میں ارشاد ہے" وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا "ان میں حضور ﷺ کو تسلی فرما رہے ہیں کہ تبلیغ کے بعد مغموم نہ ہوں کیونکہ ان کے شرک کا ارادہ ہم نے حکمت کی بناء پر کیا ہے پس اس میں مشیت کا اثبات ہے اور دوسری آیت میں مشیت تشریعیہ بمعنی رضا مراد ہے کفار اپنے دین کی حقانیت کے مدعی تھے اور استدلال میں یہ کہتے تھے کہ اگر ہمارا کفر وشرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوتا تو ہم شرک نہ کرتے یعنی ہم سے صادر نہ ہونے دیتے (یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی بھی ہے) حق تعالیٰ اس مشیت کی نفی فرما رہے ہیں پس تعارض نہ رہا اس جواب سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اس جواب کو سمجھنے کے لیے اس وقت فنون درسیہ کی ضرورت ہے۔

دوسری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا طرز مناظرانہ نہیں ہے کیونکہ کفار کے اس قول کا ابطال کسی مناظرانہ دلیل سے نہیں فرمایا ورنہ اس کا جواب یہ ہوتا کہ تمہارے استدلال سے ہماری رضا ثابت نہیں ہوتی مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کے بطلان کا حکم ہوا اس سے معلوم ہوا کہ قرآن محض شفقت کا طرز اختیار کرتا ہے۔ (کلام الحسن ص:۳۳)

علوم آلیہ نحو صرف منطق ادب عربی کی ضرورت:

بہت سے اشکالات نحو صرف کے نہ جاننے سے پیدا ہوتے ہیں اس لیے ان علوم آلیہ کی بھی ضرورت ہے بلکہ کچھ منطق وکلام کی بھی ضرورت ہے کیونکہ بعض اشکالات انہیں علوم کے جاننے سے رفع ہو جاتے ہیں بعض اشکالات میں ان علوم کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی اور ان کے نظائر بہت ہیں مگر نمونہ کے لیے چند مثالیں بیان کرتا ہوں جو طالب علموں کے سمجھنے کی ہیں۔ (التبلیغ ص:۱۹۱/۲۱)

ادب عربی کی ضرورت:

بہت سے اشکالات قرآن میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کا جواب ذوق لسان ہی سے ہو سکتا ہے ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے مجھے کچھ پوچھنا ہے مگر پہلے اس آیت کا ترجمہ کردو "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" میں سمجھ گیا اور ترجمہ اس طرح کیا کہ پایا آپ کو ناواقف پس واقف بنا دیا۔ یہ ترجمہ سن کر وہ میرے منہ کو تکنے لگے میں نے کہا اب پوچھو کیا پوچھتے ہو کہنے لگے اب تو وہ اشکال نہ رہا میں نے کہا کیا آپ کا خیال تھا کہ میں اس جگہ "ضَآلًّا" کا ترجمہ گمراہ سے کروں گا اور وہ ترجمہ بھی غلط نہیں ہے مگر غلط فہمی زبان نہ جاننے سے ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ اردو میں تو گمراہ کا مفہوم یہی ہے کہ حق واضح ہو جانے کے باوجود اس کو قبول نہ کرے اور عربی میں ضَآلًّا اور فارسی کا اطلاق عام ہے اس معنی کو بھی اور عدم وضوح کو بھی پس ضال کے معنی گمراہ کے بھی ہیں اور بے خبر اور ناواقفی کے بھی ہیں۔ (التبلیغ ص:۱۹۲/۲۱)

صرف کی ضرورت:

بعض دفعہ صرف کا قاعدہ نہ جاننے سے اشکال پڑتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ اخباروں میں یہ خبر مشہور ہوئی تھی کہ امریکہ میں ایک شخص کے دو دل ہیں اس سے بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوا کہ یہ تو قرآن کے منافی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں "مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ" یعنی خدا تعالیٰ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہیں بنائے اس کا ایک جواب تو یہی ہے کہ اہل اخبار کی خبر کا اعتبار ہی کیا کسی نے اس کے پیٹ کو تو چیر کر نہیں دیکھا محض قیاس اور گمان سے حکم لگا دیا اور تسلیم کے بعد جواب یہ ہے کہ قرآن میں ما جعل ماضی کا صیغہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت تک خدا نے کسی کے دو دل نہیں بنائے اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ آئندہ بھی کسی کے دو دل نہیں بنائیں گے پس اگر یہ واقعہ صحیح ہے تب بھی قرآن پر کوئی اشکال نہیں۔ (التبلیغ ص:۱۹۴)

نحو کی ضرورت:

بعض اشکالات کا جواب نحوی قاعدہ سے دیا جاتا ہے چنانچہ میرے پاس ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ وضو میں جو پاؤں دھونا فرض ہے اس کی دلیل کیا ہے قرآن میں تو پیروں کے واسطے مسح کا حکم ہے میں نے کہا کہ قرآن میں کہاں ہے؟ کہنے لگے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے پھر وہ مترجم قرآن میرے پاس لائے اور یہ آیت دکھلائی "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ" [الآیۃ] ترجمہ: یہ لکھا ہوا تھا پس دھوؤ اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور ملو اپنے سروں کو اور پیروں کو دو ٹخنوں تک شاہ صاحب نے یہاں فعل مقدر کو ظاہر نہ کیا تھا اور مسح کا ترجمہ محاورہ کے موافق کر دیا ورنہ بعض تراجم میں فعل ظاہر کر کے اس طرح ترجمہ کیا ہے اور دھوؤ اپنے پیروں کو ٹخنوں تک اس ترجمہ پر کچھ اشکال نہیں ہو سکتا مگر شاہ

صاحب کے ترجمہ میں ان صاحب کو یہ شبہ ہوا کہ پیروں کے لیے بھی مسح کا حکم ہے میں بہت پریشان ہوا کہ اس اشکال کا جواب تو نحوی قاعدہ پر موقوف ہے اب اگر میں ان کو نحوی قاعدہ سے جواب دوں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے سامنے عطف اور تقدیر کی تحقیق بیان کروں جس کو یہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔

آخر میں نے ان سے کہا کہ جس کلام کا یہ ترجمہ ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کلام اللہ ہے، بولے کہ علماء کے کہنے سے معلوم ہوا میں نے کہا افسوس! یا تو علماء اتنے ایماندار ہیں کہ اگر وہ ایک عربی عبارت کو کلام اللہ کہہ دیں تو سچے اور یا تو اتنے بے ایمان ہیں کہ اگر وہ ایک فعل کو مضمر (پوشیدہ) کہیں تو جھوٹے۔ اس پر وہ چپ رہے اس طرح کے بہت سے اشکالات ہیں جن کے جوابات علوم آلیہ پر موقوف ہیں اس اشکال کا جواب یہ تھا کہ یہاں ''ارجلکم'' کا عطف ''وجوھکم'' پر ہے اور ''وجوھکم'' جر کے ساتھ آیا ہے اور اس صورت میں بظاہر اس کا عطف ''رؤسکم'' کے اوپر ''فامسحوا'' کے تحت میں ہے علماء نے اس کا جواب دیا ہے اور اس میں جر جوار ہے ورنہ حقیقت میں اس کا عطف ''فاغسلوا'' پر ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو التبلیغ ص:۲۱/۱۹۶)

فصاحت وبلاغت:

بلاغت تو (گویا) عورتوں پر ختم ہے فصاحت تو نہیں ہے کیونکہ فصاحت کے لیے الفاظ کی عمدگی شرط ہے آج کل مستورات ناواقف ہیں ہاں بلاغت بمعنی تاثیر عنوان (نہ کہ اصطلاحی جو فصاحت پر موقوف ہے) یہ پوری پوری ہے اس لیے ان کا کلام بے حد مؤثر ہوتا ہے اور دل میں گھس جاتا ہے۔

(التبلیغ ص:۴/۹۹)

بلاغت کے اصول وقواعد سب عقلی ہیں:

بلاغت کے جو اصول ہیں سب عقلی ہیں جو کسی خاص زبان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر زبان میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی اپنے باپ کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی کرے تو کہتے ہیں کہ دیکھ تیرا باپ ہے حالانکہ باپ کا باپ ہونا اسے بھی معلوم ہے مگر پھر بھی اس سے یہ کہتے ہیں کہ دیکھ تیرا باپ ہے اہل بلاغت نے اس کی تصریح کی ہے۔ تنزیل العالم بمنزلة الجاهل (یعنی جاننے والے کو نہ جاننے والا سمجھنا) اور تنزیل المقر بمنزلة المنکر (یعنی اقرار کرنے والے کو انکار کرنے والا سمجھنا) ہے غرض یہ قواعد عقلی ہیں سب اہل زبان ان پر عامل ہیں۔

میرے استاذ مولانا فتح محمد صاحب ایک طالب علم کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ اس نے استاذ سے مختصر المعانی پڑھی تھی جب ختم کر چکا تو اس نے دوسری کتاب پڑھنی چاہی استاذ نے کہا امتحان لے کر شروع کراؤں گا وہ آمادہ ہو گیا مگر استاذ نے متعارف طریقہ سے امتحان نہیں لیا بلکہ اس سے کہا کہ بازار میں جا کر

دیکھو کہ لوگ مختصر المعانی کے قواعد کا استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟ وہ گیا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ لوگوں کو تو ان قواعد کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ طالب علم ابھی اصطلاحی الفاظ کے چکر میں تھے اس پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی اس لیے استاذ نے کہا کہ تم نے مختصر المعانی کو سمجھا نہیں دوبارہ پڑھو چنانچہ اس نے دوبارہ پڑھی اس کے بعد استاذ نے کہا کہ اب بازار میں جا کر دیکھو وہ گیا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ واقعی کوئی شخص بھی ان قواعد سے خالی نہیں۔ فرمایا اب تم مختصر المعانی سمجھ گئے غرض یہ قواعد عقلی ہیں سب اہل زبان اس پر عامل ہیں چنانچہ یہ قاعدہ بھی ہر زبان میں مستعمل ہے کہ کسی شئی کے مقتضی کے خلاف عمل کرنے سے اس شئی کو کالعدم سمجھتے ہیں اس لیے جو شخص باپ کو جانتا ہو کہ یہ میرا باپ ہے مگر اس کے ساتھ باپ کے مقتضی کے خلاف برتاؤ کرتا ہے اس کو منکر قرار دے کر اس سے اس طرح کلام کرتا ہے جیسے منکر سے کیا جاتا ہے اور یہ قاعدہ عقلی بھی ہے کیونکہ انتفاء لازم عقلاً انتفاء ملزوم کو مستلزم ہے۔ (التبلیغ ص:۱۲۰)

فصل ۳

عقائد اور علم کلام

عقائد کی تعریف:

فرمایا: اعتقاد اس کو کہتے ہیں کہ جو جازم ہوتا ہے ٹل نہیں سکتا ہٹ نہیں سکتا جیسے کوئی شخص کسی پر عاشق ہو جائے تو اس کو کوئی بات بھی ہٹا نہیں سکتی۔ یہ حقیقت ہے اعتقاد کی۔ (الافاضات ص:۲/۲۰۹)

عقائد کی غرض وغایت:

شریعت نے جو اعتقادیات کی تعلیم دی ہے اس سے دو مقصود ہیں ایک یہ کہ فی نفسہ ان امور کا اعتقاد رکھا جائے دوسرے یہ کہ ان سے عمل میں کام لیا جائے کیونکہ یہ بات تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اعتقاد کو عمل میں بہت دخل ہے مثلاً توحید کو اعمال میں مؤثر بتلایا گیا ہے کہ جب توحید کامل ہو جاتی ہے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کسی سے رجا و خوف نہیں رہتا ایک آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ ”فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا“ فرمایا: کہ عقائد فی نفسہ مقصود ہیں اور عمل کے واسطے بھی مقصود ہیں۔ مثلاً تقدیر کے مسئلہ کی تعلیم سے صرف اعتقاد کر لینا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ عمل بھی مقصود ہے کہ مصائب کے وقت میں (صابر اور مستقل) مزاج رہے ہر مصیبت کو مصیبت سمجھ کر پریشان نہ ہو اسی طرح نعمتوں پر بطر و تکبر نہ ہو ان کو اپنا کمال نہ سمجھے اور مثلاً توحید کے عقیدہ سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کا خوف اور طمع نہ رہے۔ (ملفوظات اشرفیہ ص:۳۵)

مزید تفصیل اور دلیل:

لوگوں نے اعتقادیات میں محض علم کو مقصود سمجھ لیا ہے اور میں بھی پہلے یہی سمجھتا تھا کہ اعتقادیات میں علم ہی مقصود ہے مگر سالہا سال کے بعد ایک آیت نے میری اس طرف رہنمائی کی کہ عقائد فی نفسہ مقصود ہیں اور عمل کے واسطے بھی مقصود ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں "مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ" [الآیۃ] "لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا" [الآیۃ]

یہاں پہلی آیت میں تو مسئلہ تقدیر کی تعلیم ہے کہ جو مصیبت بھی پیش آتی ہے وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ آگے (دوسری آیت میں) مسئلہ کی تعلیل بیان فرماتے ہیں کہ یہ بات ہم نے تم کو کیوں بتلائی تاکہ کسی چیز کے فوت ہونے پر تم کو رنج نہ ہو کیونکہ یہ مصیبت لکھی ہوئی تھی اس کا آنا ضروری تھا اور کسی نعمت کے ملنے پر اتراؤ نہیں بلکہ یہ سمجھو کہ یہ ہمارا کمال نہیں حق تعالیٰ نے پہلے سے یہ نعمت ہمارے لیے مقدر کر رکھی تھی اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر کی تعلیم سے صرف اعتقاد کر لینا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ عمل مقصود ہے کہ مصائب میں مستقل رہے اور ہر مصیبت کو مقدر سمجھ کر پریشان نہ ہو اسی طرح نعمتوں پر تکبر و بطر نہ ہو ان کو اپنا کمال نہ سمجھے۔

جب نص سے اس کا مقصود ہونا معلوم ہو گیا اور قاعدہ ہے "الشیئ اذا خلا عن غایته انتفی" یعنی شئی جب اپنی غایت سے خالی ہو تو وہ کالعدم ہو جاتی ہے تو اب جس شخص کا مصیبتوں اور نعمتوں کے وقت یہ حال نہ ہو تو وہ گویا تقدیر کا معتقد ہی نہیں یعنی کامل معتقد نہیں اگر کامل اعتقاد ہوتا تو اس کی غرض ضرور مرتب ہوتی۔ اسی طرح توحید کا مسئلہ تعلیم کیا گیا ہے۔ اس سے بھی صرف علم مقصود نہیں بلکہ قرآن میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کا خوف اور اس سے طمع نہ رہے اب جو شخص توحید کا قائل ہے مگر غیر اللہ سے خوف و طمع بھی رکھتا ہے تو گویا وہ توحید کا معتقد ہی نہیں بلکہ مشرک ہے، صوفیاء نے اس پر شرک کا اطلاق کیا ہے۔ صوفیاء نے کیا حق تعالیٰ نے اس کو شرک فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ "فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا" جو شخص لقاء رب کی امید رکھتا ہو وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ حدیث میں لا یشرک کی تفسیر لا یرائی آئی ہے مطلب یہ کہ عبادت میں ریا نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ ریا شرک ہے حالانکہ ریا میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا پس غیر اللہ سے خوف و طمع پر صوفیاء کا لفظ شرک اطلاق کرنا غلط نہیں کیونکہ اس صورت میں توحید کی غایت مفقود ہے اسی طرح تمام عقائد میں غور کرو تو نصوص سے معلوم ہوگا کہ ہر اعتقاد سے عمل ہی مطلوب ہے تنہا اعتقاد مطلوب نہیں اور ہماری عادات میں بھی اعتقاد سے عمل مطلوب ہے جب عمل علم کے مقتضا کے خلاف ہو تو علم کو کالعدم سمجھتے ہیں۔ (التبلیغ ص:۴/۱۴۹)

علم کلام کی ابتداء اور اس کی ضرورت:

فرمایا: علم کلام کی ضرورت بدعات اعتقادیہ کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ لوگوں نے عقائد اسلامیہ میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے شروع کیے تو علماء کو شبہات دور کرنا ضروری ہو گیا اس لیے علم کلام پیدا ہو گیا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں نہ بدعات اعتقادیہ پیش آئی تھیں اور نہ احکام شرعیہ میں اتنے نقائص اور کوتاہیاں تھیں اس لیے اس وقت نہ علم کلام کی ضرورت تھی نہ موجودہ طرز کے علم فقہ کی، بعد میں جب ضرورت پیدا ہوئی تو یہ علوم وفنون ضروری سمجھے گئے۔ (مجالس حکیم الامت ص:۱۱۰)

مزید تشریح:

خوارج ومعتزلہ کی عقل ماری گئی کہ انہوں نے آیت " **کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ** " میں کفر عملی کو حقیقی معنوں پر محمول کر کے یہ حکم لگا دیا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر ہے اور مرتکب کبیرہ سچ مچ کا فر یا خارج عن الایمان ہے (حالانکہ) اس آیت میں کفر سے مراد عام معنی ہیں جو کفر اعتقادی وعملی دونوں کو شامل ہیں اور قتال وجدال یہ کفر عملی ہے۔

(لیکن) جب ان لوگوں (معتزلہ) نے قرآن کے معانی کو بدلنا شروع کیا تو اہل حق کو جواب دینے کی ضرورت ہوئی اور انہوں نے ایمان کی ہیئت کی تحقیق کی۔

صحابہ کو اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ سب کے سب محاورات کے جاننے والے اور کلام الٰہی کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے ان میں باہم ایسے اختلافات کم ہوتے تھے اس لیے ان کو ایسے مسائل میں گفتگو کی ضرورت نہ تھی اور جس قدر ضرورت تھی اس کے موافق انہوں نے بھی گفتگو کی مگر اس وقت علم کلام کی تدوین کی ضرورت نہ تھی۔

اسی طرح اگر سب مسلمان مذاہب اصلیہ پر رہتے اور تدقیق شروع نہ کرتے تو متکلمین کو بھی " **تَکْفُرُوْنَ** " کی تحقیق کی ضرورت نہ ہوتی کہ یہاں کفر عملی مراد ہے نہ کہ کفر حقیقی۔ نہ ان کو " **اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ** " کی تاویل بیان کرنا پڑتی متکلمین کو بھی اس کی ضرورت جب ہی آئی جب کہ اہل بدعت نے تلبیس شروع کر دی۔

اور یہ یقینی بات ہے کہ اگر علوم قرآن اپنی سند اصلیہ پر رہتے تو اس سے نفع زیادہ ہوتا اور فضول بحثوں میں عوام اور علماء کا وقت صرف نہ ہوتا بلکہ تمام علماء ضروری علوم کی تدوین وتحقیق میں مصروف ہوتے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ صحابہ کے بعد مسلمانوں کی طبیعتوں میں اتباع کا مادہ کم ہو گیا، عقول میں سلامتی کم ہو گئی اور تحقیق وتدقیق کے درپے ہونے لگے، اہل بدعت وہویٰ نے تلبیس وتحریف شروع کر دی تو اب علماء میں تقسیم خدمات ہونے لگی کسی نے بلاغت کو لے لیا کسی نے نحو وصرف کو، کسی نے علم کلام کو، کسی نے حدیث کو

،کسی نے فقہ کو، کسی نے تفسیر کو، اور ایک جماعت نے علوم عقلیہ کی خدمت اختیار کی اور اب علوم عقلیہ کی ضرورت ہے کیونکہ آج کل عقول میں سلامتی نہیں وہ علوم عقلیہ کی مدد کے بغیر دقیق علوم کو نہیں سمجھ سکتے۔

اب علوم عقلیہ کے بغیر فہم اس لیے مشکل ہو گیا کہ جو اشکالات شریعت پر کیے جاتے ہیں خود ان میں علوم عقلیہ وفلسفیہ کی بہت آمیزش ہے۔ خصوصاً معتزلہ کے اشکالات میں اور گو علوم عقلیہ کے ذریعہ سے معتزلہ کے اشکالات رفع کر دیئے گئے مگر یہ ضرور ہے کہ متاخرین کے کلام میں علوم قرآن بہت کم ہیں اور سلف کے کلام میں علوم قرآن زیادہ ہیں اور سلف کی باتیں دل کو لگتی ہیں۔ کیونکہ سذاجت (سادگی) کا خاصہ ہے کہ دل کو کشش کرتی ہے، سادگی سے جو بات بیان کر دی جائے وہ دل میں پیوستہ ہو جاتی ہے متاخرین کے کلام میں یہ رنگ نہیں ان کی باتیں اس قدر دل کو نہیں لگتیں مگر وہ کیا کریں وہ اس رنگ کے اختیار کرنے پر مجبور تھے کیونکہ معترضین نے اسی رنگ سے اعتراضات پیش کیے تھے۔

یہ بھی خدا کی رحمت ہے کہ ہم سے پہلے یہ شبہات پیدا ہو چکے اور متقدمین متکلمین نے ان کے جواب میں قیامت تک کا انتظام کر دیا۔ علم کلام کی بنیاد ڈال کر قیامت تک کے شبہات کا ازالہ کر دیا۔ اگر ہم جیسے کم ہمتوں کے سامنے معتزلہ کے شبہات پیش ہوتے تو ہم سے یہ کام دشوار تھا غرض اس میں تو کوئی شک نہیں کہ متکلمین نے جو کچھ تحقیق وتدقیق کی وہ ایک ضروری کام تھا جس پر مخالفین اسلام واہل بدعت نے ان کو مجبور کیا۔

(الدوام علی الاسلام ملحقہ محاسن اسلام ص: ۳۸۷)

علم کلام کی غرض وغایت اور متکلمین کا مقصد اور علم کلام سے حتی الامکان اجتناب کی ضرورت:

متکلمین کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ مسلمانوں کو قرآن پر ایسی تحقیق وتدقیق کے ساتھ ایمان لانا چاہیے بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام پر اعتراض کرے اور اس کی فہم میں سلامتی نہ ہو اور سذاجت (آسانی وسادگی) کے ساتھ وہ قائل نہ ہو سکے تو اس کے مقابلہ میں اس سے کام لیا جائے اور خود اپنے اعتقاد رکھنے کے واسطے سذاجت ہی کا رنگ اختیار کرنا چاہیے۔ خصوصاً عوام کو تو یہی لازم ہے کہ قرآن پر سند کے ساتھ ایمان لائیں کیونکہ تدقیقات سے شبہات دفع نہیں ہوتے بلکہ اس سے شبہات اور بڑھتے ہیں جن سے بعض دفعہ نجات مشکل ہو جاتی ہے اور اخیر میں جب کبھی نجات ہوئی ہے سذاجت ہی سے ہوئی ہے کہ (سذاجت کا مطلب یہ ہے کہ) اللہ ورسول اللہ ﷺ سچے ہیں۔ ان کا حکم سر آنکھوں پر ہے۔ خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

میں بقسم کہتا ہوں کہ اطمینان اور تسلی اسی سے ہوئی ہے کہ میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کو بلا دلیل مانتا ہوں۔ اسرار وحکم کے درپے ہونے سے پوری تسلی نہیں ہوتی اور نہ ان سے شیطان بھاگتا ہے۔

تسلی اسی سے ہوتی ہے کہ خدا کا حکم یوں ہی ہے بس ہم بے دلیل کے مانتے ہیں حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے وسوسہ کا علاج یہ بتلایا ہے کہ وسوسہ کے وقت "امنت باللہ

ورسولہ" (کہہ لیا کرو) کیا حضور ﷺ کو دلائل معلوم نہ تھے؟ یقیناً معلوم تھے مگر دلائل میں غور کرنے کی تعلیم اسی لیے نہیں فرمائی کہ یہ سلسلہ غیر متناہی ہے اس سلسلہ میں شبہات پر شبہات نکلے چلے آئیں گے۔

(الدوام علی الاسلام ص:۳۸۸،۳۹۹،۴۰۴)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے معقولی اور فلسفی ہیں متکلم بھی بڑے درجہ کے ہیں اخیر عمر میں اپنی عمر بھر کا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کو عمر بھر بحث سے سوائے قیل وقال کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

علم کلام کی غرض وغایت اور اس کا درجہ:

ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ علم کلام کی تحقیقات کو صرف مانع اصطلاحی کا درجہ دیا جائے جس کا حاصل ایک احتمال پیدا کرنا ہے کہ یوں بھی ہوسکتا ہے اس کو عقیدہ کا درجہ دینا حد سے تجاوز کرنا ہے جن حضرات نے علم کلام کے اشتغال کو منع کیا ہے وہ اسی غلو اور حد سے تجاوز کرنے کی بناء پر کیا ہے مثلاً حضرات فلاسفہ کے ان اقوال کو رد کیا ہے جسم ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے اس کے بالمقابل جسم کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے قرار دی تو جو لوگ جزء لایتجزیٰ کے سلسلہ کو مانع احتمال پیدا کرنے کے درجے میں رکھیں وہ کوئی خلاف شرع کام نہیں کر رہے ہیں لیکن اگر یہ عقیدہ بنالیں کہ جسم کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے ہے تو شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہونے کی بناء پر ایسا عقیدہ رکھنا غلط اور ناجائز ہوگا کیونکہ عقیدہ کے لیے قطعی الثبوت دلائل کی ضرورت ہے وہ اس مسئلہ کے لیے موجود نہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص:۱۱۱)

متاخرین متکلمین کی غلطی:

حضرات متکلمین نے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ درحقیقت اہل بدعت والحاد کی مدافعت ہے اس کو علمی اصطلاح میں صرف منع (ابداء احتمال) کے درجہ میں رہنا چاہیے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی صورت ہو تو یہ ممکن اور محتمل ہے۔ محال نہیں یہ نہیں کہ واقع میں عبداللہ ایسا ہے مگر ہو یہ گیا ہے کہ متاخرین متکلمین بجائے مانع بننے کے مدعی بن بیٹھے اور اپنے پیدا کیے ہوئے احتمالات کو اسلام کے عقیدہ کا درجہ دے دیا۔

اس لیے میں کہتا ہوں کہ علم کلام کو صرف مدافعت اہل بدعت اور منع اصطلاحی یعنی احتمال وامکان کے درجے میں رکھنا چاہیے اور عقائد کو مثل سلف صالحین کے ان مباحث سے سادہ رکھنا چاہیے۔

(مجالس حکیم الامت ص:۱۳۲)

علم کلام کا مصرف محل وموقع امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے۔ شاہی دربار میں ہر قسم کے علماء جمع تھے محدثین بھی، فقہاء بھی، فلاسفہ بھی، متکلمین بھی، معتزلہ بھی، اور اہل سنت بھی امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے

کے بعد ایک شخص نے ذات وصفات کے کسی مسئلہ میں گفتگو شروع کی۔ اس کے بعد دوسرے علماء نے اس کے متعلق اپنی اپنی تحقیقات بیان کیں۔ معتزلہ نے اہلسنت کے مسلک پر اعتراض کیے اہل سنت نے ان کو جواب دیئے مگر امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ خاموش بیٹھے رہے جب سب علماء اپنی اپنی کہہ چکے تو اخیر میں شیخ نے کھڑے ہو کر معتزلہ وفلاسفہ کو خطاب کر کے ان کی سب باتوں کا جواب دیا اور ان مسائل کی ایسی تحقیق کی کہ جس پر فلاسفہ کو بولنے کا موقع نہ رہا۔ جب امام ابوالحسن سب کو جواب دے چکے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے شروع ہی میں ان مسائل کی تحقیق کیوں نہ بیان کردی تا کہ مخالفین کو اعتراض کا موقع ہی نہ ملتا امام نے اس سوال کا جو جواب دیا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے فرمایا کہ ان مسائل میں خود تکلم کرنا بدعت ہے کیونکہ ان میں تکلم کرنا خلاف سنت ہے تو میں نے ابتداءً ان امور میں تکلم کو جائز نہ سمجھا مگر جب اہل بدعت نے مذہب حق پر اعتراض کیا تو اب جواب کی غرض سے تکلم کی ضرورت ہوئی اس لیے میں ابتداء خاموش بیٹھا رہا اور اخیر میں مجبور ہو کر بولا جب کہ حق پر اعتراضات ہونے لگے (اور خیال ہوا کہ) اب سکوت کی گنجائش نہ رہی۔ اب ایسے محتاط علماء کہاں ہیں اب تو ہر شخص ذرا سے سوال پر اپنی تحقیقات بیان کرنے لگتا ہے۔ (الدوام علی الاسلام ص:۳۹۴)

قدیم علم کلام کی ضرورت:

علم کلام کی بھی ضرورت ہے کیونکہ قرآن میں بعض مضامین ایسے مذکور ہوئے ہیں جن کا ظاہری مضمون جو عام طور پر سمجھ میں آتا ہے مراد نہیں۔ مثلاً "فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوىٰ اَلسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ" یعنی کسی جگہ کہا گیا ہے کہ جدھر تم منہ کرو خدا کا رخ ادھر ہے کہیں فرمایا گیا کہ خدا کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ کہیں فرمایا ہے خدا عرش پر مستوی ہے کہیں فرمایا کہ آسمان خدا کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے تو اس سے بعض جاہلوں کو یہ شبہ ہوگا کہ خدا کے بھی ہماری طرح ہاتھ منہ اور پیر ہیں مگر علم کلام کے دلائل سے معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ جوارح اور مکان وزمان سے پاک ہے اس لیے ان چیزوں کا ثابت ہونا حقیقۃً ممکن نہیں۔ ہاں مجازاً کوئی دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو ممکن ہے چنانچہ بعض علماء نے ان آیات کے معنی خدا کی شان کے لائق یہ بیان کیے ہیں اور سلف کا طرز اس بارہ میں سکوت ہے تو علم کلام سے معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے لیے کس صفت کا ثابت ہونا ضروری ہے اور کن کن باتوں سے اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ (التبلیغ ص ۳۰۳ ج ۲۱)

جدید علم کلام کی ضرورت:

متکلمین نے جو علم کلام مدون کیا ہے اس میں سب کچھ موجود ہے کیونکہ انہیں کے مقرر کردہ اصولوں پر سارے شبہات جدیدہ کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے اور اسی (قدیم) ذخیرہ سے علم کلام جدید کی بھی بآسانی

تدوین ہو سکتی ہے۔

میں نے بطور خود ہی بعض شبہات جن کا مجھے علم تھا جوابات لکھ کر "اَلْاِنْتِبَاھَاتُ الْمُفِیْدَۃُ عَنِ الْاِشْتِبَاھَاتِ الْجَدِیْدَۃِ" کے نام سے شائع کر دیا ہے اور اس میں میں نے ایسے اصول موضوعہ قائم کر دیئے ہیں جن سے میرے نزدیک اس قسم کے جتنے شبہات بھی پیدا ہوں بسہولت رفع کی یجا سکتے ہیں۔

(الافاضات ص:۷/۴۰۷)

اب مجھ میں قوت کہاں ہے کام کے لوگ موجود ہیں مگر کام نہ کریں تو اس کا کیا علاج ہے۔ آرام طلبی سے تو کام ہوتا نہیں کام تو کام کرنے سے ہوتا ہے۔ مجھ سے بھلا برا جیسا ہو سکا دین کی ضروری خدمت کر چکا اب جو اور کام باقی ہے اس کو اور لوگ کریں۔ کیا وہ نہیں کر سکتے، ضرور کر سکتے ہیں اور مجھ سے اچھا کر سکتے ہیں لیکن اگر خوامخواہ واجد علی شاہ بن جائیں تو اس کا علاج ہی نہیں۔ (الافاضات ص:۷/۴۰۷)

فصل ۴

منطق وفلسفہ

منطق کی ضرورت:

ایک نیچری مفسر نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآن میں غلامی کے مسئلہ کا ثبوت نہیں بلکہ اس آیت سے اس کی نفی ہوتی ہے اور وہ آیت یہ ہے "فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً" اس سے پہلے جہاد کا ذکر ہے۔ "لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ" پس جب تم کفار کے مقابل ہو تو ان کی گردنیں مارو یعنی قتل کرو یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو تو تم کو اختیار ہے بلا معاوضہ چھوڑ دینا جو کہ احسان ہے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا اس آیت سے مفسر نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں بطور حصر کے دو باتیں مذکور ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ تیسری صورت یعنی غلام بنانا جائز نہیں۔ اس تقریر سے ایک عالم صاحب کو شبہ پڑ گیا اس کا جواب ایک دوسرے عالم نے یہ دیا کہ پہلے آپ یہ بتائیں کہ یہ قضیہ کون سا ہے حملیہ یا شرطیہ اور شرطیہ ہے تو متصلہ یا منفصلہ اور منفصلہ ہے تو حقیقیہ یا مانعۃ الجمع یا مانعۃ الخلو۔ (الافاضات ص:۷/۴۰۷)

بس اتنی سی بات نے سارے اشکال کو درہم برہم کر دیا کیونکہ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ قضیہ ممکن ہے مانعۃ الجمع ہو یعنی ان دونوں کا جمع کرنا (کہ فدیہ بھی ہو اور احسان بھی ہو) ممتنع ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ دونوں صورتیں مرتفع ہوں تیسری اور کوئی صورت ہو کیونکہ مانعۃ الجمع کا یہی حکم ہے کہ ان کا اجتماع جائز نہیں ہوتا اور دونوں کا ارتفاع ممکن ہوتا ہے مثلاً دور سے کسی چیز کو دیکھ کر ہم یوں کہیں کہ یہ چیز یا تو درخت ہے یا

آدمی اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان دونوں کا اجتماع تو ناممکن ہے (کہ ایک شئی آدمی بھی ہو اور درخت بھی) ہاں یہ ممکن ہے کہ نہ درخت ہو نہ آدمی بلکہ کوئی تیسری چیز ہو، گھوڑا یا بیل وغیرہ۔

اسی طرح اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ من (احسان) اور (فدیہ) کا جمع کرنا ممتنع ہے البتہ دونوں سے خلو ممکن ہے تو اس سے غلامی کی نفی کیونکر ہوئی تو دیکھئے جو شخص مانعۃ الجمع اور مانعۃ الخلو کی حقیقت کو نہ جانتا ہو وہ نہ اشکال کو دور کر سکتا ہے اور نہ جواب کو سمجھ سکتا ہے۔ اس سے آپ کو منطق کی ضرورت معلوم ہوگئی ہوگی۔ (التبلیغ ص:۲/۲۰۲)

فلسفہ کی ضرورت:

فلسفہ کے بہت سے مسائل کفر میں داخل ہیں لیکن لوگوں کو اس حقیقت پر مطلع کرنے کے لیے فلسفہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور ساتھ میں اس کا رد بھی کر دیا جاتا ہے۔ جس سے مقصود صرف یہی ہے کہ فلسفہ کی حقیقت اور اس کا بطلان معلوم کر لینے کے بعد کوئی شخص ان کے دلائل سے متاثر نہ ہو اور ضرورت کے وقت ان کے دلائل کا جواب دے سکے۔ (التبلیغ ص ۱۰۴ ج ۲۱)

اسی بناء پر ہمارے علماء متکلمین نے یونانی فلسفہ کو حاصل کیا اور علم کلام کو معقول کے طرز پر مدون فرمایا۔ (امداد الفتاوی ص:۴/۲۷۲)

جیسے کلمات کفریہ کا عمداً زبان سے نکالنا کفر ہے لیکن اگر کوئی شخص کلمات کفریہ سے بچنے کے لیے ان کو جاننا چاہتا ہے (یا تردید کے لیے اور دوسروں کو بچانے کے لیے ان کو جاننا چاہے) تو یہ کفر نہیں بلکہ جائز ہے چنانچہ فقہاء نے کتابوں میں کلمات کفریہ کے لیے باب منعقد کیا ہے جس میں ایسی باتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ ان کے جاننے اور پڑھنے کو کوئی حرام نہیں کہتا کیونکہ نقل کفر کفر نہیں۔
(التبلیغ ص:۲۱/۱۰۳)

منطق فلسفہ پڑھنے کا شرعی حکم:

اگر علم دین کے ساتھ معقول (منطق) کو اس غرض سے پڑھا جائے کہ اس سے فہم و استدلال میں سہولت ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کا وہی حکم ہے جو نحو و صرف و بلاغت وغیرہ کا حکم ہے کہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اگر ان سے علم دین میں مدد لی جائے تو تبعاً ان سے بھی ثواب مل جاتا ہے۔ (التبلیغ ص:۲۱/۱۳۳)

فرمایا: معقول سے اگر اثبات دین اور فہم شرع (دین کے ثابت کرنے اور شریعت کے سمجھنے سمجھانے) میں کام لیا جائے تو یہ بھی دین ہے۔ اور اگر ابطال شرع کا کام لیا جائے تو پھر باغی اور تلبیس ابلیس شقی ہے جیسے اگر کوئی پوچھے کہ اس کھانے میں کتنی لاگت لگی ہے تو جہاں آٹا اور گھی، دال کو شمار کرتے ہیں وہیں کھانے کی میزان میں لکڑیاں بھی شمار ہوتی ہیں گو وہ کھائی نہیں جاتیں۔ مگر کھانے کی خدمت کرتی

ہیں اس لیے کھانے ہی میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ (ملفوظات اشرفیہ ص:۶۹)

منطق فلسفہ پڑھنے کا فائدہ:

ایک شخص نے عرض کیا کہ فلسفہ کار آمد چیز ہے؟ فرمایا ہاں عمق نظر اور دقت فکر اس سے پیدا ہوتی ہے۔

(ملفوظات اشرفیہ ص:۱۷۷)

معقول وفلسفہ جس پر اعتقاد نہ ہو اور محض استعداد کے لیے پڑھایا جائے تو خدا کی نعمت ہے ان سے دینیات میں بہت معاونت ومدد ملتی ہے لطیف فرق ان ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔ فلسفہ سفہ (حماقت) سے تو اچھا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص:۲/۲۹۲)

سوال: تعلم علم المنطق حرام او مباح اوفرض او واجب ام حسن واذا کان مباحا لقدر الاصطلاح مهما قدره و هل قراءة سلم العلوم و شرحه و علی قدر الاصطلاح جائز ام لاْ؟

الجواب: . العلم المنقول کالا غذیة مقصودة و المعقول کالأدویة ضروری لمن اشتغل بالکفایة من المنقول و لم یسلم ذهنه عن الخطاء فی الاستدلال بدونه ولما کان الضروری یتقدر بقدر الضرورة و قدرها مختلف باختلاف الاذهان فبای مقدار ترفع الضرووة کان الضروری هو ذاک المقدار و من لا ضرورة له ولا ضرر کان له مباحا و من تضرر به کان له مذموم او بقدر التضرر یکون الذم من الکراهة والحرمة.

(امداد الفتاویٰ ص:۴/۷۷)

سوال: علم منطق سیکھنا حرام ہے یا مباح؟ فرض ہے یا واجب یا مستحسن اور اگر مباح ہے تو کس حد تک اور سلم اور اس کی شروحات کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: علم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ علم منقول: علم منقول کی مثال ایسی ہے۔ جیسے غذائیں جو کہ مقصود ہوتی ہیں اور علم معقول کی مثال ایسی ہے جیسے دوائیں جو ضروری ہوتی ہیں اس شخص کے لیے جو علم منقول کے ساتھ مشغول ہو اور منطق کے بغیر استدلال میں غلطی کرنے سے اس کا ذہن محفوظ نہ ہو اور جب یہ ضروری ہے تو حسب ضرورت ہی اس کو اختیار کیا جائے گا۔ اور ضرورت کی مقدار مختلف ذہنوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے جس مقدار سے بھی ضرورت مرتفع ہو جائے گی اتنی ہی مقدار ضروری ہوگی اور وہ شخص جس کو کوئی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی اس سے کوئی ضرر ہو اس کے لیے منطق کی تعلیم مباح ہوگی اور وہ شخص جس کو اس سے ضرر ہو اس کے لیے مذموم ہوگی اور ضرر کے درجہ اعتبار سے اس کی مذمت کراہت اور حرمت کے درجات میں تفاوت ہوگا۔

اب فلسفہ کی ضرورت نہیں اور قطبی تک منطق بہت کافی ہے سلم وملاحسن کی بھی ضرورت نہیں:

میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا آپ کا دل یہی چاہتا ہے کہ موت کے وقت صدرا کی مثاۃ بالتکرار کی تقریر زبان سے نکلے؟ ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ علم ضروری نہیں بلکہ زائد از ضرورت ہے لہٰذا قاعدہ مسلمہ "الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ" پر عمل فرما کر غیر مقصود میں اس قدر غلو نہ کیجئے۔

یہ مسلم ہے کہ پائخانہ ایک ضروری شئی ہے مگر آدمی بقدر ضرورت ہی پائخانہ میں رہتا ہے یہ نہیں کہ پائخانہ کے ساتھ دلبستگی اور شیفتگی ہو جائے۔ اسی طرح جب فلسفہ وغیرہ آلات ہیں اور علوم دینیہ کے لیے مقدمات کے درجہ میں ان کی ضرورت ہے نہ کہ مقصودیت کے درجہ میں تو بقدر ضرورت ہی ان کا اکتساب اور شغل کیجئے۔

البتہ منطق بہت ضروری ہے اور مفید مگر رفع ضرورت کے لیے منطق میں قطبی ہی تک سمجھ کر پڑھ لو تو بہت ہے۔ ملاحسن اور حمد اللہ کی بھی کیا ضرورت بلکہ ایک رسالہ بھی منطق کے لیے کافی ہے جعل بسیط و مرکب منطق کا مسئلہ نہیں بلکہ فلسفہ کا مسئلہ ہے مگر اس کی بحث خواہ مخواہ علم منطق اور کتب منطقیہ میں موجود ہے اسی طرح اور بہت سے مسائل فلسفہ کے کتب منطق میں ٹھونس رکھے ہیں انہیں کے لیے مدرسین اور طلبہ بہت سے رسالے پڑھتے پڑھاتے ہیں حالانکہ فلسفہ ضرورت سے زیادہ (شئی) ہے۔

(علوم العباد من علوم الرشاد ملحقہ حقوق وفرائض ص:۱۶۹)

منطق وفلسفہ میں غلو کی ممانعت بعض طلبہ کی غلطی:

منجملہ ان رسوم کے طالب علموں کا بڑے بڑے عہدوں کے حاصل کرنے کے لیے باوجود دین کے ضائع ہونے کے انگریزی پڑھنا یا معقول وفلسفہ میں دینیات سے زیادہ توغل (غلو) وانہماک کرنا ہے چونکہ ان دونوں چیزوں کا ضرر رساں ہونا تجربہ ومشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے اس لیے داخل وعید قرآنی ہو کر واجب المنع ٹھہریں گے معقولات کے توغل (غلو) سے اکثر فساد عقیدہ اور نخوت وکبر وعدم مبالاۃ فی الدین (دین میں لاپرواہی) وغیرہ یہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس عارض کی وجہ سے کہ مثل لازم ہے وہ بھی حرام ہوگا البتہ اگر ان سب غوائل سے پاک ہو تو مضائقہ نہیں مگر قدر ضروری پر اکتفاء کرنا واجب ہوگا۔

(اصلاح الرسوم ص:۱۰۶)

منطق پڑھنے کی حد:

معقولات کا درس کم کرو قطبی تک پڑھانے والا تھوڑی تنخواہ کا مدرس کافی ہے۔

(اصلاح الرسوم ص:۱۵۴)

بعض علماء کی غلطی یہ ہے کہ ساری زندگی علوم غیر نافعہ میں صرف کر دیتے ہیں یعنی صرف معقول ہی پڑھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ معقول آخرت میں کام آنے والی نہیں ساری عمر علوم آلیہ منطق وغیرہ میں گنوانا اور اس کو مقصود بالذات سمجھنا سراسر حماقت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ساری عمر ہتھیار کی درستی و صفائی میں گزار دے اور ان سے کام ایک دن بھی نہ لے تو ہر شخص اس کو بیوقوف بتلائے گا۔

(التبلیغ ص:۲۰/۱۳۳)

اگر منطق سمجھ میں نہ آئے:

آج کل اکثر طلبہ کے خطوط میرے پاس منطق وفلسفہ کے عدم فہم کی شکایت کے آتے ہیں۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ چھوڑ دو قرآن وحدیث پڑھو، مگر اس زمانہ میں حدیث اور قرآن سے بہت ہی کم تعلق ہے معقولات سے دلچسپی زیادہ ہے۔ (علوم العباد ص:۱۶۹)

سب سے زیادہ کس فن میں محنت کرنا چاہیے:

میں طلبہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ زیادہ توجہ فقہ وحدیث وتفسیر پر کریں کیونکہ یہی علوم مقصودہ ہیں انہی سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا علم ہوتا ہے اور معقول (منطق) وادب میں بقدر ضرورت توجہ کریں کیونکہ عربی دا ہونا کچھ کمال نہیں خدا دا ہونا چاہیے۔ اگر عربی دانی کوئی چیز ہوتی تو ابوجہل حضرت بلال ﷺ سے افضل ہوتا۔ کیونکہ وہ قریشی فصیح ہے اور حضرت بلال حبشی ﷺ ہیں جو ابوجہل کے برابر فصیح وبلیغ نہ تھے مگر دیکھ لیجئے کہ عربی دانی اس کے کیا کام آئی کچھ بھی نہیں بلکہ وہ ابوجہل ہی رہا۔ اور حضرت بلال ﷺ وہ ہیں کہ حضور ﷺ نے جنت میں اپنے آگے آگے چلتے دیکھا یہاں سے معلوم ہوا کہ عربی دانی کوئی چیز نہیں اور نہ ہی ایسا شخص عالم ہے بلکہ ابوجہل کی طرح جاہل ہے اصل علم وہ علم ہے جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "کونوا ربانیین "یعنی اللہ والے ہو جاؤ۔

(العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض ص:۹۱)

جس کو منطق سے مناسبت نہ ہو یا سمجھ میں نہ آئے اس کو نہ پڑھانا چاہیے:

میرے پاس بعض طلبہ کے خطوط آتے ہیں کہ ہم کو منطق نہیں آتی میں لکھ دیتا ہوں "اذا لم تستطع شیئا فدعه" (جس کی استطاعت نہ ہو اس کو چھوڑ دو) جس کو حمد اللہ (ایک کتاب کا نام ہے) نہ آئے الحمد للہ پڑھ لے اور جس کے لیے منطق دین میں مفید سمجھی جائے اس کے لیے وہ بھی دین ہے۔ ہر چیز کو اپنے درجہ میں رکھ کر حاصل کرو۔ اصل مقصود تو دین ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں سب پر نظر رکھنا چاہیئے مگر ترتیب سے کرنا چاہیے اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کس کو کتنی مقدار میں حاصل کرنا چاہیے

اور یہ اساتذہ کی رائے پر ہے وہ جس کی جیسی استعداد دیکھیں گے اس کی صلاحیت کو سمجھ کر خود رائے دیں گے۔ پھر وہ جیسی رائے دیں ویسا ہی کرو۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ منطق کی کتابیں درس سے خارج کردی تھیں۔ (آداب التبلیغ ص:۱۲۲)

اگر منطق مفید ہو تو اس کے پڑھنے سے ثواب ملتا ہے:

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے منطق فلسفہ کی کتابیں درس سے خارج کردی تھیں تو ایک طالب علم نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے کہا لیجئے حضرت معقول پڑھنا بھی مولانا نے حرام کردیا اس نے اعتراض کے طور پر کہا تھا مولانا نے فرمایا کہ بھائی مولانا نے حرام نہیں کیا ہے۔ تمہاری طبیعتوں نے حرام کیا ہے، تمہارے فہم میں کجی آگئی ہے اس لیے ممانعت کی جاتی ہے اور ہم تو جیسے بخاری میں ثواب سمجھتے ہیں۔ ویسا ہی امور عامہ میں اتنا بڑا اطمینان کا دعویٰ یہ مولانا ہی جیسے کا کام ہے۔ (آداب تبلیغ ص:۱۲۲)

منطق کو ترجیح دینے اور مقصود بالذات سمجھنے کا انجام:

بعض لوگ صرف معقول تو نہیں پڑھتے مگر علوم دینیہ پر اس کی تقدیم کرتے (ترجیح دیتے ہیں) یہ بھی غلطی ہے۔ اس میں ایک ضرر تو یہ ہے کہ اگر اس حالت میں موت آگئی تو معقولیوں ہی میں اس کا حشر ہوگا۔

دوسرا ضرر یہ ہے کہ اس شخص پر معقول رچ جاتی ہے پھر یہ حدیث وقرآن کو معقول ہی کی طرز پر سمجھنا چاہتا ہے اور ہر جگہ اس کو چلاتا ہے اس لیے قرآن وحدیث کا اثر اس کی طبیعت پر جمتا نہیں۔

(التبلیغ ص:۱۳۴/۲۱)

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ معقول (منطق) کا علوم دینیہ پر مقدم کرنا مضر ہے مگر بعض لوگ معقول کے ایسے فریفتہ ہوتے ہیں کہ پہلے اسی کو پڑھتے ہیں بلکہ بعضے تو حدیث وغیرہ پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ حدیث کے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے اس میں کون سی مشکل بات ہے۔ (التبلیغ ص:۱۳۷)

معقولی آدمی کو حدیث کا ذوق حاصل نہیں ہوتا:

گنگوہ میں حضرت گنگوہی کے پاس ایک معقولی طالب علم حدیث پڑھنے آئے ایک دن سبق میں یہ حدیث آئی۔ ''لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلوٰۃً بِغَیْرِ طُھُوْرٍ'' یعنی نماز بغیر طہارت کے قبول نہیں۔ مولانا نے فرمایا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے بغیر نماز فاسد ہے معقولی صاحب نے اعتراض کیا کہ اس سے قبول نہ ہونا معلوم ہوتا ہے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ بغیر وضو کے نماز صحیح بھی نہیں ہوتی ممکن ہے کہ صحت تو بدون وضو کے بھی ہوجاتی ہو لیکن بغیر وضو کے قبول نہ ہوتی ہو۔ لہٰذا اگر نماز پڑھ لے پھر وضو کرے تو احتمال ہے کہ اب قبول بھی ہوجائے۔ اس پر سب کو ہنسی آگئی۔

ان ہی طالب علم صاحب نے ایک اور اعتراض کیا تھا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں ہر شخص

اپنے اپنے درجہ میں خوش ہوگا۔ ادنیٰ درجہ والوں کو بڑے رتبہ کے لوگوں کو دیکھ کر رنج نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت میں رنج وغم کا نام بھی نہیں ہر شخص اپنی حالت کو دوسرے سے اچھی سمجھے گا۔ وہ معقولی صاحب بولے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ سب جنتی جہل مرکب میں مبتلا ہوں گے غرض ان کو حدیث میں بھی وہی معقولی اصطلاحیں یاد آتی ہیں۔ جہل بسیط اور جہل مرکب ہی میں رہے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی حالت پر خوش رہنا اور بات ہے اور حالت کا نہ جاننا اور چیز ہے ایک دوسرے کو مستلزم نہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ ہم یہ جانتے ہوں کہ ہمارا درجہ فلاں شخص سے کم ہے مگر پھر بھی ہم اپنی حالت پر خوش ہوں۔ حدیث میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا سمجھنا واقعات کے جاننے پر موقوف ہوتا ہے۔ اس میں معقول کچھ کام نہیں دے سکتی پس معقول کو علوم دینیہ کے بعد پڑھانا چاہیے ورنہ وہی عقل رچ جائے گی اور حدیث میں وہی معقولی اشکالات جاری ہوں گے۔ ایک دفعہ میں بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا ایک معقولی صاحب کہنے لگے کیا لکھ رہے ہو۔ میں نے کہا تصور شیخ کا مسئلہ کہنے لگے شیخ بوعلی سینا؟ ان کے ذہن میں شیخ بوعلی سینا ہی ہر وقت جما ہوا تھا۔ ان کے ذہن میں بس وہی ایک شیخ رہ گیا۔

(التبلیغ ص: ۱۳۴ تا ص: ۲۱/۱۴۰)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ کی کتابیں نصاب سے خارج کردی تھیں:

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کے نصاب سے فلسفہ کی بعض کتابوں کا نام تعیین کے ساتھ خارج کرادیا تھا کیونکہ حضرت ان کو مضر دین سمجھتے تھے۔ کسی نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی شکایت کی کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کتابوں کو حرام قرار دے دیا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت نے حرام نہیں کیا خود تمہاری طبیعتوں میں ہی کجی ہے اس لیے یہ کتابیں مضر دین ہوجاتی ہیں وگرنہ اگر طبیعت سلیم ہوتی تو کتابیں بھی مضر دین ہونے کے بجائے معین دین ہوتیں۔ (الافاضات الیومیہ ص: ۳۷۷، ص: ۳۷۸)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال:

فلسفہ کی تعلیم کا ذکر ہوا تو فرمایا: کہ میں نے بھی فلسفہ کی کتابیں پڑھی ہیں مگر کبھی ان پر بسم اللہ نہیں پڑھی بلکہ اعوذ باللہ پڑھ لیا کرتا تھا اور نہ کبھی دل لگا کر فلسفہ پڑھا۔ ایک آلی علم سمجھ کر پڑھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑا مشکل علم ہے دوسرے کاموں کو چھوڑ کر پڑھا جائے تب آتا ہے میں نے اسی طرح پڑھا مجھے تو کچھ مشکل معلوم نہیں ہوا۔ (ملفوظات اشرفیہ ص: ۱۷۷)

معقولات سے ظلمت پیدا ہوتی ہے:

شاہ غلام علی صاحب کی مجلس میں ایک شخص آیا فوراً شاہ صاحب نے فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی

معقول کی کتاب ہے؟ اس شخص نے کہا جی ہاں میرے پاس شیخ کی شفا ہے، فرمایا فوراً اس کو علیحدہ کرو تمام مجلس ظلمت سے بھر گئی۔ بددین کی کتاب خواہ بددینی کی نہ ہو مگر پھر بھی اس مصنف کے قلب کی ظلمت دیکھنے والے کے دل میں کتاب کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ (القول الجلیل ص:۷۸)

فصل ۵

فن مناظرہ

فن مناظرہ مستقل فن ہے:

فن مناظرہ مستقل فن ہے اور اس کے اصول عقلی ہیں جن کو مخالف بھی مانتا ہے۔ ان کو چھوڑ کر جب بھی مناظرہ کیا جائے فضول اور بے سود ہوگا۔ (حسن العزیز ۴/)

مناظرہ کا ثبوت:

قرآن مجید میں ''جَادِلْهُمْ'' صیغہ امر آیا ہے اور ''لَا تُجَادِلُوْا'' کے بعد ''اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ'' کا استثناء آیا ہے جو خود احادیث میں حضور ﷺ کا نصاریٰ سے محاجہ کرنا وارد ہے جس کی تائید میں سورۂ آل عمران کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں اور ائمہ دین نے سلفاً وخلفاً محاجہ کیا ہے اور بہت سی تصانیف اس باب میں ان حضرات کی موجود ہیں اور علم کلام اسی غرض سے ایک مستقل مدون فن ہو کر باجماع علماء امت علوم دینیہ میں داخل ہوئے۔ (حقوق العلم ص:۷۳)

مناظرہ کی ضرورت اور اس کا فائدہ:

نیز ضرورت بھی اس کی مشاہد ہے کیونکہ اہل باطل ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ وہ اہل اپنے باطل کی ہمیشہ ترویج کرتے ہیں تو لوگوں کو ان کا جواب نہ دیا جائے تو عوام کا تلبیس وتخلیط (شبہ میں پڑ جانا) کوئی بعید وعجیب نہیں۔

اور جواب دینے میں عوام کی بھی حفاظت ہے اور بعض اوقات خود اہل باطل کو بھی ہدایت ہو جاتی ہے اور یہی قیل وقال سوال وجواب مجادلہ ومناظرہ ہے تو ایسے ضروری امر کو مذموم کیسے کہا جا سکتا ہے۔

(حقوق العلم ص:۷۳)

مناظرہ کی اہمیت مناظرہ بھی دعوت وتبلیغ کی ایک قسم ہے:

داعی دو قسم ہیں: ایک وہ جو اپنے مذہب پر پوری نظر رکھتے ہیں اور دوسرے وہ کہ دوسرے کے مذہب پر پوری نظر رکھتے ہیں چونکہ اس وقت مناظرہ میں مخالفین کے مقابلہ میں الزامی جواب زیادہ مؤثر ہوتا ہے اس لیے

داعین کی جو جماعت دوسرے مذہب پر نظر رکھتی ہو وہ مخالفین سے مناظرہ کرے ان کی یہی دعوت ہے۔

اور جو اپنے مذہب پر پوری نظر رکھتی ہو اسے چاہیئے وعظ و تلقین اپنے ہم مذہب لوگوں کو کرے۔ تو اس بناء پر داعین کی دو جماعتیں ہوئیں ایک واعظین جو اپنے مذہب والوں کو تحقیق سے متنبہ کیا کریں اور ایک مناظرین کی ہونی چاہیئے جو الزامی جواب سے مخالفین کو ساکت کیا کریں۔ (التبلیغ ص:۳۰۷/۲۰)

مناظرہ کی غرض وغایت:

مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مناظرہ کی دو غرضیں ہوسکتی ہیں ایک اظہار حق اور حق واضح ہو جانے کے بعد اس کا قبول کر لینا اس کی تو آج کل امید نہیں دوسری غرض غلبہ کا اظہار ہے۔

(کلمۃ الحق ص:۵۱)

مناظرہ کا فی نفسہ حکم:

مضر بالغیر وہ علوم ہیں جو فی نفسہ جائز ہیں مگر کسی عارض کی وجہ سے ان کو ممنوع کیا گیا ہے جیسے ''علم مناظرہ'' کہ یہ فی نفسہ جائز ہے لیکن بعض لوگ اس طرز سے اس کی تعلیم دیتے ہیں جو کہ دین میں مضر ہے اس لیے تعلیم و تعلم کے اس طرز کو ممنوع کہا جائے گا۔ (التبلیغ تعلیم المتعلم ص:۲۱/۱۲۰)

فرض مناظرہ:

مسائل قطعیہ جیسے کفر و اسلام کا اختلاف یا اہل حق کے نزدیک جو متفق علیہ بدعت و سنت ہے اس کا اختلاف اس میں چند حالتیں ہیں۔

ایک یہ کہ صاحب باطل متردد اور حق کا طالب ہے اور اپنے شبہات صاف کرنا چاہتا ہے اور اس غرض سے گفتگو یا مناظرہ کرتا ہے تو جو شخص حق کی تائید پر قادر ہو اس پر ایسا مناظرہ کرنا واجب اور فرض ہے اور جب جواب سے عاجز ہو تو صاف کہہ دینا چاہیئے اس کا جواب میری سمجھ میں نہیں آتا سوچ کر یا پوچھ کر بتلاؤں گا یا اپنے سے زیادہ جاننے والے کا پتہ بتلا دے اور طالب کو چاہیئے وہاں جا کر رجوع کرے ایسے مناظرے سے انکار کرنا معصیت اور من سئل عن علم فکتمہ الخ میں شامل ہے۔

(تجدید تعلیم و تبلیغ ص:۵۹ حقوق العلم ص:۷۵)

واجب مناظرہ:

دوسری حالت یہ ہے کہ مخاطب حق کا طالب نہیں لیکن متکلم کو توقع و احتمال ہے کہ شاید حق کو قبول کر لے سو جب تک اس کی امید ہو مناظرہ کرنا احکام کی تبلیغ میں تو داخل ہے جہاں تبلیغ واجب ہے وہاں یہ مناظرہ واجب اور جہاں مستحب ہے وہاں مستحب ہے جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اہل کتاب و خوارج سے مناظرات اسی قبیل کے تھے۔ (حقوق العلم ص:۷۶، تجدید تعلیم ص:۵۹)

مستحب مناظرہ:

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ طالب علم بھی نہیں نہ قبول کی امید ہے مگر کسی مفسدہ ومضرت کا بھی اندیشہ نہیں اور کسی ضروری امر خلل کا بھی احتمال نہیں تو ایسی صورت میں ایسا مناظرہ مستحب ہے۔
(حقوق العلم ص:۷۶ ایضاً ص:۷۶)

مباح مناظرہ:

چوتھی حالت یہ ہے کہ طالب سے نہ قبول کی امید نہ کسی ضروری امر میں خلل مگر خاص مضرت کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں قوی الہمت کے لیے عزیمت اولیٰ ہے اور ضعیف ہمت والے کے لیے رخصت وغیرہ اولیٰ ہے۔ (ایضاً ص:۷۶)

حرام مناظرہ:

پانچویں حالت یہ کہ طالب علم سے قبول کی توقع نہ ہو اور ساتھ ہی کسی دینی مضرت کا احتمال (مثلاً عوام کا شبہات میں پڑ جانا) یا کسی اہم دینی منفعت کے فوت ہونے کا احتمال ہو۔ (مثلاً مناظرہ کرنے سے دینی کام مدرسہ کے تبلیغی کام کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو) اس صورت میں اس سے اعراض کرنا اور ضروری کاموں میں مشغول رہنا واجب ہے۔ قرآن مجید میں اعراض اور ترک جدال کا امر ایسے موقع پر ہے۔ سورۂ عبس کے شان نزول کا جو قصہ تھا جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے اس کو تیسری حالت میں داخل سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پانچویں حالت میں بتلایا۔ (تجدید تعلیم ص:۶۰، حقوق العلم ص:۷۶)

ناجائز مناظرہ:

بعض امور وہ ہیں جو شرعاً مہتم بالشان نہیں جیسے خاندان چشتیہ وغیرہ کا باہم تفاضل یا بعض وہ امور جن میں بحث کرنے یا حکم لگانے سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے جیسے تقدیر کا مسئلہ یا کوئی دوسرا ایسا ہی مسئلہ۔ مثلاً باوجود اس کے کہ کسی کا کلام صحیح معنی کا محتمل ہو پھر بھی اس پر کفر کا حکم لگانا۔ ان امور میں بحث ومباحثہ کرنا ممنوع ومذموم ہے۔ جس مرتبہ کی نہی یا منہی عنہ ہوگا۔ اس مرتبہ کی ممانعت ومذمت ہوگی۔
(تجدید تعلیم وتبلیغ ص ۶۱ حقوق العلم ص ۷۸)

مکروہ مناظرہ:

سب سے پہلے لکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ جن مسائل اعتقادیہ کی تخصیصاً کسی نص میں تصریح نہیں آئی بلا ضرورت اس میں کلام اور غور وخوض کرنا خصوصاً جب کہ ضرورت سے زیادہ وہ ظاہر بھی ہو چکا ہو۔ لا یعنی امور کے ساتھ اشتغال ہے بلکہ عجب نہیں کہ بدعت اور بے ادبی کی حد میں داخل ہو مثلاً امکان کذب کی بحث وغیرہ۔ (بوادر)

فصل ۶

اردو پڑھنے کی اہمیت:

جس طرح فارسی زبان کے لیے عربی زبان کے ساتھ مناسبت ہونے کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے اور چونکہ اس فضیلت کا اثر احکام دینیہ میں بھی ظاہر ہو چکا ہے اس لیے وہ فضیلت دینیہ ہے۔ اسی طرح بلا شبہ اردو کو بھی عربی اور فارسی کے ساتھ قوی مناسبت ہونے سے فضیلت دینیہ حاصل ہے بلکہ فارسی کو تو عربی سے صرف مشابہت ہی کی مناسبت ہے اور اردو کو فارسی اور عربی سے جزئیت کی مناسبت ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ اردو میں کثرت سے فارسی اور عربی کے الفاظ مفردہ استعمال ہوتے ہیں بلکہ بہت سے جملے تو ایسے ہوتے ہیں کہ روابط کا اور کی اور ہے اور نہیں کے سوا پورا مادہ فارسی اور عربی ہی کا ہوتا ہے۔

دوسری فضیلت اس میں یہ ہے کہ علوم دینیہ کا اس زبان میں غیر محدود غیر محصور ذخیرہ ہے۔ جس کو علماء ومشائخ نے صدیوں کی مشقت اور اہتمام سے جمع فرمایا ہے خدانخواستہ اگر یہ زبان ضائع ہوگئی تو یہ تمام ذخیرہ ضائع ہو جائے گا۔ بالخصوص عوام مسلمین کے لیے تو علم دین کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہے گا کیونکہ ان کا استفادہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اسی (اردو) پر موقوف ہے کیا کوئی مسلمان اس کو گوارا کر سکتا ہے۔

تیسری فضیلت اس (اردو) کا سلیس اور آسان ہونا ہے۔ اسی تیسری (آسانی) کو آیات قرآنیہ میں موضع امتنان (احسان) میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ " فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ ...... و قال تعالیٰ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ و اشباھما". (البدائع ص:۱۵)

اردو کی شرعی حیثیت، اردو کی حفاظت واجب ہے:

اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے۔ اس بناء پر یہ حفاظت حسب استطاعت واجب ہوگی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ آخرت ہوگا۔ واللہ اعلم (البدائع ص:۱۵)

دینی مدارس میں ہندی اور سنسکرت پڑھانے کا استحسان:

فقہی مسئلہ: مقدمة الواجب واجب (واجب کا مقدمہ اور ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے) تو اس وقت جن چیزوں کا تبلیغ کے لیے موقوف علیہ ہونا ثابت ہو جائے۔ مثلاً وہ امور جن کو اہل بصیرت بتلا دیں کہ تبلیغ کے لیے ان کی بھی ضرورت ہے۔ تو ان کا اتباع کر کے ان مقدمات کو بھی جمع کریں بشرطیکہ شرعی حدود سے باہر نہ ہو۔

چنانچہ پہلے خط کے ذریعہ سے معلوم ہوا تھا اور اب یہاں آ کر دیکھ کر معلوم ہوا کہ یہاں مدرسہ میں سنسکرت کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ تو ہر چند کہ سنسکرت کا سیکھنا وجوب کے درجہ میں نہیں مگر تبلیغ (غیر مسلم اہل

ہنود کے لیے) بے حد مفید ہے۔اس سے معاندین اسلام کے مذہب پر کماحقہ اطلاع ہوگی اور انہیں کی کتاب سے ان کا جواب دیا جائے گا تو بڑا کارگر ہوگا خصم ہی کے مسلمات سے جواب دینا بڑا فائدہ مند ہوتا ہے اس سے وہ ساکت اور دنگ ہو جاتا ہے۔

اور تبلیغ کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ جس سے خصم بالکل ہی چپ ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے مجمع کے اوپر اثر زیادہ پڑتا ہے ان کے نزدیک تو جس نے ساکت کر دیا بس وہی جیتا کہ وہ تو مسکت ہونے کے وصف کو دیکھتے ہیں دلیل کی حقیقت کو نہیں دیکھتے تو بر بنائے مقدمۃ الواجب واجب یہ (سنسکرت سیکھنا) بھی واجب ہو سکتا ہے اور اگر واجب نہیں تو آپ کے نزدیک استحباب ہی کے درجہ میں سہی مگر مفید تو ہے اور یہ عذر کرنا کہ سبق کا حرج ہوتا ہے۔ (فضول ہے) اجی سبق کے وقت اس کا شغل نہ کیجئے بلکہ فضول گوئی میں جو وقت صرف ہوتا ہے اس میں اس کام کو کیجئے۔ (آداب تبلیغ ص:۱۲۰)

شرعی حکم اور فتویٰ:

سنسکرت کی تعلیم و تعلم کا فی نفسہ جائز ہونا تو عدم مانع جواز کی وجہ سے ظاہر ہے اور قاعدہ مقررہ ہے کہ جو امر جائز کسی امر مستحسن یا واجب کا مقدمہ موقوف علیہ ہو وہ بھی مستحسن یا واجب ہو جاتا ہے اور سوال میں ذکر کی ہوئی مصلحت (یعنی دوسرے باطل مذاہب کی تردید کی غرض سے سیکھنا) کے استحسان یا ضرورت میں کوئی کلام یا خفا نہیں لہٰذا اس زبان کی تحصیل ایسی حالت میں بلاشبہ مستحسن یا ضروری علی الکفایہ ہے۔

اور اسی بناء پر ہمارے متکلمین نے یونانی فلسفہ کو حاصل کیا اور علم کلام کو بطرز معقول مدون فرمایا۔

(امداد الفتاویٰ ص:۴/۲۷)

سائنس پڑھنے کا استحسان:

کفار کی تبلیغ کے لیے اگر ان اقوام (کفار) کی زبان بھی سیکھ لے تو بشرط خلوص نیت عین طاعت ہے جیسے اس وقت کوئی انگریزی وغیرہ اسی غرض سے حاصل کرنا چاہے۔

اہل باطل پر رد و قدح یا مناظرہ کے لیے اگر اہل باطل کے علوم وفنون حاصل کرنا ضروری ہوں تو وہ بھی طاعت ہے جیسے اس وقت سائنس وغیرہ سیکھنا۔ (اصلاح انقلاب ص:۲۶، اشرف السوانح ص:۳/۲۲۴)

انگریزی پڑھنا:

مختصر یہ کہ انگریزی مثل اور زبانوں کے ایک مباح زبان ہے مگر تین عوارض سے اس میں خرابی آ جاتی ہے۔

اول یہ کہ بعض علوم اس میں ایسے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں اور علم شریعت سے واقفیت ہوتی نہیں اس لیے عقائد خلاف ہو جاتے ہیں جس میں بعض عقائد کفر ہیں۔

دوسرے اگر ایسے علوم کی بھی نوبت نہ آئے تو اکثر صحبت بددینوں کی رہتی ہے ان کی بددینیوں کا اثر اس شخص پر آ جاتا ہے کبھی اعتقاداً جس کا حکم اوپر معلوم ہو چکا کبھی عملاً جس سے فسق کی نوبت آ جاتی ہے۔

تیسرے اگر صحبت بھی خراب نہ ہو یا وہ مؤثر نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ یہ نیت رہتی ہے کہ اس کو ذریعہ معاش (بہرصورت) بنائیں گے خواہ طریقہ معاش حلال ہو یا حرام اور یہ مسئلہ عقلاً و نقلاً ثابت ہے کہ جو مباح کسی حرام کا ذریعہ بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی ان عوارض سے مبرا ہو یعنی عقائد بھی خراب نہ ہوں جس کا آسان طریقہ بلکہ متعین طریقہ یہی ہے کہ علم دین حاصل کر کے یقین کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھے اور اعمال بھی خراب نہ ہوں اور عزم بھی یہ رہے کہ اس سے وہی معاش حاصل کریں گے جو شرعاً جائز ہو اور پھر اسی کے موافق عمل بھی کرے تو ایسے شخص کے لیے انگریزی مباح اور درست ہے اور اگر اس سے آگے بڑھ کر یہ قصد ہو کہ اس کو خدمت دین کا ذریعہ بنائیں گے اس کے لیے عبادت ہوگی۔

حاصل یہ کہ انگریزی کبھی حرام کبھی مباح کبھی عبادت۔ (امداد الفتاویٰ ص:۶/۱۵۷)

فصل ۷

علم تاریخ کے فوائد

فوائد تاریخ

(۱) بہت سے ایسے واقعات کا علم ہونا جن کے ادراک سے عقل و بصر عاجز ہوتے ہیں۔

(۲) ایسے عجیب واقعات کا علم ہونا جو گویا نگاہوں کے سامنے ہوئے ہوں ان کے استحضار سے سستی اور کاہلی دور ہوتی ہے اور ہمت بندھ جاتی ہے۔

(۳) گذرے ہوئے لوگوں کے واقعات سے عبرت حاصل ہونا (سعادت مند وہ شخص ہے جو دوسروں کے ذریعہ وعظ قبول کرے)۔ (الحدیث)

(۴) عقل کی تقویت اور درست رائے کا حاصل کرنا گویا کہ تجربہ اور مشورہ حاصل کر لیا جائے بہت سے ایسے لوگوں سے جن کی تعداد کثیر ہے اور جن کی عقل بڑی ہے ایسے لوگ ایک وقت اور زمانہ میں جمع نہیں ہو سکتے جن کو فن تاریخ نے یکجا کر دیا ہے۔

(۵) امثال کثیرہ اور مواعظ و حکم کا حاصل جو حکایات و واقعات کے ضمن میں نقل ہوتی ہیں۔

(۶) اللہ کے انعام اور انتقام کا علم ہونا جو امید و خوف کا موجب بنتا ہے اور کمال ایمان کا سبب بن جاتا ہے۔

(۷) علم تاریخ کے ذریعہ انسان اچھے اخلاق بنانے کی کوشش اور برے اخلاق زائل کرنے کی سعی کرتا

ہے۔ کیونکہ اخلاق حسنہ اور اخلاق سیئہ کے نتائج اس کے سامنے آجاتے ہیں۔

(۸) جب تاریخ بتاتی ہے کہ پچھلے لوگوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور پھر کشادگی پیدا ہوئی تو مصیبت پر دل کو ثبات وقرار حاصل ہو جاتا ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق کے بارے میں عجیب وغریب مظاہر قدرت پر استدلال حاصل ہونا۔

(۱۰) بڑے بڑے کاموں کے کرنے کے لیے ہمت وحوصلہ پیدا ہو جانا۔

(۱۱) موت وفنا کا نگاہوں کے سامنے آجانا جس سے آدمی مسافر کی طرح ہو جاتا ہے "کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل (الحدیث) تکبر وتجبر سے تائب ہو کر ایک عبد ذلیل بن کر رہتا ہے اور بخدا یہ بڑی کامیابی ہے جس کا حاصل کرنا قوت حافظہ سے سہل ہے، زیادہ محنت ومشقت کی ضرورت نہیں۔ (تلخیصات عشر)

علم الاخبار:

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتفقد اصحابہ" (یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے حالات معلوم فرماتے تھے) اس حدیث سے اخبار (اور اخباری علم یعنی خبر ونشر) کی ضرورت مفہوم ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں کی بگڑی حالت پر اصلاح اور ضرورت کی اطلاع پر امداد کرسکیں۔ (کم از کم دعا ہی کرسکیں)۔ (انفاس عیسیٰ ص: ۲/۴۵۲)

جغرافیہ:

ایسے موقعوں پر جغرافیہ جاننے کی ضرورت ہے جس سے طالب علم کم آشنا ہیں مگر جغرافیہ کے نہ جاننے سے بحمد اللہ کبھی نقصان نہیں ہوا۔ اگرچہ لوگ علماء کو اس کی وجہ سے بیوقوف کہتے ہیں۔ (حسن العزیز ص: ۲۰۰)

سلاطین کو چاہیے کہ وہ جغرافیہ پڑھیں۔ اصل ضرورت تو ان کو ہے مگر ہندوستان میں مرد بھی اس واسطے پڑھ سکتے ہیں کہ نوکری کی مصیبت ان کے سر ہے جو بدوں ڈگری حاصل کیے نہیں مل سکتی اور ڈگری بغیر جغرافیہ کے نہیں ملے گی مگر عورتیں کیا نوکری کرنے جائیں گی ان کو جغرافیہ کی کیا ضرورت ہے۔

(التبلیغ کساء النساء ص: ۷/۶۴)

اصل میں جغرافیہ کی ضرورت بادشاہوں کو ہوتی ہے کہ ان کو کہیں چڑھائی کرنا ہو تو سہولت ہو یا تاجروں کو مال منگانے بھیجنے میں آسانی ہو عام لوگوں کو اس سے کیا فائدہ خصوصاً عورتوں کو کیا فائدہ۔

(التبلیغ ص: ۷/۶۳)

سحر، جادو:

مضر بالذات وہ علوم ہیں جو اصل سے ممنوع اور ناجائز ہیں کیونکہ ان کے مضامین خلاف شریعت ہیں

جیسے سحر اور نجوم وغیرہ سحر پر عمل کرنا حرام اور کفر ہے باقی اس کا جاننا اور بضرورت شرعی سیکھنا جب کہ اس پر عمل مطلق نہ ہو حرام نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے سور اور کتے کا گوشت کھانا حرام ہے لیکن اس کے گوشت کی خاصیت معلوم کر لینا اور بیان کر دینا یہ حرام نہیں کیونکہ خاصیت جاننے اور بتلانے کو گوشت کھانا نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح کلمات کفریہ کا عمداً زبان سے نکالنا کفر ہے لیکن اگر کوئی شخص کلمات کفریہ سے بچنے کے لیے ان کو جاننا چاہے کہ کن کلمات سے ایمان جاتا رہتا ہے تاکہ میں ان سے بچتا رہوں یہ کفر نہیں بلکہ جائز ہے چنانچہ فقہاء نے کتابوں میں کلمات کفر کے لیے باب منعقد کیا ہے ان کے جاننے اور پڑھنے کو کوئی حرام نہیں کہتا کیونکہ نقل کفر کفر نہیں لیکن سحر کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ ضرورت شرعیہ کی وجہ سے اس کی حقیقت کو معلوم کر لیا جائے تو اس وقت چونکہ سحر اور معجزہ میں اشتباہ ہونے لگا تھا اس لیے ان کا جاننا اور بتلانا جائز تھا وہ بھی ان لوگوں کے لیے جن کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ وہ اس کو جان کر اس میں مبتلا نہ ہوں گے اور اب اس کی حقیقت جاننے کی ضرورت نہ رہی نیز مفسدہ کا اندیشہ غالب ہے اس لیے کہ اس سے بھی منع کیا جائے گا۔ (التبلیغ ص:۱۰۳/۲۱،۳۰ وص:۱۱۹)

اور سحر کے فسق یا کفر ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس میں کلمات کفریہ ہوں مثلاً شیاطین یا کواکب وغیرہ سے استعانت ہو تب تو کفر ہے خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے۔ اور اگر کلمات مباح ہوں تو اگر کسی کو خلاف اذن شرعی قسم کا ضرر پہنچایا جائے یا اور کسی ناجائز غرض میں استعمال کیا جائے تو فسق اور معصیت ہے اور اگر ضرر نہ پہنچایا جائے نہ اور کسی ناجائز غرض میں استعمال کیا جائے تو اس کو عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور یہ مباح ہے البتہ لغت میں لفظ سحر اس کو بھی کہتے ہیں اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو کفر کا احتمال ہونے کی وجہ سے واجب الاحتراز ہے اور یہی تفصیل تمام تعویذ گنڈوں وغیرہ میں ہے کہ غیر مفہوم نہ ہوں غیر مشروع نہ ہوں اور ناجائز غرض میں استعمال نہ ہوں اتنی شرطوں سے جائز و ناجائز۔ (بیان القرآن ص:۱/۵۷)

علم نجوم و کہانت کا شرعی حکم:

علم نجوم شرعاً مذموم ہے خواہ اس وجہ سے کہ وہ باصلہ باطل ہے اور کواکب میں سعادت و نحوست منفی ہے اور بعض واقعات کا اہل نجوم کے موافق ہو جانا اگر اس کے صدق کا تجربہ سمجھا جائے تو ان سے زیادہ واقعات کا خلاف ہونا اس کے کذب کا بدرجہ اولیٰ تجربہ ہوگا اور فرعون کا نجوم سے خبر دینا جو منقول ہے سو ممکن ہے کہ کہانت سے خبر دی گئی ہو کہ پہلے کچھ آسمانی خبریں بذریعہ شیاطین کے معلوم ہو جاتی تھیں۔

اور یا اس وجہ سے مذموم ہے کہ کواکب کی سعادت و نحوست کے دلائل کسی دلیل سے صحیح کی طرف مستند نہیں اور پھر مفاسد کثیرہ اس پر مرتب ہوتے ہیں اعتقاد قبیح اور شرک صریح اور ضعف توکل علی اللہ اور

ترک علوم نافعہ وغیر ذلک حاصل یہ کہ علم نجوم مذموم ہے خواہ قبیح بعینہ کی وجہ سے خواہ قبیح لغیرہ کی وجہ سے۔

(بیان القرآن سورۂ صافات ص:۱۳۰)

علوم کا احاطہ غیر ممکن ہے:

فرمایا میں نے سنا ہے کہ ایک شخص صرف شکل دیکھ کر نام بتلا دیتا تھا اور اگر دو آدمیوں کا نام مشترک ہو جاتا تو وہ بھی بتلا دیتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ علوم کا احاطہ غیر ممکن ہے۔

علوم عرافہ وکہانت:

سوال: مجھے اس بات کا علم ہے کہ دو شخصوں کے درمیان کوئی مقدمہ ہو یا کسی قسم کا مقابلہ ہو اور مجھے ان دونوں کا نام اور عمر معلوم ہو جائے تو میں جان لیتا ہوں کہ کون غالب ہوگا۔ کون مغلوب، کچھ قواعد ہندسیہ کی وجہ سے معلوم کر لیتا ہوں یعنی دونوں کے نام کے حروف کے عدد نکال کر اور عمر معلوم کر کے جان لیتا ہوں کہ فلاں غالب اور فلاں مغلوب ہے اور بعض اوقات فقط عمر معلوم کرنے سے علم ہو جاتا ہے اور کبھی دونوں مقابل کو ایک جگہ دیکھنے سے دل میں آجاتا ہے کہ اس میں فلاں غالب ہوگا اور فلاں مغلوب اور اس بات کو میں مدت سے آزماتا ہوں ہمیشہ مطابق پاتا ہوں جس سے میرے دل میں یہ آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ایسے ہی کرتا ہے گو وہ ہر شئی پر قادر ہے جس طرح بذریعہ بدلی ہی کے پانی برساتا ہے اگرچہ وہ قادر ہے کہ بغیر بدلی کے برسادے اب مجھے یہ دریافت کرنا ہے کہ یہ کیا چیز ہے فال ہے یا کوئی دوسری چیز۔ فال ممنوع ہے یا جائز ہے۔

جواب: یہ عمل عرافہ ہے جو کہانت کی ایک قسم ہے اور محض حرام ہے نیز فی نفسہ حرمت کے ساتھ عوام کے فتنہ میں پڑنے اور گمراہی کا موجب بھی ہے اور دل میں آجانا القاء شیطانی ہے اور اس کا (واقع کے) مطابق نکلنا ایسا ہی ہے جیسے کہنہ اور منجمین کے اخبار (خبروں کی مطابقت ہے)

اول تو مطابق کا کلیہ دعویٰ اور اثبات مشکل ہے دوسرے کسی طریق کا موجب علم ہو جانا اس کے جواز کو مستلزم نہیں چنانچہ تجسس ممنوع یقیناً صحیح خبر کو مفید ہو سکتا ہے جواز وعدم جواز کا تعلق تو احکام شرعیہ سے ہے اس کے لیے مستقل دلیل کی حاجت ہے اور مانحن فیہ (زیر بحث مسئلہ میں) حرمت کے دلائل صریح و صحیح موجود ہیں پس حرمت کا حکم کیا جائے گا اور اسباب عادیہ پر مثلاً سحاب (بدلی)۔

سوال: مسلمان کو علوم نجوم پڑھنا کیسا ہے؟ اور نجومی نے جن لوگوں کی غیبی خبریں بتلا کر کچھ کمایا ہے شرعاً وہ کمائی کیسی ہے؟ بعض لوگوں کا مقولہ ہے کہ یہ علم حق تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو تعلیم کیا تھا اور نجومی جو آئندہ ہونے والے واقعات کی (جو کہ امر تقدیری ہے) نجوم کے قواعد سے خبر دیتا ہے یہ علم غیب میں شمار نہیں تو نجوم کے معتقدین مسلمان کا اس طرح عقیدہ رکھنا اور بیان کرنا شریعت میں کیسا سمجھا جائے

گا؟ (جیسے کہ بعض لوگ ہاتھ کی ہتھیلی وغیرہ دیکھ کر کچھ بتلایا کرتے ہیں)

جواب: چونکہ اس پر مفاسد اعتقادیہ وعملیہ مرتب ہوتے ہیں لہٰذا حرام ہے اور بعض اوقات مفضی بکفر ہیں اور ایسی کمائی بھی حرام ہے۔

اس مقولہ کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہ روایت ثابت نہیں۔ دوسرے وہ خاص قواعد سند صحیح سے منقول نہیں جس سے یہ کہا جائے کہ یہ وہی علم ہے تیسرے عام طور پر خود اہل فن اور دوسرے رجوع کرنے والے بھی کواکب کو متصرف وفاعل مستقل سمجھتے ہیں جو مثل عقیدہ علم غیب کے خود یہ عقیدہ فعل وتصرف کے استقلال کا شرک جلی اور منافی توحید ہے چوتھے جو علم بلا اسباب علم ہو وہ علم غیب ہے اور جو چیز اسباب علم سے نہ ہو اس کا سبب سمجھنا باطل ہے اور کواکب کا اسباب علم سے ہونا ثابت نہیں پس یہ اسباب علم نہ ہوئے تو ان کو اسباب سمجھنا باطل ہوا۔

پس ان کے ذریعہ سے جس علم کے حاصل ہونے کا دعویٰ کیا جارہا ہے وہ علم بلا اسباب ہوگا اور یہی علم غیب ہے پس اہل نجوم اس اعتبار سے مدعی علم غیب ہوئے اور ان کا مصدق (تصدیق کرنے والا) علم غیب کا معتقد ہوا پانچویں جس طرح عقیدہ باطلہ معصیت ہے اسی طرح عمل غیر مشروع بھی معصیت ہے اور نجومی اس سے خالی نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص: ۵/۳۹۸)

وغیرہ کے اس کا قیاس مع الفارق ہے اولاً تو اس کی صحت مشاہد، ثانیاً سبب مسبب میں وجہ ارتباط ظاہر، ثالثاً شرع میں بھی معتبر، رابعاً اس میں فتنہ اعتقادی یا عملی نہیں اور مقیس میں سب امور مفقود ہیں پس قیاس کرنا محض باطل ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص: ۵/۳۷۷)

عمل رمل:

سوال: علم رمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ احقر نے ایک رمل کی کتاب کے دیباچہ میں دیکھا ہے کہ مشکوٰۃ میں ایک حدیث شریف ہے جس سے علم رمل کا جواز ثابت ہوتا ہے آپ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

الجواب: یہ اس مصنف کی غلطی ہے اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک نبی کچھ لکیریں کھینچا کرتے تھے سو جس شخص کی لکیریں ان کے موافق ہوں جائز ہے۔ حدیث کا مضمون ختم ہوا۔ سو اول تو یہ ثابت ہونا مشکل ہے کہ اس سے مراد رمل ہے گو اس میں بھی لکیریں ہوتی ہیں مگر ممکن ہے کہ اور کسی علم میں بھی یہی ہوں۔

دوسرے اگر رمل ہی مراد ہو تو رمل متعارف کے ان خطوط کے موافق ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور جواز کی شرط یہی موافقت ہے اور وہ معلوم نہیں لہٰذا جواز کا حکم نہیں ہے اس لیے اس کی تعلیم و تعلم کو حرام کہا جائے۔ (امداد الفتاویٰ ص: ۴/۷۹)

علم قیافہ

ایک مرتبہ مولانا یعقوب صاحب نے علم قیافہ کا حاصل بیان کیا تھا کہ باطنی نفس پر حق تعالیٰ کسی ظاہری ہیئت کو علامت بنا دیتے ہیں تا کہ ایسے شخص سے احتیاط ممکن ہو یہ حاصل ہے علم قیافہ کا۔ مگر ایسے امور وعلامات کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ (افاضات الیومیہ ص: ۹/۷۴)

علم المغیبات، کسی ذریعہ سے مغیبات کا علم:

غیب کے دو معنی ہیں حقیقی اور اضافی۔ حقیقی وہ ہے جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہ ہو یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ۔ بندہ کے لیے اس کا حصول محال عقلی وشرعی ہے۔ غیب اضافی وہ ہے جو کسی ذریعہ سے بعض کو معلوم کرا دیا جائے۔

کسی (عمل) سحر یا کسی جن کے واسطے یا کسی نجومی یا کسی پنڈت کے واسطے سے کسی خبر کا یقین کر لینا خصوصاً جب کہ اس خبر سے کسی بری شخص کو متہم کر دیا جائے۔ ایسا شدید حرام ہے کہ کفر کے قریب ہے۔

جب ان ذرائع کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں اور جو ذرائع شریعت کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ان پر حکم لگانا کس درجہ سخت گناہ ہوگا جیسے حاضرات کرنا۔ چور کا نام نکالنے کے لیے لوٹا گھمانا۔ یا آج کل جو عمل مسمریزم شائع ہوا ہے یہ تو بالکل مہمل اور خرافات ہیں جن میں اکثر جگہ تو عامل کا دھوکہ ہی ہوتا ہے اور بعض عامل تو دھوکہ باز نہیں ہوتا مگر وہ خود دھوکہ میں ہوتا ہے اس کو ان اعمال کی حقیقت معلوم نہیں اول تو چور کا نام نکلنا اس عمل سے اس کا کچھ تعلق نہیں یہ عامل کے یا کسی صاحب مجلس کے خیال کا تصرف ہے اس کا سمجھنا مسمریزم کے جاننے پر موقوف ہے اور حاضرات وغیرہ جو عامل لوگ کیا کرتے ہیں وہ اگر سب نہیں تو اکثر اسی قبیل سے ہیں۔

پھر یہ کہ جو نام نکلتا ہے اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ جب چاہے آزما لیا جائے کہ ایک عامل کے عمل سے ایک شخص کا نام نکل آیا دوسرے کے عمل سے دوسرے شخص کا (بشرطیکہ دوسرے عامل کو اس نامزد چور کا علم نہ ہو)

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ سب تصرفات قوت خیالیہ کے ہیں تو جیسے کوئی شخص کسی واقعہ میں فکر وخیال کو صرف کر کے کوئی رائے قائم کرے بس اس سے زیادہ ان اعمال کی حقیقت نہیں۔

اور اس سے دھوکہ نہ ہو کہ بعض اعمال میں آیات قرآنیہ پڑھی جاتی ہیں بات یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت قوت خیالیہ کے یکسو کرنے کا محض حیلہ ہے ورنہ اصل فعل قوت خیالیہ کا ہے گو آیات نہ بھی پڑھی جائیں جب بھی وہ تصرفات ظاہر ہوتے ہیں اور اگر صرف آیات پڑھی جائیں اور خیال کو دوسری طرف متصرف کر دیا جائے تو ہر گز یہ تصرفات ظاہر نہ ہوں۔

اور اس سے دھوکہ نہ ہو کہ فلاں دفعہ (عمل) اس کے مطابق نکلا یوں تو آدمی کچھ بھی نہ کرے یوں ہی بکنا شروع کردے کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو ہی جاتی ہے اسی طرح ان خرافات میں اگر ایک دفعہ کوئی سچ بات نکلتی ہے تو سو دفعہ جھوٹ نکلتی ہے تو معتقدین اس ایک کا ذکر تو کرتے ہیں اور سو بار کا ذکر نہیں کرتے اور اگر کوئی یاد دلاتا ہے تو اتفاقی کہہ دیتے ہیں سچ ہونے کو اتفاقی کیوں نہیں کہہ دیتے یہ سب شیطانی حیلہ بازیاں ہیں۔ (اصلاح انقلاب ص:۲۲۶/۲، ص:۲۶/۱)

ایک صاحب نے حاضرات کا ذکر کیا کہ کسی کا واقعی لڑکا بھاگ گیا اس نے حاضرات کرائی تو سب نشان بتلادیئے اس پر فرمایا کہ حاضرات کوئی چیز نہیں محض خیال کے تابع ہیں مجھے اس کا پورے طور پر تجربہ ہے بالکل واہیات ہیں جس مجلس میں حاضرات کی گئی ہوگی اس میں ضرور کوئی شخص ہوگا جو اپنے خیال میں لڑکے کو ان پتوں کی جگہ جانتا ہوگا۔ (حسن العزیز ص:۲۹۹/۱)

(قوت خیالیہ میں وہ تاثیر ہے کہ) میں نے خود خیالیہ سے میز اٹھائی ہے اگرچہ یہ معصیت نہیں مگر فضول حرکت ہے اس لیے اس عمل سے ایسی ظلمت پیدا ہوئی کہ وہ ذکر و شغل سے بھی نہ گئی۔

(الافاضات الیومیہ ص:۲۵۵)

مسمریزم و علم التراب:

فرمایا: کہ مسمریزم کو عمل التراب کہتے ہیں کیونکہ زمین میں قوت برقیہ ہے بعض علماء اسی کے ذریعہ سے کلکتہ کا حال یہیں سے بیٹھے بیٹھے معلوم کرلیتے تھے بلکہ تار کے خبر رساں کا جو ذریعہ نکلا ہے وہ بھی یہی قوت برقیہ ہے جو زمین میں ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص:۲۵۵)

میں نے بلا واسطہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے سنا ہے کہ ایک شخص کو یہ خیال ہوتا تھا کہ شیر آیا اور کمر پر پنجہ مار گیا اس کے اس خیال سے پنجہ کا نشان کمر پر ہو جاتا تھا اور اس سے خون گرتا تھا مسمریزم کی یہی حقیقت ہے باقی ارواح وغیرہ کا آنا یہ سب فضول باتیں ہیں صرف خیال کی کرشمہ کاریاں ہیں۔

(حسن العزیز ص:۳۶۱/۲)

ایک شخص کی نظر چھجے پر پڑنے سے وہ چھجہ گر گیا تھا اور ایک شخص نے نظر کی مشق کی تھی وہ جہاز ڈبو دیتا تھا۔

''مسمریزم'' اس عمل کی حقیقت یہ ہے کہ قوت نفسانیہ کے ذریعہ سے بعض افعال کا صادر کرنا جیسے اکثر افعال قویٰ بدنیہ کے ذریعہ صادر کیے جاسکتے ہیں پس قوت نفسانیہ بھی مثل قویٰ بدنیہ کے صدور افعال کا ایک آلہ ہے۔

اور اس کا حکم یہ ہے کہ جو افعال فی نفسہا مباح ہیں ان کا صادر کرنا بھی جائز مثلاً جس شخص پر اپنا قرض

واجب ہو اور وہ ادائیگی کی وسعت بھی رکھتا ہو تو اس وقت سے اس کو مجبور کر کے اپنا حق وصول کر لینا جائز ہے اور جس شخص پر جو حق واجب نہ ہو جیسے چندہ دینا یا کسی عورت کا کسی شخص سے نکاح کر لینا اس کو مغلوب کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا حرام ہے یہ اس کا فی نفسہ حکم ہے اور ایک حکم عارض کے اعتبار سے ہے کہ اگر اس میں کوئی مفسدہ خارج سے منضم ہو جائے تو اس مفسدہ کی وجہ سے اس میں ممانعت ہو جائے گی۔

مسمریزم کی حقیقت اور اس کا حکم:

سوال: مسمریزم ایک علم ہے جس میں طبیعت کی اور نظر کی یکسوئی کی مہارت چند روز میں حاصل کی جاتی ہے پھر اس سے بہت سی باتیں حاصل ہوتی ہیں مثلاً کسی کو نظر سے بیہوش کر دینا، پوشیدہ اسرار پوچھنا وغیرہ ذلک۔ جیسے حکماء اشراقین کیا کرتے تھے اس کا حاصل کرنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب: چونکہ مشاہدہ سے اس پر مفاسد کثیر کا ترتب معلوم ہوا ہے جیسے انبیاء واولیاء کے کمالات کو اسی قبیل سے سمجھنا ان کے ساتھ مساوات ومماثلت کا دعویٰ یا زعم کرنا، عامل میں عجب پیدا ہونا، بعض اغراض غیر مباحہ میں تصرف سے کام لینا دوسرے عوام کے لیے گمراہی اور فتنہ کا سبب بننا وغیرہ ذلک۔ اس لیے یہ فن بالذات گو قبیح نہ ہو مگر عوارض ومفاسد مذکورہ کی وجہ سے قبیح لغیرہ کی قسم میں داخل ہو کر منہی عنہ اور حرام ہے چنانچہ ماہر اصول فقہ پر یہ قاعدہ مخفی نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص:۴/۷۰)

علم الارواح والحاضرات:

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے ذریعہ سے جب چاہیں مردہ کی روح کو بلا سکتے ہیں کیا یہ صحیح ہے فرمایا کہ بالکل غلط ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص:۲۸/۴۰۱)

البتہ ارواح کے تصرف کا احتمال گو نہایت نادر ہے مگر (باذن اللہ تعالیٰ) ممکن ہے اگرچہ عوام کے غلو پر نظر کر کے اس کی بالکلیہ نفی ان کے لیے اصلح (مناسب) ہے اور یہ استقرار ارواح فی البرزخ کے منافی نہیں (کیونکہ) وہ استقرار اصل عادت ہے اور کسی عادت کے سبب اذن الٰہی کے بعد اس سے انفصال خرق عادت ہے اور اس کا وقوع احیاناً متواتر المعنی ہے تفسیر مظہری میں بھی اجمالاً اس سے تعرض کیا ہے تحت قولہ تعالیٰ "بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ"۔ (امداد الفتاویٰ ص:۴/۵۵۸)

عجیب واقعہ:

جس زمانہ میں میں کانپور میں تھا اس زمانہ میں (مجھ سے متعلق) ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک شخص ایسا ہے کہ اس کے ذریعہ سے جس مردہ کی روح کو چاہیں لا سکتے ہیں مجھ کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی اور خود دیکھنا چاہا۔ اس شخص نے کہا میں ان آدمیوں کو جو اس عمل کو کرتے ہیں بلا کر لاؤں گا اور آپ کے سامنے یہ

عمل کراؤں گا چنانچہ وہ لوگ ہمارے پاس آئے یہ تین شخص تھے مگر ہم نے مدرسہ میں تو یہ شغل مناسب نہ سمجھا اس لیے ایک دوسری جگہ اس کام کے لیے تجویز کی اس مکان میں صرف چھ شخص تھے تین وہ عامل اور ایک میں اور میرے ساتھ ایک مدرسہ کے مہتمم اور ایک مدرس۔ عصر کے بعد یہ اجتماع ہوا ان عاملوں نے ایک میز پر اس طرح وہ عمل کیا کہ دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر میز پر رکھا اور متوجہ ہوئے تھوڑی دیر کے بعد خود بخود میز کا پایہ اٹھا۔ انہوں نے کہا لیجیے اب روح آ گئی ہے انہوں نے کہا تمہارا نام کیا ہے؟

معلوم ہوا کہ ''تجمل حسین'' کوئی آواز نہ تھی کچھ اصطلاحات مقرر تھیں ان سے سوالات کے جوابات معلوم ہو جاتے تھے اب لوگوں نے مبتدع شخص کے لڑکے کی روح کو بلوایا اور اسی تجمل حسین کی روح کو مخاطب کر کے کہا جاؤ اس شخص کی روح کو بلا لاؤ اور جب جانے لگو تو فلاں پایہ کو اٹھا جانا اور جب تم اس کو لے آؤ تو اپنے آنے کی اطلاع اس طرح کرنا کہ اس پایہ کو پھر اٹھا دینا چنانچہ فوراً پایہ اٹھا تو معلوم ہوا کہ روح کو لینے گیا ہے تھوڑی دیر کے بعد پایہ اٹھا معلوم ہوا کہ جس کی روح کو بلایا تھا وہ بھی آ گئی۔ اصطلاحوں میں اس لڑکے کی روح سے سوالات کرنے شروع کیے اس کی طرف سے اسی اصطلاحوں میں جوابات دیئے گئے۔ اب ہم ناواقف لوگ بڑی حیرت میں تھے کہ کیا معاملہ ہے۔

ان لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ آپ جس شخص کی روح کو بلوانا چاہیں تو ہم سے فرمایئے ہم اس شخص کی روح کو بلوادیں گے چنانچہ میں نے حافظ شیراز رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو بلوایا وہی ''تجمل حسین'' ''سب روحوں کو بلا کر لاتا تھا چنانچہ اسی طرح پایہ پھر اٹھا معلوم ہوا کہ حضرت حافظ صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں۔ میں نے کہا السلام علیکم اصطلاح میں جواب ملا وعلیکم السلام پھر ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ کلام پڑھئے ان کی روح خوش ہوگی چنانچہ میں نے ان کی غزل " الایا ایها الساقی الخ'' پڑھی تو میز کا پایہ بار بار اور جلدی جلدی اٹھنے لگا اس سے یہ سمجھا جانے لگا کہ گویا حافظ صاحب کی روح اپنا کلام سن کر خوش ہو رہی ہے اور وجد میں آ رہی ہے ہم لوگ بڑے تعجب میں تھے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا نماز پڑھنے کے لیے اٹھے۔ ہم تینوں نے آپس میں گفتگو کی یہ کیا بات ہے؟ اخیر میں یہ قرار پائی کہ یہ سب کرشمے قوت خیالیہ کے معلوم ہوتے ہیں اب اس کا یہ امتحان کرنا چاہیئے کہ جب وہ لوگ عمل کرنے لگیں تو ہم تینوں یہ خیال کر کے بیٹھ جائیں کہ پایہ نہ اٹھے مہتمم صاحب بولے کہ وہ لوگ مشاق ہیں ہم لوگوں کی کوشش ان لوگوں کے مقابلہ میں کیا کارگر ہو سکتی ہے میں نے کہا تم ابھی سے ہمت نہ ہارو نہیں تو کچھ بھی نہ ہو سکے گا یہی سمجھنا چاہیے کہ ان کے خیال پر ہمارا خیال ضرور غالب آئے گا امتحان تو کرنا چاہیے چنانچہ ہم لوگ یہ مشورہ کر کے پھر مغرب کے بعد پہنچے اور ان لوگوں سے کہا کہ اس وقت پھر اپنا عمل دکھلاؤ انہوں نے پھر عمل کرنا شروع کیا ادھر ہم تینوں یہ خیال جما کر بیٹھ گئے

کہ پایہ نہ اٹھے چنانچہ ان لوگوں نے بہت کوشش کی اور بہت زور لگایا کہ پایہ اٹھے مگر کچھ نہ ہو سکا وہ لوگ بڑے شرمندہ ہوئے اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ سب قوت خیالیہ کے کرشمے ہیں۔

پھر اگلے روز ہم نے خود تجربہ کیا اور اسی طرح ہاتھ رگڑ کر میز پر رکھے اور ہم تینوں یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ فلاں پایہ اٹھے چنانچہ وہی پایا اٹھا پھر یہ سوچا کہ اب کی مرتبہ فلاں فلاں دو پایہ اٹھیں چنانچہ وہ دونوں اٹھے پھر تیسرے پایہ کا خیال کیا تو وہ بھی اٹھنے لگا لیکن ان دونوں میں سے جو پہلے کے اٹھے ہوئے تھے ایک پایہ نیچے گر گیا تینوں ایک ساتھ نہ اٹھ سکے اس کے لیے زیادہ قوت کی ضرورت تھی پھر ہم نے میز پر بجائے ہاتھ کے انگلی رکھ کر اسی طرح پائے اٹھائے پھر اس میز کے اوپر دوسری میز رکھی اور اس پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچ کر کھڑے ہو گئے کہ اوپر والی میز کا فلاں پایہ اور نیچے والی میز کا فلاں پایہ اٹھ جائے چنانچہ اسی طرح اٹھ گئے غرض جس طرح چاہا اسی طرح پائے اٹھ گئے اب ہمیں پوری طرح اطمینان ہو گیا۔

پھر ہم نے اسی قاعدہ کے موافق میز کو یہ خطاب کیا کہ اگر تجھ میں کوئی روح آتی ہے تو ایک بار فلاں پایہ اٹھے اگر نہیں آتی تو دوبارا اٹھے چنانچہ دوبارا اٹھا تو خود انہیں کے قاعدہ سے روح آنے کا غلط ہونا ثابت ہو گیا۔

اصل بات یہی ہے کہ یہ سب تصرفات خیال کے ہیں دوسری بات یہ سمجھنا چاہیے کہ جب خزانہ خیال میں کوئی چیز آجاتی ہے تو اس کے آجانے کا اگرچہ علم نہ ہو مگر اس کا اثر بھی عامل کی متخیلہ (قوت خیال) کے ذریعہ سے معمول پر بعض مرتبہ ایسا ہی پڑتا ہے۔ جیسا اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب عامل کو اس چیز کا ادراک یعنی علم العلم حاصل ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ سب کرشمے قوت خیالیہ کے ہیں اس میں کسی روح کو دخل نہیں۔ یہ سب اس عامل کی قوت متخیلہ کا اثر ہوتا ہے اگر دو شخص ایک جگہ جمع ہوں تو ایک کے ذہن میں جو خیال ہوتا ہے وہ دوسرے کے ذہن میں پہنچ جاتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص:۲۰۱ تا ۲۰۶/۸۔ حسن العزیز ص:۱۵۱ تا ۱۵۳ ملفوظ نمبر ۱۳۵)

ہمزاد و علم التسخیر دست ترغیب:

''ہمزاد'' کا لفظ تراشا ہوا ہے البتہ جنات کا کسی عمل سے مسخر ہونا صحیح ہے۔ (امداد الفتاویٰ) ہمزاد وغیرہ کوئی چیز نہیں محض قوت خیالیہ کے اثر سے کوئی روح خبیث شیطان مسخر ہو جاتا ہے اس سے کام اس کے احرار (آزاد) پر اکراہ و جبر ہونے کی وجہ سے جائز نہیں جیسے کوئی رئیس کسی چمار سے جبراً کام لے یہ جائز نہیں خصوصاً ایسے کام، کہ روپیہ لاؤ کھیر لاؤ وہ جن کسی کی اٹھا لاتا ہے۔ یہ دو وجہ سے ناجائز ہے ایک جبر علی الغیر کی حرمت کی وجہ سے، دوسرے اتلاف مال غیر کی وجہ سے۔ (حسن العزیز ص:۳۸۹)

بعض لوگ جنات کو عمل سے مسخر کر لیتے ہیں اور خوب ان سے کام لیتے ہیں مگر شریعت میں یہ جبر ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ (حسن العزیز ص:۱۶۳)

"دست غیب" (دراصل) جنات کے واسطے سے چوری ہے لہٰذا حرام ہے۔

(حسن العزیز ص:۱۶۳)

دست غیب میں ہوتا یہ ہے کہ جنات اس کام پر مسلط ہو جاتے ہیں سو بعض عمل میں تو وہی روپیہ جس کو یہ خرچ کر چکا ہے وہ جہاں بھی ہو وہاں سے اٹھا لاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ سے ان کے ہاتھ آئے نکال لاتے ہیں۔ سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اس کام کے لیے آدمیوں کو نوکر رکھے کہ چوری کر کے مجھے دیا کرو اس نے یہی کام جنات سے لیا اور چوری کے ناجائز ہونے سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ ممکن ہے کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہیں تو چوری کہاں ہوئی سو اول تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لائیں تب بھی ظاہر ہے خوشی سے نہیں لاتے ورنہ اوروں کو لا کر کیوں نہیں دیتے محض جبر عمل سے لاتے ہیں تو کسی کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجھ کو دے دو حرام ہے۔

اور اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا سمجھ میں آجائے گا یعنی کسی آدمی سے جو نہ اس کا شرعی غلام ہو، نہ نوکر ہو، نہ زیر تربیت ہو، کوئی کام جبراً لیا جائے گو وہ کام گناہ کا نہ ہو تو یہ ظلم اور تعدی ہے اس عالم نے اسی طرح اس جن سے کام لیا ہے جو عمل واقعہ افک میں قرآن کا ارشاد اس پر شاہد ہے۔ **"فلولا اذ جاؤھم الایۃ"**

جس تفاؤل (فال لینے) کی اجازت ہے اس کی حقیقت صرف رجاء (امید) کی تقویت ہے ایک ضعیف بنیاد پر جو اس کے بغیر بھی مامور بہ ہے نہ کہ استدلال اور اس درجہ میں قرآن سے بھی فال لینا جائز ہوگا۔

فال وغیرہ کی بنیاد پر کسی مسلمان سے بدگمان ہو جانا اور کسی قول یا فعل یا غیر مشروع خیال کا مرتکب ہو جانا اور یہ خاص خرابیاں ہیں اس عمل فال میں غرض فال نکالنے کا عمل مروجہ طریقہ پر بالکل مذموم ہے۔

اور جس فال کا جواز ثابت ہے اس میں اعتقاد یا اخبار نہیں بلکہ کلمات خیر سے رحمت کی امید ہے یہ ویسے بھی مطلوب ہے۔

یعجبہ الفال الصالح (نیک فالی کو پسند فرماتے تھے) اور اکابر سے جو فال ثابت ہے اس کی اصل صرف اتنی ہے کہ کسی شخص کو کچھ تشویش یا فکر ہے اس وقت اتفاق سے یا کسی قدر قصد سے کوئی لفظ خوشی و کامیابی کا اس کے کان میں پڑا یا نظر سے گزرا تو رحمت الٰہیہ سے جو امید (کرنا) ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کو پہلے سے بھی تھی وہ اس لفظ سے اور قوی ہو گئی پس اس کا حاصل تقویت رجاء رحمت (یعنی رحمت کی امید کو قوی کرنا) ہے اس سے آگے اختراع اور ابتداع میں تفاؤل کو مؤثر نہیں سمجھتا اور نہ ایسا سمجھنا جائز ہے مگر محض تقویت رجاء (امید کی قوت) کے لیے تفاؤل کیا جاتا ہے۔ (اصلاح انقلاب ص:۶۳)

(تطیر) بدفالی سے اثر نہ لینا چاہیے اس لیے کہ وہ یاس (ناامیدی) ہے بخلاف نیک فال کے کہ وہ

رجاء (امید) اور رجاء کا حکم ہے یہ فرق صالح میں مقہور ہو چکا ہے۔

اور یہ وسوسہ (خیال) تو جاہلانہ ہے کہ اسماء کلمات الٰہیہ (آیات قرآنیہ) سے عمل چلانا کیسے گناہ ہو گیا؟ دیکھئے اگر کوئی شخص بڑا مجلد قرآن زور سے کسی کے سر پر اس طرح مار دے کہ وہ مر جائے تو کیا قتل جائز ہو جائے گا اس وجہ سے کہ قرآن مقدس کے واسطے سے ہوا ہے؟ اور کیا عدالت اس پر دارو گیر نہ کرے گی اس نے تو قرآن سے مارا ہے اس لیے مجرم نہیں بس اس سے اسی کو بھی سمجھ لیجئے۔ (بوادر النوادر ص:۳۹۵)

ہمزاد کا صحیح مفہوم:

ہمزاد سے مراد یہ نہیں کہ اس کے ساتھ اس کی ماں کے پیٹ سے پیدا ہو بلکہ انسان کے مقابلہ میں ایک شیطان بھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے جو صرف تولد میں اس کا مشارک ہے اسی بناء پر اس کو ہمزاد کہہ دیا نہ عمل میں مشارک ہے نہ زمان تولد میں۔ (اصلاح انقلاب ص:۲/۹۴)

علم الفال والطیرۃ:

اہل فال (فال نکالنے والے) کبھی قرآن سے اپنے خاص احکام خبریہ یا انشائیہ پر استدلال کیا کرتے ہیں (جیسے آج کل رسالوں میں جنتریوں میں فالنامہ قرآنی مروج ہے) محققین علماء نے ایسے تفاؤل کو حرام کہا ہے **کما فی الفتاوی الحدیثیة لا بن حجر الهیثمی** ص:۲۴۱

مثلاً اگر کسی شخص جس کا نام زید ہو اس کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا اور اس کو شک ہو کہ نامعلوم اس کا کیا انجام ہوگا یا یہ شک ہو کہ مجھ کو اس میں کیا کرنا چاہیے اور وہ قرآن پاک سے تفاؤل کرے اور اتفاق سے اس میں سورۂ احزاب کی آیات جو زید بن حارثہ کے باب میں نازل ہوئی ہیں نکل آئیں اور اس سے وہ اپنے انجام پر استدلال کرے کہ جدائی ہوگی یا اس مشورہ پر استدلال کرے کہ اس سے جدائی کر لینا مناسب ہے اور واقع میں بھی ایسا ہو گیا۔ یہ استدلال صحیح ہے؟ اور کیا قرآن سے اس خبر یا انشاء کی صحت کا اعتقاد جائز ہوگا؟ اسی وجہ سے محققین علماء نے ایسے تفاؤل کو حرام کہا ہے۔ (بوادر النوادر ص:۳۹۵)

(چونکہ) توکل کے بعض مراتب یعنی اعتقادی توکل فرض اور شرائط ایمان میں سے ہے اور طیرۃ (یعنی بدفالی) اس توکل کے خلاف ہے اس لیے حرام اور شرک کا شعبہ ہے جیسا کہ اوراحادیث سے معلوم ہوتا ہے اور جس فال کا جواز ثابت ہے اس میں اعتقاد یا اخبار (خبر دینا) یا طلب کرنا نہیں بلکہ کلمات خیر سے رحمت کی امید ہے جو ویسے ہی مطلوب ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص:۸۷ / ۵/۳، ص:۱۰۵/۴)

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ از روئے احادیث کسی چیز سے نیک فال لینا تو درست اور جائز ہے مگر بد فالی لینا درست نہیں فرق کی وجہ یہ ہے کہ نیک فال کا حاصل زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اپنا مقصد پورا کرنے کی قوی امید ہو جائے گی اور بندہ بھی اس کا مامور ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور تمنا

کی قبولیت کی امید رکھے نیک فال سے اس رجاء کی تقویت ہوگئی اس لیے اس میں کوئی شرعی محذور نہیں بخلاف بدفالی کہ اس کا حاصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مایوسی اور قطع رجاء (امید کو ختم کرنا) ہے اللہ سے رجاء (یعنی امید) ختم کرنا حرام ہے جو چیز اس کا سبب ہے وہ بھی ناجائز ہے جب تک شر کے لیے کوئی دلیل نہ ہو حسن ظن مامور بہ ہے اور بدگمانی ممنوع ہے غرض حسن ظن کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں۔ عدم الدلیل علی خلافہ (یعنی اس کے خلاف دلیل نہ ہونا) کافی ہے اور بدگمانی بغیر دلیل کے جائز نہیں۔ کہ وہ جائز ہے اور طیرہ یعنی فال بد میں کہ وہ ناجائز ہے ورنہ تاثیر کا اعتقاد دونوں جگہ ناجائز ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص:۱۴۳/۱۰)

علم التصرف والتوجہ:

مشائخ میں قوت تصرف اکثر مجاہدات وریاضات نفسانیہ سے پیدا ہوتی ہے جیسے کشتی لڑنے کی قوت جسمانی ریاضت (ورزش وغیرہ) سے پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات کسی کسی شخص میں فطرۃً بھی ہوتی ہے مگر یہ صورت بہت قلیل ہے۔

اس کا فقہی حکم یہ ہے کہ فی نفسہ جائز اور مباح ہے پھر غرض ومقصود کے تابع ہے۔ یعنی اگر کسی محمود غرض کے لیے استعمال کیا جائے جیسے تصرفات مذکورہ جو مشائخ صوفیہ کے معمول ہیں تو یہ فعل بھی (تبعاً للغرض) محمود سمجھا جائے گا اور اگر کسی مذموم مقصد کے لیے اس کا استعمال کیا جائے تو یہ فعل بھی مذموم ہوگا پھر مذمت وکراہت میں جو درجہ، اس کی غرض اور مقصد کا ہوگا اسی کے مطابق اس فعل کی مذمت وکراہت میں کمی بیشی ہوگی جیسے کشتی لڑنا اپنی ذات میں مباح ہے اور حکم میں اپنی غرض کے تابع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دونوں قسم کے تصرفات باعتبار ذات اتحاد نوعی رکھتے ہیں اور باعتبار متعلقات کے ان میں صنفی تفاوت ہے اور ہر حال میں یہ تصرف کوئی دینی کمال نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ومقرب ہونے کی علامت ہے بلکہ ہر مشق کرنے والا اپنے اندر یہ قوت پیدا کرسکتا ہے اگرچہ فاسق کافر ہی کیوں نہ ہو جیسے بہت سے جوگیوں کے قصے مشہور ہیں۔ (بوادر النوادر ص:۷۸۵)

تمت تحفة العلماء (جلد اول)